یادگار حضرت مولانا محمد قاسم النانوتوی بانی دار العلوم دیوبند

القاسم

دور جدید

جلد ۴ نمبر ۲-۳

صفر المظفر و ربیع الاول ۱۳۴۷ھ

دار العلوم دیوبند کا علمی، مذہبی، اخلاقی، تمدنی، تاریخی ماہوار رسالہ

(زیر ادارت)

فخر الہند حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب ناظم دار العلوم دیوبند

(باہتمام)

خاکسار طاہر بن احمد القاسمی نائب المدیر عفی عنہ

مطبع قاسمی دیوبند میں طبع ہو کر

دفتر القاسم دار العلوم دیوبند سے شائع ہوا

قیمت سالانہ دو روپیہ آٹھ آنہ ( ) مع محصول ڈاک
فی پرچہ ۴/

فہرست مضامین رسالہ القاسم بابت ماہ صفر المظفر و ربیع الاول ۱۳۴۷ھ

بیادگار حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب قدس اللہ سرہٗ

بانی دار العلوم دیوبند

زیر سرپرستی

قدوۃ الانام حضرت مولانا الشاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی و حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب صدر مہتمم و حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی و دیگر مقدس و مقتدر علماء، دیوبند سے شائع ہوتا ہے

صفر و ربیع الاول کا یکجائی نمبر

دار العلوم نمبر میں یہ اطلاع کی گئی تھی کہ ماہ صفر کا پرچہ بوجہ دار العلوم نمبر کی مصروفیت اور دیگر عوارض کے بجائے ۱۵ ر صفر کے یکم ربیع الاول کو شائع ہوگا لیکن صفر کے پرچہ کی تیاری کے وقت یہ خیال پیدا ہوا کہ اس صورت میں رسالہ مسلسل ایک ماہ کی تاخیر سے شائع ہوا کرے گا جو کسی طرح مناسب نہیں ہے اس لئے صفر کے پرچہ میں صفحات کا اضافہ کرکے صفر و ربیع الاول دونوں مہینوں کے پرچوں کو اکٹھا شائع کیا جاتا ہے صفر ربیع الاول کے دو پرچے ۸۰ صفحہ کے ہیں اس سے پہلا نمبر ۸۰ صفحون کا تھا گویا تین نمبروں میں کارکنان القاسم نے ۴۰ صفحہ ماہوار کے حساب سے ۱۲۰ صفحہ پیش کئے۔

(نیازمند)

ناظرین القاسم رسالہ کی توسیع اشاعت میں پوری سعی فرمائیں۔

(طاہر بن احمد القاسمی کان اللہ لہٗ)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

حالات حاضرہ

عربی زبان حاصل کرنے کی طرف مسلمانون کو اسوقت تک کامل توجہ رہی جبتک حکومت اسلامی کی پنا ہی اسکی ساتھ رہی مدرسہ نظامیہ بغداد میں جو عروج اس الٰہی زبان کو دیا گیا تاریخ کے صفحات ان کو پکار رہے ہین لیکن جب سے حکومت اسلامی کا زوال ہوا اور ترقی دنیا و ترقی اُردو وانگریزی کا سودا دماغون کے پردونمین سمایا اسوقت سے تو مسلمانون کی ذہنیت یہ ہی کہ قرآن بھی اُردو یا انگریزی زبان مین پڑھا جانا چاہیے۔

اس کا مطلب خدا کے لئے یہ نہ سمجھا جائے کہ میں انگریزی زبان حاصل کرنیکا مخالف ہون یا ترقی اردو کا دشمن ہون نہین نہین اپنے اپنے موقع و محل مین یہ سب چیزیں محمود و مستحسن ہین ہان یہ ضرور ہی کہ عربی کے موقع و محل میں اگر انگریزی واردو کو کوئی رکھے یا عربی کو ضروری نہ سمجھے تو یہ فعل اس کا ضرور مذموم و غیر محمود ہی۔

آہ یا تو وہ دور تھا کہ قرآن عزیز کے الفاظ و معانی سے ہزارون سینے معمور تھے برکات قرآنی سے سیکڑون دل منور تھے اسکے پاکیزہ الفاظ و معانی کا حفظ مسلمانون کا مخصوص شعار تھا یا بے توجہی کی حالت یہ ہے کہ اگر کسی شہر میں کوئی حافظ قرآن ہوجاتا ہی تو لوگ تعجب کرتے ہین۔ کوئی مفسر اگر کسی شہر مین پیدا ہوجاتا ہی تو اسکو نادر چیز سمجھا جاتا ہے۔

فی الحقیقت یہ ایک ایسا ابتدائی فریضہ تھا کہ اسپر کوئی تعجب نہونا چاہیے تھا۔ یہ بعینہ ایسی ہی بات ہے جیسے آجکل کہا کرتے ہین کہ فلان شخص بڑا صوم وصلوٰۃ کا پابند ہی حالانکہ کوئی مسلمان ایسا نہونا چاہیے جو صوم صلوٰۃ کا پابند نہو اور یہ کوئی غیر معمولی بات نہ تھی لیکن ہماری بداعمالی نے اسے بھی غیر معمولی چیز بنا دیا۔

الغرض ایک دور وہ تھا کہ صحابہ کرام اوران کے سچے جانشین جہان گئے وہان عربی زبان مادری زبان پر غالب آگئی یا یہہ حال ہی کہ عربی زبان کا سیکھنا قیامت نظر آتا ہی۔ اسمین کوئی شک نہیں کہ عربی سے وحشت اسلئے زیادہ ہوگئی ہے کہ حکومت وقت کیطرف سے کامل پشت پناہی نہین ہی تاہم جن قلوب مین اسکا احساس ہی افسوس ہی کہ وہ بھی خیال کے درجہ سے گذر کر عمل مین نہین آتا۔ ایسے حضرات کا اعتراض ہی کہ عربی نصاب طویل ہی بہت مشکل ہی دل و دماغ پر بہت بوجھہ پڑتا ہی۔ ہم اُن کے اعتراض کو تسلیم کرکے عرض کرتے ہیں کہ کیا انگریزی کی لمبی چوڑی ڈگریاں حاصل کرنے میں عمر کا قیمتی حصہ صرف نہین کر دیا جاتا دس دس پندرہ پندرہ سال ضائع نہیں کر دیے جاتے اصلی بات وہی ہے کہ عربی بیچاری کا کوئی قدر کرنے والا نہیں ہے نہیں تو آج ہزارون عربی مدارس ہوتے اور ہزارون کی تعداد میں طلبا نظر آتے۔ عالمگیر رحمتہ اللہ بڑے ہی علما کے قدردان اور علم دوست بادشاہ تھے ان کی دلچسپی کا اندازہ صرف اس سے ہو سکتا ہی کہ وہ اکثر علماء ہی کے وضع میں رہتے تھے ان کے زمانہ کا ایک واقعہ اس موقع پر قابل ذکر ہے۔

عالمگیر رحمتہ اللہ کسی جگہ تشریف لے جا رہے تھے ایک مولوی صاحب کو دیکھا کہ نہایت تنگی کی حالت میں ہیں پوچھا تو معلوم ہوا کہ جو جواہر علمیہ ان کے پاس ہین ان کا کوئی خریدار ہی نہین ملتا عالمگیر نے انہے دلاسہ دیا اور کچھ مدت بعد جب دربار ہوا تو حکم دیا کہ ہر رئیس و وزیر ہر دن ایک ایک وقت کی وضو کرایا کرے چنانچہ باری باری سے امرا اس حکم کی تعمیل کرتے وضو کراتے وقت عالمگیر رحمتہ اللہ نے پوچھنا شروع کیا کہ وضو مین سنتین کتنی ہین اور فرض کتنے ہین۔ نماز کے مستحبات و فرائض کسقدر ہین۔

اب بتلائے کون پڑھا ہوتا تو بتلاتے چُپ رہنے کے سوا چارہ ہی کیا تھا وضو کرا کر بمشکل گھر پہنچے تو امرا نے حاشیہ نشینون سے کہا کہ کوئی مولوی صاحب بھی اس شہر میں رہتے ہیں ہمین ان سے کچھ پڑھنا اور سیکھنا ہی۔ پھر تو وہ قصہ ہو گیا ایک ا

وصد ہزار شہر مین ڈھونڈے سے کوئی مولوی نہ ملتا تھا، ہر شخص اس کا متمنی تھا کہ کسی طرح مجھے دینی مسائل سے واقفیت پیدا ہوجائے اصلی بات یہ ہے کہ دنیاوی علوم کا نفع اور ان کے ثمرات چونکہ ظاہری ہین اور محسوس ہین اس لئے ان کی طرف توجہ ہے اور دینی علوم کا چونکہ کوئی ثمرہ عاجلہ نہین ہے اور ضروریات زندگی کے پورا ہونیکا اس سے چونکہ کوئی بھروسہ نہین ہے اسلئے کوئی توجہ بھی نہین ہے. اور بات تو حقیقت مین یہ ہے کہ ہم خدا کے بندے نہیں ہیں بلکہ پیٹ کے بندے ہین۔

ہمارا تعلیمی انتشار اپنی تاثیر میں سم قاتل سے کہیں بڑھا ہوا ہے۔ ہمارا جہل تمام دنیا کی نحوستون سے کہیں زیادہ تباہی خیز ہے ہماری حالت بڑی ہی عبرت کے قابل ہے۔ کچھ سمجھ مین نہیں آتا کہ ہمارے مرض کا اصلی درمان ہم کو کب ملے گا کس کی معرفت میسر آئے گا۔

ایک جماعت مسلمانون میں وہ ہے جو مذہبی تعلیم کیطرف سے بے توجہی کا نوحہ کر رہی ہے، دوسری جماعت وہ ہے جو دینوی تعلیم واقتصادی حالت پر آہ وبکا کر رہی ہے لیکن مصیبت یہ ہے کہ مذہبی تعلیم کے دلدادہ اپنی تعلیم کے سوا سب کو غیر ضروری قرار دیتے ہین چاہتے ہیں کہ کل توجہ ہمیشہ اسی طرف رہے دینوی تعلیم کے حامل چاہتے ہین کہ ساری توجہ ہماری ہی طرف رہے باقی جو کچھ ہے وہ سب غلط ہے اس غلو نے مسلمانون کا بڑا ہی ستیاناس کر رکھا ہے اس تعلیمی انتشار نے ہمین جملہ علوم دین و دنیا سے محروم کر رکھا ہے اس طرف کوئی جماعت توجہ نہیں کرتی کہ علم دین و دنیا کے دو مکمل جامع نصاب مشترک ومتحدہ سعی سے تیار ہونا چاہئیں اور امت مسلمہ کے بچون کی ابتدائی عمر کے حصص مقرر کردئے جائین مثلاً ساتے سال سے دس سال تک قرآن مجید پڑھایا جائیگا، دسوین سال سے مثلاً پندرہ سال تک یا بیس سال تک دینی تعلیم سے فارغ کر دیا جائیگا، بیسوین یا پندرھوین سال سے مثلاً انگریزی ودیگر ضروری علوم دینویہ سے اسکو بہرہ مند کیا جائیگا۔ پھر دینی تعلیم فلان فلان جگہ حاصل کریگا اور دینوی تعلیم فلان فلان جگہ حاصل کریگا اور اس کا خلاف جرم سمجھا جائیگا۔

آجکل ایک مصیبت اور بھی ہے جس نے مسلمانون کو علم سے دور کر رکھا ہے اور وہ یہ ہے کہ ہر درسگاہ اسکی مدعی ہے کہ دینی و دنیوی تعلیم ہماری یہان سے بہتر کہیں نہیں ہوتی لیکن اگر تقسیم کار کے اصول سے مسلمان فائدہ

اٹھاتے تو پھر تعلیم دین و دنیا کے حامیون کو بھی امداد مین سہولت ہوتی ایک نظر اگر معاونین کی تعلیم دنیوی کی ضرورت پر ہوتی تو دوسری نظر تعلیم دینی کی ضرورت پر ہوتی مگر مشکل یہ ہے کہ ایک جماعت ایک دوسرے کے مقاصد کو غیر ضروری قرار دیکر اپنے اپنے کام کو خراب کر رہی ہے۔

سب سے پہلا مسئلہ اگر کسی قوم کی ترقی و عروج کا ہے تو وہ تعلیم ہے اور علم ایک ایسا جامع لفظ ہے جو حیات مستعار حیات جاودانی دونون مین راہ نمائی کرنیوالا ہے لیکن افسوس ہے کہ مسلمان اس مسئلہ کو بھی صاف نکر سکے اور آئندہ کسی بھی توقع ایک فضول سی چیز معلوم ہوتی ہے۔ غرض علم ہم سے دور ہے حکمت ہم سے متنفر ہے عبادت ہم سے کنارہ ہے معاشرت ہماری خراب ہے لیکن باوجود اس کے دعوی ہمارا یہ ہے کہ خدا ہمارا ہے ہم خدا کے ہین زمین ہماری ہے آسمان ہمارا ہے ہندوستان ہمارا چین و عرب ہمارا دعوی یہ ہے اور عمل وہ ہے۔ بہ بین تفاوت رہ از کجا است تا بکجا۔

مسلمانون کے پستی کی اصل ان کا جہل ہے اور یہ بیماری ان کی بہت کہنہ ہوتی چلی جا رہی ہے خصوصاً غدر کے بعد سے یہ مرض جہل بلوں کسطرح جسم مسلم مین دوڑتا ہوا چلا جا رہا ہے۔ غدر کے بعد کی نسلون مین فیصدی بہت کم افراد ایسے نکلینگے جو اس مرض سے خالی ہونگے جب ہماری قوم میں علم ہی نہین ہے تو سمجھ لیجئے کہ معاشرت اور تبلیغ کیسے ہو سکتی ہے جب علم ہی نہوگا تو کوئی عمل کیسے کریگا دوسرون سے کیسے عمل کرا سکیگا جب کوئی نمونہ ہی نہوگا تو اُسپر سے چربہ کیسے اُتر سکیگا۔ جب فوٹو کا شیشہ ہی نہوگا تو کاپی فوٹو کی کیسے لیجا سکے گی۔ علی گڈھ کالج اور دار العلوم دیوبند غدر کے بعد جاری ہوتے تو معلوم ہمارا کیا حشر ہوتا؛ مسلمانون کی تعلیم کا حال تو یہ ہے اب معاشرت کا حال سنئے۔

ہم مین جو اٹھتا ہے بقول شخصے باون گز ہی اُٹھتا ہے۔ دنیا بھر کے لہو و لعب مین ہمارا ممتاز حصہ ہے۔ قمار بازی، بٹیر بازی مرغ بازی ہر بازی میں ہم سے کوئی بازی نہیں لیجا سکتا ہان علم کے نام سے ہمکو جاڑہ چڑھتا ہے کسب ہنر کو ہم عار سمجھتے ہین جس سے ہم کوسون دور ہین ہماری ہزار روپیہ میں برکت نہیں دوسرے دھیلے اور پیسون سے ہزارون کماتے ہین ہم گھٹنے توڑ کر بیٹھ رہنے کی عادت ہے غیرون کے یہان اس سے بڑھکر بڑی ہی کوئی شے نہین ہے اخلاق فاضلہ عرصہ ہوا نسل سے مٹ چکے رذائل نے ہمارے نطفون مین ڈیرے ڈالدئے اب ہم میں ولی اور انسان کیسے پیدا ہون ہمارے دماغ ماؤف ہیں ہماری عقلین گناہون کی سیاہی سے غبار آلود ہین پھر ہمیں دنیا کی نعمتون کی پہچان کیسے ہو پھر ہم

خدا کی بنائی ہوئی مخلوق میں بصیرت کیسے پیدا ہو ہم جہاں بستے ہیں گویا نحوست ہماری پاسبانی کرتی ہے۔ ہم جہاں آباد ہیں گویا افلاس وہاں کا چوکیدار ہو گیا ہے۔ اب ہماری معاشرت کا معیار یہ ہے کہ جو بچہ آوارہ ہوگا سمجھلو کہ وہ مسلمانوں کا ہے اور جو بچہ تعلیم و ہنر میں لگا پاؤ تو جان لو کہ وہ غیر مسلم ہے۔

تبلیغ جو ہر زندہ قوم کا ایک دائمی زیور اور زندگی کا ہتھیار ہے اسکی حالت یہ ہے کہ لاکھوں مربع میل میں بسنے والے خدا کے پیدا کئے ہوئے بندوں کو آجتک یہ بھی معلوم نہو سکا کہ ہمارے پیدا کرنے والے نے ہم سے کیا چاہا ہمیں اس نے کیوں پیدا کیا ہمارا مالک کون ہے؟ ہم اسے کیونکر پکاریں؟ کیونکر اس سے رشتہ قائم کریں، انصاف سے بتاؤ کہ آج ہم ہیں کہ ہیں، ہمارے بعضے دردمند مسلمان اپیل کیا کرتے ہیں کہ کم سے کم ہندوستان میں ایکہزار مبلغ ہونے چاہئے کہ نبی علیہ السلام سے دریافت کرو کہ وہ کسقدر مبلغ چاہتے ہیں سو وہ فرماتے ہیں الا فلیبلغ الشاہد الغائب جس کا حاصل یہ ہے کہ۔

تم میں کا ایک فرد بھی ایسا نہونا چاہیئے جو مبلغ اور داعی نہو یہ تو موٹی سی بات ہے کہ کبھی کوئی حاضر ہوتا ہے کبھی غائب تو پھر ایک بھی مسلمان ایسا نہونا چاہیئے جو مبلغ نہو اور مبلغ ہر مسلمان کیونکر ہو سکتا ہے صرف اسطرح ہو سکتا ہے کہ طلب العلم فریضۃ علیٰ کل مسلم و مسلمۃ پر صحیح طور سے عمل کیا جائے معاشرت کی خرابیوں کو دور کیا جائے اس صورت سے ہر مسلمان مبلغ نہیں بنسکتا کہ اسٹیج پر تقریر کرنے کی مشق کرے اور لیڈری کا تمغہ حاصل کرنے کی ہوس رکھے۔

موجودہ بناءمنان تبلیغ کا یہ خیال ہے کہ اب تبلیغ مسلمانوں میں عالمگیر صورت اسی وقت اختیار کر سکتی ہے جبکہ کثیر سرمایہ ہو اور بہت سے آدمی اس کام کیلئے کھڑے ہوں چنانچہ اسی نظریہ کے ماتحت جگہ جگہ انجمنیں بنائی جاتی ہیں لیکن وہ تھوڑے عرصہ میں ناقدردانی اور غلط طریق کار ہونے کی وجہ سے نذر اجل ہو جاتی ہیں اور کیوں نہوں جب کہ ہر انجمن قائم ہوتے ہی مرکزیت کا خواب دیکھنے لگتی ہے طلب الکل فوت الکل کے قاعدہ سے انجام اس کا یہی ہونا چاہیئے؛ لیکن میرا خیال اپنے بزرگوں کے احوال و اقوال اور شریعت غرا کی رفتار کو دیکھتے ہوئے یہ ہے کہ مسلمانوں میں عام تبلیغ ایک آدمی سے بھی شروع ہو سکتی ہے ایک سے دوسرا دوسرے سے تیسرا چوتھے سے ہزار اور ہزار سے لاکھوں تک ایک رنگ میں رنگے جائیں اور ایک دوسرے کیلئے ہر ایک شخص داعی و مبلغ ہو لیکن یہ نظم بدون بیعت مسنونہ کے قائم نہیں ہو سکتا جب مسلمانوں کا ایک امام ایک امیر ہوگا اور ہر مسلمان اس رشتہ خاص کا دلدادہ ہوگا پھر نہ کسی انجمن کی ضرورت

اٹھاتے تو پھر تعلیم دین و دنیا کے حامیوں کو بھی امداد میں سہولت ہوتی ایک نظر اگر معاونین کی تعلیم دنیوی کی ضرورت پر ہوتی تو دوسری نظر تعلیم دینی کی ضرورت پر ہوتی مگر مشکل یہ ہے ایک جماعت ایک دوسرے کے مقاصد کو غیر ضروری قرار دیکر اپنے اپنے کام کو خراب کر رہی ہے۔

سب سے پہلا مسئلہ اگر کسی قوم کی ترقی و عروج کا ہے تو وہ تعلیم ہے اور علم ایک ایسا جامع لفظ ہے جو حیات مستعار و حیات جاودانی دونوں مین راہ نمائی کرنیوالا ہے لیکن افسوس ہے کہ مسلمان اس مسئلہ کو بھی صاف نکر سکے اور آئندہ کیلئے بھی توقع ایک فضول سی چیز معلوم ہوتی ہے۔ غرض علم ہم سے دور ہے حکمت ہم سے متنفر ہے عبادت ہم سے کنارہ کش ہے معاشرت ہماری خراب ہے لیکن باوجود اس کے دعوی ہمارا یہ ہے کہ خدا ہمارا ہے ہم خدا کے ہین زمین ہماری ہے آسمان ہمارا ہے ہندوستان ہمارا چین و عرب ہمارا دعوی یہ ہے اور عمل وہ ہے۔ بہ بین تفاوت رہ از کجا است تا بکجا۔

مسلمانون کے پستی کی اصل ان کا جہل ہے اور یہ بیماری ان کی بہت کہنہ ہوتی چلی جا رہی ہے خصوصاً غدر کے بعد سے تو یہ مرض جہل یلون کسطرح جسم مسلم مین دوڑتا ہوا چلا جا رہا ہے۔ غدر کے بعد کی نسلون مین فیصدی بہت کم افراد ایسے نکلینگے جو اس مرض سے خالی ہونگے جب ہماری قوم میں علم ہی نہین ہے تو سمجھ لیجئے کہ معاشرت اور تبلیغ کیسے ہو سکتی ہے جب علم ہی نہوگا تو کوئی عمل کیسے کریگا دوسرون سے کیسے عمل کرا سکیگا جب کوئی نمونہ ہی نہوگا تو اسپر سے چربہ کیسے اتارا جا سکیگا۔ جب فوٹو کا شیشہ ہی نہوگا تو کاپی فوٹو کی کیسے لیجا سکے گی۔ علی گڈھ کالج اور دار العلوم دیوبند غدر کے بعد جاری نہوئے ہوتے تو نعلوم ہمارا کیا حشر ہوتا۔ مسلمانون کی تعلیم کا حال تو یہ ہے اب معاشرت کا حال سنئے۔

ہم مین جو اٹھتا ہے بقول شخصی بادن گز ہی اٹھتا ہے۔ دنیا بھر کے لہو و لعب مین ہمارا ممتاز حصہ ہے۔ قمار بازی، بٹیر بازی غرض ہر بازی میں ہم سے کوئی بازی نہیں لیجا سکتا ہان علم کے نام سے ہمکو جاڑہ چڑہتا ہے کسب ہنر کو ہم عار سمجھتے ہین تجارت سے ہم کوسون دور ہیں ہماری ہزار روپیہ میں برکت نہیں دوسرے دھیلے اور پیسون سے ہزارون کماتے ہین ہمین گھٹنے توڑکر بیٹھے رہنے کی عادت ہے فخر دن کے یہان اس سے بڑھکر بڑی ہی کوئی شے نہین ہے اخلاق فاضلہ عرصہ ہوا ہماری نسل سے مٹ چکے رذائل نے ہماری نطفون مین ڈیرے ڈالدئے اب ہم میں ولی اور انسان کیسے پیدا ہون ہمارے دماغ ماؤف ہیں ہماری عقلین گناہون کی سیاہی سے غبار آلود ہین پھر ہمیں دنیا کی نعمتون کی پہچان کیسے ہو پھر ہمین

خدا کی بنائی ہوئی مخلوق میں بصیرت کیسے پیدا ہو ہم جہان بستے ہین گویا نحوست ہماری پاسبانی کرتی ہے ۔ ہم جہان آباد ہیں گویا افلاس وہاں کا چوکیدار ہوگیا ہی ۔ اب ہماری معاشرت کا میعار یہ ہی کہ جو بچہ آوارہ ہوگا سمجھلو کہ وہ مسلمانوں کا ہی اور جو بچہ تعلیم و ہنر میں لگا پاؤ تو جان لو کہ وہ غیر مسلم ہی ۔

تبلیغ جو ہر زندہ قوم کا ایک دائمی زیور اور زندگی کا ہتیار ہے اسکی حالت یہ ہی کہ لاکھون مربع میل میں بسنے والے خدا کے پیدا کئے ہوئے بندون کو آجتک یہ بھی معلوم نہو سکا کہ ہمارے پیدا کرنے والے نے ہم سے کیا چاہا ہمین اس نے کیون پیدا کیا ہمارا مالک کون ہے ؟ ہم اسے کیونکر پکاریں ؟ کیونکر اس سے رشتہ قائم کرین ۔ انصاف سے بتاؤ کہ آج ہم میں کس قدر مبلغ ہیں ، ہمارے بعضے درد مند مسلمان اپیل کیا کرتے ہین کہ کم سے کم ہندوستان مین ایکہزار مبلغ ہونے چاہئیں مین کہتا ہون کہ نبی علیہ السلام سے دریافت کرو کہ وہ کسقدر مبلغ چاہتے ہین سو وہ فرماتے ہین الا فلیبلغ الشاہد جس کا حاصل یہ ہے کہ ۔

تم مین کا ایک فرد بھی ایسا نہونا چاہیے جو مبلغ اور داعی نہو یہ تو موٹی سی بات ہی کہ کبھی کوئی حاضر غائب تو پھر ایک بھی مسلمان ایسا نہونا چاہیے جو مبلغ نہو اور مبلغ ہر مسلمان کیونکر ہو سکتا ہی صرف اسطرح ہو ۔ طلب العلم فریضۃ علیٰ کل مسلم و مسلمۃ پر صحیح طور سے عمل کیا جائے معاشرت کی خرابیون کو دور کیا جائے اس صورت سے ہر مسلمان مبلغ نہیں بنسکتا کہ اسٹیج پر تقریر کرنے کی مشق کرے اور لیڈری کا تمغہ حاصل کرنے کی ہوس رکھے ۔

موجودہ نباضان تبلیغ کا یہ خیال ہی کہ اب تبلیغ مسلمانون مین عالمگیر صورت اسی وقت اختیار کرسکتی ہی جبکہ کثیر سرمایہ ہو اور بہت سے آدمی اس کام کیلئے کھڑے ہون چنانچہ اسی نظریہ کے ماتحت جگہ جگہ انجمنین بنائی جاتی ہین لیکن وہ تھوڑے عرصہ مین ناقدردانی اور غلط طریق کار ہونے کی وجہ سے نذر اجل ہوجاتی ہین اور کیون نہون جب کہ ہر انجمن قائم ہوتے ہی مرکزیت کا خواب دیکھنے لگتی ہے طلب الکل فوت الکل کے قاعدہ سے انجام اس کا ہی ہونا چاہیئے ، لیکن میرا خیال اپنے بزرگون کے احوال و اقوال اور شریعت غرا کی رفتار کو دیکھتے ہوئے یہ ہی کہ مسلمانون مین علم تبلیغ ایک آدمی سے بھی شروع ہوسکتی ہی ایک سے دوسرا دوسرے سے تیسرا چوتھے سے ہزار اور ہزار سے لاکھون تک ایک رنگ میں رنگے جائین اور ایک دوسرے کیلئے ایک شخص داعی و مبلغ ہو لیکن یہ نظم بدون بیعت مسنونہ کے قائم نہین ہو سکتا جب مسلمانون کا ایک امام ایک امیر ہوگا اور ہر مسلمان اس رشتہ خاص کا دلدادہ ہوگا پھر نہ کسی انجمن کی ضرورت

باقی رہیگی نہ کسی آل انڈیا مرکزی کانفرنس کی۔ ایسی مبارک جماعت ہندوستان مین ہر وقت بنائی جاسکتی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب مین جو نقشہ ہدایت وسعادت کا کھینچا کیا وہ اسی طرز کا نہ تھا؟ مسلمانون کی قسمت جب بھی پلٹا کھائیگی تو دیکھ لینا یہی صورت ہوگی ایک خدا کا خاص بندہ اٹھیگا۔ اپنی قوت قلبی سے مسلمانوکو ایک ایسی پُر رعب ندا دیگا جس سے غافل قلوب تک اٹھینگے شیطانی اثرات معدوم ہونگے۔ الٰہی حکومت کا نقشہ کھنچیگا اور پھر وہی جلوے ہونگے جو کچھ عرصہ پہلے تھے۔

اب ذرا اپنی پنج وقتہ عبادت پر غور کیجیے کہ ہمنے اُسکا کیا حال کر رکھا ہے نماز کی فرضیت سے شاید ہی کوئی پڑھا لکھا مسلمان ناواقف ہوگا۔ اکثر مساجد مین نماز کی فرضیت کو ظاہر کرنے کیلئے یہ شعر بھی پند بر دیوار کے طور پر لکھا ہوا دیکھا جاتا ہے۔

روز محشر کہ جان گداز بود
اولین پرسش نماز بود

اس شعر کو پڑھکر سوچا کرتا ہون کہ آہ حشر کے دن کیا ہماری اس موجودہ نماز کی پرسش ہوگی جس کا حال یہ ہے کہ نہ نماز پڑھانیوالے کو خبر کہ مجھے اپنے خدا اور اپنے مقتدی سے کیا کہنا ہے نہ نماز ادا کرنیوالون کو اسکا خیال کہ آخر یہ پنجوقتہ عمل ہم کس لئے کر رہے ہین ہمارا امام ہم سے کہہ کیا رہا ہے ہم اپنے خدا کے سامنے کس لئے کھڑے ہین مسلمانون کا بیشتر حصہ تو نماز کو ایک عرصہ سے خیرباد کہہ ہی چکا ہے جو تعداد نمازی ہے اس کا بیشتر حصہ اس مقدس اور ضروری فریضہ کو انتہائی ناسمجھی بے غوری بے فکری سے ادا کررہا ہے تیرھوین صدی کی نماز یا مجبورونکی نماز کو نماز کہتے ہوئے بھی کچھ تامل ہوتا ہے تیرہوین صدی کی مساجد اور ان کے ائمہ میں اول تو احکام شریعت کا لحاظ پاس علی العموم نہین ہے اور جو کسی مین ہے بھی تو جن تک پہنچا تا ہے انمین قابلیت* نہیں اور قابلیت کیونکر ہو جبکہ ابھی زبان عربی سے مس تک نہوا اسکو حاصل کرنیکا خیال تک بھی نہو۔

پانچوقت نمازی وضو کرتے ہین بدنی آلائشون کو دور کرتے ہیں نماز شروع ہوتی ہے لیکن بیچارے نمازی ایک بے علمی کے مجسمہ کے طور سے کھڑے نظر آتے ہین اور تکدرات روحانی پھر بھی دور نہیں ہوتی۔ اس منظر کو دیکھکر بڑا ہی دل دکھتا ہے۔ اکثر ائمہ مساجد لمبی لمبی قراتین پڑھا کرتے ہین یہ لوگ قراءت اس لئے نہیں پڑھتے کہ خشیۂ خداوندی ان پر غالب ہے بلکہ اسلئے تصنع وتکلف کرتے ہین کہ ان کی خیراتی دستوریان بند نہوجائیں ان کی روٹی محلہ کے دیندار مسلمان بند نہ کردین میں ایسے مجامع مین نماز پڑھتے ہوئے اپنے دل میں کہا کرتا ہون کہ ہائے کمبخت تو نے پی ہی نہین افسوس اے نماز کے پڑھنے والو تمھین کوئی نماز پڑھانیوالا ملا ہی نہین کاش تمہارا گذر کبھی دیوبند تھانہ بھون یا کسی اور

ولی اللہ کی مسجد مین ہوجاتا تو تمھین خبر ہوتی کہ نماز کسے کہتے ہیں وہ نماز ہی کیا ہوئی جس سے دل اکتا یا وہ امام ہی کیا ہوا جسنے مصلیون کے قلوب کو اپنی طرف کھینچ نہ لیا۔

افسوس پانچوقت ہم اس خیال سے مسجد جاتے ہیں کہ مالک کو راضی کرین گے لیکن جب وہان سے نکلتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ مالک پہلے سے بھی زیادہ ہم سے خفا ہوگیا کیونکہ نہ ہمنے اس کی سنی نہ اسکو سمجھ سمجھکر سنایا نہ خود سمجھے نہ اسی سمجھایا

افسوس ہم روٹھے ہوئے کو منانا بھی نہین جانتے۔ کچھ عجیب حالت ہماری ہوگئی ہے نہ ہم مین جوہر انسانیت علی العموم باقی ہے نہ آثار فضائل ہم سے ہویدا ہین جسے دیکھو افسردہ ہے جسے پرکھو مریض ہے ضروری کو غیر ضروری اور غیر ضروری کو ضروری سمجھنا اسے ہم کوئی مرض ہی نہیں سمجھتے، عجیب عجیب مخمصون مین گرفتار ہیں کوئی بی بی فاطمہ کے کونڈون مین لگا ہوا ہے کوئی حضرت امام حسین علیہ السلام کے دُل دُل کی شجاعت کے گیت گار

بہت کم ہین جو امام حسین علیہ السلام کی شہادت کا جذبہ بھی اپنے اندر رکھتے ہون ایسے بہت ہی کم فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کی طرح روحانی نعمت پر جسمانی راحت کو قربان کردین۔

حیران ہون کہ الٰہی مسلمانون کی کشتی کیسے پار لگیگی یہ کہتے ہوئے بھی دل دکھتا ہے کہ خدا کی مدد ہمارے ساتھ نہین دیکھیے یہ دن بھی چارہ نہیں کہ یہان کی نظر ہم سے پھری ہوئی ہے۔

ہمارا مذہب سچا مذہب ہے دنیا کے تمام مذاہب سے بہتر مذہب ہے علمی رنگ اسکا دنیا کے تمام مذاہب کے رنگ سے نرالا رنگ ہے۔ لیکن خدا بھلا کرے مذہب کی کشتی کے اناڑی ناخدا ؤن کا جنہون نے اس مذہب کو صرف تعبدی مذہب بنا دیا ہے۔

جو ناخدا مذہب کی کشتی کو صرف ایک ہی سمت لئے جارہے ہیں میرے خیال میں حیات مستعار کی خرابی کے وہی ذمہ دار ہیں اور جو حقیقی ناخدا حیات مستعار کو حیات جاودانی کا ممد و معاون بناتے ہین اور اس زندگی کو آخرت کی کھیتی سمجھتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اس چندروزہ زندگی میں نظام قدرت کی مدد سے اسمیں ہر قسم کے پھل پھول لگائیں خدا اور اسکی کائنات کو سمجھین اور دریائے جستجو مین ہر دم غرق رہیں بلاشبہ وہ سچے ناخدا ہیں اور قوم کو ایسے ہی راہ نماؤن کی جستجو کی ضرورت ہے۔

ہمیں ان باغبانون اور کاشتکارون کی تلاش چاہیئے جو ہر موسم کے خواص سے واقف ہون ہمین

ان باغبانون کی تلاش کی ہرگز ضرورت نہین جو گرمی مین بھی اور برسات میں ایک ہی رخت لگانا جانتے ہون مسلمانون کو اپنی تمام باغ کے سرسبز و شاداب کرنے کیلئے ضرورت ہے ایسے ماہر باغبانون کی جو ایک طرف اگر تہذیب اخلاق کیلئے ذکر و شکر صبر و دعا تعظیم شعائر اللہ کے پودے لگائین تو دوسری طرف معاشرت کو خوشگوار بنانے کیلئے ہمدردی و مروت غیرت و شجاعت طاقت و ہمت تعلیم و تعلم تجارت و زراعت صنعت و حرفت وغیرہ کی تخم ریزی کرین ۔ خوب یاد رکھئے قوم نام ہے مجموعۂ افراد کا جب افراد قوم میں تہذیب و دانش آئیگی جب ہی مجموعہ بھی درست ہوگا جو مہذب تعلیم یافتہ قوم خدا کی بخشی ہوئی نعمتونکو صحیح مصرف مین صرف کرے جو قوم یاد الٰہی کی عادی ہو جو قوم جسمانی و روحانی تمام ضروریات میں اپنے خالق کے دروازہ کو کھٹکھٹانیکی خوگر ہو جو قوم مصائب پر صبر کرے اور انکیلئے سینہ سپر رہے جو قوم نعمت کے حصول پر شکر کرے مانگنے پر نہ ملنے سے صبر کرے اور خالق کے دروازہ پر پھر بھی جمی رہے کیا اسکے مقابلہ مین کوئی قوم کامیاب ہوسکتی ہے جس قوم کا خمیر ایسے اوصاف حمیدہ سے تیار ہوگا کیا وہ دنیا کی قومون پر غالب نہ آئے گی ۔

فی الحقیقت ہماری غلامی کا سبب غیر نہیں ہین بلکہ خود ہمین ہیں حاصل اس تمام سمع خراشی کا یہ ہے کہ ہماری تمام تر توجہ ابتداءً تین چیزون کیطرف ہونا چاہیئے جبتک ان تین مسائل میں خاطر خواہ کامیابی نہو آگے قدم نہین بڑھانا چاہیئے اول درستی تعلیم آراستگی معاشرت و قیام تبلیغ اور میری ناقص رائے مین ہم کو ایک منظم عظیم الشان اتحاد کی مدد سے گورنمنٹ سے بھی اسبارہ میں پوری گفت و شنید کرنی چاہیئے پچھلے دنون اخبارات میں جناب نواب جمشید علیخانصاحب کیجانب سے یہ تحریک صوبہ کے کونسل میں پیش کرنیکا اعلان کیا گیا تہا کہ ہر شہر میں ایک مسلمان حاکم مقرر ہونا چاہیئے جو مسلمانونکے مذہبی معاملات کا تصفیہ کیا کرے اسکے ساتھ اگر نواب صاحب اس تحریک مین اتنا اضافہ اور فرمادین کہ مسلمانونکی تعلیمی و معاشرتی ضرورتون کیلئے جو روپیہ گورنمنٹ وصول کرتی ہے اس فنڈ سے ایک با اختیار شیخ الاسلام تجویز کیا جائے جو ان کے مذہبی اقتصادی تبلیغی و تعلیمی ضروریات کا صحیح معنے مین متکفل و ذمہ دار ہو تو غالباً پھر یہ تحریک نہایت مکمل ہوجائے گی ۔ اور مسلمانون کو اس سے بہت کچھ نفع پہنچیگا ۔ باقی حقیقۃ حال کی خبر تو خدا ہی کو ہے ۔ بندہ کا کام صرف ہاتھ پیر مارنا ہے اور بس ۔

وجودِ جنات اور اُن کی اشکال مختلفہ

(از خامہ فخر الہند حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب مدظلہ العالی)

جنات کے وجود کا پہلے زمانہ میں بھی انکار کیا گیا۔ اور اب بھی کچھ ظاہر پرست عقل نارسا کے تابع انکار کرتے ہیں۔ اسلئے نہایت اختصار کی ساتھ کچھ تہوڑا سا اسکے متعلق بیان کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے تفصیل کو اس جداگانہ اور مستقل تحریر پر حوالہ کرتا ہوں جو انشاء اللہ تعالیٰ بشرط فرصت کبھی لکھی جائے گی۔

جنات کے متعلق یہاں صرف تین باتیں عرض کیجاتی ہیں۔ (۱) جن کا جداگانہ مخلوق کی حیثیت مین موجود ہونا (۲) ان کا مکلف احکام الٰہی ہونا (۳) ان کا اشکال مختلفہ مین ظاہر ہونا۔

امر اول یعنی جنات کے ایک جداگانہ مخلوق ہونے پر بے شمار آیات واحادیث صراحۃً دلالت کرتی ہین۔ ایک لعین کا مقولہ فرمایا ہے خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَہٗ مِنْ طِیْنٍ (مجھے تو نے آگ سے پیدا کیا ہے اور اسکو یعنی آدم علیہ السلام کو مٹی سے)۔ ایک آیۃ مین ارشاد ہے لم یطمثھن انس قبلھم ولا جان ۵

ان آیات اور اسی طرح دوسری بہت سی آیات سے جن کا وجود ان کا مخلوق ہونا جسم لطیف ناری ہونا۔ جو رتون کی ساتھ مثل انسان کے مخالطت کرنا ثابت ہوتا ہے۔ اور احادیث تو اس کثرت سے اس بارہ مین ہین جنکی نقل کی مطلقاً ضرورت نہین ہے۔ امر دوم یعنی جنات کا مکلف باحکام الٰہی ہونا۔ درصورت اطاعت مثاب اور درصورت تمرد وعصیان معذب ومخلد فی النار ہونا اسکے متعلق بھی بے شمار آیات واحادیث موجود ہیں۔

دیکھو جناب باری عز اسمہٗ ارشاد فرماتے ہین وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون (مین نے جن وانس کو اس لئے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کرین)۔ دوسری جگہ ارشاد ہے یٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اَلَمْ یَاْتِکُمْ رُسُلٌ مِّنْکُمْ یَقُصُّوْنَ عَلَیْکُمْ اٰیٰتِیْ وَیُنْذِرُوْنَکُمْ لِقَآءَ یَوْمِکُمْ ھٰذَا (اے گروہ جن وانس کیا تمہارے پاس تمہین مین کے رسول نہین آئے جو تم پر میری آیات کو تلاوت کرتے اور تم کو اس دن کی ملاقات سے یعنی روز جزا وسزا سے ڈراتے تھے)۔

ایک موقع پر ارشاد ہے قل اوحی الی انہ استمع نفر من الجن فقالوا انا سمعنا قرآنا عجبا یھدی الی الرشد فآمنا

(کہدو تم کہ مجھکو بذریعہ وحی اطلاع دی گئی ہی کہ جنات کی ایک جماعت نے میری قرأة کو کان لگاکر سنا اور جاکر اپنی قوم سی بیان کیا کہ ہم نے ایک عجیب قرآن سنا ہی جو رشد کی طرف ہدایت کرتا ہی۔ پس ہم اسپر ایمان لے آئے۔ آہ)۔

علاوہ جنات کے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانے ۔ داخل زمرہ مؤمنین ہونے کے بارہ مین اس کثرة سے روایات احادیث موجود ہین جنکی واستقصا کے یہان ہرگز گنجائش نہین ہی تاہم ایک دو حدیث نقل کردیجاتی ہین۔

بخاری و مسلم مین حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہی۔

قال انطلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی طائفة من اصحابہ عامدین الی سوق عکاظ وقد حیل بین الشیاطین وبین خبر السماء وارسلت علیہم الشہب فرجعت الشیاطین الی قومہم فقالوا ما لکم فقالوا حیل بیننا وبین خبر السماء فارسلت علینا الشہب فقالوا ما حال بینکم وبین خبر السماء الا شیء حدث فاضربوا مشارق الارض ومغاربہا فانظروا ما ہذا الذی حال بینکم وبین السماء فانطلقوا یضربون مشارق الارض ومغاربہا فانصرف اولئک النفر الذین توجہوا نحو تہامة الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہو بنخلة وہو یصلی باصحابہ صلوة الفجر فلما سمعوا القرآن استمعوا لہ فقالوا ہذا واللہ الذی حال بینکم وبین خبر السماء فہنالک حین رجعوا الی قومہم قالوا یا قومنا انا سمعنا قرآنا عجبا یہدی الی الرشد فآمنا بہ ولن نشرک بربنا احدا۔

ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہین۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اصحاب کی ایک جماعت کیساتھ سوق عکاظ کیطرف تشریف لیگئے۔ اور یہ وہ زمانہ تہا کہ جنات وشیاطین جو آسمانی خبرین سنا کرتے تھے انکی بندش کردی گئی تھی۔ شہاب ثاقب ان پر مارے جاتے تھے اور ان شیاطین نے اپنی قوم سی اسکی شکایت کی تھی کہ ہمکو اب کوئی خبر نہین ملسکتی۔ قوم نے سنکر کہا کہ یہ بندش خبر کسی خاص وجہ سی ہی تم جاؤ اور دیکھو کیا بات پیش آئی۔ جنات وشیاطین گروہ گروہ اسکی تلاش کیلئے مشرق ومغرب مین پھیل پڑے۔ اور یہ جماعت جسنی قرأة قرآن سنی ملک تہامہ کیطرف روانہ ہوئی۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسوقت مقام نخلہ پر صبح کی نماز پڑھاتے تھے۔ اس جماعت نے آپ کو قرآن پڑہتے دیکھا تو کان لگاکر سننے کھڑی ہوگئی۔ اور آپس مین کہا کہ قسم بخدا یہی وہ بات ہے جو ہم مین اور آسمانی خبرون مین حائل ہوئی اور اسی کیوجہ سی بندش ہوئی۔ اسوقت اس جماعت نے قرآن مجید کو سنکر اپنی قوم سی جاکر کہا کہ ای قوم ہم تو ایک عجیب قرآن سنکر آئے ہین جو رشد کی طرف ہدایت کرتا ہے۔

پس ہم تو اسپر ایمان لے آئے اور اب ہرگز اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائین گے۔

بخاری و مسلم نے مسروق سے روایت کیا ہے قالؒ سألتُ ابن مسعودؓ من آذن النبی صلی اللہ علیہ وسلم بالجن لیلۃ استمعوا القرآن قال آذنتہ شجرۃ (مسروق کہتے ہیں میں نے ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس رات جن کی اطلاع کس نے کی جس رات انہوں نے قرآن مجید کو سنا تہا۔ فرمایا ایک درخت نے اطلاع دی تھی)۔ ان دونوں آیتوں سے تو جنات کے سماع قرآن اور ایمان لانے کا حال معلوم ہوا۔ ان کے علاوہ ہمیشہ اعادیث جنات کے بطور وفد (ڈیپوٹیشن) آنے اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کرنے اور ایمان لانے کا ثبوت ہوتا ہے۔

مسلم و امام احمد و ترمذی نے علقمہ رضؓ سے روایت کیا ہے۔

قالؒ قلت لابن مسعودؓ ہل صحب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیلۃ الجن منکم احد قال ما صحبہ منا احد ولکنا فقدناہ ذات لیلۃ بمکۃ فقلنا اُغتیل اَوِ استُطیرَ ما فُعِلَ بہ فبتنا بشرّ لیلۃ بات بہا قوم فلما کان فی وجہ الصبح اذا نحن بہ یجیئ من قبل حراء فاخبرناہ فقال انہ اتانی داعی الجن فاتیتہم فقرأت علیہم فانطلق فأرانا آثارہم وآثار نیرانہم۔

علقمہ کہتے ہیں۔ میں نے عبداللہ ابن مسعودؓ سے دریافت کیا کہ کیا آپ لوگوں میں سے کوئی آپ کے ساتھ گیا تہا۔ فرمایا کوئی سا[تھ نہیں گیا لیکن] یہ ہوا کہ ایک رات مکہ میں آپ اپنی جگہ موجود نہ تھے ہم لوگ آپس میں کہنے لگے کہ کیا ہوا آپکو کسی نے اچانک ہلاک تو نہیں کردیا یوں اُڑا کر تو نہیں لے گیا۔ ساری رات نہایت اندیشہ اور تردد میں گذری جب صبح ہوئی تو آپ کوہ حرا کیطرف سے تشریف لائے ہم نے رات کے تردد اندیشہ کا ذکر کیا تو فرمایا کہ جنات کی طرف سے ایک داعی (بلانیوالا) آیا تہا میں ان کے پاس گیا۔ قرآن مجید ان کو سنایا۔ اس کے بعد آپ ہم کو ساتھ لے گئے۔ اور جنات کے نشان اور ان کی آگ کے نشانات و آثار ہم کو دکھلائے ؎

طبرانی و ابونعیم نے ابن مسعودؓ سے روایت کیا ہے۔

قالؒ استبعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیلۃ الجن فانطلقت معہ حتی بلغنا اعلی مکۃ فخط لی خطاً فقال لا تبرح ثم انصاع فی الجبال فرأیت الرجال ینحدرون علیہ من رؤس الجبال حتی

عبداللہ ابن مسعود فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لیلۃ الجن میں مجھے اپنی ساتھ لیا۔ میں آپکے پیچھے پیچھے چلا یہاں تک کہ مکہ کے اوپر کی جانب پہنچے وہاں ایک گول دائرہ کھینچکر مجھے ارشاد فرمایا تم اسمیں رہو اور جب تک میں واپس نہ آؤں یہاں سے جدا نہو۔ اسکے بعد آپ جلدی سے پہاڑ میں تشریف لے گئے

سلہ ۲ خصائص کبری جلد اول صفحہ ۱۳ ۱۲ سلہ ۳ خصائص کبری جلد اول صفحہ ۱۳۹ ۱۲ منہ

حالوا بینی و بینہ فاخترطت السیف وقلت لاضربن حتی استنقذ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثم ذکرت قولہ لا تبرح حتی اٰتیک فلم ازل کذلک حتی اضاء الفجر فجاء وانا قائم فقال ما زلت علی حالک قلت لو لبثت شہرا ما برحت حتی تاتینی ثم اخبرتہ بما اردت ان اصنع فقال لو خرجت ما التقیت انا ولا انت الی یوم القیمۃ ثم شبک اصابعہ فی اصابعی وقال انی وعدت ان یؤمن بی الجن والانس فاما الانس فقد اٰمنت بی واما الجن فقد رأیت ؎

مین نے دیکھا کہ پہاڑون کی چوٹیون سے بکثرت آدمی آپکی طرف آرہے ہین۔ اس کثرت کے ساتھ چارون طرف آئے کہ میرے اور آپکے درمیان حائل ہوگئے مجکو ڈر پیدا ہوا کہ دشمن نہون مین نے اپنی تلوار کو سونت لیا کہ ان کو مار کر حضور کو درمیان سے نکال لاؤن۔ پھر آپ کا ارشاد یاد آیا کہ یہان سے کہین نہ جانا وہین ٹھیرگیا اور جب صبح کا چاندنا ہوگیا تو آپ تشریف لائے مین اسی طرح کھڑا تھا۔ فرمایا تم اسی مین کھڑے رہے۔ عرض کیا کہ آپ ایک مہینہ تک تشریف نہ لاتے تو مین یہین رہتا۔ پھر مین نے اپنے خیال اور تلوار کے سونتنے کا ذکر کیا۔ فرمایا اگر تم نکل کھڑے ہوتے تو مجھسے قیامت تک نہ ملسکتے۔ پھر میری انگلیون مین اپنی انگلیان ڈالکر فرمایا۔ مجھسے وعدہ کیا گیا کہ جن و انس مجھپر ایمان لائینگے۔ انسان کے ایمان لانے کا حال تو سب کو معلوم ہے۔ جنات کا حال تم نے دیکھ لیا۔

یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جنات کے وفود کئی بار حاضر خدمت ہوئے ہین۔ اور اسی وجہ سے محدثین اسکے قائل ہوئے ہین کہ لیلۃ الجن کا واقعہ کئی مرتبہ ہوا ہے۔ بعض وقت آپکے ساتھ کوئی نہ تھا جیسا کہ اول روایت سے معلوم ہوتا ہے۔ اور بعض وقت آپ کسیکو اپنے ساتھ لے گئے ہین۔ اس امر کو ملحوظ رکھنے کے بعد عبداللہ ابن مسعود کی مختلف روایتون مین کہ بعض سے ساتھ ہونا معلوم ہوتا اور بعض سے یہ کہ کوئی ساتھ نہ تھا۔ تعارض باقی نہین رہتا۔ اگرچہ اس تعارض کو اور طریق سے بھی رفع کیا جا سکتا ہے۔ مگر عمدہ اور سہل طریقہ یہی ہے جو مین نے عرض کیا۔

امر سوئم یعنی جنات کا باشکال مختلفہ متشکل ہو کر ظاہر ہونا وجود جنات کو تسلیم کر لینے کے بعد یہ امر بھی اہل حق کے نزدیک مسلم ہے کہ وہ باشکال مختلفہ متشکل ہو سکتے ہین۔ آکام المرجان مین ہے لا شک ان الجن یتطورون ویتشکلون فی صور الانس والبہائم فیتصورون فی صور الحیات والعقارب وفی صور الابل والبقر والغنم والخیل والبغال والحمیر وفی صور الطیر وفی صور بنی آدم۔ (اسمین شک نہین کہ جنات طرح طرح کے رنگ بدلتے اور قسم قسم کی شکلون اور صورتون مین ظاہر ہوتے ہین کبھی انسان اور چوپاون کی صورتون مین اور کبھی سانپ اور بچھو کی صورت مین کبھی گائے اونٹ بیل بکری گھوڑے خچر گدھے کی صورت مین۔ اور اجناس پرندون کی صورت اور کبھی کسی آدمی کی صورت مین)۔

چنانچہ معرکہ بدر میں کفار مکہ مسلمانوں سے آمادہ مقابلہ کرنے کیلئے سراقہ ابن مالک ابن جعشم کی صورت میں جو اپنی قوم کا رئیس تہا اور کفار مکہ اس سے خوب واقف تھے۔ ظاہر ہوا۔ ان سے کہا تم ہرگز ان مسلمانوں کے مقابلہ سے پیچھے نہ ہٹو۔ تم ہی غالب رہوگے اور میں تمھاری ساتہہ ہوں اور جب اسطرح دل بڑھاکر مقابلہ کرا دیا اور دونوں فریق آپسمیں بھڑگئے تو صاف یہ کہکر الگ ہوگیا کہ میں تم سے بالکل بری اور علیحدہ ہوں۔ میں اس امر کو (یعنی خدائی لشکر ملائکہ وغیرہ کو) دیکھتا ہوں جس کو تم نہیں دیکھتے۔ میں اللہ سے ڈرتا ہوں جو سخت عقاب والا ہے۔ دیکھو ارشاد خداوندی جل مجدہٗ۔

واذ زین لهم الشیطان اعمالهم وقال لا غالب لکم الیوم من الناس وانی جار لکم فلما تراءت الفئتان نکص علی عقبیه وقال انی بریٓء منکم انی اری ما لا ترون انی اخاف الله والله شدید العقاب۔

اسیطرح کفار مکہ نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق دار الندوۃ میں جمع ہوکر مشورہ لیا کہ آپ کیا معاملہ کریں۔ تو شیطان نے ایک شیخ نجدی کی صورت ولباس میں ظاہر ہوکر ان مشرکین مکہ کو مشورہ دیا رائے مستقر ہوگئی۔ اس واقعہ کی خبر بھی خداوند عالم نے آیات ذیل میں دی ہے۔

واذ یمکر بک الذین کفروا لیثبتوک او یقتلوک او یخرجوک ویمکرون ویمکر الله والله خیر الماکرین۔ اس کے علاوہ بیشمار احادیث وواقعات سے جنات کا باشکال مختلفہ ظاہر ہونا ثابت ہے۔ جنمیں سے چند احادیث وواقعات کا نقل کردینا مناسب ہے۔

ترمذی نے اور نسائی نے کتاب الیوم واللیلۃ میں ابو سعید خدری سے روایت کیا ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان بالمدینة نفرا من الجن قد اسلموا فاذا رأیتم من هذه الهوام شیئا فاذنوه ثلثا فان بدا لکم فاقتلوه (مدینہ میں ایک جماعت مسلمان جنات کی رہتی ہے جب تم ان موذی جانوروں (سانپ وغیرہ) کو دیکھو تو تین دن تک ان کو اطلاع کرتے رہو کہ ظاہر نہوں اس کے بعد بھی ظاہر ہوں تو قتل کردو)۔

حاصل ارشاد یہ ہے کہ مکانات میں جو سانپ وغیرہ رہتے ہیں جب تم ان کو دیکھو تو اول ہی مرتبہ قتل نکرو ممکن ہے کہ وہ جنات میں سے ہوں جو اس صورت میں ظاہر ہوئے ہیں۔ ان کو مطلع کردو کہ اس صورت میں ظاہر نہوں۔ اگر تین مرتبہ اطلاع کے بعد بھی ظاہر ہوں تو سمجھ لیا جائیگا کہ وہ جنات میں سے نہیں بلکہ فی الحقیقۃ سانپ وغیرہ ہی ہیں۔ یا جنات میں سے ہیں اور کہنا نہیں مانتا تو معلوم ہوتا ہے کہ ان کو تکلیف پہنچانا مقصود ہے۔ اس حالت میں قتل کردیے جائیں تو کوئی حرج

نہین ہو۔ چنانچہ ترمذی شریف مین ابوالسائب مولی ہشام ابن زہرہ سے مروی ہے۔

إِنَّهُ دَخَلَ عَلَى أَبِي سَعِيدٍ الخدری فی بیتہ قال فوجدتہ
یصلی فجلست انتظرہ حتی یقضی صلوتہ فسمعت
تحریکاً فی عراجین فی ناحیۃ البیت فالتفتُّ فاذا
حیۃٌ فوثبت لاقتلہا فاشار الیّ ان اجلس فجلست
فلما انصرف اشار الی بیت فی الدار فقال اتری
ہذا البیت فقلت نعم فقال کان فیہ فتی حدیثُ
عہد بعرس قال فخرجنا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم الی الخندق فکان ذلک یستاذن رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم بانصاف النہار فیرجع الی
اہلہ۔ فاستاذنہ یوماً فقال لہ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم خذ علیک سلاحک فانی اخشی علیک
قریظۃ فاخذ الرجل سلاحہ ثم رجع فاذا امراتہ
بین البابین قائمۃ فاہوی الیہا بالرمح لیطعنہا
بہ واصابتہ غیرۃ فقالت لہ اکفف علیک رمحک
وادخل البیت حتی تنظر ما الذی اخرجنی فدخل
فاذا بحیۃ عظیمۃ منطویۃ علی الفراش فاہوی
الیہا بالرمح فانتظمہا بہ ثم خرج فرکز فی الدار
فاضطربت علیہ فما یدری ایہما کان اسرع
موت الحیۃ ام الفتی قال فجئنا الی رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم وذکرنا ذلک لہ وقلنا لہ ادع اللہ

ابوالسائب کہتے ہین کہ مین ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی خدمت مین حاضر ہوا
آپ اپنے مکان کے اندر نماز مین مشغول تھے۔ مین بیٹھ گیا اس حالت مین مجھے کچھ
کھڑکھڑاہٹ معلوم ہوئی دیکھا تو لکڑیون مین ایک سانپ تھا مین جلدی سے اسکے
مارنے کے لئے اُٹھا۔ آپنے بحالت نماز مجھے اشارہ سے منع فرمایا جب آپ نماز سے
فراغت پاچکے تو فرمایا۔ تم اس گھر کو جو اسی احاطہ مین ہے دیکھتے ہو۔ اس گھر
مین ہم مین کا ایک نوجوان شخص رہتا تھا اس کی نئی شادی ہوئی تھی۔ ہم
جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمرکاب غزوہ خندق مین گئے یہ جوان
بھی تھا اسکی عادت تھی کہ دوپہر کے وقت اجازت لیکر اپنے مکان کو آیا کرتا تھا
ایک روز اُسنے اجازت چاہی تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد
فرمایا۔ ہتیار لگا لو راستہ مین بنی قریظہ (قبیلہ یہود) کا اندیشہ ہے۔ اُس نے
اپنے ہتیار لگا لئے۔ مکان پر پہنچا تو دیکھا کہ اسکی بی بی گھر سے نکلی ہوئی دہلیز
مین کھڑی ہے اسکو غیرت آگئی اور نیزہ اٹھا کر اسکی طرف چلا۔ اُسنے کہا میان
نیزے کو روکو اندر جا کر میرے باہر نکلنے کا سبب دیکھو۔ اندر گیا تو دیکھا کہ ایک
بڑا سانپ بستر پر لپٹا ہوا پڑا ہے۔ اس نے نیزے سے سانپ کو پرو لیا
اور اسیطرح نیزے کو صحن مین گاڑ دیا۔ سانپ نے تڑپ کر اسکے کاٹا۔ ہم نہین
کہہ سکتے کہ سانپ پہلے مرا یا وہ شخص۔ یہ سارا ماجرا ہم نے جناب رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وآلہ وسلم کیخدمت مین جا کر عرض کیا اور عرض کیا آپ دعا فرماوین حقتعالی
اس شخص کو زندہ کر دے فرمایا کہ اسکی وفات ہو چکی تم سب اس کے لئے
استغفار کرو پھر ارشاد فرمایا کہ مدینہ مین ایسے جنات آباد ہین جو اسلام لاچکے
ہین۔ جب تم لوگ اپنے مکانون مین اس قسم کے جانور دیکھو تو تین

ان يحييه لنا فقال استغفروا لصاحبكم ثم قال
ان بالمدينة جنا قد اسلموا فاذا رأيتم منهم شيئا

روزتک اسے خبردار کردو۔ اگر اس کے بعد بھی ظاہر ہو تو قتل کر ڈالو
اور سمجھ لو کہ وہ شیطان ہے۔

فآذنوه ثلاثة ايام فان بدا لكم بعد ذلك فاقتلوه فانما هو شيطان +

اور اسی حدیث کی ایک روایت مین ہے ان لهذه البيوت عوامر فاذا رأيتم شيئا منها فحرجوا عليها ثلاثا فان ذهب والا فاقتلوه فانه كافر (ان مکانات مین عوامر یعنی گھر کے رہنے والے جانور مثل سانپ وغیرہ کے ہین - جب تم ان جانورون مین سے کیسکو دیکھو تو سخت قسم دیکر کہو کہ ظاہر نہون اگر مان لین تو فبہا ورنہ قتل کردو اور سمجھلو کہ وہ مسلمان نہین کافر ہین)۔

اس حدیث سے یہ امر تو صاف معلوم ہوگیا کہ مکانات مدینہ مین جنات رہتے تھے اور وہ بہ تبدیل ہیئۃ و صورت ظاہر ہوتے تھے اور یہ بھی معلوم ہوگیا کہ گو ایک بڑی جماعت ان مین کی مسلمان ہوگئی تھی۔ تاہم ان مین کفار بھی غرض ایذا دہی ہوتی تھی۔ اگر وہ جن جو بصورت سانپ وغیرہ ظاہر ہوئے مسلمان ہوتے تھے تو خبردار کرنے پر تھمے۔ کیونکہ ان کی غرض ایذا نہوتی تھی اور اگر کافر ہوتے تھے تو نہ مانتے تھے۔ اسی لئے آپ نے تین روز کے بعد قتل کا حکم دیا۔ اور یہ بھی ممکن تہا کہ بعض جن مسلمان ہوکر بھی باوجود اعلان باز نہ آتے اور لفظ شیطان کے عام مفہوم مین داخل ہوجاتے۔ لفظ شیطان کا اطلاق کبھی ایسے شخص پر بھی آجاتا ہے۔ جو گو مسلمان ہے مگر مادہ فساد و عصیان اپنے اندر لئے ہوئے ہے چنانچہ اس شخص کی نسبت جو نماز پڑھنے والے کے سامنے سے ہوکر گذرے لفظ شیطان حدیث مین آیا ہے فليقاتله فانه شيطان۔ مگر چونکہ یہ عہد قرن صحابہ کا ہے۔ صحابی انس ہو یا جن انکی نسبت ایسا گمان نہین ہوسکتا کہ مسلمان کی ایذا دہی کرنا چاہین اسلئے ہم دونون روایتوں کو ایک ہی معنی پر محمول کرتے ہین۔ اور اسیوجہ سے امام نوویؒ نے اس حدیث کی شرح مین اسی معنی کو متعین کردیا ہے وہ فرماتے ہین وَاِذَا لَم يذهب بالانذار علمتم انه ليس من عوامر البيوت ولا ممن اسلم من الجن بل هو شيطان فلا حرمة لكم (اور اگر وہ اس اطلاع اور دھمکی کے بعد بھی باز نہ آئے تو جان لو کہ عوامر بیوت اور مسلمان جنات مین سے نہین بلکہ شیطان ہے۔ اوسکی کوئی حرمت نہین ہے اور نہ اس کے قتل مین کوئی حرج)۔

ابو نعیمؒ نے ابو جار سے روایت کیا ہے۔

قال کنا فی سفر حتی نزلنا علی الماء فضربنا اخبیتنا وذھبت اقیل فاذا انا بحیۃ دخلت الخباء وھی تضطرب فعمدت الی اداوتی فنضحت علیھا الماء فکلما نضحت علیھا الماء سکنت وکلما حبست عنھا اضطربت فلما صلیت العصر ماتت الحیۃ فعمدت الی عیبتی فاخرجت منھا خرقۃ بیضاء فلففتھا وکفنتھا وحفرت لھا ودفنتھا ثم سرنا یومنا ذلک ولیلتنا حتی اذا اصبحت ونزلنا علی الماء وضربنا اخبیتنا فذھبت اقیل فاذا انا باصوات سلام علیکم مرتین لا واحد ولا عشرۃ ولا مائۃ ولا الف اکثر من ذلک۔ فقلت ما انتم فقالوا نحن الجن بارک اللہ علیک قد صنعت الینا ما لا نستطیع ان نجازیک فقلت ما ذا قالوا ان الحیۃ التی ماتت عندک کان آخر من بقی ممن بایع من الجن النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

ابو رجاء فرماتے ہین ہم سفر مین تھے جب ایک چشمہ پر پہنچے اور ہم نے اپنے خیمہ لگائے اور مین نے قیلولہ کا ارادہ کیا تو دیکھا کہ ایک سانپ میرے خیمے مین داخل ہوا وہ تڑپتا تھا۔ مین نے برتن اٹھا کر پانی اسپر چھڑکا تو اسمین سکون ہوا۔ جتنا پانی چھڑکتا تھا اسکو سکون وآرام ہوتا تھا۔ اور جب پانی چھڑکنا بند کر دیتا تھا وہ پھر تڑپنے لگتا تھا۔ جب مین نے عصر کی نماز پڑھی اسوقت وہ مرگیا۔ مین نے اپنی گٹھڑی مین سے ایک چیتھڑا نکالکر اسکو لپیٹا اور دفن کر دیا۔ پھر ہم وہان سے بقیہ دن اور رات چلکر منزل پر پہنچے۔ وہان خیمہ لگاکر مین نے قیلولہ کا ارادہ کیا تھا کہ میرے کانون مین بہت سی آوازین پہنچین مجھے خطاب کرکے کہتے تھے تم پر سلام ہو۔ بار بار۔ نہ ایک مرتبہ نہ دس مرتبہ نہ سو مرتبہ نہ ہزار مرتبہ بلکہ اس سے بھی زیادہ مین نے کہا تم کون ہو۔ انہون نے کہا ہم جن ہین۔ خدا تمھارے اوپر اپنی برکات نازل کرے۔ تمنے ہم پر وہ احسان کیا ہے جسکا عوض ہم کچھ نہین دیسکتے۔ مین نے کہا وہ کیا بات ہے۔ انہون نے کہا جو سانپ تمھارے پاس مرا ہے وہ ان جنات مین سے تھا جنہون جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر بیعت کی تھی۔ سب مین آخر کا تھا۔

ابو نعیم نے حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

قال خرج قوم یریدون الحج فاضلوا الطریق فلما عاینوا الموت اوکادوا ان یموتوا لبسوا اکفانھم وتضجعوا للموت فخرج علیھم جن یتخلل الشجر

حضرت ابی ابن کعب فرماتے ہین ایک قوم حج کے ارادہ سے چلی راستہ بھول گئے بھٹکتے پھرنے لگے جب انہون نے دیکھا نجات کی صورت نہین ہے تو اپنا کفن پہنکر مرنے کے لیے لیٹ گئے۔ اتنے مین دیکھا کہ ایک

وقال انا بقية النفر الذين استمعوا على النبي صلى الله عليه وسلم سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول المؤمن اخو المؤمن عينه ودليله لا يخذله هذا الماء وهذا الطريق ثم دلهم على الماء وعلى الطريق +

جنی درختون مین کو آتا ہی. اس نے کہا کہ مین ان جنات مین کا جنہون نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قراۃ قرآن کو سنا تہا سب آخری ہون میرے سوا کوئی باقی نہین رہا۔ مین نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہی کہ مؤمن بہائی ہی مؤمن کا۔ وہ اس کا نگہبان اور رہبر ہی اسکو بیاباں و مددگار نہین چھوڑ سکتا لویہ قریب ہی پانی ہی اور یہ راستہ ہی پھر انکو پانی بتلا دیا اور راستہ پر پہنچا دیا ۱۲

بیہقی نے ابو راشد سے روایت کیا ہی۔

قال نزل بنا عمر بن عبد العزيز فلما رحل قال لی مولای ارکب معه فشيعه فرکبت فمررنا بواد فاذا نحن بحية مطروحة على الطريق فنزل فنحاها وواراها ثم رکب فبينا نحن نسير اذا هاتف يهتف يا خرقاء يا خرقاء فالتفتنا يمينا وشمالا فلم نر احدا فقال عمر سئلتك بالله ايها الهاتف ان كنت ممن يظهر الاظهرت وانكنت ممن لا يظهر اخبرنا ما الخرقاء قال الحية التى دفنتم بمكان كذا فانى سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول لها يا خرقاء تموتين بفلاة من الارض يدفنك خير مؤمني الارض يومئذ - قال له عمر من انت يرحمك الله قال انا من التسعة الذين بايعوا رسول الله صلى الله عليه وسلم فى هذا المكان فقال له الله انت سمعت هذا من رسول الله صلى الله عليه وسلم

ابو راشد کہتے ہین ایک مرتبہ عمر بن عبد العزیز ہماری یہان مہمان ہوئے ہونے لگے تو میرے آقا نے مجھے مشایعت کے لئے ساتھ جانے کو کہا ہو کر ساتھ ہوا۔ ایک میدان مین کو گذر ہوا تو راستہ مین ایک مرا پڑا تہا۔ عمر نے اتر کر اُسے راستہ سے علیحدہ کرکے زمین مین دفن کر دیا۔ اور پھر سوار ہو کر چلے تو سنا کوئی پکار کر کہتا ہی ای خرقا ای خرقا (غالبًا یہ پکارنا بطور تأسف تہا) ہم نے داہنی بائین دیکھا تو کوئی شخص نظر نہ آیا۔ عمر ابن عبد العزیز نے فرمایا کہ ای شخص مین تم کو خدا کی قسم دیکر کہتا ہون کہ تم ظاہر ہو سکتے ہو تو ظاہر ہو جاؤ ورنہ یہ بتلاؤ کہ خرقا کون ہی۔ اس نے کہا کہ خرقا وہ سانپ ہی جس کو تم نے دفن کیا ہی۔ مین جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہی کہ ایک روز اس خرقا کو فرماتے تھے کہ تو ایک میدان مین مریگی اور تجھکو وہ شخص دفن کریگا جو اس وقت تمام روئے زمین کے مؤمنون سے بہتر ہوگا۔ عمر نے فرمایا خدا تم پر رحمت بھیجے تم کون ہو۔ کہا مین ان نو جنات مین کا ایک ہون جنہون نے اس میدان مین جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتہہ پر بیعت کی تھی۔ عمر نے کہا کہ تمہین خدا کی قسم ہے کیا تم نے خود یہ ارشاد حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے

فدمعت عینا عمر وانصرفنا + یہ سنکر حضرت عمر ابن عبد العزیز کی آنکھون مین آنسو بھر آئے ۔ | سنا ہی کہاں مین نے سنا ہی

ان روایات احادیث و واقعات سے یہ امر بخوبی ثابت ہوگیا کہ جنات مختلف صور مین متشکل ہوتے ہین اس سے زیادہ غالباً لکھنے کی ضرورت نہین ہے ۔

وجود جنات کے بارہ مین عقلی استدلال

جنات کے متعلق یہان تک ہمارا بیان نقلی و سمعی طور پر تھا ۔ اور یہ اگرچہ مختصر ہی مگر بحمداللہ کافی ہی ۔ اب ہم چاہتے ہین کہ جو لوگ محض عقل کے پابند ہیں ۔ سمعیات کی طرف کان دھرنا نہین چاہتے ان کے لئے بھی کچھ عرض کرو ین ۔

کسی شے کے وجود کا عقلاً اقرار یا انکار اسپر موقوف ہی کہ از روئے عقل اس کا وجود ممکن ہی یا نہیں ۔ سو یہ بات بدیہی ہے کہ جسکے موجود ماننے سے کوئی محال لازم نہیں آتا ۔ اس کا وجود ممکن ہی اور جسکے تسلیم سے محال لازم آتا ہی ۔ عقل اس کے وجود سے انکار کرتی ہی وہ ممتنع ہی ۔ دیکھئے شریک باری کو عقل اسوجہ سے ممتنع کہتی ہی کہ اس کے وجود سے محال لازم آتا ہی اور یہی وجہ ہے کہ ہر زمانے کے عقلاء و اہل دانش خواہ فلاسفہ یونان ہوں یا متبعین ملل سب کے سب توحید کے قائل چلے آئے ہین ۔ علیٰ ہذا اجتماع ضدین یا اجتماع مثلین یا ارتفاع ضدین سب امور منجملہ محالات عقلیہ ہین اسیوجہ سے بالاتفاق عقلاء ہر زمانہ نے انکو محال تسلیم کیا ہے ۔

ہم دیکھتے ہین کہ اگر جنات کو مخلوق لطیف ناری مان لین تو ہمین کوئی وجہ استحالہ عقلی اور امتناع کی نہین ہے ۔ عالم مین بہت سی مخلوقات لطیفہ ہین جو آنکھون سے نظر بھی نہین آتین ۔ دیکھئے ہوا جسم لطیف ہے اس کے وجود کا کون انکار کر سکتا ہے ۔ باینہمہ غیر مرئی ہے محسوس ضرور ہے ۔ اہل علم کی زندگی کا مدار اسی پر ہے ۔ مگر آنکھ سے نظر نہین آتی ۔ متبعان ملت و مذہب کے نزدیک ملائکہ کا جداگانہ مخلوق و موجود ہونا بھی مسلّم ہے جو ایک جسم لطیف نورانی ہین ۔ اسیطرح اگر جنات کو جسم لطیف ناری مان لیا جائے تو کیا استحالہ ہی اور کونسی خرابی لازم آتی ہے اور جب عقلاً اسکا وجود ممکن ہی تو اب گفتگو صرف اسمین رہی کہ باوجود ممکن ہونے کے موجود بھی ہین یا نہیں ۔ یہ امکان فعلیۃ کے درجہ کو پہنچا یا نہین ۔

سو اول تو کسی ممکن الوجود کا محض اسوجہ سے انکار کر دینا کہ ہم کو محسوس نہین ہوتا عقل سلیم سے بہت ہی مستبعد ہی ۔ اگر یہی بات ہی کہ جو شئی ہمین معلوم نہو ہم اسکا انکار کر دیا کرین ۔ تو دنیا مین آج ہزارون ایسی عجائب قدرت اور مخلوقات جدیدہ کا پتہ چل گیا ہے ۔ اور چلتا جاتا ہی ۔ جس کا اعصار سابقہ مین علم نہ تھا ۔ انکشافات جدیدہ نے پردہ اٹھا کر خلوۃ خانہ عدم العلم

سے معلومات و محسوسات کے حلقہ خانہ مین سٹھلا دیا ہی۔ اجسام لطیفہ اور روحانیات کا تو ذکر ہی کیا ہی۔ بہت اجسام کثیفہ ایسے ہیں جن کا پہلے علم نہ تہا اور اب ان کا انکشاف ہوا۔ وہی لوگ جو ہر ایسی بات کا انکار کرنے پر تُلے بیٹھے رہتے ہین جنکا ان کو علم نہ ہو۔ مگر خود جب ان کو کسی بات کا انکشاف ہوجاتا ہی۔ یا کسی محسوس شئے کی تاثیر سے واقف ہوجاتے ہین اس کو تسلیم کرلیتے ہین۔ حالانکہ اُن کے اُسکے تسلیم کرنے کی کوئی دلیل اس کے سوا نہین ہوتی کہ از روے عقل اس کا وجود ممکن ہی یا اس کی تاثیر کے ثمرات ان کو معلوم و محسوس ہوگئے تھے۔

مادہ علم کے وجود کا سب عقلا اور فلاسفہ قدیم و جدید کو اقرار ہے عالم مین جو کچھ ظاہر ہی وہ مادہ ہی ہے جو مختلف لباسون اور صورتون مین ظاہر ہورہا ہی۔ اور پھر اسپر بھی اتفاق ہی کہ وہ غیر مرئی ہے۔ ظاہر جو کچھ ہی وہ مادہ کی صور و اعراض ہین۔ پھر اگر ہر غیر مرئی کا انکار کردیا جائے تو سب سے اول مادہ کے وجود سے انکار کرنا چاہیے۔ اور جب مادہ با وجود غیر مرئی ہونے موجود ہی اور اُسی کی مختلف اشکال ہیں جو عالم مین ظاہر ہین۔ تو اسی طرز کی ایک ایسی جداگانہ مخلوقات سے کیوں انکار کیا جاتا ہی جو لطیف ہی ہماری آنکھوں سے اوجھل ہی۔ اور اپنی لطافت اور رقت اجسام کیوجہ سے مختلف اجسام و صور مین ظاہر ہونے کی قابلیت رکھتی ہی۔ یا خداوند عالم نے اسکو اختیار و قدرت دی ہی کہ وہ مختلف لباسون اور صورتون مین ظاہر ہوجائے

دوسرے یہ کہ عالم کے ہر دور اور زمانہ کے ہر قرن مین ہزارہا ایسے واقعات گذرتے اور پیش آتے ہین جن ایک ایسی مخلوق کا پتہ چلتا ہی جو بظاہر غیر محسوس و غیر مرئی ہی۔ مگر اس کے آثار ظاہر ہوتے ہین۔ اور کبھی کبھی وہ ہی کسی صورت خاص مین بھی ظاہر ہوجاتے ہین۔ پھر کوئی وجہ نہیں کہ ایسی بات کا جسکے آثار و ثمرات برابر ظاہر ہوتے ہین۔ عقل اسکے وجود کو جائز رکھتی ہی انکار کردیا جائے۔

اور پھر جب یہ دیکھا جائے کہ دنیا کے تمام اہل ملّۃ وحی والہام کے قائل ہین۔ اور بذریعہ وحی یہ خبر دیگئی ہے کہ ملائکہ و جنّات دونون مخلوقات مین سے ہیں۔ فرق صرف اتنا ہی کہ ایک جسم لطیف نوری ہے اور دوسرا جسم لطیف ناری۔ تو اب کسی ایسے شخص کو جو اتباع ملّۃ کا مدعی ہو انکار کردینے کی گنجائش نہیں ہی۔

انھین وجوہات مذکورہ بالا کیوجہ سے ہر زمانہ کے عقلا و اہل ملّۃ وجود جنّات کو برابر تسلیم کرتے چلے آئے ہین جنہون نے انکار کیا تہا بمقابلہ تسلیم کرنیوالون کے وہ بہت کم ہین۔ اور ان کا انکار کسی عقلی قاعدہ مین داخل نہیں ہے۔ آکام المرجان فی احکام الجان مین ہی۔

قال الشيخ ابو العباس ابن تيمية لم يخالف احد من طوائف المسلمين في وجود الجن وجمهور طوائف الكفار على اثبات الجن اما اهل الكتاب من اليهود والنصارى فهم مقرون بهم كاقرار المسلمين وان وجد فيهم من ينكر ذلك فكما يوجد في بعض طوائف المسلمين كالجهمية والمعتزلة من ينكر ذلك وان كان جمهور الطائفة وائمتها مقرين. وهذا لان وجود الجن تواترت به اخبار الانبياء عليهم السلام تواترا معلوما بالاضطرار. ومعلوم بالاضطرار انهم احياء عقلاء فاعلون بالارادة مامورون منهيون. ليسوا صفات ولا اعراضا قائمة بالانسان او غيره كما يزعمه بعض الملاحدة فلما كان امر الجن متواترا عن الانبياء عليهم السلام تواترا ظاهرا يعرفه الخاصة والعامة لم يمكن طائفة من طوائف المومنين بالرسل ان ينكرهم فالمقصود هنا ان جميع طوائف المسلمين يقرون بوجود الجن وكذلك جمهور الكفار كعامة اهل الكتاب وكذلك عامة مشركي العرب وغيرهم من اولاد سام والهند وغيرهم من اولاد حام وكذلك جمهور الكنعانيين

ابو العباس ابن تیمیہ فرماتے ہین ۔ مسلمانون کی جماعتون مین سے کسی نے وجود جن سے خلاف نہین کیا اور اکثر کفار بھی وجود جن کے قائل و معتقد ہین ۔ اہل کتاب یہود و نصاری تو مسلمانون کی طرح مقر ہین ۔

ان مین کوئی منکر بھی ہی تو ایسے ہی جیسے مسلمانون مین سے بعض لوگون نے مثل جہمیہ و معتزلہ کے انکار کیا ہے ۔ اگرچہ انہین کے بھی اکثر اس کے قائل ہین ۔ اور یہ تسلیم و اقرار (طوائف مسلمین اور اہل کتاب کا) اس لیئے ہے کہ وجود جن کے بارہ مین انبیا علیہم السلام سے اسقدر روایات متواتر مروی ہین کہ ان سے ایسا علم یقینی اضطراری جسکے تسلیم کرنے پر عقل مجبور ہو حاصل ہو جاتا ہی ۔ اور یہ بھی اسی علم یقینی اضطراری سی معلوم ہو چکا ہے کہ وہ یعنی جنات زندہ ہین ۔ صاحب عقل ہین ۔ فاعل بالارادہ ہین ۔ مامور اور منہی مکلف بالاحکام ہین ۔ نہ وہ صفات ہین اور نہ اعراض جو انسان کے ساتھ قائم ہوتے ہین جیسا کہ ملحدین کا خیال ہے (صفات مثل علم و قدرۃ ارادہ وغیرہ کے اور اعراض مثل لون و شکل وغیرہ کے) اور جب ان کا وجود انبیا علیہم السلام سے ایسے تواتر کی ساتھ ثابت ہے جس کو خاص و عام سب جانتے ہین تو کسی ایسے شخص کو جو انبیا اور رسل پر ایمان لایا ہو انکار کی گنجائش نہین ہی ۔ مقصود یہا اس موقع پر یہ بیان کرنا ہی کہ مسلمانون کے تمام طوائف (باستثنا بعض افراد و اشخاص کے) اور عامۃ کفار مثل اہل کتاب اور مشرکین عرب وغیرہ کے جو اولاد سام ابن نوح ع سے ہین اور اسیطرح اہل ہند وغیرہ جو اولاد حام ابن نوح علیہ السلام سے ہین ایسے ہی تمام کنعانی

واليونانيين وغيرهم من اولاد يافث فجماهير الطوائف تقر بوجود الجن بل يقرون بما يستجلبون به بمعاونة الجن من العزائم والطلاسم سواء كان سائغا عند اهل الايمان او شركا الخ +

یونانی وغیرہ جو اولاد یافث ابن نوح علیہ السلام سے ہین سب مقر وجود جن کے ہین۔ حاصل کلام یہ ہی کہ طوائف عالم کے جمہور وجود جن کے مقر ہین۔ بلکہ اسمین یہانتک بڑھے ہوئے ہین کہ جنات سے امداد حاصل کرنیکے عمل کرتے ہین ایسے طلسم اور اعمال تعویذات سیکھتے ہین جسکے جنات تابع ہوجاوین۔ یہ امر دوسرا ہی کہ اہل ایمان واسلام اسکو جائز قرار دیتے ہین یا شرک سمجھتے ہین

شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے کلام سے بوضاحت ثابت ہی کہ اہل کتاب یہود ونصاریٰ اور ان کے علاوہ وہ لوگ جو مشرک کہلاتے ہین۔ خواہ عرب کے ہون یا ہند وغیرہ کے۔ اور جمہور عقلا کسی مذہب وملت کے پابند ہون یا نہون سب کے سب وجود جنات کے قائل ہین اور نہ صرف قائل بلکہ بہت سے گروہ ان سے امداد ومعانت حاصل کرنے کی بھی کوشش کرتے ہین۔ اور جیسا کہ ان کے کلام کے اگلے حصہ سے معلوم ہوتا ہی بعض جماعتین تو ان کی تعظیم مفرط وعبادت بھی کرتے تھے (اور کلام اللہ مین بھی ایسی جماعتون کا ذکر ہی بل کانوا یعبدون الجن اکثرهم بهم مؤمنون (بلکہ وہ جنات کی عبادت کرتے تھے اور ان مین سے اکثر انپر ایمان لائے ہوئے تھے)۔

جب عقلا دنیا کا عامۃً وکافۃً یہ حال ہی تو تعجب پر تعجب ہے ان بعض نادانون پر جو با وجود دعوی اسلام واتباع کلام الٰہی وتسلیم ارشادات نبوی علیہ السلام وجود جن سے محض اپنی خیالات باطلہ واہیہ کی بنا پر انکار کرتے ہیں۔

آکام المرجان مین امام الحرمین سے نقل کیا ہی۔

ولا يراغم مثل هذا الاتفاق متدين متشبث بمسكة من الدين ثم ساق عدة احاديث ثم قال فمن لم يرتدع بهذا وامثاله فينبغي ان يتهم في الدين ديعته وبالانسلال منه على انه ليس في اثبات الشياطين ومردة الجن ما يقدح في اصل من اصول العقل وقضية من قضاياه

ایسے اتفاق واجماع کا کوئی ایسا شخص جو دین وملۃ کا پابند ہو جسکو دین سے ذرا سا بھی تعلق ہو خلاف نہین کر سکتا۔ اسکے بعد امام الحرمین نے چند احادیث اس بارہ مین نقل کرکے کہا کہ جو شخص ان روایات اور اسیطرح کی اور روایات کے بعد اپنی خیال سے باز نہ آئے تو اسکو دین کے بارہ مین متہم سمجھنا چاہیے اور اسکو خود دین مذہب سے نکلجانے کا بھی اعتراف کرلینا چاہیے۔ ان سب کے علاوہ یہ بات ہی کہ شیاطین اور مفسد وشریر جنات کا وجود تسلیم کرلینے سے کسی عقلی قاعدہ مین قدح ونقصان نہین پڑتا۔ پھر کیا وجہ انکار کی ہی "

اس کے بعد امام الحرمین فرماتے ہین۔

وانما یستبعد ذلك من لم یحط علمًا بعجائب المقدورات وقولہم فی الجن یجرھم الی انکار الحفظۃ من الملائکۃ علیہم السلام ومن انتہی بہم المذہب الی ہذا فقد وعی افتضاحہ۔

اسکو یعنی وجود جنات کو وہی شخص مستبعد سمجھسکتا ہے۔ جسکو خداوند عالم کی عجائب قدرت کا علم نہو۔ پھر اس سے بڑھکر یہ ہے کہ وجود جنات سے انکار انکو کشان کشان ملائکہ اور کرام کاتبین کے انکار کیطرف لیجاتا ہے اور جسکا مذہب اس حد پر پہنچگیا اس کی رسوائی مین کیا کلام ہے۔

مطلب یہ ہے کہ جو لوگ ملۃ و مذہب کے پابند ہین۔ روایات مذہب اور اعتقادیات ملۃ پر ایمان لانیکو ضروری سمجھتے ہین ان کو تو انکار کی گنجائش ہی نہیں۔ اگر جنات کے وجود کا اسوجہ سے انکار کرین گے کہ وہ ان کی آنکھون سے اوجھل ہین تو لامحالہ ان کو ملائکہ کے وجود سے بھی انکار کرنا لازم ہوگا۔ اور باوجود دعوی مذہب ملائکہ کے وجود سے انکار جیسا کہ اکثر ملحدانہ خیالات افراد سے ظاہر ہو رہا ہے صریح رسوائی کی بات ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ نہ از روی عقل اور نہ از روی مذہب وجود جنات سے انکار کی گنجائش نہین ہے۔

عقلی طور پر جنات کے باشکال مختلفہ ظہور کا بیان

رہا ان کا اشکال مختلفہ مین متشکل ہونا سو عقل کی روسے یہ جائز ہے۔ اور جب عقل کے نزدیک ممکن ہے روایات مذہب سے ثابت ہے تو پھر محض اپنے خیالات کی بنا پر اس سے انکار کردینا عقل کا کام نہین ہے

امکان عقلی تو اس سے ظاہر ہے کہ کوئی وجہ اُس کے محال و ناممکن ہونے کی نہین ہے۔ اس کے علاوہ ہم دیکھتے ہین کہ اجسام لطیفہ مرئی ہون مثل پانی آگ وغیرہ کے یا غیر مرئی مثل ہوا کے۔ اگرچہ ذی روح نہین ہین۔ اور اپنے اختیار سے کچھ نہین کرسکتے۔ مگر اپنے انفعال طبعی سے یا کسی کی تحریک سے مختلف شکلون مین ڈھلجاتے ہین۔ اور قسم قسم کی صورتین اختیار کرلیتے ہین۔ پانی جیسے ظرف مین ڈالدیا جاتا ہے وہی صورت اختیار کرلیتا ہے۔ جب اجسام لطیفہ غیر ذی روح اور غیر ذی حیات کا یہ حال ہے تو ان اجسام لطیفہ کی نسبت جو باوجود لطافت و قابلیت تشکل باشکال مختلفہ ذی حیات و ذی اختیار بھی ہین اس سے انکار کی کیا وجہ ہے۔

اور ہم تو یہ جانتے ہین کہ اجسام ارضی مین بھی جنپر روحانیت کا غلبہ ہوجاتا ہے وہ بھی مختلف صورتون مین ظاہر ہوسکتے ہین ایسے افراد کے حالات سے تمام اہل ملل کی تواریخ [illegible] ہوئی ہین مسلمانون مین بھی بہت سے اولیاء اللہ [illegible] کا ثبوت ملتا ہے۔

دیکھو رشحات مین خواجہ عبداللہ احرار قدس سرہٗ کے حالات مین لکھا ہی کہ آپ ایک دن کے اندر مختلف صورتون مین ظاہر ہوئے۔

عبارت رشحات یہ ہی اذا عرض للشیخ قبض فی اقامتہ بتاشکند فی ایام شبابہ کان یخرج من البیت ویدخل وکان یفعل لذلک مرات وکلما دخل البیت کان یخرج فی غیر الصورۃ الاولی بطریق الخلع واللبس الخ (راوی کہتے ہین کہ زمانہ قیام تاشکند جب آپ کو قبض واقع ہوتا تہا تو آپ بار بار مکان سے باہر تشریف لاتے اور مکان مین تشریف لیجاتے تھے اور ہر دفعہ پہلی صورت کے سوا دوسری صورت مین بطور خلع ولبس کے تشریف لاتے تھے)۔

پھر ان اجسام کا یہ حال کہ قوۃ روحانی کے غلبہ سے ایسا کرسکتے ہین۔ تصرفات وکرامات اولیا کے ماننے والے ہرگز اس سے انکار کی جرأت نہین کرسکتے۔ اور نہ وہ اُن واقعات وحالات کے تسلیم سے انکار کرسکتے جن سے کتب تواریخ علما و مشائخ بھری ہوئی ہین۔ تو اجسام لطیفہ ناری یا نوری مین کیون اس کا انکار کیا جاتا ہی۔

پھر اگر یہ دیکھا جائے کہ اجسام ارضی مین وہ افراد بھی جنپر روحانیت کا غلبہ نہین ہے محض اپنی کرتب و ورزش سے اپنی صورت وہیئۃ رنگ وروپ جسم کے طول وعرض مین کمی بیشی کرلیتے ہین۔ تو اس امر کا سمجھنا اور بھی سہل ہوجاتا ہے رہا یہ کہ جنات وشیاطین کو خود اس کی قدرت واختیار دیئے گئے ہین کہ مختلف اشکال مین متشکل ہوجائین۔ یا اُن کو ایسے کلمات اور دعائین بتلادی گئین جن کے پڑہنے سے وہ دوسرے لباس ہیئت وشکل وصورت مین ظاہر ہوجاتے ہین سو یہ مسئلہ اسوقت ہماری بحث اور تحقیق سے علیحدہ ہی۔ اس لئے اس کو یہان یونہی مجمل چھوڑتے ہین۔

اس کے بعد امام الحسن فرماتے ہیں۔

وانما یستبعد ذلک من لم یحط علماً بعجائب المقدورات وقولهم فی الجن یجرهم الی انکار الحفظة من الملائکة علیهم السلام ومن انتهی بهم الی هذا فقد وضح افتضاحه

اسکو یعنی وجود جنات کو وہی شخص مستبعد سمجھسکتا ہے جسکو خداوند عالم کی عجائب قدرت کا علم نہو۔ پھر اس سے بڑھکر یہ ہے کہ وجود جنات سے انکار انکو کشاں کشاں ملائکہ اور کرام کاتبین کے انکار کیطرف لیجاتا ہے اور جسکا مذہب اس حد پر پہنچگیا اس کی رسوائی میں کیا کلام ہے۔

مطلب یہ ہے کہ جو لوگ ملت و مذہب کے پابند ہیں۔ روایات مذہب اور اعتقادیات ملت پر ایمان لانیکو ضروری سمجھتے ہیں ان کو تو انکار کی گنجائش ہی نہیں۔ اگر جنات کے وجود کا اس وجہ سے انکار کرینگے کہ وہ ان کی آنکھوں سے اوجھل ہیں تو لامحالہ ان کو ملائکہ کے وجود سے بھی انکار کرنا لازم ہوگا۔ اور باوجود دعوی مذہب ملائکہ کے وجود سے انکار جیسا کہ اکثر ملحدانہ خیالات افراد سے ظاہر ہو رہا ہے صریح رسوائی کی بات ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ نہ از روی عقل اور نہ از روی مذہب وجود جنات سے انکار کی گنجائش نہیں ہے۔

عقلی طور پر جنات کے باشکال مختلفہ ظہور کا بیان

رہا ان کا اشکال مختلفہ میں متشکل ہونا سو عقل کی رو سے یہ جائز ہے۔ اور جب عقل کے نزدیک ممکن ہے روایات مذہب سے ثابت ہے تو پھر محض اپنے خیالات کی بنا پر اس سے انکار کر دینا عقل کا کام نہیں ہے امکان عقلی تو اس سے ظاہر ہے کہ کوئی وجہ اس کے محال و ناممکن ہونے کی نہیں ہے۔ اس کے علاوہ ہم دیکھتے ہیں کہ جو اجسام لطیف مرئی ہوں مثل پانی آگ وغیرہ کے یا غیر مرئی مثل ہوا کے۔ اگرچہ ذی روح نہیں ہیں۔ اور اپنے اختیار سے کچھ نہیں کرسکتے۔ مگر اپنے افعال طبعی سے یا کسی کی تحریک سے مختلف شکلوں میں ڈھلجاتے ہیں۔ اور قسم قسم کی صورتیں اختیار کرلیتے ہیں۔ پانی جیسے ظرف میں ڈالدیا جاتا ہے وہی صورت اختیار کرلیتا ہے۔ جب اجسام لطیفہ غیر ذی روح اور غیر ذی حیات کا یہ حال ہے تو ان اجسام لطیفہ [illegible] جو باوجود لطافت و قابلیت تشکل باشکال مختلفہ ذی حیات و ذی اختیار بھی ہیں اس سے انکار کی کیا وجہ ہے۔

[illegible] یہ جانتے ہیں کہ اجسام ارضی میں بھی [illegible] کا غلبہ ہو جاتا ہے وہ [illegible] مختلف صورتوں میں ظاہر [illegible] ہیں [illegible] افراد کے حالات سے تمام اہل ملل کی تواریخ [illegible] سلطانوں میں [illegible] اولیا اللہ [illegible] کا مشاہدہ [illegible]

دیکھو رشحات مین خواجہ عبید اللہ احرار قدس سرہ کے حالات مین لکھا ہے کہ آپ ایک ان کے اندر متعدد صورتون مین ظاہر ہوئے۔

عبارت رشحات یہ ہے اذا عرض للشیخ قبض اقامتہ بتاشکند فی ایام شبابہ کان یخرج من البیت ویدخل وکان یفعل ذلک مرات وکلما دخل البیت کان یخرج فی غیر الصورۃ الاولی بطریق الخلع واللبس الخ (راوی کہتے ہین کہ زمانہ قیام تاشکند جب آپ کو قبض واقع ہوتا تھا تو آپ بار بار مکان سے باہر تشریف لاتے اور مکان مین تشریف لیجاتے تھے اور ہر دفعہ پہلی صورت کے سوا دوسری صورت مین بطور خلع اور لبس کے تشریف لاتے تھے)۔

پھر ان اجسام کا یہ حال کہ قوۃ روحانی کے غلبہ سے ایسا کر سکتے ہین۔ تصرفات وکرامات اولیا کو حق ماننے والے ہرگز اس سے انکار کی جرات نہین کر سکتے۔ اور نہ وہ ان واقعات وحالات کے تسلیم سے انکار کر سکتے ہین جس سے کتب تواریخ علما ومشائخ بھری ہوئی ہین۔ تو اجسام لطیفہ ناری یا نوری مین کیون اس کا انکار کیا جاتا ہے۔

پھر اگر یہ دیکھا جائے کہ اجسام ارضی مین وہ افراد بھی جنپر روحانیت کا غلبہ نہین ہے محض اپنی کرتب دانش سے اپنی صورت وہیئت رنگ وروپ جسم کے طول وعرض مین کمی بیشی کر لیتے ہین۔ تو اس امر کا سمجھنا اور بھی سہل ہو جاتا ہے کہ جنات وشیاطین کو خود اس کی قدرت واختیار دیئے گئے ہین کہ مختلف اشکال مین متشکل ہو جائین۔ یا ان کو ایسے کلمات اور دعائین بتلا دی گئیں جن کے پڑھنے سے وہ دوسرے لباس ہیئت وشکل وصورت مین ظاہر ہو جاتے ہین سو یہ مسئلہ اسوقت ہماری بحث اور تحقیق سے علیحدہ ہے۔ اس لئے اس کو یہان یونہی مجمل چھوڑتے ہین۔

قطب عالم مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہٗ

ریگستانِ عرب آجتک ان ہستیون پر جو بوبکرؓ و عمرؓ، بلالؓ و ابوذرؓ وغیرہ کے پیکر مین نمودار ہوئین نازان ہین۔ لیکن گلشن عجم کا وہ پھول بھی جو خاک ہند سے شگفتہ ہوکر ملک کو معطر اور تاریخ کو مہکا گیا اپنے زمانہ کے اعتبار سے آج دنیا علم و عمل مین بمنزلہ ثابت ہو چکا ہے۔ یہ کسے خبر تھی کہ سرزمین ہند سے جو کفر و شرک کا معدن ہے ایسی ایسی ہستیان بھی منصۂ شہود پر جلوہ گر ہونگی جن کی صداقت کے انمول موتی انسانیت کی کسوٹی پر غایتِ آب و تاب کیساتھ دیکھینگے، اور وہ جواہر پیش کرین گے جن کے سلسلہ کی ایک ایک کڑی حقانیت کا مصداق اور صداقت کا مفہوم بتلائے گی، اور یہی نہین بلکہ سطح ارضی پر کفر و ضلالت کے زہریلے جراثیم پیدا کرنیوالی بادِ سموم کے مقابلہ مین اتباع سُنّتہ کے ان سدا بہار پھولون کی ایک جھلک پیش کرینگے جو اس سمیت کیلئے بالیقین تریاق ثابت ہو کر رہیگی۔

زمانہ کے انقلابات، اور دہر کی رفتار چاہے تو ایثار صدیقؓ، پیوند فاروقیؓ، اور تلوار خالدؓ کو بھی فراموش کردے ان کے گلون کے کمبل اور ہونٹون کی پپڑیان بھی بھلادے۔ مگر تاریخ شاہد اور واقعات روشن ہین کہ عربی پیغمبر کے جاوید فیضان نبوت کے ایک مواج دریا سے شاداب ہونیوالے شجر اسلامی نے ہندی سرزمین سے پیدا ہوکر بھولے ہوئے افسانون کی وہ یاد دلائی اور متروک و مردہ سنن رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وہ احیا کیا جو حقیقت مین اسی ہستی کے شایان شان تھا۔

اللہ اللہ!! کتنے پیارے الفاظ تھے جو حقیقت کا جامہ پہنے ہوئے غالباً شیخ الہند کی زبان مبارک سے نکلے کہ "بطحا کے رسولؐ کے لگائے ہوئے گلشن کی ویرانی کو دور کرنے اور عصیان کے ابر سیاہ مین محیط ہوجانیوالے نفوس کی ظاہری و باطنی اصلاح کے لئے اللہ نے اپنے دو بندون (حضرت قاسمؒ و رشیدؒ) کو منتخب فرمالیا، جن مین مقدم الذکر نے تو تحریر و تقریر اور مناظرون سے اُمّت محمدیہ کی اصلاح فرمائی، اور دوسرے نے تزکیۂ و تطہیر قلوب، اور تصرفات باطنیہ سے خلق اللہ کی باطنی تربیت فرمائی۔

یہ امر کوئی محتاج تشریح نہین کہ حضرت رشید قدس سرہٗ کی ذات گرامی کیا تھی؟ انھین زیور علم و فضل سے آراستہ ہونے کے بعد اتباع سُنّت مین انہماک و فنائیت کس قدر حاصل تھی؟ وہ نیابت نبوت نبیؐ کے کتنے اچھے

جانشین تھے؟ گو میری اس تحریر کو "پدرم سلطان بود" سے زیادہ وقیع نہ سمجھا جائے مگر حاشا وکلا مین اس اعتبار سے عنوان بالا پر کچھ لکھکر ہدیۂ ناظرین نہین کر رہا بلکہ زمانے کی نیرنگیون وہر کے انقلابات، جدید تمدن اور نئی روشنی چونکہ سلف صالحین کے حالات پھیلا دینے اور قدامت پسندون کی سوانح فراموش کر دینے ہی کو اولی سمجھتی ہے۔ اس لئے بمقتضائے زمانہ مناسب سمجھا کہ اپنے زمانہ کے اس قطب ارشاد کی سوانح کو پیش کر کے قرن اولی کا نقشہ کھینچتے ہوئے

وسلك سبيل الهدى ما قد عليه مضوا ۔۔۔ اذا تشعب آراء واهواء

کی تعمیل کیطرف متوجہ کر دیا جائے۔

مجھے مختصراً چند سنے ہوئے مستند اور بعض تذکرۃ الرشید سے لئے ہوئے واقعات کو بیان کرنا ہے جو "عند ذکر الاولیاء اللہ تنزل الرحمہ" کے ماتحت انشاء اللہ ناظرین کے مرحوم ہونے کی علت ہون گے۔

ولادت ذیقعدہ ۱۲۴۴ھ کی ۶ر تاریخ تھی، دوشنبہ کا دن اور چاشت کا وقت تہا کہ حضرت رشید قدس سرہٗ نے دنیا مین پہلا قدم رکھا، اور قصبہ گنگوہ کے اس حصہ کو جسے سرائے سے موسوم کیا جاتا ہے اپنی ولادت باسعادت سے مشرف فرمایا، آمد کے اسوقت سے اصحاب بصیرت پر روشن ہوگیا کہ وہ ہستی ہے جسکا پہلا قدم اور اول غیر اختیاری حرکت بھی دائرۂ اتباع سے باہر نہین ہوئی، اور جو آگے چلکر نہ صرف ہاشمی نبی ؐ کا اتباع کریگی بلکہ دوسرون کو بھی اس دائرہ مین کھینچنا اپنی طبیعت ثانیہ بنائے گی۔

نسب نامہ آپ کا نسب نامہ یون نقل کیا جاتا ہے کہ حضرت مولانا رشید احمد ابن مولانا ہدایت احمد ابن قاضی پیر بخش ابن قاضی غلام حسن ابن قاضی غلام علی ابن قاضی علی اکبر، ابن قاضی محمد سلم الانصاری الایوبی رحمۃ اللہ علیہم۔ اسیطرح مان کی جانب سے بھی سلسلۂ نسبی حضرت ایوب انصاری ؓ تک پہنچ جاتا ہے۔ گویا یہ دوسرا فخر تہا جو نجیب الطرفین ہونے کا متابعت غیر اختیاری پر آپ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملا۔

آپکی داد ہیال فی الحقیقت رامپور مین تھی۔ مگر آپ کے دادا جناب قاضی پیر بخش صاحب کے ماموں زاد بھائی شاہ قطب علے صاحب مرحوم گنگوہ کے رہنے والے تھے، ان کی اپنے کسی عزیز سے مخالفت بڑھی، یہ تنہا تھے اسلئے اپنے بھائی قاضی پیر بخش صاحب کو لکھا کہ تم لوگ کنبہ سمیت گنگوہ آجاؤ تاکہ میری یہ تنہائی دور ہو اور کچھ ڈھارس بندھے، قاضی صاحب گنگوہ پہنچ گئے اور مستقلاً وہین سکونت اختیار کر لی، یہین آکر حضرت ؒ کے والد ماجد مولانا ہدایت احمد صاحب پیدا ہوئے۔ مولانا ہدایت احمد صاحب مرحوم کو حضرت ولی اللہ صاحب ؒ کے خاندان سے شرف تلمذ حاصل تھا۔ اور شاہ غلام علی صاحب مجددی نقشبندی ؒ سے ارادت قائم تھی، مولانا

گورکھپور مین ملازم تھے اور وہین ۱۲۵۲ھ مین انتقال فرمایا، آپ کے انتقال پر حضرتؒ کی عمر شریف کم وبیش سات سال کی تھی۔ آپکی کفالت آپکے دادا قاضی پیر بخش صاحب کے سپرد ہوئی، گویا یہ تیسرا بے اختیاری ابتلاء تہا جو اس ہونیوالی ہستی کو حاصل ہوا

سن رشد اور تعلیم حضرتؒ نے اول میاں جی قطب علی صاحب گنگوہی سے تعلیم شروع کی۔ جو حضرتؒ کے اپنی ہی عزیزون مین تھے اسکے بعد کرنال اپنے ماموں مولوی محمد تقی صاحب کے پاس تشریف لیگئے، جہان ہوکر آپنے فارسی پڑھی۔ اسکے بعد مولوی محمد بخش صاحب رامپوری سے عربی کی ابتدائی کتابین نکالین۔ اور پھر انھیں کی رائے سے سفر دھلی اختیار کیا، اسوقت حضرتؒ کی عمر سترہ سال کی تھی۔ آپ اول نانوتہ پہنچے جہان آپکی کچھ رشتہ داری بھی تھی، نانوتہ پہنچکر سب سے پہلے آپکی ملاقات اپنے ایک ہم عمر بچہ سے ہوئی جو کسی مسجد کے دروازہ پر ایک شیعہ زادے کی زدوکوب مین مصروف تھا۔ یہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب قدس سرہٗ تھے چمنستان خوبی کے ان دونون گلون مین ملنے کے بعد کچھ مشورہ ہوا ہوگا جیسپر دونون نونہالان اسلام "اطلب العلم" کی تعمیل مین دھلی روانہ ہوگئے دھلی پہنچکر اول دوسرے لوگون میں سبق شروع کئے اور اخیر مین حضرت مولانا مملوک علی صاحب سے میر زاہد، قاضی صدرا، شمس بازغہ وغیرہ کتابین نکالین، اور پھر دورہ حدیث حضرت مولانا شاہ عبد الغنی صاحب سے پڑھا۔ فراغت کے وقت آپکی عمر اکیس ۲۱ سال تھی، اسکے بعد آپنے اپنے وطن کو مراجعت فرمائی، دہلی کے قیام کی مدت تقریباً چار سال تھی۔ اس عرصہ مین جس غور وخوض اور انہماک کیساتھ آپنے تعلیم حاصل کی وہ تفصیلاً تذکرۃ الرشید مین ملسکتا ہے۔ تاہم اجمالاً اتنا لکھدینا ہی ضروری ہے کہ آپنے اپنی ذہانت وذکاوت، شوق اور محنت سے ہر استاذ کو اپنا دلدادہ بنا لیا تہا، دہلی رہکر آپنے اپنے اخراجات کا بوجھ کسی پر نہین ڈالا بلکہ آپکے ماموں خالباً مولوی محمد تقی صاحب آپکو صرف تین روپیہ ماہوار دیا کرتے تھے۔ جسمین کھانا پینا اور دھلائی وغیرہ سب ہی ضرورتین پوری ہوتی تھین۔

نکاح فراغت کے بعد گنگوہ واپس ہونے پر آپکے ماموں مولوی محمد تقی صاحب نے نکاح کا تذکرہ چھیڑا، اور کچھ پوچھ گچھ اور مشورہ کے بعد آپکا نکاح مولوی صاحب مذکور کی صاحبزادی سے ہوگیا، ان عفت مآب خاتون کے متعلق اتنا عرض کردینا کافی ہے کہ "الطیبات للطیبین" کے ماتحت وہ نہایت عابدہ زاہدہ اور خدا ترس تھین، چنانچہ حضرتؒ اکثر تعریف فرمایا کرتے تھے کہ جبتک حافظ مسعود احمد کی والدہ زندہ رہین مجھے کبھی کوئی تشویش اور تکلیف نہین ہوئی کیونکہ وہ مہمان نواز سلیقہ شعار اور امور خانہ داری مین بہت اچھی تھین۔

حفظ قرآن شریف زمانہ طفولیت مین آپ میاں جی قطب علی صاحب سے صرف ناظرہ قرآن شریف پڑھا تہا، مگر قرآن کا حفظ کوئی معمولی نعمت تو تھی نہین جسکے حصول کی آپ کو خواہش نہوتی۔ اسلئے ان امور سے فراغت پاکر آپنے فوراً ہی تہیہ کرلیا، اور اپنے ماموں کے مکان مین بالاخانہ پر مغربی جانب مین ایک کوٹھری کے اندر اس لازوال نعمت کے حصول مین مشغول ہوگئے، سال بھر مین قرآن شریف پورا

ہوگیا اور رمضان المبارک میں آپ نے اول محراب سنا کر لوگوں کو محظوظ فرمایا۔

بیعت اور تحصیل طریقت | خدا طلبی کا جذبہ یا دوالٰلہ کا نام سیکھنے کا شوق تو پہلے ہی سے موجود تھا، اب جبکہ تکمیل شریعت ہوگئی تو آپ کو کسی خدا رسیدہ کی تلاش ہوئی، دہلی کے قیام میں ایکمرتبہ اور پھر ایکمرتبہ نانوتہ میں اور تیسری دفعہ گنگوہ میں حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ کی زیارت ہوئی تو کچھ رجحان طبع ان کیطرف ہوگیا، لیکن ساتھ ہی ایک دوسری جانب بھی طبیعت مُل تھی: اسی زمانہ میں مولانا شیخ محمد صاحبؒ سے آپ کا کچھ تحریری مباحثہ ہوا، بحث صرف اتنا تہا کہ روضۂ مطہرہ کے اندر خالی جگہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مدفون ہونا حدیث سے ثابت ہے جسکا منکر بہت کچھ گنہگار ہے، یہ شیخ صاحب فرماتے تھے، حضرتؒ نے اسکے جواب میں تحریر فرمایا کہ اس کے متعلق جتنی اخبار ہیں وہ سب آحاد ہیں جس کی بنا پر اس مسئلہ کو قطعی نہیں بلکہ ظنی سمجھنا چاہئے، اور ظنی سمجھنے کیصورت میں اس کا انکار اسقدر شدید نہیں جتنا شیخ صاحب فرماتے ہیں، اس جواب پر شیخ صاحب کو بہت غصہ آیا، قصہ بڑھا: اسلئے حضرتؒ نے مناسب خیال فرمایا کہ خود تھانہ بھون تشریف لیجاکر زبانی گفتگو کر کے اس مباحثہ کو تمام کریں، تھانہ پہنچے تو حضرت حاجی صاحبؒ کے مہمان ہوئے، حضرت حاجی صاحبؒ نہایت خلوص کے ساتھ پیش آئے، آمد کی وجہ پوچھی، حضرتؒ نے بیان فرمائی تو ارشاد فرمایا کہ "ہاں ایسا نکرنا وہ ہمارے بڑے ہیں" آپنے جواب دیا کہ حضرت آپکے بڑے ہیں تو میرے بھی بڑے ہیں، مباحثہ تو یہیں سے تمام ہوگیا، اب حضرتؒ نے بیعت کی درخواست کی کچھ اصرار اور انکار کے بعد یہ مرحلہ بھی طے ہوگیا۔

حضرت مولاناؒ نے چالیس دن تھانہ قیام فرمایا، مدت قیام میں ایکروز حضرت حاجی صاحبؒ نے فرمایا کہ میاں مولوی رشید احمد مجھے اللہ نے جو نعمت دی تھی وہ سب تمہیں دیچکا ہوں اب اسکو بڑھانا تمہارا کام ہے اس کے بعد آپؒ نے واپسی کی اجازت چاہی جو فوراً ملگئی، مگر رخصت کرتے ہوئے حضرت حاجی صاحبؒ نے فرمایا کہ میاں اگر کوئی تم سے بیعت کی درخواست کرے تو قبول کرلینا، یہ دوسری بشارت تھی، جو حصول طریقت پر آپنے حاجی صاحبؒ کی زبان مبارک سے سُنی، اور یہ وہ چیز تھی جس کے لئے برسوں مرشدین کی جوتیاں سیدھی کیجاتی ہیں۔

درس و تدریس | حضرتؒ گنگوہ واپس ہوئے تو معاملہ ہی دگرگون تہا، تصوف کی علامات، فنا فی اللہ ہونے کے آثار ظاہر ہونے شروع ہوگئے۔ خلق اللہ کا میلان آپ کی طرف ہوگیا، اور جو خدمت اللہ کو آپ سے لینی تھی اس کا افتتاح دربار امداویہ سے واپسی پر فوراً ہی ہوگیا، اور آپ نے کچھ عرصہ کے بعد دوسرے فضلائے غدر سے جس میں حضرت پر الزام بغاوت لگایا گیا، گرفتار ہوئے اور پھر رہائی و براءت ہوئی دورۂ حدیث شروع کرادیا، اس سے قبل دوسری درسی کتابیں بھی آپ نے پڑھائیں جو شرح جامی

نے ہدایہ تک تھیں، چنانچہ ایک بزرگ جو مدرسہ مصباح العلوم میں مدرس تھے فرماتے ہیں کہ جب میں نے مولانا گنگوہی سے ہدایہ آخرین پڑھی تھی تو حضرت نے فرمایا تھا کہ آج چودھویں مرتبہ ہدایہ پڑھائی ہے یہ تھیں وہ چیزیں جس نے عالم، فقیہ، اور مستخرج غرض سب ہی کچھ بنا دیا تھا، بہرحال اس کے بعد آپ نے دورۂ حدیث شروع کرا دیا جس کا سلسلہ اسوقت تک قائم رہا جبتک بینائی سلامت رہی، ضعف بصارت پر آپ نے باطنی تعلیم میں افراط فرما دی اور ظاہری تعلیم گویا بند ہو گئی۔

پیرزادوں کا معاملہ حضرتؒ کیساتھ حضرتؒ جب دہلی سے فارغ ہو کر گنگوہ تشریف لائے تو حضرت مولانا الشیخ عبدالقدوسؒ کے حجرۂ شریف کو بغایت ویران پایا، گدھوں کو چرتے اور دھوبیوں کے بیلوں کو بندھتے دیکھا، جن سے کوڑا کرکٹ اور لید غرض ہر قسم کی نجاستیں پھیلگئی تھیں۔ حضرتؒ حجرہ کو اس حالت میں دیکھتے تو شیخؒ کا زمانہ یاد کر کے چشم پر آب ہو جاتے۔ کہ ایک وہ زمانہ تہا جب کہ شیخؒ کے ذکر و شغل، مریدین کے ہجوم، اور خلفاء کی تسبیح تہلیل سے یہ مقدس جگہ آباد تھی، یا آج بیلوں اور گدھوں کا اصطبل بنا ہوا ہے ان خیالات کے پیں ایکروز حضرتؒ نے پہاوڑا سنبھالا، ٹوکری لی اور تمام حجرہ اور خانقاہ کو صاف کر ڈالا اور وہیں قیام فرمالیا، اسکے بعد وہ وقت آیا جبکہ قال اللہ اور قال الرسولؐ کے نعروں سے خانقاہ اور خصوصاً حجرہ آباد تہا۔

یہ تو بیان کرنیکی ضرورت ہی نہیں کہ جب ہاشمی نبیؐ کی اہل شہر نے کچھ قدر نہ جانی تو اُسکے ایک ادنیٰ خادم کی کیا قدر و منزلت اہل شہر کر سکتے ہیں، ٹھیک اسی کے مطابق گنگوہ کے بعض پیرزادوں نے بھی جب یہ آبادی و رونق اور خلق اللہ کا ہجوم حضرتؒ کیطرف دیکھا تو خیال ہوا کہ مولانا اسکے بعد یقیناً حجرہ پر قبضہ مالکانہ کر بیٹھینگے۔ چنانچہ کچھ آدمی جمع ہوئے اور مشورہ کر کے حضرتؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان کا خیال تہا کہ حضرتؒ حجرہ خالی کرنے میں کچھ تامل فرمائینگے، مگر انکے خلاف قیاس جب حضرتؒ نے انکا منشا معلوم کیا تو فرمایا کہ مجمع کی کیا ضرورت تھی کسی ایک نائی دھوبی کے ذریعہ بھی کہلا دیا جاتا تو حجرہ خالی کر دیا جاتا، یہ فرمایا اور طلباء کو حجرہ خالی کرنیکا حکم دیدیا، حجرہ آسانیکے ساتھ خالی ہو گیا، کچھ اشیاء مکان پہنچا دیگئیں، اور باقی بوریے وغیرہ مسجد میں اور حضرتؒ خود بھی مع طلباء اٹھکر مسجد میں جا بیٹھے، طلباء کثیر تعداد میں جمع تھے، جنمیں ولایتی ہندی افغانی غرض سب ہی قسم کے تھے، صورت سے جوش و خروش اور غصہ کا نشہ ہو رہا تہا، مگر حضرتؒ نے فرمایا کہ سب خاموش اپنے کام میں مشغول رہیں جس نے کوئی بھی حرکت کی وہ مجھسے نہیں، اہل شہر (جو قصبہ گنگوہ کا ایک حصہ ہی) نے واقعہ سُنا تو ایک عظیم الشان مجمع الایوبی الانصاری المدنی حاضر خدمت ہوا اور عرض کیا کہ حضرت ہماری ہمراہ شہر میں تشریف لے چلیں، سرائے والوں نے اس نعمت کی قدر نہ کی مگر ہم اس نعمت کو ہاتھ سے نہیں جانے دینگے۔ ان لوگوں کا اصرار تہا، اور حضرتؒ شکریہ کیساتھ انکار فرما رہے تھے

ادھر ان لوگوں کو تنبہ ہوا اور آپس میں ایک دوسرے کو ملامت کرنے لگے، آخر مشورہ ہوا اور پھر حاضر ہو کر اصرار کر کے بصد اعزاز واپس لے گئے اور اس کے بعد پھر کبھی کو تکلیف وحرکت نہین کی، بلکہ سجادگان تو گویا حضرتؒ پر دل سے فریفتہ تھے اور دوسرے اکثر پیرزادے بھی انتہائی خلوص رکھتے تھے۔

حج بیت اللہ اس عرصہ میں حضرتؒ کو تین مرتبہ حج بیت اللہ کا اتفاق ہوا، جسمین دوسرا حج اپنی شان کے اعتبار سے کسیقدر مخصوص ہے، اسلئے کہ اس حج مین مشاہیر علما حضرتؒ کے ہمراہ تھے، جنمین امام ربانی حضرت مولانا محمد قاسمؒ حضرت مولانا محمد یعقوبؒ مولانا محمد مظہرؒ مولانا محمد رفیع الدینؒ اور حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ حضرتؒ کے ہمراہ تھے،

دارالعلوم دیوبند کی سرپرستی یہ امر کوئی محتاج بیان نہین کہ باغہاے نبوت (مدارس اسلامیہ) سے حضرت مولاناؒ کو کتنا قلبی تعلق تہا، وہ ایسے بستانون کی شادابی کو کس مسرت کی نگاہون سے دیکھا کرتے تھے۔ مگر ان بستانون مین دارالعلوم دیوبند اور مظاہر العلوم سہارنپور بہت کچہ مخصوص تھے۔ اسلئے کہ اس کی بنیاد حضرت قاسم العلوم والخیراتؒ کے ہاتھون رکھی گئی تھی، ۱۲۹۷ھ مین جب دارالعلوم کے بانی امام ربانی حضرت مولانا قاسم الخیراتؒ نے انتقال فرمایا تو یتیم ہونیوالا مدرسہ انہین قطب ارشاد مولانا گنگوہیؒ کے آغوش حفاظت مین دیدیا گیا، اور آپؒ اس کے سرپرست مان لئے گئے۔

اخلاق اور اتباع رسولؐ اسکے متعلق اجمالاً صرف اتنا عرض کردینا کافی ہے کہ آپ کا خلق اتباع رسولؐ تہا، آپؒ نے صحیح معنی مین "تخلقوا باخلاق اللہ والرسول" پر عمل کیا تہا۔ آپؒ کا ہر فعل، ہر حرکت وسکون نمونۂ رسولؐ تھی، حدیث پڑہنے والے طلبا جو کچہ پڑہتے اسکو حضرتؒ ہی کی عملی حالت پر چسپان کر کے دیکھا کرتے۔ حضرت شیخ الہندؒ فرماتے ہین کہ مین نے اپنے بزرگون میں اتباع نبویؐ کا اہتمام حضرت گنگوہی سے زیادہ کسی کے یہان نہین دیکھا۔

ادراک وحواس حضرتؒ خلقی طور پر نفاست پسند تھے، تمام حاسون کے اعتبار سے نہایت ذکی واقع ہوئے تھے، آپؒ کی ذکاوت کے بیسیون واقعات ایسے ہیں جنہیں خوارق عادت کہنا زیادہ اچھا معلوم ہوتا ہے، چنانچہ ایکدفعہ جمعہ کے بعد حضرتؒ کی خدمت میں ایک مجمع کثیر حاضر تہا، مولوی محمد یحییٰ صاحب کے چھوٹے بھائی دبے پاؤن آکر بیٹھ گئے، حضرتؒ نے سر اونچا فرمایا اور کہا کہ بچے کا سانس ہے، نمبردار فضل حق صاحب گنگوہی کا لڑکا ایک دفعہ حاضر خدمت ہوا، آپ کو خبر نہ تھی کہ کون کون حاضر ہین، مگر جب کھانیکے لئے مکان تشریف لیجانے لگے اور اس کے قریب سے گذرے تو فرمایا کہ نمبردار کی بو آرہی ہے حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند ان دنون حضرتؒ کیلئے چائے پکایا کرتے تھے، ایکروز حضرتؒ نے فرمایا

تشریف لے گئے صبح نکلے تو پاؤں کی کسی انگلی میں زخم کا نشان پایا گیا مصلی خون سے تر تھا، اطباء کا خیال تھا کہ سانپ یا کسی دوسرے زہریلے جانور نے کاٹا ہے پیر بہت کچھ متورم ہوگیا تھا۔ مگر حضرتؒ اسے معمولی تکلیف فرما کر ٹالتے رہے ۲۷ رجادی الثانی کو سردی کیساتھ بخار رہوا۔ تدابیر سب کچھ ہوئیں۔ حتیٰ کہ خلفاء اربعہ (حضرت مولانا شیخ الہندؒ حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ حضرت مولانا عبد الرحیم صاحبؒ حضرت مولانا اشرف علی صاحب مدظلہ) نے سلب مرض کی بھی کوشش کی مگر حضرت چونک گئے اور منع فرمایا کہ جو مقدر ہونا ہے وہ ہوکر رہیگا۔ سب صابر رہیں۔ بہرحال مرض ترقی کرتا گیا، اور آخر حضرت گنگوہی قدس سرہٗ بیوم جمعہ اعلیٰ علیین کو سدھار گئے، ادھر روح نے پرواز کی ادھر حضرتؒ کو پیشاب ہوا۔ گویا اس شہادت اور اخیر وقت کے قبول نے یہ بھی بتلا دیا تھا کہ حضرت قدس سرہٗ نے چونکہ اتباع سنت کا التزام اپنی حیات میں برابر رکھا۔ اس لئے حق تعالیٰ نے یہ دونوں باتیں بھی اپنے اس برگزیدہ بندے کیلئے اس کے جذبۂ اتباع کے مطابق اخیر وقت میں رکھیں۔ آپ کو اس مرض میں چھ روز قبل سے جمعہ کے دن کا انتظار تھا، بار بار دریافت فرماتے کہ آج کیا دن ہے، اور جمعہ کے روز جب یہ سنا کہ آج جمعہ ہے تو فرمایا کہ "اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ"

وصال کی تاریخیں بہت کچھ لکھی گئیں۔ جن میں مولانا حکیم مختار احمد صاحب نے ایک عربی قصیدہ لکھا۔ جس کے بیس اشعار ہیں ہر مصرع سے تاریخ نکلتی ہے۔ جس میں سے ایک شعر پیش کرکے رخصت ہوتا ہوں۔

فَاتَ مَوْلَانَا الرَّشِیْدُ الصَّالِحُ
فَاتَ عِزُّ الرَّشْدِ حُبُّ الصَّالِحِیْن

احقر ابن مسعود عبد الرشید محمود گنگوہی
متعلم دار العلوم دیوبند



دنیا مین اسلام ہر انسان یعنی مرد و عورت کیلئے کیا لایا

بعض اہم اور مفید مضامین اسوقت موصول ہوئے جبکہ دارالعلوم نمبر تیار ہوچکا تہا چنانچہ مولانا سعید الدین صاحب ممبر مجلس شوری دارالعلوم دیوبند کا یہ گرانمایہ مضمون اسوقت موصول ہوا جبکہ دارالعلوم نمبر پریس سے بھی آچکا تہا اس وجہ سے ہم مولانا کے مضمون کو دارالعلوم نمبر مین ہدیہ ناظرین نہ کرسکے اس مافات کی تلافی کے بجز اسکے اور کیا صورت ہی کہ القاسم کے باقی نمبرون مین شائع کیا جائے۔ چنانچہ ہم مولانا کے اس گرانقدر مضمون کو ہدیہ ناظرین کرتے ہین۔ علیٰ ہذا بعض دیگر موصول شدہ مضامین علی الترتیب اشاعت پذیر ہونگے۔

(معتمد المدیر)

الحمد للہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی سید المرسلین وعلی آلہ واصحابہ اجمعین وعلی جمیع الانبیاء والمرسلین۔ **امابعد**

اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم ۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ ۔ خَلَقَ الْإِنسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۔ اِقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ عَلَّمَ الْإِنسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ

یہ مشہور و معروف و مسلم ہے۔ کہ حضرت سرورکائنات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قبل نبوت اپنے خیال مبارک کے مطابق عبادت الٰہی مین تنہائی کے ساتھہ مشغول ہونے کو غار حرا مین چلاکشی فرمایا کرتے تھے۔ اسی موقع پر سب سے اول جو وحی نازل ہوئی وہ یہی آیت شریفہ ہے۔

یہ بھی ظاہر ہی کہ اسلام جب سے دنیا مین ظاہر ہوا۔ اسکے بعد سے ہر قسم کے علوم وفنون کو ترقی روزافزون ہونی شروع ہوگئی۔ چنانچہ بالخصوص علوم دین کا جسقدر ذخیرہ مسلمانون کے پاس ہی کسی دوسری قوم کے پاس نہین ہی۔ لہذا یہ تسلیم کرنا پڑیگا کہ اسلام کیوجہ سے دنیا مین ہرایک قسم کے علوم وفنون کو ایجاد و ترقی کا موقع ملا ہی۔ اس لحاظ سے یہ بھی ماننا لازم ہوگا کہ جو آیۃ شریفہ مندرجہ بالا اولاً نازل ہوئی۔ اسمین ان تمام ترقیات کیطرف نہایت بلاغت کے ساتھہ ایما فرمایا گیا ہی کہ دنیا مین اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہی جو ہر انسان کیلئے دولت علمیہ لایا ہی دنیا مین انسان کیلئے علم سے بڑھکر کوئی دوسری چیز ایسی نہین ہے جس سے انسان کیلئے بہ حیثیت انسان ہونے کے شرف وعزت کا اصلی سبب ہو یہی وجہ ہے کہ علم نہ ہونے کے سبب سے قبل الاسلام عرب مین خصوصاً اور تمام ممالک دنیا مین عموماً ایک تاریک فضا پھیلا ہوا تہا

اس آیۃ شریفہ سے اس تاریک فضا کو رفع کرنے اور روشن فضا کو قائم کرنیکا آغاز ہوا۔ اسلئے اس آیت میں پڑھنے اور یعنی تعلیم علوم اور صنعت کتابت کو بیان فرماکر ارشاد ہوا ہی کہ ہم انسان کو وہ علوم دین گے جو وہ نہیں جانتا تھا۔ اور قلم سے علوم و فنون لکھنے کی صنعت ہم اسکو بتلائینگے۔ اس سے ظاہر ہوا کہ دنیا میں تقریر و تحریر دونوں ذریعہ سے علوم و فنون کی اشاعت کو مذہب اسلام روزافزون ترقی دیتا رہیگا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ تقریر کیلئے ایک عضو خاص یعنی زبان ایک ایسی چیز عطا فرمائی گئی ہی کہ جس کے بغیر انسان نطق پر قادر نہ ہونے کیوجہ سے بہائم کی طرح ہو سکتا ہی لیکن اس کے قائم مقام دوسری صفت کتابت ایک ایسا فن انسان کو سکھلا دیا کہ حرکت قلم سے اپنا تمام مافی الضمیر بخوبی ظاہر کرسکتا ہی۔ اسی لئے اس صفت کو انسان کیساتھ ایسی خصوصیت ہے کہ اگر نہ حاصل ہو تو گویا انسان انسان ہی نہیں ہے۔

ایک لطیف اشارہ یہ بھی ہے کہ انسان کا لفظ ارشاد فرمایا گیا ہے جو کہ مرد عورت دونوں کیلئے شامل ہی جس سے یہ ثابت ہوتا ہی کہ پڑھنے اور لکھنے میں انسان مرد عورت دونوں برابر کے حصہ دار ہیں کوئی خصوصیت من حیث انسان ہونے کے نہ صرف مرد کو ہی نہ عورت کو۔ بلکہ اس خاص عنایت علمی میں دونوں برابر کے شریک ہیں۔

اسلئے حدیث شریف ہی کہ طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِیْضَۃٌ عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ وَّمُسْلِمَۃٍ یعنی ہر مسلمان مرد و مسلمان عورت پر علم حاصل کرنا ایک فریضہ خاص ہی۔

اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہی کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت رسالت سے جو غرض اعلیٰ تعلیم و تربیت انسانی کے تقریر و تحریر دونوں طرح سے ہی۔ وہ ہر مسلمان مرد و مسلمان عورت پر بحیثیت مسلمان ہونے کے بطور ایک فریضہ کے لازم کی گئی ہے تاکہ دنیا میں بھی ہر مسلمان مرد و مسلمان عورت کو علم حاصل کرکے باعزت و وقار زندہ رہنا چاہیے۔ مسلمان کا کام نہیں کہ وہ جاہل رہے۔ اور ذلیل زندگی بسر کرے۔

صنعت کتابت کی بابت خاص قرآن شریف میں اس آیۃ شریفہ مذکورہ بالا کے علاوہ دوسری آیۃ سورہ نون میں ہی کہ (وَالْقَلَمِ وَمَا یَسْطُرُوْنَ) اس آیۃ شریفہ میں اللہ تعالیٰ نے قلم اور اس سے لکھے جانے کی قسم کھائی ہے۔ ظاہر ہوا کہ یہ صنعت اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہی اور انسان کے لئے باعث شرف ہی حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے معراج مین افلاک پر ایک مقام خاص میں پہنچکر صریر اقلام کو سُنا۔ یعنی قلموں سے ملائکہ لکھ رہے تھے۔ اور

ان کے لکھنے کے وقت ان کے قلموں سے جو آواز نکل رہی تھی وہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سنائی دی۔ اس فرمانے سے واضح ہوا کہ خاص وبکار ی خداوند عالم جل جلالہ میں جو دفتر خاص ہے اسمیں بھی قلم سے تحریر کا کام ہوتا ہے۔

تحریر ایک ایسی عجیب چیز ہے کہ اس کے ذریعہ سے دور ونزدیک غائب حاضر سب حالات میں ایک انسان کے حالات صحیح صحیح طور پر دوسرے انسان کے پاس پہنچ جاتے ہیں۔ اور تحریری کتب ومضامین دنیا میں چھوڑ جانے کے بعد انسان گویا زندہ رہتا ہے کیا خوب کہا ہے۔

نوشتہ بماند سیہ بر سفید		نویسندہ را نیست فردا امید	

زمانہ گذشتہ میں مسلمان مرد عورت پڑھنے لکھنے میں مصروف رہنے کو اپنا مقصد زندگی سمجھتے تھے۔ اگرچہ یہ ضرور ہے کہ پڑھنے کا رواج عورتوں میں بہ نسبت لکھنے کے زیادہ تہا۔ لکھنے کا رواج عورتوں میں کم تہا۔ اس لئے باوصف بڑی بڑی عالمہ وفاضلہ ہونے کے عورتوں کی تصنیفات بہت کم ہیں۔ لیکن اس رواج کی کمی کا سبب یہ نہ تہا کہ عورتیں اسکو مکروہ سمجھتی تھیں۔ بلکہ اصلی سبب یہ تہا کہ بوجہ سلطنت وغلبہ اسلامی کے مردوں کو اس میں زیادہ مشغول ہونے کی ضرورت تھی (اور عورتوں کو کم)۔

تاہم خلافت وشاہی خاندان کی لڑکیوں کو ہمیشہ تعلیم دی گئی ہے۔ اور کوئی ایک عورت بھی کسی شاہی خاندان میں ایسی نہ معلوم ہوگی کہ جو لکھنا نہ جانتی ہو۔ اس سے پایا جاتا ہے کہ شاہی خاندان کی عورتوں کو لکھنا سکھنا بہت ضروری ولازمی ہے۔

اسی طرح دیگر فنون بھی مثلاً گھوڑے کی سواری، نیزہ بازی، نشانہ بازی وغیرہ۔ شاہی خاندان کی عورتوں کو ہمیشہ سکھلائے جاتے تھے۔ چنانچہ تاریخ بتلاتی ہے کہ چوگان بازی (جسکو آجکل پولو کہتے ہیں) گھوڑوں پر عورتیں بھی کھیلتی تھیں۔ خسرو شیریں کا باہم پولو کھیلنا مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب خسرو شیریں منظوم میں بڑی خوبی سے بیان فرمایا ہے۔ اور ظاہر کیا ہے کہ ایک طرف مردوں کی جماعت ہوتی تھی (جسکو آجکل ٹیم کہتے ہیں) اور ایک طرف عورتوں کی جماعت ہوتی تھی۔ اور گھوڑوں پر پولو کھیلتے تھے۔ چند اشعار اس موقع پر نقل کرتا ہوں۔

ز بہرہ عرض آن مشکین نقابان		بنزہت سوئے میدان شد شتابان	
ملک را گوئے در چوگان فگندند		شگرفان شور در میدان فگندند	

ز چوگان گشت بیدستان همه راه / زمین زان بید صندل سود بر ماه
بهر گوئے کہ بروے ماه ازان بید / شکستے درگریبان گوئے خورشید
ز یک سو شاه بود و اختر انش / ز دیگر سو شه و فرمان برانش
گوزن و شیر بازی مے نمودند / ندرداں باز بازی مے نمودند
گہے خورشید بروے گو گہے ماه / گہے شیرین گرو بردے گہے شاه
چو کام از گوئے و چوگان برگرفتند / طوافے گرد میدان درگرفتند
بشیدیز و بگلگون گرد میدان / چو روز و شب همی کردند جولان
وز انجا سوئے میدان رو نہادند / بصید انداختن باز و کشادند
ز چندان صید گوناگون فگندند / کہ حدش در شمار آید کہ چندند
بزخم تیر ہا ہر نازنینے / نیستان کرده بر گوران زمینے
بہ نوک نیزه ہر حاتون سوارے / تہی کرده ز آہو مرغزارے
ملک مان ماده شیران شکاری / شگفتی ماند در چابک سواری

ف ندرداز

یہ واقعہ اس حالت کا ہی جبکہ شیرین مع اپنی سہیلیون مصاحبات کے خسرو کے یہان مہمان ہوئی تھی اور چند روز قیام کرکے سیر و شکار اور لہو لعب سپاہیانہ مین مہمانی کے ایام کو بسر کیا تھا۔

خسرو شیرین کا زمانہ بروے تاریخ بہت قدیم زمانہ ہے اُسیوقت سے خاندان شاہی کی عورتون کو مردانہ وار ہر ایک فن مین کمال حاصل ہوتا ہی۔

اس بیان حکایت سے جو کہ بطور جملہ معترضہ میرے مضمون مین آگیا ہی۔ میرا مطلب یہ ہی کہ بلحاظ ضرورت و تقاضاء ضروریات زمانہ عورتون کو بھی اپنی زندگی مین کمالات ضروری حاصل کرنا لازمی ہی۔ خصوصاً یہ دولت علمیہ علوم مذہبی کی جو کہ اسلام نے دنیا مین ہر انسان کے واسطے ملکر پیش کردی ہی۔ اسکا سیکھنا ہر مسلم مرد و مسلم عورت پر بے شک فریضہ لازمی ہے۔ جبکہ عورتین معاشرت مین مردون کے شریک ہین۔ تو اُن کو تعلیم علوم دینیہ اور صنعت کتابت کے سیکھنے مین بھی شریک ہونے کی ضرورت ہے۔

علوم دینیہ کے حاصل کرنے مین علوم دنیوی بھی بطور تابع ہوکر خود بخود حاصل ہو جاتے ہین۔ اب رہی یہ بات کہ کتابت کے سیکھنے مین بعض موقع پر نتیجہ بہتر نہ نکلے۔ تو یہ کتابت یا علم کا نقص نہین ہی۔ بلکہ ہر انسان کا ایک طبعی و اخلاقی نقص ہی۔ کہ جو بہتر چیز کو غیر بہتر طور سے کام مین لانا چاہتا ہی۔ لیکن تاہم تعلیم سے زیادہ تر درستی اخلاق حاصل ہوتی ہے۔ اور تعلیم یافتہ انسان و غیر تعلیم یافتہ انسان کے اخلاق و عادات مین بڑا فرق بین طور سی نمایان ہوتا ہی۔ اسی لئے حق تعالیٰ جل شانہٗ نے تعلیم علوم و صنعت کتابت کیطرف انسان کو رغبت دلائی ہے۔ اور خود حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے علوم دینیہ کو بالخصوص اور اس کے ساتھ علوم دنیوی و معاشرت کو تابع ہونے کی حیثیت سے مردون و عورتون کیلئے باعث عزت دینی و دنیوی قرار دیا ہے۔ چنانچہ لڑکیون کو تعلیم و تربیت و آداب سکھانے کے بارہ مین احادیث وارد ہین۔

پس کمالات علمیہ جسکو دولت لازوال کہتے ہین اور صنعت کتابت کو (جو ہر انسان کو انسان بننے کیلئے ضروری ہے) اسلام نے دنیا مین بہترین طریقہ سے پیش کیا ہے۔ کسی دوسرے مذہب نے اس طریقہ پر پیش نہین کیا۔ اللہ تعالیٰ ہم مسلمانون کو توفیق علمی نصیب فرمائے۔ پس ضرورت محسوس ہوتی ہی۔ کہ علوم دینیہ کی تعلیم عورتون کو پورے طور پر دیجائے۔ اور اس تعلیم کے لئے درسگاہین قائم کیجائین۔ اور موجودہ مذہبی درسگاہون مین ایک شاخ تعلیم نسوان کی ہونا چاہیئے۔ جس سے عورتین بھی علوم دینیہ کو اپنی پردہ نشینی مین آسانی سی حاصل کرسکین۔ اور دنیوی درسگاہون کے بُرے اور خراب اثرات سے محفوظ رہین فقط

کیا وید مقدس آسمانی کتاب ہے

(از رشحات کلک جناب مولوی غلام محمد صاحب سابق کیشو رام شرما فاضل دیوبند)

گذشتہ ہفتہ میں خاکسار دیوبند حاضر ہوا۔ محترم دوست مولانا مولوی محمد طاہر صاحب مدیر القاسم (نبیرہ حضرت مولٰنا محمد قاسم صاحب قدس سرہٗ) سے ملاقات ہوئی۔ القاسم کے دار العلوم نمبر کا تذکرہ ہوا۔ مولانا موصوف نے مجھسے فرمایا کہ تو بھی کچھ لکھ، مین نے اپنی علمی بے بضاعتی کا اقرار کرتے ہوئے معافی چاہی۔ لیکن مولانا نے زور دیکر فرمایا کہ نہین ضرور کچھ لکھو لہٰذا میں نے خدائے قدوس پر بھروسہ کرکے ارادہ کیا کہ اپنے محترم دوست ہم سبق کی فرمائش ضرور پوری کردن۔ اگرچہ وقت کم ہی تفکرات خانہ داری میں مبتلا ہون۔

اب جو قلم ہاتھہ میں لی تو غور کرنے لگا کہ خداوندا! لکھون تو کیا لکھون۔ کیونکہ اپنی علمی بے بضاعتی اور ہیچدانی کا اعتراف اول ہی کر چکا ہون۔ آخر کو یہ دل میں آئی کہ وید مقدس کے متعلق کوئی مختصر سا نوٹ لکھکر محترم دوست کی فرمائش پوری کردن اور نیز محترم دوست نے اسی موضوع پر لکھنے کی فرمائش بھی کی تھی۔

اس عالم مادی میں جتنی بھی قومیں آباد ہیں معدودے چند کے سوا جنکی قوی عقلیہ مغربی بادسموم سے ماؤف ہوگئی ہیں سب کی سب کسی نہ کسی صورت سے خدا کو مانتی اور دنیا میں قیام امن کیلئے ایک قانون خداوندی کی ضرورت محسوس کرتی اور اس کا اتباع کرتی ہیں اور اس کو دین ومذہب سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور اس دین ومذہب کا اتباع نہ صرف دنیا کیلئے بلکہ آخرۃ کیلئے بھی ضروری سمجھا جاتا ہی۔ اور یہ قانون الٰہی مقدس کتابونکے ذریعہ سے لوگوں تک پہنچتا ہی۔

ہماری ہمسایہ قوموں میں سے ایک قوم آریہ سماجی کہلاتی ہی وہ اپنی کتاب وید مقدس کو آسمانی و منزل من اللہ سمجھتے ہیں نیز یہ کہ دنیا کی تمام کتابوں میں قدیم ترین کتاب یہی ہی۔ جو دین ودنیا کی ہدایت ورشد کیلئے کافی ووافی ہی۔

لہٰذا ہم سب ملکر وید مقدس ہی کی جناب میں درخواست کرین کہ اگر ہم سب کے سب تجھپر ایمان لے آئیں۔ اور تیرے ہی احکام کی اتباع کریں تو ہمیں اسکے صلہ میں کیا دنیا میں ملیگا اور کیا آخرۃ میں؟ کیونکہ یہ فطرۃ کا تقاضہ ہی کہ کسی بات پر انسان عمل اُسیوقت کرتا ہی جبکہ اس سے جلب منفعت یا دفع مضرت منسوب ہو۔ مریض طبیب کا نسخہ اُسیوقت پیتا ہی جبکہ اسے صحت کی امید

مرض سے نجات پانے کی توقع ہو۔ تحصیل علوم انسان اسی لئے کرتا ہی کہ جہل (جو سب سے بڑا سبب خسران کا ہی) سے نجات ملے اور علم کی روشنی میں دینی دنیوی ترقی حاصل کرے۔ الغرض کسی کام کو اسوقت کیا جاتا ہی جبکہ اسکا فائدہ اول متصور ہولے۔

اب ہم وید مقدس سے عرض کرتے ہیں کہ تیرا اتباع ضروری سمجھکر اگر تجھپر عمل کریں تو دنیا میں ہم کو کیا فائدہ ہو گا آخرۃ کی تو بعد میں دیکھی جائیگی پہلے دنیا سے نبٹ لیں۔ ارشاد ہوتا ہی کہ اگر تم لوگ ہمارا اتباع کروگے تو ہم تم کو دنیا سے نیست و نابود کرکے اس عالم مادی کو تباہ و برباد کردینگے۔ بھلا یہ کیونکر؟ یہ اسطرح کہ اصول ویدیعنی آواگون کے مطابق جو شخص کامل طریقہ سے وید پر عمل درآمد کرتا ہی وہ ایسی نفوس قدسیہ کا قالب پاتا ہی جنکو رشی منی اور مہیط وید سے تعبیر کیا جاتا ہی۔ لہٰذا اگر تمام ارواح عالم وید مقدس پر کامل طریق سے گامزن ہوجائین تو سب کی سب انھیں رشیون منیون جیسے قالب پائینگی جنپر کہ شروع آفرینش میں وید نازل ہوتا ہی پس وید مقدس پر عمل کرکے تمام ارواح عالم مہیط وید یعنی رشی منی بنکر بیٹھ رہینگی اور کوئی بھی روح معمولی درجہ کے انسان، حیوان اور نباتات وغیرہ کے قالب میں نہ جائینگی۔ اسلئے بجز رشیون منیون کے اس عالم میں اور کوئی بھی شلاً گائے، بیل، بھیڑ، بکری۔ سبزی۔ ترکاری، اناج، پھول، پھل نظر نہ آئیگا۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہی کہ تمام ارواح عالم جو رشی منی بن جائینگی، کھائینگی کیا؟ وید مقدس فرماتا ہی کہ اس مرض کا علاج ہماری پاس نہیں۔ ہم اپنے اصول سے مجبور ہیں۔ جب بداعمال روحیں نہیں ہیں تو ہم کسکو حیوانات نباتات کے قالب مین بھیجیں۔ لہٰذا تم سب لوگ آسمان کے نیچے بھوک پیاس سے تڑپ تڑپ کر مرجاؤ۔ ہم تمھارے لئے اناج۔ غلہ۔ ترکاری سبزی کچھ نہیں پیدا کرسکتے۔ لیجئے کتاب آئی تھی عالم مادی اور عالم آخرۃ کی ترقیات اور قیام امن کیلئے۔ یہان عالم ہی کو خیرباد کہدیا۔ بھلا جس کتاب کے ایسے مضحکہ خیز احوال ہون مجھ جیسے ناکارہ ہیچمداں کی سمجھ مین نہیں آتا کہ لوگ ایسی کتاب کو وحی الہی کیونکر سمجھتے ہیں؟۔

برخلاف اس کے قرآن مقدس کی طرف اگر اسی اصول کو ملحوظ رکھتے ہوئے رجوع کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہی کہ اگر قرآن مجید کا اتباع کامل طریق سے کیا جائے تو دین و دنیا دونون سنور جائین۔ اسکے ثبوت کیلئے عقلی براہین و دلائل کی ضرورت نہیں۔ صرف تاریخ عالم اس بات پر شاہد ہی کہ مسلمانون نے جب اخلاص و پختگی اور راسخ الاعتقادی سے قرآن کریم کو اپنا دستور العمل بنایا تو دینادی برکتون کے دروازہ مسلمانو نپر کھولدیئے گئے۔ تمام اقوام عالم پر عزیز ہوگئے۔ تمام قومین مطیع و فرمانبردار ہوگئیں۔ عزت کی زندگی نصیب ہوئی۔ یہانتک کہ اگر مسلمانن نے مٹی کو چھودیا تو وہ سونا بن گیا۔ الغرض

ہر طرح کی عزت و آسائش اور آرام نصیب ہوئی کہ اقوام عالم کیلئے باعث رشک بن گئے۔ مگر جون جون انہون نے قرآن کریم سے منہ موڑا وون وون رسوا و ذلیل ہوتے گئے۔ یہانتک کہ آج اپنی بداعمالیون کی بدولت ایسے رسوا و ذلیل ہو رہے ہین کہ رسوائی اور ذلت وخواری اس قوم کا طغرائے امتیاز ہوگیا ہے۔ اب بھی اگر مسلمان سچے دل سے تو بہ کرکے قرآن مجید کو اپنا نصب العین بنالین تو نعماء الٰہی کے دروازہ اب بھی مسلمانو نپر اس طرح کھل جائین جیسے کہ خیر القرون کے مسلمانو نپر کھلے ہوئے تھے۔ میری اس بیان کی تائید صرف تاریخ ہی سے نہین ہوتی ہی بلکہ ارشاد خداوندی ہی کہ:۔

"جو شخص نیک عمل کرے گا مرد ہو یا عورت اور وہ ایمان بھی رکھتا ہو تو ہم (دنیا مین بھی) اس کی زندگی اچھی طرح بسر کرائین گے اور ان کو (آخرۃ مین بھی) ان کے بہترین اعمال کا صلہ ضرور عطا فرمائین گے" سورۂ النحل رکوع ۱۳۔

"اور وان بستیون کے رہنے والے خدا پر ایمان لاتے اور پرہیزگاری کا طریقہ اختیار کرتے تو ہم آسمان و زمین کی برکتون کے دروازون کو اپنے کھولدیتے، مگر ان لوگون نے ہمارے پیغمبرون کو جھٹلایا۔ تو ان کے ان کرتوتون کی سزا مین جو وہ کرتے تھے ہم نے ان کو عذاب مین دھر پکڑا" سورہ الاعراف رکوع ۱۲۔

الغرض قرآن مقدس مین متعدد ایسے وعدد وعید ملین گے کہ اتباع قرآن پر دینی و دنیوی فلاح و بہبود کا دار و مدار ہے اور عدم اتباع مین خسران دنیا و آخرۃ۔ لہٰذا وحی آسمانی ایسی ہی کتاب ہوسکتی ہی جو دینی دنیاوی دونوں قسم کی ترقیون کی ذمہ دار ہو۔ نہ کہ وید مقدس جیسی کہ جس اتباع عالم ہی کو نیست و نابود کردے"

اسوقت تو اتنا ہی ناظرین کرام کی خدمت مین پیش کرسکا۔ اگر زمانے مساعدت کی تو انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ کسی موقع پر مفصل بحث اس موضوع پر کرون گا۔ وما توفیقی الا باللہ۔ فقط والسلام۔

القاسم کا دار العلوم نمبر اور اُس کی مقبولیت عامہ

اخبارات و رہنمایان ملک کی آراء

(۱)

القاسم کا شاندار دار العلوم نمبر شائع ہوا۔ بہی خواہان دار العلوم کی آنکھوں کا نور بن چکا ہے۔ پسندیدگی کے بہت سے خطوط آرہے ہیں سب کا شائع کرنا ایک درجہ میں خودستائی ہے چند تقریظات بطور تحدیث بالنعمہ کے درج کی جاتی ہیں امید ہے کہ ناظرین القاسم اس نمبر کی اشاعت میں کوشاں رہکر علمی ہمدردی کا ثبوت دیں گے۔

نواب صدر یار جنگ بہادر کی رائے

مکرمی — السلام علیکم و رحمۃ اللہ۔

الطاف نامہ اور القاسم کا دار العلوم نمبر پہنچا۔ ممنون سپاس گذار ہوں۔ رسالہ اہتمام سے مرتب ہوا ہے۔ دار العلوم کے گذشتہ تاریخ۔ تدریجی رفتار ترقی۔ مخلصانہ کوششوں کا نقشہ اس کو دیکھکر آنکھوں میں پھر گیا۔ چونسٹھ سالہ گوشوارہ بہت مفید اور سبق آموز ہے۔ اس سے بیک نظر دار العلوم کی زندگی عیاں ہوجاتی ہے۔ کاش دار العلوم کی تاریخ بھی پوری ہوگئی ہوتی تو تشریح تام ہوجاتی۔ اس کی ناتمامی سے تشنگی رہی۔

بعض مضامین کی تنگ نظر اور ولولۂ خودستائی رسالہ کی شان گھٹاتا ہے۔ وسعت نظر اور متانت علمی مجالس کے طرۂ امتیاز ہے۔

یہ چند الفاظ مخلصانہ زبان قلم پر آگئے ہیں مقبول ہوں تو عین آرزو۔

(نیازمند)

حبیب الرحمٰن شروانی۔ حیدرآباد دکن ۴ صفر ۴۷ھ

معذرت

خدا کے فضل سے دار العلوم کی چوالیس سال کی مختصر تاریخ تیار ہوچکی ہے ارادہ تہا کہ اسکو دار العلوم نمبر کے بعد مسلسل شائع کیا جائیگا اسکے علاوہ نتائج القرآن کا سلسلہ بھی بڑے حد تک مرتب ہوچکا ہے لیکن جگہ کی قلت اور مضامین کی کثرت نے ہمیں مجبور کردیا ہے اب تو بجز اسکے کوئی صورت نہیں کہ القاسم کے صفحات اور قیمت میں اضافہ ہو لیکن یہ ناظرین کے متعلقہ فیصلہ پر منحصر ہے

(طاہر بن احمد القاسمی کان اللہ لہ)

ہر طرح کی عزت و آسائش اور آرام نصیب ہوئی کہ اقوام عالم کیلئے باعث رشک بن گئے۔ مگر جون جون انہون نے قرآن کریم سے مُنہ موڑا دُون دُون رسوا و ذلیل ہوتے گئے۔ یہانتک کہ آج اپنی بداعمالیون کی بدولت ایسی رسوا و ذلیل ہو رہے ہین رسوائی اور ذلت و خواری اس قوم کا طغرائے امتیاز ہوگیا ہے۔ اب بھی اگر مسلمان سچے دل سے توبہ کرکے قرآن مجید کو اپنا نصب العین بنالین تو نعما الٰہی کے دروازہ اب بھی مسلمانون پر اس طرح کھل جائین جیسے کہ خیر القرون کے مسلمانون پر کھلے ہوئے تھے۔ میری اس بیان کی تائید صرف تاریخ ہی سے نہین ہوتی ہی بلکہ ارشاد خداوندی ہی کہ:۔

"جو شخص نیک عمل کرے گا مرد ہو یا عورت اور وہ ایمان بھی رکھتا ہو تو ہم (دنیا مین بھی) اس کی زندگی اچھی طرح بسر کرائین گے اور ان کو (آخرۃ مین بھی) ان کے بہترین اعمال کا صلہ ضرور عطا فرمائین گے"۔ سورۂ النحل رکوع ۱۳۔

"اور اگر ان بستیون کے رہنے والے خدا پر ایمان لاتے اور پرہیزگاری کا طریقہ اختیار کرتے تو ہم آسمان و زمین کی برکتون کے دروازون کو اپنے کھولدیتے، مگر ان لوگون نے ہمارے پیغمبرون کو جھٹلایا۔ تو ان کے ان کرتوتون کی سزا مین جو وہ کرتے تھے ہم نے ان کو عذاب مین دھر پکڑا"۔ سورہ الاعراف رکوع ۱۲۔

الغرض قرآن مقدس مین متعدد ایسے وعدہ و وعید ملین گے کہ اتباع قرآن پر دینی و دنیوی فلاح و بہبود کا دارومدار ہے اور عدم اتباع مین خسران دنیا و آخرۃ۔ لہٰذا وحی آسمانی ایسی ہی کتاب ہوسکتی ہی جو دینی دنیاوی دونوں قسم کی ترقیون کی ذمیدار ہو۔ نہ کہ وید مقدس جیسی کہ جس اتباع عالم ہی کو نیست و نابود کردے"۔

اسوقت تو اتنا ہی ناظرین کرام کی خدمت مین پیش کرسکا۔ اگر زمانہ نے مساعدت کی تو انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ کسی موقع پر مفصل بحث اس موضوع پر کرون گا۔ وَمَا تَوْفِيْقِيْ اِلَّا بِاللّٰه۔ فقط والسلام۔

القاسم کا دارالعلوم نمبر اور اُس کی مقبولیت عامہ

اخبارات و رہنمایان ملک کی آراء

(۱)

القاسم کا شاندار دارالعلوم نمبر شائع ہوا، بہی خواہان دارالعلوم کی آنکھوں کا نور بن چکا ہے، پسندیدگی کے بہت سے خطوط آرہے ہیں سب کا شائع کرنا ایک درجہ میں خودستائی ہے چند تقریظات بطور تحدیث بالنعمہ کے درج کی جاتی ہیں امید ہے کہ ناظرین القاسم اس نمبر کی اشاعت میں کوشاں رہکر علمی ہمدردی کا ثبوت دین گے۔

نواب صدر یار جنگ بہادر کی رائے | مکرمی السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔

الطاف نامہ اور القاسم کا دارالعلوم نمبر پہنچا۔ ممنون سپاس گذار ہون۔ رسالہ اہتمام سے مرتب ہوا ہے۔ دارالعلوم کے گذشتہ تاریخ۔ تدریجی رفتار ترقی۔ مخلصانہ کوششون کا نقشہ اس کو دیکھکر آنکھون میں پھر گیا۔ چونسٹھ سالہ گوشوارہ بہت مفید اور سبق آموز ہے۔ اس سے بیک نظر دارالعلوم کی زندگی عیان ہوجاتی ہے۔ کاش دارالعلوم کی تاریخ بھی پوری ہوگئی ہوتی تو تشریح تام ہوجاتی۔ اس کی ناتمامی سے تشنگی رہی۔

بعض مضامین کی تنگ نظر اور ولولہ خودستائی رسالہ کی شان گھٹاتا ہے۔ وسعت نظر اور متانت علمی مجالس کے طرۂ امتیاز ہے۔

یہ چند الفاظ مخلصانہ زبان قلم پر آگئے ہیں مقبول ہون تو عین آرزو۔

(نیازمند)

حبیب الرحمٰن شروانی۔ حیدرآباد دکن ۴ صفر ۱۳۴۷ھ

معذرت | خدا کے فضل سے دارالعلوم کی چوالیس سال کی مختصر تاریخ تیار ہوچکی ہے ارادہ تھا کہ اسکو دارالعلوم نمبر کے بعد مسلسل شائع کیا جائیگا اسکے علاوہ نتائج القرآن کا سلسلہ بھی بڑے حد تک مرتب ہوچکا ہے لیکن جگہ کی قلت اور مضامین کی کثرت نے ہمیں مجبور کردیا ہے اب تو بجز اسکے کوئی صورت نہیں کہ القاسم کے صفحات اور قیمت مین اضافہ ہو لیکن یہ ناظرین کے متعلقہ فیصلہ پر منحصر ہے

(طاہر بن احمد القاسمی کان اللہ لہ)

قواعد وضوابط رسالہ القاسم

(۱) تاریخ روانگی رسالہ ہر قمری مہینہ کی ۱۵ رہے۔ نیا سال محرم سے شروع ہوتا ہے۔

(۲) حجم کم سے کم ۳۲ صفحہ کا ہوتا ہے۔ درسائز ۲۰×۲۶/۸ ۔

(۳) عام قیمت سالانہ ڈھائی روپیہ ہے۔ امراء و والیان ریاست سے حسب حیثیت۔ قیمت فی پرچہ ۴ر ہے۔

(۴) سالانہ چندہ پیشگی بذریعہ منی آرڈر یا وی پی وصول ہوتا ہے۔ محصولڈاک۔ روانگی رسالہ وپیکنگ کا صرفہ بذمہ دفتر ہے فیس رجسٹری وفیس منی آرڈر کا صرفہ بذمہ خریدار ہے۔

(۵) سالانہ چندہ جہانتک ممکن ہو منی آرڈر سے روانہ کرنا چاہئے اسمین منگانیوالیکو کفایت اور بھیجنے والونکو سہولت رہتی ہے۔

(۶) جو صاحب درمیان سال میں رسالہ کے خریدار بنتے ہیں ان کو شروع سال ہی سے خریدار سمجھا جاتا ہے۔ چنانچہ کل پرچے بشرط موجودگی اس سال کے بھیجے جاتے ہیں تاکہ سلسلہ مضامین نہ ٹوٹے۔

(۷) جو حضرات القاسم کے حلقہ اشاعت وفیض کے وسیع اور عام کرنے کیلئے غیر مستطیع شایقین کے نام کم قیمت مین رسالہ جاری کرانیکیلئے امداد قوم مرحمت فرماتی ہیں وہ القاسم کی معاونین ومحسنین خاص شمار ہوتی ہیں اور ایسی مخیر حضرات کی اسماء گرامی وقتاً فوقتاً القاسم مین شائع کئی جاتے ہین۔

(۸) جو پرچہ ڈاکخانہ یا دفتر کی غلطی سے وصول نہ ہوا ہو اس کیلئے تاریخ اشاعت سے دس روز کے اندر اندر دفتر کو اطلاع کردینی چاہئے تاکہ دوبارہ رسالہ بھیجدیا جائے اس کے بعد قیمتاً بشرط موجودگی ارسال ہوگا۔

(۹) جواب طلب امور کے لئے جوابی کارڈ یا ٹکٹ آنا چاہئے۔

(۱۰) خط وکتابت وترسیل زر کے وقت پتہ صاف وخوشخط ہونا چاہئے خریداری کی نمبر کا حوالہ کوپن سرنامہ پر ضرور ہونا چاہئے ورنہ عدم تعمیل کی شکایت نہ کیجائے۔

نرخ وشرح اجرت اشتہارات

(۱۱) مہذب اشتہارات کے چربے موافق سائز رسالہ لئے جاسکتے ہیں بشرطیکہ فی صفحہ ۱۰؎ نصف ۶؎ ربع صفحہ کیلئے ۳؎ پیشگی بھیجدئے جائیں دوامی اشتہارات میں اور بھی رعایت ممکن ہے۔

(۱۲) کوئی مضمون مخالف مسلک علمائے دیوبند شائع نہ ہوگا۔ نیز جو مضمون انتخاب مین آکر طبع ہوجائیگا بشرط طلب اسکا معاوضہ حسب حیثیت مضمون ادا کیا جائے گا۔

(۱۳) عدم انتخاب کی صورت مین مضمون بیرنگ واپس ہوسکیگا۔

(۱۴) جملہ خط وکتابت وترسیل زر بنام معتمد المدیر القاسم دارالعلوم دیوبند ہونی چاہئے۔

(مینیجر)

یادگار حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم النانوتوی رحمۃ اللہ علیہ بانی دار العلوم دیوبند

القاسم

(دور جدید)

جلد ۳ نمبر ۴

ربیع الثانی سنہ ۱۳۴۷

دار العلوم دیوبند کا علمی، مذہبی، اخلاقی، تمدنی، تاریخی، ماہوار رسالہ

(زیر ادارت)

فخر الہند حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب ناظم دار العلوم دیوبند

(باہتمام)

خاکسار طاہر بن احمد القاسمی نائب المدیر عفی عنہ

مطبع قاسمی دیوبند میں طبع ہو کر

دفتر القاسم دار العلوم دیوبند سے شائع ہوا

قیمت سالانہ دو روپیہ آٹھ آنہ (۲/۸) مع محصول ڈاک

فی پرچہ ۴/

فہرست مضامین رسالہ القاسم بابت ماہ ربیع الثانی ۱۳۴۷ھ ہجری

جلد ۔۔۔

بیادگار حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب قدس اللہ سرہٗ

بانی دار العلوم دیوبند

بسرپرستی

قدوۃ الانام حضرت مولانا الشاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی و حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب مہتمم و حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی و دیگر مقدس و مقتدر علمائے دیوبند سے صدر

شائع ہوتا ہے

نوٹ

مراسلات میں نمبر خریداری ضرور تحریر کیا کیجیے تاکہ تعمیل ارشاد میں دقت نہ ہو۔

(مینیجر)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ضرورة القرآن

گذشتہ نمبر میں مسلمانون کی عربی سے ناواقفی وبے اعتنائی پر چند دلسوز خیالات حوالۂ قلم کئے گئے تھے اور مختصر طور پر دکھلایا گیا تھا کہ مسلمان اپنے فرائض اسلامیہ کو پورے طور پر اداہی اسصورت میں کرسکتے ہیں کہ اپنی مذہبی زبان سے آشنا ہون۔ اس نمبر میں ہم چاہتے ہیں کہ عربی زبان کی اُس خاص ضرورت کو تحریر کی روشنی میں لائیں جس کے سبب سے اس کا سیکھنا سکھانا ہمارا ایک مذہبی شعار ہے اور جس کی وجہ سے عربی زبان کی فضیلت تمام السنہ پر مسلم ہے۔

غیر مناسب تو نہ تھا اگر اس موقع پر فیسرناہ بلسانک (اے رسول آسان کردیا ہم نے قرآن کو تری زبان میں) کی تفسیر کی جاتی اور بتلایا جاتا کہ خدائے کبیر ومتعال اور اس کے رسول امین نے اپنی تعلیم وحکمت کیلئے انسانون کی بیشمار زبانوں میں سے تفہیم وتیسر کیلئے عربی زبان ہی کو کس لئے منتخب فرمایا یا اسپر تبصرہ کیا جاتا کہ جب کہ حضرت خاتم الانبیاء صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کل انبیاء ومرسلین کے سردار ہین تو آپ کی زبان بھی کل انبیاء کی زبان سے افضل ہے یا اس پر روشنی ڈالی جاتی کہ دنیا کا دور جب سے شروع ہوا اُسوقت سمجھنے اور سمجھانے کا کیا ذریعہ تھا اور کونسی زبان اسوقت رائج تھی اور جب دنیا سے روح ناطق پرواز کرتی ہے تو عالم ارواح میں طریقہ نطق وتفہیم کیا ہے اور بتلایا جاتا کہ اُس عالم کی زبان کیا ہے۔ یا اسپر کلام کیا جاتا کہ جس طرح ہر چیز کے لئے ایک اصل ہے اسی طرح تمام زبانون کے لئے اصل عربی زبان ہے جیسا کہ بعض محققین نے علم آدم الاسماء کلہا کی تفسیر میں براہین وشواہد کے ساتھ یہ ثابت کیا ہے

کہ الفاظ و معانی نے عربی کے سانچہ میں جو بلاغت و بیساختگی لطافت و پاکیزگی وسعت و بے تکلفی اختیار کی ہے اس سے بہتر کسی دوسری زبان میں نہیں کی اور دلیل میں حلاوت الفاظ قرآنی کو پیش کیا ہے ان کا دعویٰ ہے کہ عربی ہی تمام زبانوں کی اصل ہے جسقدر زبانیں بھی نکلیں ہیں ان سب کا منبع عربی زبان ہے وہ فرماتے ہیں کہ جس طرح حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باعتبار خلقت روحانی ساری مخلوق سے مقدم ہیں اور باعتبار خلقت جسمانی کل انبیاء کے خاتم ہیں قیامت تک آنیوالی نسلوں کیلئے آپ بشیر و منذر ہیں اسی طرح جس زبان میں آپ پر وحی نازل ہوئی وہ بھی باعتبار خلقت کے اصل الالسنہ ہے اور باعتبار اپنے عروج و کمال کے ام الالسنہ ہے انکا استنباط ہی کہ انا نحن نزلنا الذکر و انا لہ لحافظون سے جہاں حفاظت الفاظ و معانی قرآن کا وعدہ ہے وہیں عربی زبان کا بقا و تحفظ بھی لازم ہے اور اسیصورت سے اسکی برتری تمام دنیا پر ثابت ہوجاتی ہے کیونکہ لسان قرآن ہونے کا شرف کچھ معمولی شرف نہیں ہے۔

لیکن بخوف طوالت اسوقت ہمارا مطمح نظر صرف اسقدر ہے کہ عربی زبان کو فضیلت بخشنے والی کیا چیز ہے اور انسانی فطرت کا نشو و ارتقاء اور اس کا عروج و کمال کیونکر اور کب اور کس ذریعہ سے درجہ حکمت و کامرانی تک پہنچ سکتا ہے انسان کی علمی و عملی قولی و فعلی زندگی کب خسارہ و نقصان مصائب و آفات ارضی و سماوی سے مامون و محفوظ رہ سکتی ہے نجات سرمدی و حیات جاودانی کیسے میسر آسکتی ہے سو کتاب فطرت و نظام قدرت کے مطالعہ میں جس نے ایک لمحہ فکریہ بھی صرف کیا ہے وہ جانتا ہے کہ جب تک انسان نے کتاب خداوندی میں غور و تامل نہیں کیا ہے اور اس پر عمل کی نہیں ٹھانی ہے۔ اپنی ناقص عقل کو علم الٰہی میں فنا نہیں کردیا ہے اسوقت تک اس نے مطلوب دارین نہیں پایا ہے۔ اور عربی زبان کو صرف قرآن حمید کیوجہ سے یہ فضیلت ملی ہے۔

کون نہیں جانتا کہ اگر مبداء فیاض قادر مطلق جل مجدہٗ کیطرف سے نور آفتاب کے ساتھ انسان کو نور بصر عطا نکیا جاتا تو باوجود آفتاب و مہتاب کی ضیا پاشی کے کل انسان نپٹ اندھے ہی رہتے۔

کسے خبر نہیں کہ اگر آئینہ وغیرہ میں عکس کی قوت نرکھی جاتی تو انسان باوجود اپنی عقل رسا کے سر پٹکر بیٹھ رہتا لیکن اپنی ہیئت و شکل سے آشنا نہو سکتا۔

پس جبکہ انسان نور آفتاب و نور بصر کے ملجانے ہی سے اشیاء عالم پر مطلع ہوا اور ایک نور سے کام نہ چلا سکا تو یہ کیسے مان لیا جاسکتا ہے کہ نور عقل کی رہنمائی کیلئے نور الٰہی سے انسان بے نیاز ہوسکتا ہے اگر یہ مشاہدہ ہے کہ نور آفتاب سے

استفادہ اسی صورت میں انسان کرسکتا ہے کہ نور بصر بھی عطا کیا گیا ہو تو یہ بھی تاریخ عالم کے لاتعداد حوادث و واقعات تغیرات و انقلابات پکار پکار کہہ رہے ہیں کہ انسانی عقل نفس و شیطان کی ظلمت و کید سے اسی وقت بچ سکی ہے جبکہ اسنے علم خداوندی کی پناہ لی ہے۔

کتاب انزلناہ الیک مبارک لیدبروا آیاتہ ولیتذکر اولی الالباب ۔ | اے پیغمبر یہ قرآن بڑی برکت والی کتاب ہے جو ہمنے تمہاری طرف اتاری ہے تاکہ لوگ اسکی آیتوں میں غور کریں اور تاکہ جو لوگ عقل رکھتے ہیں اسکے مطالب سے نصیحت پکڑیں۔

لیکن آہ آج مسلمانوں نے اپنی اس لازوال دولت سے جس طرح منہ موڑ رکھا ہے اس خزانہ پر جسطرح سے قفل ڈال رکھا ہے وہ قابل صد حسرت ہے ہم نے اپنے مرض کو اپنے ہاتھوں جس طرح لاعلاج بنالیا ہے وہ لائق صد ندامت ہے

افلا یتدبرون القرآن ام علی قلوب اقفالہا۔ { کیا یہ لوگ قرآن کے مطالب کو نہیں سوچتے یا دلوں پر تالے لگے ہیں۔

قرآن تو اسلئے دنیا میں اتارا گیا تھا کہ تم اس میں اپنی عقل نارسا کو رسا کرو اپنی ہیچمدانی کو اس کے سامنے پیش کرو اور اس قانون فطرت کے روشنی و اسوۂ اور محمدی کے راہ نمائی میں اپنی زندگی کو اسکے سرتاسر موافق بناؤ تاکہ امانت و خشیت الٰہی تمھارے دلوں میں پیوست ہوجائے اور تم خلافت الٰہی کے پورے مستحق ہوجاؤ۔ خدائے قادر و توانا کا وعدہ ہے ان مسلمانوں سے جن کا شمار عباد مخلصین کی فہرست میں ہے کہ

وعد اللہ الذین آمنوا منکم و عملوا الصالحات لیستخلفنہم فی الارض کما استخلف الذین من قبلہم ۔ | تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل بھی کرتے رہے ان سے خدا کا وعدہ ہے کہ انکو اپنے ملک کی خلافت و سلطنت ضرور عطا کریگا جیسا کہ اس سے پہلے بھی اسنے نیک بندوں کو یہ دولت عطا کی۔

یہ صرف وعدہ ہی نہیں بلکہ اس میں اطلاع بھی دیگئی ہے ان لوگوں کی جنہوں نے فکر و تعمق سے کام لیا اور قرآن حمید کو اپنا معمول بنایا کہ اللہ نے انہیں اپنی زمین کی خلافت عطا کی۔ جو اسپر صدق دل سے ایمان لائے اور اسکے احکام کے پابند ہوئے۔

آج جو لوگ سلطنت و حکومت لینا چاہتے ہیں وہ برائے خدا غور کریں کہ حق خلافت ہم سے کیوں چھن گیا اگر سوراج یا آزادی کے خواہشمند اس کا جواب نہیں دیسکتے تو وہ گلیڈسٹون کی زبان سے اس کا جواب سنیں۔

گلیڈسٹون نے قرآن مجید کو ہاتھ میں لیکر ایک مجمع میں یہ کہا تھا کہ جب تک یہ کتاب مسلمانوں کے پاس ہے اسوقت ممکن نہیں کہ کوئی قوم اپنر غالب آسکے۔

پس ان کی سرتاسر یہی کوشش رہی ہے کہ مسلمان قرآن مجید کی قوت سے محروم کردیئے جائیں اور اب تو مسلمان بھی

انہی کی تائید کر رہے ہیں مسلمانوں میں اگر آج قرآن مجید کا اصلی رنگ آجائے امراض باطنی کا ازالہ ہوجائے تو میں دعوی کے ساتھ کہتا ہوں کہ پھر ان کا سر خدا کے چوکھٹ کے سوا کہیں نیچا نہیں ہوسکتا۔ اور آج بھی جن سینوں میں خدا کے نور نے گھر کیا ہے جانچ لو کہ اعداء اللہ سے انہوں نے لچکر بھی بات نہیں کی لیکن ہماری ذہنیت جبکہ یہ ہو کہ جسم بیمار ہو تو ڈاکٹر اور حکیم کی خوشامد کریں نسخہ میں اگر ایک دفعہ کو حکیم زہر ہلاہل بھی لکھدے تو بوجہ اعتراف جہل ..... فوراً دوکان سے زہر لاکر کھا جائیں لیکن اگر روح امراض کا شکار اور ان میں مبتلا ہو تو یا تو سرے سے علاج ہی ٹھکرائیں اور جو کرائیں تو طبیب حاذق سے ٹکرائیں جو کیسکو طبیب حاذق بھی ملجائے تو کھود کرید کرکے مار اس کا دم ناک میں لے آئیں اور تقلید عمل کیلئے تیار نہوں تو بتائیے ہم ساحل مقصود تک کیسے پہنچ سکتے ہیں ہم ایک طبیب جسمانی کے یہاں جاکر تو دماغی غلامی میں کوئی حرج نہ سمجھیں لیکن جونہی کتاب و سنت پر بات آئے تو ہر ایک شخص مجتہد وقت بن جائے تو انصاف کیجئے ہم میں تشتت آراء و اعمال کیوں نہ پیدا ہونا چاہیے اور ہم کو ایسی قوم کا محکوم کیوں نہ کردیا جائے جسنے ہماری تعلیمات سے فائدہ اٹھایا ہو۔ اور جو ہماری بداعمالیوں کیوجہ سے ہم پر مسلط کردی گئی ہو۔

جب دنیا کے حکیموں کو بھی مریض کی حالت کو دیکھکر اس کا اندازہ ہوجاتا ہے کہ اس کا مرض کتنے دنوں میں دور ہوجائیگا یا مرض باقی رہیگا تو [illegible] کے نباض اعلیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کیسے ممکن تھا کہ اپنی امت کے روحانی صحت و مرض کا اندازہ نہوتا چنانچہ حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے۔

لتتبعن سنن من قبلکم شبراً بشبرٍ و ذراعاً بذراعٍ او کما قال، جس کا ماحصل یہ ہے کہ میری امت بھی یہود و نصاری اور فرق ضالہ کی قدم بقدم اتباع کرے گی اور رفتہ رفتہ اس میں بھی وہی امراض پیدا ہوجائینگے جنہوں نے یہود و نصاری سے رضائے الہی کو سلب کرلیا، لیکن رحمۃ للعالمین چونکہ کل عالم کے لئے ہادی و موصل الی اللہ ہیں اور آپ نے امراض روحانی کے لئے شافی للناس کتاب اور اپنا اسوہ چھوڑدیا ہے۔ ادھر حق تعالیٰ شانہ نے اس کی حفاظت کا وعدہ خود اپنے ذمہ پر لیلیا ہے تو نامکمل صورت رہتی اگر ایک طائفہ قیامت تک دنیا میں ایسا نہ رکھا جاتا جو حق کی پاداش میں ہر قسم کے مصائب و آلام جھیلے اور امت مرحومہ کے سامنے اسوہ محمدی و قرآنی رنگ کو تازہ رکھے جس سے مریض و تندرست نیک و بد کا امتیاز دنیا میں قائم رہے اور خدا کی وسیع زمین پر نصرت الٰہی اس کے پابہ رکاب ہو۔

لیکن اس کا یہ بھی مطلب نہیں کہ مسلمان اس طائفہ حقہ کے بھروسہ دین کو اور مذہب کو خیرباد کہدیں نہیں بلکہ ان کا یہ فرض ہے کہ وہ انفراداً و مجتمعاً اس جماعت حقہ کو قوی اور وسیع کریں اور دیکھیں کہ ہم میں کسقدر لوگ ہیں جو قرآنی تعلیم سے باخبر ہیں کتنے ہیں جنپر قرآن نے اپنا رنگ جمایا ہے یہ ایک سوال دلمیں پیدا ہونا چاہئے اور اس کا جواب ایکطرف اگر اپنے نفس سے لیا جائے تو دوسری طرف دوسرے مسلمانون سے اس کا جواب مانگا جائے۔

ہمیں اسپر ضرور غور کرنا چاہئے کہ خداوند عالم کی اصطلاح میں ہم عام ہیں یا جاہل ہمیں سوچنا چاہئے کہ ہمارے علماء خدمت قرآن میں کسقدر وقت صرف کرتے ہیں اور دیگر علوم و فنون میں کسقدر۔

ہمیں اپنے اذہان و افکار سے اس کا جواب لینا چاہئے کہ آخر وہ کیا موانعات ہیں جنکے باعث مسلمانوں میں قرآنی تعلیم عام نہیں ہوتی۔

میرے محترم ناظرین جب آپ قوت فکریہ کو صرف فرماوینگے تو معلوم ہوگا کہ فیصدی تو کیا فی ہزار بھی مشکل سے ایسے افراد ہیں جنکو قرآنی تعلیم سے مناسبت ہو البتہ۔ فی ہزار سیکڑوں ایسے لوگ ملینگے جو چاہتے ہیں کہ ان کو خدا کی کتاب کا کوئی سمجھانے والا ملے لیکن یا تو مسلمانون کی بدقسمتی سے انہیں کوئی ملا ہی نہ ہوگا یا ملا بھی ہوگا تو ایسا عالم کہ جسکے علم سے حدیث شریف میں پناہ مانگی گئی ہے۔ اگر آپ نے مسلمانوں کی بدقسمتی کا واحد سبب سوچنے میں کچھ وقت دیا تو بالیقین آپ اسی نتیجہ پر پہنچیں گے کہ خداوند عالم کی اصطلاح کے مطابق سات کروڑ مسلمانوں میں بہت کم عالم ہیں اور بڑا حصہ جہلا کا ہے۔ جس طرح انگریزی محکمہ میں تعلیم یافتہ وہ شخص سمجھا جاتا ہے جس نے انگریزی میں کوئی ڈگری حاصل کی ہو اسی طرح خداوند رب العزۃ اور شفیع الامت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یہاں تعلیم یافتہ وہ شخص کہلاتا ہے جو کتاب و سنت سے واقف ہو جیسے انگریزوں کے نزدیک قرآن و حدیث کا جاننے والا عالم شمار نہیں کیا جائے گا اسی طرح خداوند عالم کے یہاں بی۔ اے۔ ایم۔ اے۔ عالم نہیں کہلا سکتا۔ لیکن ہم کو صرف علماء کے لئے کافی نہیں کہ ہم اہل قرآن ہیں اہل قرآن سلف کی اصطلاح میں ان کا نام ہے جنہوں نے قرآن پر عمل کیا ہے، صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے تعلیم قرآن کو پیش نظر رکھئے۔

دیکھئے حضرت عمرؓ نے کتنے برس میں سورۃ بقر ختم فرمائی۔ ایک صحابی دس آیتیں پڑھتے ہیں اور جب ان پر عامل ہوجاتے ہیں تب دس آیتیں پھر پڑھتے ہیں اور اسطرح قرآن کو اپنا حال بناتے ہیں۔

اور اپنی سابقہ کیفیت اور موجودہ حالت کا موازنہ کرتے ہیں ایک ہم ہیں کہ سارا قرآن پڑھ گئے لیکن ہم کو وہ حکمت قرآنیہ سیاست مدنیہ تہذیب اخلاق تدبر منزل حاصل نہوئی اور وہ رنگ ہم میں نہ آیا جو اس نسخہ کیمیا کے صحیح استعمال کے بعد پچھلوں کو میسر آیا تھا۔

مسلمانو! غور کرو اور تاریخ سے معلوم کرو کہ شروع میں مسلمانوں کی تعداد کیا تھی اور دشمن ان کے کسقدر تھے لیکن وہ کونسی قوت تھی جس کے آگے بڑے بڑے شیر دلوں کے پتے پانی ہو گئے اور طاغوتی طاقتیں جس کے سامنے ایک منٹ بھی نہ ٹھہر سکیں۔ یہی تعلیم تھی جس نے عرب جیسی جاہل قوم کی کایا پلٹ دی محکوم سے سردار غلام سے تاجدار بنا دیا آہ کہاں ہے ہم میں وہ شجاعت محمدی کہاں ہے ہم میں غیرت محمدی کہاں ہے ہم میں نور محمدی۔ آج بھی اگر ہم قرآن کے شیدائی بنجائیں۔ اس کی تعلیم کو پھیلانے کے لئے مستعد ہوجائیں اس انعام خداوندی کی قدر کرنے کا تہیہ کریں تو دیکھ لوگے کہ اس کے بعد جو ہمارا دشمن ہوگا وہ ہمارا دشمن نہوگا بلکہ چونکہ ہم بیکار سرکار ہونگے اسلئے وہ سرکار احدیت کا دشمن ہوگا اور ظاہر ہی کہ حضرت جبار و قہار کے سطوت و لا تتناہی طاقت سے جو بھی ٹکرائیگا وہ بے نشان ہی ہوکر رہیگا ان شانئک ھو الابتر

بعض علمائے روزگار فلسفیانہ علوم کے آمیزش اور یونانی علوم کی ملمع سازیاں علم خداوندی میں کچھ ایسی شکل اور پیچیدہ صورت سے قرآن مجید کی تعلیمات کو پیش کیا کرتے ہیں کہ اصلی کشش اس میں باقی نہیں رہتی۔ بیچاری عوام یہ سمجھ جاتے ہیں کہ ہمارے لئے تو قرآن کے سمجھنے کی کوئی صورت ہی نہیں اور قرآن سیکھنے کے لئے ضرورت اسکی ہے کہ جملہ علوم و فنون سے آگاہی ہو تب کہیں جاکر قرآن سمجھ میں آسکتا ہے لیکن یاد رکھو قرآن باواز بلند اسکی تردید کر رہا ہی۔ حق تعالے فرماتے ہیں۔ ولقد یسرنا القرآن للذکر فھل من مدکر قرآنی تعلیم کا اعجاز ہی یہ ہے کہ وہ ایک معمولی سے معمولی سمجھ کے آدمی کے دلمیں بھی پیوست کیجاسکتی ہے اور ایک اعلیٰ سے اعلیٰ فلسفی کے ذہن میں بھی۔ اور ہماری اس ذہنیت سے ہمیں سخت نقصان پہنچا ہمیں اپنی مذہب کی جڑ کو ہمیں اپنی مذہبی زبان کو ہمیں اپنی اسلامی و قومی خصوصیات کو پوری طرح باقی رکھنا چاہئی کہ یہ فرصت قدرت کیطرف سے آخری فرصت ہے۔ مواخذہ میں دیری ---

مکافات عمل کے لئے جسطرح محمود ہی اسی طرح غفلت کے وقت وبال بھی ہی۔

من نگویم زیاں کن یا بہ بند سود باش   اے ز فرصت بے خبر در ہر چہ باشے زود باش

قرآن مجید خدا کا ایک فرمان ہے جس میں بندوں کو اپنی رضا و عدم رضا کے اسباب و موجبات بتلائے گئے ہیں۔ خدا کی رضامندی و ناراضی کا علم انسان کو جب ہی ہو سکتا ہے کہ انسان اس فرمان کے مضمون کو غور و فکر سے پڑھے اگر دنیا کا کوئی حاکم اپنے محکوم کو پروانہ لکھے اور محکوم بجز الفاظ حکم کے رٹ لینے کے اصلی منشا کو نہ سمجھے اور اسپر عامل نہو تو ظاہر ہے کہ حاکم اس سے ضرور ناراض ہوگا اسی طرح جو لوگ قرآن مجید کے الفاظ کو طوطے کی طرح پڑھ لینا کافی سمجھتے ہیں تو کیا وہ احکم الحاکمین کی ناراضی کے مورد نہ بنینگے۔

حضرت حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ اگلے لوگ قرآن شریف کو جانتے تھے کہ یہ کلام خدا ہے اور خدا کی طرف سے بھیجا گیا ہے وہ شب کو اس میں غور و تدبر کرتے اور دن کو اس کے احکام پر عملدرآمد کرتے تھے اب لوگوں کا یہ حال ہے کہ اس کا درس دیتے اور حروف و مخارج زیر و زبر کو درست کرتے ہیں لیکن اس کے سمجھنے اور اسپر عمل کرنے کی طرف قطعاً توجہ نہیں کرتے توراۃ میں لکھا ہے کہ خداوند فرماتا ہے اے بندے تجھے شرم نہیں آتی کہ جب تیرے بھائی کا خط رستے میں پہنچتا ہے تو تو ٹھہر جاتا اور رستے سے الگ ہوکر پڑھنے لگ جاتا اور حرف حرف نہایت غور و فکر کے ساتھ پڑھتا ہے یہ کتاب توراۃ میرا ایک فرمان ہے جو میں نے تجھے لکھا اور حکم کیا ہے کہ اس میں تا بہ امکان غور و تامل کر اور اسکے قوانین کا پابند ہو مگر تو اس سے انکار کرتا اور اسپر عمل کرنے سے جی چراتا ہے پڑھتا بھی ہے تو غور و تامل نہیں کرتا۔

پس اے دوستو! کب تک یہ غفلت رہے گی دیکھو دیکھو ایک دن ہم سب کو اپنے پیدا کرنے والے کے سامنے حاضر ہونا ہے۔ ایک وقت ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم کو منہ دکھانا ہے قبر کی تاریکیوں سے دوچار ہونا ہے ہر ایک کو اپنے کئے کا پھل پانا ہے۔

اس وقت کیا مال و متاع اولاد و زن کچھ کام دیں گے؟ نہیں نہیں صرف وہی چیزیں کام دینگی جس کو راہ دکھانے کے لئے حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے بعد چھوڑا ہے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے۔

ترکت فیکم امرین کتاب اللہ وسنتی الخ

حاصل اس سمع خراشی کا یہ نکلتا ہے کہ جس طرح امراض جسمانی کے دور کرنے کیلئے ضرورت پڑتی ہے (۱) طبیب حاذق کی (۲) تشخیص مرض و تجویز نسخہ کی (۳) صحیح طور پر نسخہ کو استعمال کرنے کی اسی طرح مسلمانوں کو بھی امراض روحانی سے

نجات پانے کیلئے ضرورت ہے۔ (۱) متبع سنت جماعت حقہ سے منسوب ہونے کی (۲) قرآن مجید میں غور و تدبر فکر وتعمق کی (۳) اور دونوں مذکورہ بالا صورتوں سے قائم شدہ معتقدات پر عمل صالح کے تہیہ کرلینے کی۔

(۱) جیسے علاج نکرنے والا یا عطائی حکیم سے علاج کرانیوالا ایک درجہ میں ہے بلکہ اناڑی حکیم سے علاج کرانیوالا بہ نسبت علاج نکرانے والے کے زیادہ خطرہ میں ہے اسی طرح جو لوگ ...... اہل حق سے متوسل نہیں ہیں یا متوسل ہیں مگر بدقسمتی سے انھے اہل حق سے واسطہ نہیں پڑا ہے وہ بھی سخت خطرہ میں ہیں۔

(۲) جس طرح نسخہ کو بغیر سوچے سمجھے دیکھے بھالے استعمال کرنیوالا ہر وقت اندیشہ میں ہے اسی طرح جن لوگوں نے قرآن مجید کو بغیر فکر و تعمق کئے پڑھ لیا وہ بھی ناراضی حق کا سبب ہے، بلکہ ایک درجہ میں مواخذہ کا بھی اندیشہ رکھنا چاہیئے۔

جس طرح اس شخص کو کبھی آرام نہیں ہو سکتا جسنے طبیب حاذق سے نسخہ لکھوا کر بکس میں حفاظت سے لاکر رکھ لیا ہو یا استعمال کیا لیکن طبیب حاذق کی ہدایت کے خلاف استعمال کیا اسی طرح جس شخص نے قرآن مجید کو مخمل کے جزدان میں بند کرکے رکھ چھوڑا ہے یا تلاوت تو روزانہ کرتا ہے لیکن معانی و مطالب قرآن سے بالکل ناواقف ہو اسکو بھی قرآن مجید کا حقیقی فائدہ نہیں پہنچیگا۔

اب غور کرنا ہمیں صرف اس پہلو پر رہ گیا ہی کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو خبر دی ہے کہ میری امت میں بھی ھو بہو وہی امراض آجائیں گے جو یہود و نصارٰی اور امم سابقہ میں تھے وہ کیا کیا ہیں۔ اور مسلمان ان سے کس طرح نجات پا سکتے ہیں۔ یہ پہلو دوسری صحبت میں پیش کیا جائیگا۔ (انشاءاللہ)

دائرۂ رحمۃ اور اُس کی خصوصیات

> رحمت عام کا دائرہ بوجہ خصوصیات خاصہ محدود ہوجاتا ہے

مگر صفت رحمت کا عام حلقۂ اثر جو دائرہ حیوۃ کو شامل و محیط تھا۔ تعلقات خاصہ کی وجہ سے محدود ہونے لگتا ہے اور جون جون دائرہ حیوۃ مخصوص حیثیتوں کے اعتبار سے محدود ہوتا جاتا ہے۔ رحمت و شفقت کا اثر بھی عقلاً عرفاً مذہباً زیادہ ہونا شروع ہوجاتا ہے۔

ایک انسان دوسرے انسان کیساتھ وہ معاملہ کرتا ہے جو اور جانداروں کی ساتھ نہیں کرسکتا اور نہ از روئے مذہب ان دونوں معاملوں کو یکسان قرار دیا گیا ہے۔

اور جب یہ دائرہ اور بھی تنگ ہوجاتا ہے۔ شفقت کا حکم سخت ہوجاتا ہے۔ مثلاً ہم وطنی۔ صداقت و محبت، احسان و مروت۔ تلمذ و تلقن۔ جوار و ملاصقت۔ قرابت و ولادت وغیرہ جملہ امور ایسے ہیں کہ ایک خاص کشش کے ذریعہ سے شفقت و ہمدردی کو اپنی طرف مائل کرتے ہیں۔ شریعت و عقل نے انہیں سے ہر ایک کے حقوق معین و محدود کردیئے ہیں۔

علاقۂ ولادت تمام علاقون سے فائق ہے۔ لیکن خدا تعالیٰ نے اولاد کو برّ والدین کا حکم دیا۔ اور عقوق و نافرمانی والدین کو حرام کردیا۔ ان کی اطاعت کو اپنی اطاعت کیساتھ ملاکر بیان فرمایا۔ (ملاحظہ ہون آیات ذیل)۔

واعبدوا اللہ ولا تشرکوا بہ شیئا وبالوالدین احسانا — اللہ کی عبادت کرو اور اسکی ساتھ کسیکو شریک نہ بناؤ اور والدین کیساتھ احسان کرو۔

وقضی ربک ان لا تعبدوا الا ایاہ وبالوالدین احسانا۔ — تیرے رب نے حکم دیا ہی کہ ای لوگو کسی کی عبادت سوا اس کے نکرو۔ اور والدین کی ساتھ احسان کرو۔

ان اشکر لی ولوالدیک الی المصیر۔ — یہ کہ شکر گذاری کرو میری اور اپنے والدین کی۔ انجام کار میری طرف ہی رجوع ہی۔

فلا تقل لھما أف ولا تنھرھما وقل لھما قولا کریمًا۔ واخفض لھما جناح الذل من الرحمۃ وقل رب ارحمھما کما ربیانی صغیرا + — پھر نہ کہہ ان کو اُف اور نہ ان کو جھڑک اور کہہ ان کو نرم بات۔ اور ان کیلئے رحمت و اطاعت کا بازو جھکا۔ اور دعا کر تو کہ ای میرے رب اُنپر رحم فرما۔ جس طرح انہوں نے صغر سنی مین مجھکو پرورش کیا +

علیٰ ہذا کتب احادیث بھی بر والدین کی مدح اور اُس کے اجر و ثواب۔ عقوق والدین کی مذمت اور اُس کے انجام کے بیان سے مملو ہیں۔ جنمیں سے ایک دو حدیث کا نقل کر دینا مناسب ہے۔

عن ابی ہریرۃ قال قال رجل یا رسول اللہ من احق بحسن صحابتی قال امک قال ثم من قال امک قال ثم من قال امک قال ثم من قال ابوک +

ایک شخص نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ میری حسن مرافقت و ہمدردی کا کون زیادہ مستحق ہے فرمایا تیری ماں عرض کیا اس کے بعد کون فرمایا تیری ماں عرض کیا پھر کون فرمایا تیری ماں عرض کیا اسکے بعد کون فرمایا تیرا باپ۔

وعنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رغم انفہ ثم رغم انفہ ثم رغم انفہ قیل من یا رسول اللہ قال من ادرک والدیہ عند الکبر ثم لم یدخل الجنۃ +

فرمایا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خاک آلودہ ہو اسکی ناک خاک آلودہ ہو اسکی ناک خاک آلودہ ہو اسکی ناک۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ کسکی ناک فرمایا جسنے اپنے والدین کو بڑھاپے کی حالت میں پایا اور انکی خدمت گذاری کرکے جنت میں داخل نہوا۔

عن اسماء بنت ابی بکر قالت قدمت علیّ امی وھی مشرکۃ فی عھد قریش فقلت یا رسول اللہ ان امی قدمت وھی راغبۃ افاصلھا قال نعم صلیھا +

حضرت ابوبکرؓ کی صاحبزادی اسماء فرماتی ہیں کہ میری والدہ مدینہ میں آئی اور وہ مشرکہ تھی مینے عرض کیا یا رسول اللہ میری ماں آئی ہے اور وہ اسلام سے پھری ہوئی ہے اسکی ساتھہ صلہ رحمی کروں یا نکروں۔ فرمایا ہاں ضرور کرو۔

عن جبیر بن مطعم قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لا یدخل الجنۃ قاطع +

فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جنت میں وہ شخص داخل نہوگا جو قطع رحم کرنیوالا ہے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز فرماتے ہیں۔

لا تأتین ابواب السلاطین وان امرتھم بمعروف او نھیتھم عن منکر ولا تخلون بامراۃ وان علمتھا سورۃ من القرآن۔ ولا تصحبن عاقاً فانہ لن یقبلک وقد عق والدیہ +

پادشاہوں کے دروازے پر ہرگز نہ جا اگرچہ وہاں جاکر تو امر بالمعروف یا نہی عن المنکر کرے۔ کسی عورت کیساتھہ تنہا نہ بیٹھ اگرچہ تو اسکو قرآن کی کسی سورت کی تعلیم کیوں ندے اور کسی ایسے شخص کی ہمنشینی نکر جسنے والدین کی عقوق و نافرمانی کی ہو وہ تیری ساتھہ کب مرافقت کر سکتا ہے جبکہ والدین کیساتھہ عقوق کر چکا ہے۔

اور جس طرح اولاد کے ذمہ والدین کی اطاعت فرض ہے۔ اسیطرح والدین کے ذمہ اولاد کی تربیت واجب انکی ساتھہ شفقت و ہمدردی کرنا لازم اور تمام دوسرے علاقوں سے مقدم ہے۔ والدین طبعی طور سے بھی اس علاقے کے سامنے تمام تعلقات کو محو کئے ہوئے ہوتے ہیں لیکن خداوند عالم نے بھی اُنپر اسکو فرض فرما دیا ہے۔

بیٹا نافرمانی کرتا ہے اور طرح طرح کی تکلیفیں پہونچاتا ہے مگر والدین کی شفقت کو معدوم نہیں کر سکتا وہ کتنے ہی ناراض ہوں مگر ان کی تکلیف و مصیبت کو نہیں دیکھ سکتے۔ ایک روایت میں آیا ہے۔

اِنَّ فتیً قربت وفاتہ واعتقل لسانہ عن شہادۃ ان لا الہ الا اللہ فأتوا النبی صلی اللہ وسلم واخبروہ بہ فقام ودخل علیہ وجعل یعرض الشہادۃ وھو یتحرک ویضطرب ولا یعمل لسانہ فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم أما کان یصلی اما کان یصوم اما کان یزکی۔ قالوا بلی۔ فقال ھل عق والدیہ فقالوا بلی فقال علیہ السلام ھاتوا بامہ فجاءت وھی عجوز عوراء۔ فقال علیہ السلام ھلا عفوتِ عنہ فقالت لا اعفو لانہ لطمنی ففقأ عینی فقال علیہ ھاتوا بالحطب والنار فقالت وما تصنع بالنار فقال علیہ السلام أحرقہ بالنار بین یدیکِ جزاءً لما عمل بکِ فقالت عفوتُ عفوتُ أللنار حملتہ تسعۃ اشہر اللنار أرضعتہ سنتین فاین رحمۃ الام فعند ذلک انطلق لسانہ وذکر اشہد ان لا الہ الا اللہ ✦

ایک شخص کا دم واپسین تھا۔ وقت وفات قریب تھا اسوقت اسکی زبان کلمہ شہادت کی ادا سے رک گئی۔ لوگوں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کیا۔ آپ بنفس نفیس تشریف لے گئے اور اسکو کلمہ شہادت کی تلقین فرمائی۔ اسکا حال یہ تہا کہ مضطرب ہوکر حرکت کرتا تہا اور زبان سے کلمہ شہادت ادا کرنا چاہتا تہا مگر زبان یاری نہ دیتی تھی ارشاد فرمایا کہ کیا یہ شخص نماز نہ پڑہتا تہا۔ روزہ نہ رکہتا تہا۔ زکوٰۃ نہ دیتا تہا۔ لوگوں نے عرض کیا سب فرائض ادا کرتا تہا فرمایا پھر کیا اس نے والدین کی نافرمانی کی تھی۔ لوگوں نے عرض کیا بیشک نافرمانی والدین تو کی تھی۔ ارشاد ہوا اسکی ماں کو بلاؤ۔ وہ آئی تو نہایت بوڑھی ایک آنکھ سے کانی تھی آپنے اس سے ارشاد فرمایا تونے کیوں معاف کر دیا اُسنے کہا کبھی معاف نکروں گی۔ اسنے تھپڑ مار کر میری آنکھ پھوڑ دی۔ فرمایا تو ایندھن اور آگ لاؤ۔ بوڑھیا نے عرض کیا لکڑی اور آگ کیا ہوگی فرمایا اس جرم کی پاداش میں تیرے سامنے اسکو جلا دیا جائیگا بوڑھیا نے گھبرا کر کہا میں نے معاف کیا میں نے معاف کیا۔ کیا میں جلانے کے لئے اسکو نو مہینے پیٹ میں رکھا تہا اور برس دودھ پلایا تہا۔ ایسا کریں تو ماں کی شفقت و رحمۃ و محبت کہاں گئی۔ معاف کرتے ہی اس شخص کی زبان کھل گئی کلمہ شہادت زبان پر جاری ہوگیا۔

اس روایت سے جیسا کہ عقوق والدین کے سخت تر جرم ہونے کا حال معلوم ہوا کہ اسکی پاداش میں کلمہ شہادت جیسی نعمت سے محروم ہوکر دنیا سے خالی ہاتہ اٹھتا تہا۔ ایسا ہی والدہ کی شفقت و رحمت کا حال بھی واضح ہوگیا کہ والدہ اس سخت بیزار اور اسکی تعدی کو یاد کرکے شفقت کو بھولے ہوئے تھی مگر جب اسکا یقین ہوگیا کہ میری وجہ سے اس کو تکلیف

دی جائے گی تو فوراً سب باتیں دل سے محو کر کے اتنے بڑے جرم کو معاف کر دیا۔

الغرض تمام علاقون۔ تمام نسبتوں سے زیادہ قوی اور مضبوط ولادت کا علاقہ ہی۔

روحانی علاقہ تعلق ولادت سے بھی قوی ہی

یہ حال علاقہ ولادت کا ہے جو تمام تعلقات و روابط پر سبقت لے گیا ہی۔ لیکن اس سے بھی زیادہ مضبوط اور مستحکم دوسرا علاقہ ہی۔ جس کے سامنے یہ تعلق بھی ماند پڑجاتا ہے اور وہ روحانی اور مذہبی تعلق ہی
بخاری شریف میں نعمان ابن بشیر سے روایت ہی۔

قَالَ رَسُولُ اللہِ صلی اللہ علیہ وسلم تری المؤمنین فی تراحمھم وتوادھم وتعاطفھم کمثل الجسد اذا اشتکی عضواً تداعی لہ سائر جسدہ بالسھر والحمی+

مسلمانوں کی آپس میں رحمت و محبت۔ مودت و مہربانی کی مثال ایک جسم کی سی ہے جب بدن کے ایک عضو میں تکلیف ہوتی ہی تو کل اعضا تکلیف میں اسکا ساتھ دیتے ہیں۔ اور بے خوابی و بخار میں اسکے رفیق بنجاتے ہیں۔

والدین کی اطاعت فرض ہے اولاد کیساتھ شفقت علاوہ طبعی امر ہونے کے شرعاً بھی واجب ہے۔ لیکن ان دونوں علاقوں میں تعارض واقع ہوجائے۔ ایک کی کشش دوسرے کے خلاف ہونے لگے تو اسوقت روحانی اشتراک کو نسبت ولادت پر ترجیح دیجاتی ہی۔ اور گو حکم یہ ہے کہ جہاں تک ممکن ہو علاقہ ولادت کی رعایت کر کے دنیا میں خدمت گذاری یا شفقت کا معاملہ کرنا چاہیئے۔ مگر اس روحانی تعلق کے سامنے اس کی کچھ شنوائی نہیں ہوتی۔ اور اس کا جسقدر بھی پاس ہوتا ہی اسی حدتک ہوتا ہی جس سے روحانی تعلق کو نقصان نہ پہنچے۔

رحمت کا معاملہ مذہبی و روحانی تعلق پر منتہی ہوتا ہی

حاصل کلام یہ ہے کہ رحمت و شفقت کا معاملہ۔ اشتراک حیوۃ سے شروع ہوتا ہی اور درجہ بدرجہ ذوی العقول میں بھی وطنیت۔ قرابت قریبہ وبعیدہ وغیرہ تعلقات سے محدود ہوتا ہوا علاقہ ولادت واس کے بعد مذہبی و روحانی تعلق پر ختم ہوجاتا ہی۔

اور گو طبعی طور پر ہر صاحب تمیز و ادراک کا میلان۔ اسکی رحمت و محبت کا مرکز و نقل۔ وہ تعلقات ہیں جنکی بنا رابت نسبی پر ہے اور یہی وجہ ہی کہ ہر شخص کو اپنے والدین یا اولاد سے جسقدر محبت ہوتی ہی کسی اور سے نہیں ہوتی۔ اور سقدر میلان طبعی ان کی اطاعت یا راحت رسانی کیطرف ہوتا ہی دوسری جانب نہیں ہوتا۔ مگر اسمیں شک نہیں کہ مذہبی حانی علاقہ کو سب پر فوقیت دی ہی۔ وطنیت و قومیت کے حقوق بجاء خود ثابت اور واجب الرعایت ہیں۔ ایک سی کی شریعت مین وہ رعایت ہی جو بسا اوقات قرابت والون کو بھی نصیب نہیں ہوتی۔ اور اسی بنا پر رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔

مازال جبریل یوصینی بالجار حتی ظننت انہ سیورثنی ۔ جبریل مجکو پڑوسی کے بارے میں یہان تک وصیت کرتے رہے کہ مجکو خیال ہوگیا شاید اس کا وارث بنا دیا جائے۔

صلہ رحمی کو جسقدر مہتم بالشان بنایا گیا ہی ظاہر ہے۔ والدین کی اطاعت یا اولاد کی محبت تو تمام تعلقات کی ناسخ ہی مگر اس روحانی علاقہ کے سامنے یہ تمام تعلقات گم ہوجاتے ہین اور وہی ایک قابل رعایت رہجاتا ہی۔ لاطاعة لمخلوق فی معصیة الخالق کے واجب الاذعان فرمان سے ثابت کردیا کہ یہ سب نسبتیں اسوقت تک قابل رعایت ہیں جبتک روحانی علاقہ کو نقصان نہ پہنچے۔

مسلمانون کی قومیت مذہب سے جدا نہیں ہوسکتی اس بیان سے یہ نتیجہ بآسانی نکل سکتا ہی کہ مسلمانونکی قومیت مذہب سے جدا ہوکر قائم نہیں ہوسکتی۔ قومیت و وطنیت کے تعلقات اور اس کے اثر سے ہمکو انکار نہیں ہی لیکن یہ سب علاقے اُسیوقت تک موثر ہیں جبتک تعلقات روحانی سے مزاحمت نہو۔ ورنہ یہ رعایت قومیت و وطنیت عصبیۃ اور حمیۃ جاہلیہ سمجھی جائیگی؛ وہ سلسلہ جو مشرق کے مسلمانونکو اہل مغرب سے متحد کرتا اور وہ علاقہ جو چین کے مسلمانونکی حمایت اہل ہند پر لازم قرار دیتا۔ اور وہ قرب جو افریقہ کے ایک حبشی اور ناتربیت یافتہ بدوی کے پھانس لگجانے سے یورپ و ایشیا کے مہذب و کامل ترین مسلمانون کے دل دکھا دیتا ہی یہی اشتراک مذہبی۔ اور انصباغ روحانی۔ رحمت و شفقت۔ توادد و تناصر کے تمام شعبے جو مختلف علاقون میں پھیلے ہوے بیشمار اجزا پر منقسم ہیں۔ ہر طرف سے سمٹکر ایک ہی مرکز پر جمع ہوجاتے ہیں۔ اور رحمت و محبت کا عظیم الشان دریا جو تمام عالم کو سیراب کرتا ہی۔ درحقیقت اسی منبع سے نکلکر دنیا میں پھیلتا اور چھوٹی بڑی نہرون اور نالیون میں منقسم ہوتا ہوا عالم کے مختلف الطبائع اجزا میں قوت جذب و ارتباط پیدا کرتا ہی۔ اس قاعدہ کو خوب محفوظ رکہنا چاہیئے کہ مسلمان مذہبی نسبت کو ضعیف کرکے جس تعلق کو اپنی ربط و ارتباط کا سبب بنائین گے فلاح کو نہ پہنچین گے۔

اللہ عالم کی رحمت عام وخاص کا بیان یہانتک ہمارا بیان رحمت و شفقت کے اس جز کے متعلق تہا جو منجملہ سو اجزاء کے عالم کے حصہ میں آیا ہی۔ اب ہم خداوند تعالیٰ کی شان رحمت اور اسکی عام و خاص موارد کو دکھلانا چاہتے ہیں۔ اور بتلانا چاہتے ہیں کہ ایک جزو رحمت کا یہ حال ہی کہ تمام عالم کی بقا اسکی وجہ سے ہی تو ننانوے اجزا کا کیا حال ہوگا۔

انسان میں جتنی خوبیاں ہیں۔ جسقدر اوصاف کمال ہیں سب کے سب خداوند تعالیٰ کی صفات و کمالات کے پرتو ہیں

اس کے اندر جو صفت ہے وہ ظل اور عکس ہے خدا تعالیٰ کی صفات خاصہ کا۔

مگر اُن میں وہی فرق ہے جو ظل اور اصل میں ہونا چاہئے۔ وہاں ہر ایک صفت کامل۔ تام۔ غیر محدود ہے۔ اور انسان کی ہر ایک صفت ہر ایک خوبی ناقص ومحدود۔

انسان کا علم ناقص قدرۃ محدود۔ اسلئے اُسکی شفقت ورحمت بھی ابناء جنس کے ساتھہ ہو یا غیر کی۔ ناقص ضعیف اور دار دنیا تک محدود ہوگی۔ اس عالم میں رہکر کوئی کسیکو اُسیقدر نفع پہنچا سکتا ہے جہانتک اسکے علم کی رسائی قدرت کی دسترس ہو اس سے زیادہ کچھ نہیں کرسکتا۔

لیکن خداوند عالم کا علم وسیع۔ قدرت تام۔ اختیارات کامل اور حکومت عام ہے اور اسی لئے اس کی شان رحمت وتربیت بھی عام وشامل ہے۔

انسان کی رحمت وشفقت اسباب پر مترتب ہوتی ہے۔ وہ اپنے دشمن اور مخالف سے بالطبع متنفر اور بجائے نفع کے مضرت پہنچانے کے لئے مستعد وتیار ہوتا ہے۔

لیکن خداوند عالم کی شان ارفع اس سے بری وبالاتر ہے۔ اسکی تربیت ورحمت اور اسکا احسان وانعام کسی قوم کسی فرقہ کسی زمانہ اور کسی مکان یا کسی مذہب وملۃ کیساتھ مخصوص نہیں ہے۔ موجودات کا ہر ایک فرد از قسم اجسام ہو یا اعراض۔ متحیز یا مجرد۔ جمادی ہو یا نباتی۔ حیوان ہو یا انسان۔ مومن ہو یا کافر۔ مبر ہو یا فاجر۔ فیضان ربوبیت سے متمتع اور اُس کے رب الارباب ہونے کا شاہد ہے۔

ایک گنہگار معاصی کے بوجھ میں دبا ہوا۔ اپنے خالق ومالک سے آمادہ جنگ مقابلے کی ٹھانے ہوئے بھی اسی طرح اسکی ربوبیت اور رحمت عامہ کا مورد ہے جس طرح ایک فرشتہ صفت لایعصون اللہ ما امرھم کا مصداق اور اُس کے وجود کے سامنے اپنی ہستی کو مٹا دینے والا۔

نطفہ رحم مادر میں پہنچکر۔ ربوبیت کے گہوارہ میں پرورش پاتا اور متعدد ومتنوع انقلابات کے سانچوں میں ڈھلتا ہوا بااختیار ذی روح یا انسان کامل بنجاتا ہے۔

دانہ کو چھپا دینا تو انسانی فعل ہے۔ لیکن آغوش زمین کے اندر پہنچکر جو کچھ ظہور پذیر ہوتا ہے۔ اسمین کسی فعل کو دخل نہیں ہے یہ سب ربوبیت کے کرشمے ہیں۔ دانہ زمین کی نمی سے پھولتا ہے۔ لیکن پھٹتا ہے صرف دوہی طرف سے جانب اسفل سے

جس مین سے وہ عروق جو نہایت لطیف و نازک ہوتی ہیں نکلکر سخت سے سخت سنگلاخ زمین کو چیرتی ہوئی اندر گھس جاتی ہیں۔ اور جانب اعلیٰ حسین سی شاخین نکلکر ایک خوبصورت ثمردار اور تناور درخت بنجاتا ہی۔

شاہان دنیا اپنی حفاظت کیلئے سنتری اور گارد مقرر کرتے ہیں۔ لیکن انکی دسترس اور قابو میں صرف یہ ہی کہ ظاہری طور پر آنے والوں دشمنوں کی مقاومت کرسکیں۔ غیر معمولی اور مخفی۔ زمینی یا آسمانی آفات سے حفاظت کرنا۔ حشرات الارض اور دوسری قسم کی بلیات سے بچانا ان کے بس کی بات نہین۔

یہ محض رب الارباب کی ربوبیت اور رحمت ہی جو اولوالعزم بادشاہ سی لیکر ادنیٰ سی ادنیٰ بے مایہ اور مفلس کی نگہبانی تمام آنات سے ہوتی ہی۔ اور عین خواب غفلت کی حالت میں جبکہ آدمی اپنی حفاظت سے ایسا ہی عاجز ہوتا ہی جیسا مردہ۔ وہی اسکو بچاتا ہی۔ حالانکہ یہی سونیوالا بسا اوقات ہر قسم کی خرابیون۔ معاصی۔ منکرات اور خرافات کے ارتکاب وانہماک سے چور چور ہوکر مغلوب النوم ہوتا اور خوابش بردہ بہ کا مصداق بنجاتا ہی۔ مگر رحمت و تربیت عامہ برابر اسکو اپنی آغوش میں لئے رہتی ہی۔ اور وہ غافل جاگنے کے بعد چاق و چوبند ہوکر اسی طرح آمادۂ ارتکاب معاصی ہوجاتا ہی۔

حضرت ذوالنون فرماتے ہیں۔ میں ایک مرتبہ گھر میں بیٹھا ہوا تھا دفعۃً میرے دل میں سخت وحشت پیدا ہوئی جسکو میں ضبط نکرسکا اور گھبراکر ساحل نیل کیطرف جانکلا۔ وہان دیکھا کہ بہت بڑا بچھو دوڑتا ہوا دریا کیطرف جاتا ہے۔ میں اسکے پیچھے ہولیا۔ کنارہ دریا پر ایک مینڈک اس کے انتظار میں تھا بچھو فوراً اسپر سوار ہوگیا مینڈک دریا کو عبور کرکے پرلے پار پہنچا۔ بچھو خشکی پر اُترکر دوڑتا ہوا ایک درخت کے نیچے پہنچا۔ جہاں ایک نوجوان بے خبر خواب غفلت کے مزے لے رہا تھا۔ اور ایک زہریلا سانپ ہمیشہ کو خواب عدم میں پہنچانے کے لئے اُسکی طرف دوڑتا ہوا چلا آتا تھا۔ سانپ نوجوان کے قریب پہنچا ہی تھا کہ ادھر سے بچھو نے پہنچتے ہی ڈنک مارا۔ اور سانپ نے بھی اُسکو کاٹا دونوں وہیں ڈھیر ہوگئے۔ اور وہ شخص جس طرح سوتا تھا سوتا رہا اسکو اس واقعہ کی کچھ بھی خبر نہ ہوئی۔ یہ ایک واقعہ ہی جو حضرت ذوالنون کو محض شان ربوبیت مشاہدہ کرانے کیلئے دکھلا دیا گیا۔ ورنہ معلوم نہیں روزمرّہ ہر شخص کے ساتھہ کسقدر واقعات اس قسم کے پیش آتے رہتے ہیں۔

یہی وہ مضمون ہی جسکو حقتعالیٰ نے آیت ذیل میں بیان فرمایا۔

قل من یکلؤکم باللیل والنہار من الرحمٰن | کہدو کہ کون ہی جو حفاظت کرتا ہی تمکو اور دنکو ان تکالیف اور مضرتونسے جو رحمٰن کے قبضۂ قدرت

فائدہ

مقصود سیاق آیت سے کفار کے اسی زعم فاسد کا ابطال ہے کہ وہ اپنے خود تراشیدہ معبودوں کو کافل متکفل حاجات دافع و ملاتع مضرات سمجھتے تھے چنانچہ اگلی آیت میں اسکو کھولدیا ہے۔ لا یستطیعون نصر انفسہم (وہ آپنے آپ کی مدد تو کر ہی نہیں سکتے) اور حاصل ارشاد یہ ہے کہ رات اور دن میں طرح طرح کی تکالیف کے پہنچنے کا ہر وقت اندیشہ لگا رہتا ہے۔ اپنے ابنا جنس کی مخالفت کے علاوہ ارضی و سماوی حوادث کا نزول ہوتا ہے۔ حشرات و ہوام کی ایذا رسانی علیحدہ ہے رات کو آدمی بے خبر و مدہوش ہو کر سوتا ہے دن کو بھی اپنے مشاغل و تفکرات میں مشغول رہتا ہے۔ کوئی محافظ و نگران ظاہریں اسکا نہیں ہے۔ اگر امیر یا سلطان کے محافظ ہوتے بھی ہیں تو وہ خاص صورتوں کی حفاظت کر سکتے ہیں۔ اس قسم کی آفات و بلیات سے محافظ کون ہوتا ہے۔ جن کا ذکر ہم اپنے اوپر کے بیان میں کر چکے ہیں۔ ان کفار سے جو خدا اور اس کے رسول۔ اسکے اخبار اسکے احکام کا استہزا کرتے ہیں فرمایا گیا ہے کہ تم خود ہی سمجھلو کہ یہ معبود خود اپنی حفاظت نہیں کر سکتے وہ تم کو آخرت کے عذاب و شدائد۔ دنیا کے ظاہری و باطنی آفات و مصائب سے کیا خاک بچا سکتے ہیں۔

اگرچہ کہنے کو کوئی مکابر یا معاند یہ کہدے کہ ہماری رات اور دن کے محافظ بھی یہی معبود ہیں۔ مگر کفار جو مخاطب کلام ہیں نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ انکو اپنے معبودوں کا حال معلوم تہا۔ یہی وجہ تھی کہ کفار و مشرک خود بھی سخت مصیبت میں سوائے خدائے پاک کے اور کسیکو اپنا مددگار دیا ورنہ سمجھتے تھے۔ فاذا رکبوا فی الفلک دعوا اللہ مخلصین لہ الدین۔

ہم مقدمہ مضمون ہذا میں بیان کر چکے ہیں کہ قوم باہلہ نے ایک سخت قحط کے وقت اپنے بت کو جو حیس (ایک قسم کی غذا) سے بنا ہوا تہا۔ خود کھالیا تہا۔ اگر ان میں کچہ بھی طاقت مدافعت کی ہوتی تو کم از کم اپنی جان کو تو بچا لیتے۔

ایک شبہہ لیکن یہاں یہ شبہہ ہوتا ہے کہ یہ موقع تو من الرحمن فرمانے کا نہ تہا اسم رحمن اور صفت رحمۃ کا اقتضاء ایذا و تکلیف انزال آفات و مصائب نہیں ہے۔ موقع من القدیر۔ القادر۔ المنتقم۔ القہار وغیرہ اسماء کے ذکر کا تہا۔ جو وسعت قدرۃ۔ و انتقام و غضب وغیرہ اوصاف پر دلالت کرتے ہیں۔

جواب شبہہ یہ بالکل صحیح ہے کہ اس جگہ ایسی ہی اسماء کا ذکر ہونا بظاہر سیاق کلام کے مطابق معلوم ہوتا ہے لیکن خداوند عالم نے سیاق کو اس طرح بدلکر بہت سے لطیف اور باریک امور کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

(۱) کہ باوجود ہر قسم کی تکالیف اور مصائب کے مستحق ہونے اور طرح طرح کے مخالفوں میں گھرے ہوئے ہونے کے بچانیوالی

بھی وہ ذات ہے جس کی صفت رحمانیت ورحمۃ ہی یعنی اپنی قدرت سے تم پر ہر قسم کی بلائیں نازل کرسکتا ہی۔ مگر اُس کی صفت رحمت ہی تم کو بچاتی ہی۔

(۲) لفظ رحمان اس کی طرف بھی اشارہ ہی کہ وہ ذات پاک جسکی صفت خاص رحمت ہی اور اسی کی بدولت تم محفوظ بھی رہتے ہو۔ اس کے غضب و انتقام سے تم کو بہت ڈرنا چاہیے۔ کیونکہ غایت درجہ علیم ورحیم کا غضب بھی اعلیٰ درجہ کا ہوتا ہی۔ اسیوجہ سے یہ مقولہ مسلم ہوچکا ہی اتقوا غضب الحلیم (حلیم کے غصہ سے ڈرتے رہو) وجہ اس کی ظاہر ہی بردبار وصاحب حلم حتیٰ الامکان۔ درگذر۔ چشم پوشی۔ اغماض و عفو سے کام لیتا ہی۔ لیکن جب وہ دیکھ لیتا ہی کہ اب درگذر واغماض کام نہیں دیتی تب غضب کو اختیار کرتا ہی۔ یہ غضبنا کی۔ فوری اشتعال طبع کا نتیجہ نہیں ہوتی۔ بلکہ اس کا معنی یہ ہوتا ہی کہ گنجائش درگذر باقی نہیں ہی۔ پھر اب دیکھ لیجیے کہ ایسی حالت میں غضب کے ثمرات مزید ظاہر ہونگے اور عفو ودرگذر کی گنجائش نہ رہیگی۔

(۳) اس طرح ارشاد فرمانے میں کفار کو تلقین وتعلیم بھی ہی کہ تم اپنی ان حماقتوں کو چھوڑدو جہل و عناد کا پردہ آنکھوں سے اٹھادو۔ اور سمجھلو کہ یہ جو کچھ ہورہا ہی خدا کی رحمۃ اور صفۃ رحمانیۃ کا نتیجہ ہی۔ تم کو بھی اسی سے اپنے تمام تعلقات وابستہ رکھنا چاہیے۔

حضرت ابراہیم ابن ادہم فرماتے ہیں۔ مجھے ایک جگہ مہمان ہونیکا اتفاق ہوا۔ دسترخوان سامنے بچھایا گیا کھانے چُنے گئے دفعۃً ایک کوا آیا اور روٹی اٹھا کے گیا۔ میں تعجب سے دیکھتا رہا اور بالآخر اسکے پیچھے ہولیا۔ وہ ایک ٹیلہ پر پہنچا جہاں ایک شخص اس طرح ہاتھ پیر بندھا پڑا تھا کہ کسی طرف جنبش نہ کرسکتا تھا۔ کوّے نے یہ روٹی اس کے مُنہ میں ڈالدی اور اس نے کھالیا۔

کوّے کا بچہ جب انڈے سے نکلتا ہی تو گوشت کا سُرخ ٹکڑا معلوم ہوتا ہی۔ کوا غیر جنس سمجھکر اُسکو چھوڑ کر چلا جاتا ہی۔ اور یہ ویسا ہی پڑا رہجاتا ہی۔ مگر تربیت عامہ متوجہ ہوتی ہے اور اس کی پرورش کا سامان ہوجاتا ہی۔ مچھر اسکے گرد جمع ہونے لگتے ہیں اور وہ ان کو نگلنا شروع کردیتا ہی۔ اسی طرح تدریجاً غذا پہنچنے سے اسکے پروبال نکلنے شروع ہوجاتے ہیں اور اب ماں باپ بھی اسکو اپنا ہمرنگ دیکھکر پرورش کیلئے آموجود ہوتے ہیں۔

عرب کی زبان میں اس بچہ کو نعاب کہتے ہیں۔ اور اسی عجیب وغریب شان تربیت کو دیکھکر اہل عرب اپنی

خاص دعاؤں میں یا رازق النعاب فی عشہ (اے کوّے کے بچہ کو اسکے گھونسلہ میں رزق پہنچانے والے) استعمال کرتے تھے اور نہایت الحاح وزاری کے وقت خدا تعالیٰ کی اس خاص ومخصوص نعمت ربوبیت کو وسیلہ گردانتے تھے۔

رحمت خداوندی میں اختصاص ہوتا ہے

یہ تو خدا تعالیٰ کی رحمت وتربیت عامہ ہے جو ہر مخلوق پر بلا امتیاز مبذول ہے اور اس کے دائرہ میں سب بلا استثناء داخل اور اس کے ثمرات سے متمتع ہیں لیکن باوجود اسقدر تعمیم اور شمول کے خصوصیات خاص کی وجہ سے اس میں بھی اختصاص پیدا ہو جاتا ہے۔ ایک ایسا شخص جسکے اخلاق وملکات کامل اور پسندیدہ ہیں یا جس کے افعال وحرکات شایستہ اور نافع خلائق ہیں۔ صلہ رحمی کرتا اور اپنے مال سے مخلوق کو فائدہ پہنچاتا۔ اور سخت مشکل کے وقت لوگوں کی عقدہ کشائی کرتا ہے۔ رحمت کے ان خاص خصوصیات کا مستحق ہو سکتا ہے۔ جس کا وہ شخص نہیں ہو سکتا جس کے اخلاق وحشیانہ اور ملکات ناقص ہیں۔ جس کے اقوال وافعال۔ حرکات وسکنات سے خلق خدا تنگ رہتی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جب نزول وحی کی ابتدا ہوئی۔ اور آپ حضرت خدیجہ کے یہاں کانپتے ہوئے پہنچے اور فرمایا کہ مجھے اپنی جان کا اندیشہ ہے۔ تو حضرت خدیجہ نے فرمایا کلا واللہ لا یخزیک اللہ ابدا انک لتصل الرحم وتصدق الحدیث وتحمل الکل وتکسب المعدوم وتقری الضیف وتعین علی نوائب الحق (قسم ہے خدا کی ہرگز ایسا نہیں ہو سکتا۔ خدا تعالیٰ تم کو کبھی رسوا نہ کریگا۔ تم صلہ رحمی کرتے اور دوسروں کا بار اپنے اوپر اٹھاتے ہو۔ اور نادار کو کما کر دیتے ہو۔ مہمان داری کرتے ہو اور مصیبت زدہ کی اعانت کرتے ہو)۔

ظاہر ہے کہ حضرت خدیجہ اُسوقت تک ایمان واسلام وحی اور الہام کی کیفیت سے واقف نہ تھیں۔ انکا ان اوصاف کو شمار کرکے تسلی دینا اور یہ کہنا کہ ایسے اوصاف واخلاق اور ایسے ملکات کا شخص کبھی رسوا وذلیل نہیں ہو سکتا اسی پر مبنی تہا کہ عقلاء زمانہ کے نزدیک بھی اوصاف محمودہ کا ثمرہ یہی ہے کہ ایسا شخص دنیا میں عزیز اور باوجاہت رہے۔ ہر شخص اسکو عزت وقعت کی نظر سے دیکھے اور خداوند تعالےٰ کے یہاں سے انعامات خاص کا مستحق ہو۔ اور یہ وسیع حلقہ رحمت وکرم جسمیں ابلیس بھی حصہ لینے کو تیار ہے۔ اسی طرح مخصوص ومحدود ہوتا ہوا اسی ایک مرکز پر منتہی ہو جاتا ہے۔ جیسے انسان کا وہ جزو قلیل منتہی ہوا تھا۔

۵۱؎ [illegible] ۔ بیار چہ بوی سعادت ست ۔ [illegible] سعادت ست ۔
[illegible]

قبل بعثت نبوی صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم

عرب کی بداخلاقی کا اجمالی خاکہ

دنیا گہوارۂ ظلمت ونفاق وآماجگاہِ فساد وشقاق بنی ہوئی تھی۔ بُت پرستی قمار بازی، شراب خواری کا رواج عام تہا۔ اور اہل عرب ان افعال کو رشکِ صد ثواب سمجھتے تھے۔ یہ اپنی سوتیلی ماؤں سے نکاح کرتے تھے۔ عورت کا کوئی درجہ نہ تہا۔ بھیڑ بکری کی طرح سر بازار بیچی جاتی تھیں۔ اور ان مظلوم ہستیوں پر طرح طرح کے مظالم توڑے جاتے تھے۔ اس زمانہ کو قرآن شریف نے لفظ "فساد" سے تعبیر کیا ہے۔ جیسا کہ حق سبحانہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيقَهُمْ بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ بات بات میں تلواریں میان سے باہر نکلجاتی تھی۔ ایک دوسرے کو مار ڈالنا ان کا بائیں ہاتھ کا کھیل تہا۔ لڑکیوں کو پیدا ہوتے ہی زندہ درگور کر دیتے تھے۔ اور اس فعل مذموم کو نہ صرف فخر وکمال سمجھتے تھے بلکہ شرافت ونجابت کے اصل اصول میں شمار کرتے تھے۔ جب نفاق، شقاق، خونریزی اور رہزنی حد سے تجاوز کر گئی تو یکایک غیرتِ الٰہی حرکت میں آئی۔ اور ماہ ربیع الاوّل کی بارہویں تاریخ کو مکہ معظمہ (زاد اللہ شرفاً وتعظیماً) میں وہ نور! اور روشن آفتاب! جسکی کائنات کو ضرورت تھی! بی بی آمنہ کی برکت بھری گود میں طلوع ہوا اور عبد اللہ کے رحمت کدہ مکان کو چمک کر بقعۂ نور بنا دیا۔ جسکی درخشندہ شعاعوں نے دُنیا کی تاریکی کو دور کرکے جگمگا دیا۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ۔ کس مپرسی اور اعدائے اسلام کی دشمنی کے باوجود اس مدینہ کے بسنے نے یکہ وتنہا تمام عرب کو مسخر کر لیا۔

جو کبھی نہ سُدھرنے والی عرب قوم! اور نہ کبھی سے ڈرنے والے جنگجو بدوؤں نے آخر اپنے آپ کو اس عربی کملی پوش تاجدار کے قدموں پر ڈال دیا۔

آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس وہ کونسا عمل تسخیر تہا؟ اور وہ کونسی مقناطیسی کشش تھی؟ جس کے بل پر تاجدارِ مدینہ (زاد اللہ شرفاً وتکریماً) نے آنکھ جھپکتے ہی تمام عرب کو اپنی طرف کھینچ لیا؟ آپ کی صداقت

خاص دعاؤں میں یارازق النعاب فی عشہ (اے کوّے کے بچّہ کو اسکے گھونسلہ میں رزق پہنچانے والے) استعمال کرتے تھے اور نہایت الحاح وزاری کے وقت خدا تعالیٰ کی اس خاص ومخصوص نعمت ربوبیت کو وسیلہ گردانتے تھے۔

رحمت خداوندی میں اختصاص ہوتاہی یہ تو خدا تعالیٰ کی رحمت وتربیت عامہ ہی جو ہر مخلوق پر بلا امتیاز مبذول ہی اور اس عام دائرہ میں سب بلا استثناء داخل اور اس کے ثمرات سے متمتع ہیں لیکن باوجود اسقدر تعمیم اور شمول کے خصوصیات خاصہ کی وجہ سے اس میں بھی اختصاص پیدا ہوجاتا ہے۔ ایک ایسا شخص جسکے اخلاق وملکات کامل اور پسندیدہ ہیں۔ یا جس کے افعال وحرکات شایستہ اور نافع خلائق ہیں۔ صلہ رحمی کرتا اور اپنے مال سے مخلوق کو فائدہ پہنچاتا۔ اور سخت مشکل کے وقت لوگوں کی عقدہ کشائی کرتاہی۔ رحمت کے ان خاص خصوصیات کا مستحق ہوسکتاہی۔ جس کا وہ شخص نہیں ہوسکتا جس کے اخلاق وحشیانہ اور ملکات ناقص ہیں۔ جس کے اقوال وافعال۔ حرکات وسکنات سے خلق خدا تنگ رہتی ہی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جب نزول وحی کی ابتدا ہوئی۔ اور آپ حضرت خدیجہ کے یہان کانپتے ہوئے پہنچے اور فرمایا کہ مجھے اپنی جان کا اندیشہ ہی۔ تو حضرت خدیجہ نے فرمایا کلا واللہ لایخزنک اللہ ابداً انک لتصل الرحم وتصدق الحدیث وتحمل الکل وتکسب المعدوم وتقری الضیف وتعین علی نوائب الحق (قسم ہے خدا کی ہرگز ایسا نہیں ہوسکتا۔ خدا تعالیٰ تم کو کبھی رسوا نکریگا۔ تم صلہ رحمی کرتے اور دوسرون کا بار اپنے اوپر اٹھاتے ہو۔ اور نادار کو کما کر دیتے ہو۔ مہمان داری کرتے ہو اور مصیبت زدہ کی اعانت کرتے ہو۔)

ظاہر ہے کہ حضرت خدیجہ اُسوقت تک ایمان واسلام وحی اور الہام کی کیفیت سے واقف نہ تھیں۔ انکا ان اوصاف کو شمار کرکے تسلّی دینا اور یہ کہنا کہ ایسے اوصاف واخلاق اور ایسے ملکات کا شخص کبھی رسوا وذلیل نہیں ہوسکتا اسی پر مبنی تہا کہ عقلا زمانہ کے نزدیک بھی اوصاف محمودہ کا ثمرہ یہی ہی کہ ایسا شخص دنیا میں عزیز اور باوجاہت رہے۔ ہر شخص اسکو عزت ووقعت کی نظر سے دیکھے اور خداوند تعالےٰ کے یہان سے انعامات خاصہ کا مستحق ہو۔ اور یہ وسیع حلقۂ رحمت وکرم جسمیں ابلیس بھی حصہ لینے کو تیار ہی۔ اسی طرح مخصوص ومحدود ہوتا ہوا اسی ایک مرکز پر منتہی ہوجاتاہی۔ جسپر انسان کا وہ جزو قلیل منتہی ہوا تہا۔[۵۷]

[۵۷] گر بحشر خطابے کند • انبیا را چہ جائے معذرت است • پردہ از روئے لطف گو بردار • اشقیا را امید مغفرت است • اگر در دہد یک صلائے کرم • عزازیل گوید نصیبے برم •

قبل بعثت نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

عرب کی بداخلاقی کا اجمالی خاکہ

دنیا گہوارۂ ظلمت ونفاق وآماجگاہ فساد وشقاق بنی ہوئی تھی۔ بُت پرستی قمار بازی، شراب خواری کا رواج عام تہا۔ اور اہل عرب ان افعال کو رشک صد ثواب سمجھتے تھے۔ یہ اپنی سوتیلی ماؤں سے نکاح کرتے تھے۔ عورت کا کوئی درجہ نہ تہا۔ بھیڑ بکری کی طرح سربازار بیچی جاتی تھیں۔ اور ان مظلوم ہستیوں پر طرح طرح کے مظالم توڑے جاتے تھے۔ اس زمانہ کو قرآن شریف نے لفظ "فساد" سے تعبیر کیا ہے۔ جیسا کہ حق سبحانہٗ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيقَهُمْ بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ بات بات میں تلواریں نعن سے باہر نکلجاتی تھی۔ ایک دوسرے کو مار ڈالنا ان کا بائیں ہاتھ کا کھیل تہا۔ لڑکیوں کو پیدا ہوتے ہی زندہ درگور کردیتے تھے۔ اور اس فعل مذموم کو نہ صرف فخر وکمال سمجھتے تھے بلکہ شرافت و نجابت کے اصل اصول میں شمار کرتے تھے۔ جب نفاق، شقاق، خونریزی اور رہزنی حد سے تجاوز کر گئی تو یکایک غیرت الٰہی حرکت میں آئی۔ اور ماہ ربیع الاوّل کی بارہویں تاریخ کو مکہ معظمہ (زاد اللہ شرفاً وتعظیماً) میں وہ نور! اور روشن آفتاب جسکی کائنات کو ضرورت تھی! بی بی آمنہ کی برکت بھری گود میں طلوع ہوا۔ ... عبد اللہ کے رحمت کدہ مکان کو چمک کر بقعۂ نور بنا دیا۔ جسکی درخشندہ شعاعوں نے دُنیا کی تاریکی کو دور کرکے جگمگا دیا۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ۔ کس مپرسی اور اعدائے اسلام کی دشمنی کے باوجود اس مدینہ کے بسنے نے یکہ وتنہا تمام عرب کو مسخر کرلیا۔

جو کبھی نہ سُدھرنے والی عرب قوم! اور نہ کسی سے ڈرنیوالے جنگجو بدوئے آخر اپنے آپ کو اس عربی گلیم پوش تاجدار کے قدموں پر ڈالدیا۔

آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس وہ کونسا عمل تسخیر تہا؟ اور وہ کونسی مقناطیسی کشش تھی؟ جس کے ذریعہ تاجدار مدینہ (زاد اللہ شرفاً وتکریماً) نے آنکھ جھپکتے ہی تمام عرب کو اپنی طرف کھینچ لیا؟۔ آپ کی صداقت

ی ۔ ایفائے عہد اور حسن اخلاق کا جادو تہا ۔ کہ اہل عرب نے آپ کے برکت بھرے پیر چوم لئے ۔ آپ معمول کے
دافق غار حرا میں مصروف نماز اور محو راز و نیاز ہیں ۔ فرشتہ جبریلؑ منجانب اللہ آتا ہے اور کہتا ہے کہ اقرا
ی پڑھ ! لیکن وہ مجسمۂ جمال اور پیکر جلال جواب دے رہا ہے کہ مَا اَنَا بِقَارِیءٍ یعنی کیا پڑھوں ؟ میں تو پڑھنا
یں جانتا ! لیکن آج اس "نبی امی" کے عالم افگن کارناموں نے یورپ کے فلاسفروں کو مجسمۂ حیرت و
استعجاب بنا دیا ہے ۔ کہ عرب کے تپیدہ ریگستان میں پلکر جوان ہونے والا اور کھجور کے سربلند درختوں کی
ماؤں میں بکریاں چرانیوالا ابجد ناشناس آخر کس طرح فلسفیان عالم کا درس آموز بن گیا ؟ دنیا حیران
اس دُرِ یتیم کو ایسی اعلیٰ تعلیم عرب کے دورِ جاہلیت مین کس نے اور کس یونیورسٹی (دار العلوم) اور کالج
سے حاصل کرائی ؟ کس استاد کے سامنے اس نبی اُمیؐ نے زانوئے تلمذ تہ کیا ؟ اللھم اھدنا الصراط
مستقیم ۔ بجاہ النبی محمد علیہ الصلوٰۃ والتسلیم ۔ آمین ۔ یارب العالمین +

اسلام مین خواتین کے حقوق

(سلسلہ کے لئے ملاحظہ ہو القاسم نمبر ۷ جلد ۳)

عہد شباب اور کتخدائی لڑکپن کے دن ختم ہونے کے بعد ایک طرف تو عقل۔ تدبر۔ سمجھ اور ذمہ داری کے دروازونپر دستک دیتا ہوا سن شعور شروع ہوتا ہے۔

اور دوسری طرف شہوانی قوی کی پوشیدہ طاقتون مین طوفان انگیز ہلچل پیدا کردینے والا عہد شباب حاضر ہوتا ہی۔ جو خواہشات میں حرکت، دلوں میں ہیجان اور امنگوں میں کچھ ایسا تلاطم برپا کردیتا ہے۔ کہ اگر اُسکو مناسب طور سے ضبط نہ کیا جائے تو مہذب سے مہذب انسان بد سے بد اور شرمناک سے شرمناک افعال کی رسوا کن گھاٹیون میں ڈھکیل دیا جا سکتا ہی۔

چونکہ فطرت نے مستورات میں قوی کی کمزوری اور رطوبت کی کثرت کے باعث حرارت غریزیہ مردونکی بہ نسبت کمی کی ساتھہ سرشت کی ہے۔ اور پھر ضعف قلب کے باعث بزدلانہ شرم کا مادہ بھی کچھ زیادتی کی ساتھہ اس صنف میں پایا جاتا ہے۔ لہذا یہ ممکن ہی کہ وہ مردوں کی بہ نسبت اپنی خواہشات پر کچھ زیادہ صابر اور قابو یافتہ ثابت ہون۔

مگر یہ واقعیت ہر قسم کے شک و شبہہ سے بری۔ او انکار سے بعید تر ہی کہ مردون کے مانند وہ بھی ان خواہشات کے پورا کرنے پر اسی طرح مجبور بلکہ مضطر ہوتی ہیں جیسا کہ تندرست آدمی بھوک کے غلبہ کے وقت شکم سیری پر مجبور اور اس کے لئے بے قرار ہوتا ہی۔

بلکہ حق تو یہ ہے کہ اس صنف کی کم عقلی۔ اور پھر عیش پسند فطرت بہت خطرناک ہوتی ہے۔ اور اگر مستورات کی خصوصی اوصاف کو پیش نظر رکھا جائے تو یہ دعوی قریب قریب بدیہی ہو جائیگا۔ کہ بسا اوقات ان کی شہوت پرستی مردوں سے زیادہ بڑھ جاتی ہے۔

حتیٰ کہ اس زمانہ کے مدعیان صداقت "یعنی آریہ صاحبان" تو ان ہی اوصاف کے باعث دھوکا کھا کر اکثر یہ کہا کرتے ہیں کہ عورتون میں شہوت کا مادہ مردون سے زائد ہوتا ہی۔ اگرچہ یہ غلط ہی ہے جس کی تائید طب

ریخ اجساد کی معتبر کتابیں پوری طرح سے کر سکتی ہیں۔ بہرحال یہ ضروری ہے کہ جیسے ایک مرد اپنے جذبات کے ماتحت
دیوی۔ نزاکت کی پتلی۔ ناز و انداز کی مورتی۔ شوخیوں سے بدمست۔ امنگوں سے مدہوش وغیرہ وغیرہ
باکدامن باکرہ کے طلب میں حق بجانب سمجھا جاتا ہے۔
ی طرح ضروری ہے کہ ایک عورت بھی اپنی خواہشات کے ماتحت اسی قسم کی طلب پر مساوی طور سے
جائے۔ اور کوئی وجہ نہیں کہ اس کے ساتھ اس کے خلاف برتاؤ کیا جائے۔
لیکن افسوس ہے اُن اُمتوں پر جنھوں نے رسول بطحائی۔ فداہ ابیٔ امی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بعثت سے
کے کرہ کو اپنا عہد عشرت اور گہوارۂ عیش بنا رکھا تھا کہ ان کے دماغوں نے یا تو ان فطری اور طبعی امور کا
ی نہیں کیا تھا یا احساس کرنے کے بعد اپنی ظلم پرستی کے باعث اسکو پس پشت ڈال دیا تھا۔
انچہ ایک زرپرست باپ اپنی زرپرستی کے نشہ میں اس کی مطلقاً پرواہ نہیں کرتا تھا۔ اور نااہل سے نااہل
بست خاوند اپنی پیرانہ سالی کی جس منزل میں بھی ہو۔ چاندی کے سفید سکوں کے عوض میں جس ننھی معصوم
یا دانت دھر لیتا تھا۔
ن دوشیزہ کم سن بچیوں کی حالت کسقدر قابل رحم ہوتی تھی جو زرپرستی اور شہوت پرستی کی دو طاقتوں
میں اپنے آپ کو پستے ہوئے دیکھتی تھیں۔
یسے موقعوں پر عمروں کا تفاوت۔ جذبات کا اختلاف۔ خواہشات کا تصادم اور تخالف جن بدسے بدنتائج
ب بنے تھوڑا ہی۔ یہ زمین آسمان کا فرق بسا اوقات جانبین میں رنجشیں پیدا کر کے عداوت۔ بدچلنی۔ اور
قات خودکشی یا ایک دوسرے کو خفیہ قتل تک کے مناظر دکھلا دیتا ہے۔
یقیناً اس عورت کو بہت ہی صابر سمجھنا چاہیئے جو ان تمام باتوں کو جھیل سکے اور کم از کم تپ دق وغیرہ میں بھی
ہو۔ ہم یقیناً ان واقعات کے مشاہدات سے بے بہرہ ہوتے۔ اگر ہماری مسلم جماعت اپنے ہادی برحق کی اصلاح
ہتی۔ مگر افسوس کہ اس جماعت نے سب سے زیادہ نہیں تو سب کی برابر اس میں حصہ لینا شروع کر دیا۔ اور اپنے
حق کی اصلاح کو ایکدم فراموش کر دیا۔
میں اسوقت خدا کا شکر ادا کرتے ہوئے نہایت بلند آہنگی سے اس بات کو پیش کرتا ہوں کہ مقتدا اکبر ہادی اعظم

صلے اللہ علیہ وسلم کی پُرصداقت اور پُرمغز تعلیم نے ان تمام امور کا خیال کما حقہٗ رکھا ہے۔ اور یقیناً ان تمام خیالات کی پوری طرح سے اصول فطرت کے مطابق حفاظت کا اگر کوئی مذہب متکفل ہو سکتا ہے تو وہ اسلام ہے۔ اور یقیناً اسلام اور ہادیٔ اسلام علیہ التحیۃ والسلام نے جن ازدواجی اصول کی تعلیم فرمائی یقیناً عالم کردماغ اسکی مثال سے قاصر ہے۔

تعلیم اسلام چنانچہ نکاح کا معاملہ نہ صرف طرفین کے ماں باپ پر موقوف رکھا بلکہ اس کا زیادہ حصہ بالغ مرد اور بالغ عورت کی مرضی کے ماتحت کر دیا۔

مرد کے متعلق حکم ہوا کہ معمولی طور سے اپنی منگیتن یعنی منسوبہ عورت کو دیکھکر پسند کرلے۔ اور اپنی قسمت کے فیصلے کو کسی آنے والی مبہم ساعت پر موقوف نہ رکھے کہ گھونگٹ اٹھنے کے بعد کفِ افسوس ملنے کے علاوہ تمام عمر کوئی چارہ کار باقی نہ رہے۔ اور یہ شادی اس کی زندگی کے لئے عذاب الیم ہو جائے۔

چنانچہ مقتدائے اعظم ہادیٔ برحق صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے۔ اذا خطب احدکم المراۃ فان استطاع ان ینظر الی ما یدعوہ الی نکاحہا فلیفعل (ابوداؤد شریف) ترجمہ جب کوئی شخص کسی عورت کا رشتہ بھیجے تو اگر قادر ہو کہ دیکھلے کہ کونسی چیز اس کے نکاح کیلئے داعی ہو رہی ہے تو ایسا کرلینا چاہیئے۔

مغیرہ بن شعبہ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک عورت سے اپنا رشتہ بھیجا تو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کیا آپنے اسکو دیکھا ہے میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ کبھی ایسا اتفاق تو نہیں ہوا۔ رسولخدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا فانظر الیہا فانہ احری ان یودم بینکما ترجمہ اسکو ایک نظر دیکھلو کیونکہ یہ زیادتیٔ اُنس اور موافقت کے بہت زیادہ لائق ہے (ترمذی ونسائی وغیرہما)۔

میں کورٹ شپ کی وجو بیہودہ اور شرمناک رسم کہ انگریزوں میں جاری ہے تعلیم نہیں کر رہا۔ حدیث مقدس کا منشا صرف اتنا ہے کہ مرد ایک نظر دیکھ سکتا ہے اس کیلئے یہ بھی ضروری نہیں کہ عورت کو علم بھی ہو بلکہ اچھا تو یہی ہے کہ اسکو علم نہ ہو۔ کیونکہ اس تعلیم وارشاد کا مبنیٰ صرف استقبالی مصائب سے بچانا ہے۔

ورنہ ان احادیث کا مطلب اس طرح بھی بیان کیا گیا ہے کہ وہ غور کرے کہ کن کن باتوں کے اعتبار سے وہ اس سے نکاح کرنا مناسب سمجھتا ہے۔ یعنی مزاج اور مصلحتوں اور ضرورتوں وغیرہ کا اور عورت کے اخلاق طرز طریق وغیرہ کا پوری طرح سے موازنہ کرے اور اس میں غور کرے کہ میں جس منزل میں قدم رکھ رہا ہوں وہ میرے لئے راحت بخش ہے یا مضرت کا پیش خیمہ

بہرحال مرد کو انتخاب یا رائے زنی کا کامل اختیار دیا گیا۔

ظاہر ہے کہ یہ حکم جسقدر مردوں کے لئے مناسب ہے عورتوں کے نقصان عقل بھولا پن اور پھر فطرتی طباعی کے اعتبار سے چنداں مناسب نہ تھا۔ تو ان مصلحتوں کی اس طرح پاسداری کی گئی کہ ان کے بارے میں مشورہ کی تولیت عورتوں کے سپرد کی گئی کیونکہ عورتوں کا مزاج عورتیں ہی خوب اچھی طرح سمجھ سکتی ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہوا۔ امروا النساء فی بناتھن ابوداؤد شریف ترجمہ عورتوں ہی سے ان کے لڑکیوں کے بارے میں مشورہ کرو۔ کیونکہ مثل مشہور ہے۔ کند ہم جنس باہم جنس پرواز۔ کبوتر با کبوتر باز با باز۔

اور باایں ہمہ خود لڑکی سے مشورہ لینے کا بھی ارشاد فرمایا جس کے متعلق ہم پہلے ایک حدیث پیش کر چکے ہیں کہ لا تنکح الایم حتی تستامر ولا تنکح البکر حتی تستاذن قالوا یا رسول اللہ کیف اذنہا قال ان تسکت بخاری و مسلم وغیرہما ترجمہ اجازت کے بغیر نہ بیوہ عورت کا نکاح کیا جاسکتا ہے اور نہ کنواری کا نکاح کرنا چاہئے صحابہ نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ کنواری کس طرح اجازت دے گی آپ نے فرمایا اس کی خاموشی اجازت سمجھی جائے گی۔

اور مسلم کی ایک روایت میں یہ الفاظ بھی موجود ہیں والبکر یستاذنہا ابوہا فی نفسہا واذنہا صماتہا ترجمہ (باکرہ) کنواری لڑکی سے اسکے باپ کو اجازت لینی ہوگی اور اسکی خاموشی اجازت سمجھی جائیگی۔ ہم کو خوش ہونا چاہئے کہ ہمارے مقتدا اور آئمہ کے سردار یعنی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہی مذہب ہے اور اس مذہب کی تائید خنسا بنت فدام کی حدیث بھی کرتی ہے کہ ان کے باپ نے ان کی مرضی کے خلاف نکاح کر دیا تھا۔ تو استغاثہ کے وقت آپ نے اس نکاح کو رد کر دیا۔

نیز ابوداؤد کی ایک دوسری روایت اس مضمون میں صریح ہے جس کے الفاظ یہ ہیں عن ابن عباس قال ان جاریۃ بکرا اتت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فذکرت ان اباھا زوجہا وھی کارھۃ فخیرھا النبی صلی اللہ علیہ وسلم (ابوداؤد شریف) ترجمہ حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ ایک کنواری لڑکی دربار رسالت میں حاضر ہوئی اور کہا کہ زبردستی اسکے باپ نے اس کا نکاح کر دیا ہے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اختیار دیا کہ خواہ نکاح باقی رکھے یا فسخ کر دے۔

(باقی آئندہ)

دین حق

دین مذہب ملت دھرم جو کچھ بھی کہو دنیا میں اسقدر زبردست اور قوی چیز ہے کہ کوئی ذی عقل اس سے آزاد نہین ہوسکتا مذہب کا آلہ شکار فقط ایک عقل ہی ہے جو عقلمند ہی ناممکن ہی کہ مذہب کے سامنے سر تسلیم خم نہ کرے اگرچہ اپنے کو لامذہب ہی کہے۔ ہان مجنون اور عقل سے خارج مبحث سے بھی خارج ہے۔ جو شخص مذہب کی حقیقت سے ناآشنا ہے ممکن ہے کہ مضمون بالا کا انکار کرے لیکن مذہب کی حقیقت جاننے کے بعد انکار ناممکن ہے اسوجہ سے پہلے بالاختصار مذہب کی حقیقت عرض کردون اور پھر حقانیت کا معیار اور پھر دین حق کا اسلام میں انحصار عرض کرون تو مناسب ہے۔

مذہب کی حقیقت انسان کی تین حالتیں ایسی ظاہر و باہر ہیں جنسے انکار کی گنجائش ناممکن ہی۔ انسان موجود نہ تھا اور اب موجود ہی اور پھر موجود نہ رہیگا۔ انسان کا وجود دو عدمون کے درمیان میں ہی ہر ذی عقل اسکو سوچتا ہے کہ وجود کہاں سے آیا اور کس طرح اور کس نے دیا اس کی صفات کیا ہیں اس کے ہم پر حقوق کیا ہیں۔ پھر یہ بھی سوال ساتھ ساتھ پیدا ہوتا ہی کہ مرنے کے بعد جو عدم لاحق ہے اس کے بعد پھر کیا حال ہوگا ان دو عدمون کے متعلق انسان کا جو کچھ بھی خیال ہو اس کی مطابق جو انسان اپنی زندگی بسر کرتا ہے اسی کا نام مذہب ہے۔ اس مختصر تقریر سے اہل فہم پر یہ امر ظاہر ہوگیا ہوگا کہ کوئی ذی عقل مذہب سے آزاد نہیں ہوسکتا۔ اسکے بعد یہ بات بھی اہل عقل کے نزدیک مخفی نہیں کہ جب انسان کا وجود اپنا ذاتی نہیں تو ضرور غیر سے وجود اسکو ملا ہی پھر وہ معطی وجود بھی اگر موجود بالذات نہیں تو اس کے لئے بھی کسی دوسرے موجد کی تلاش ضروری ہوگی پھر اگر یہ سلسلہ یونہی غیر متناہی چلے اور کسی موجود بالذات پر اس کی انتہا نہ ہو تو تحقق بالعرض کا بدون بالذات کے لازم آئیگا جو قطعاً محال اور ممتنع ہے جب اس سلسلہ میں کوئی بھی موجود بالذات نہ ہوگا اور موجود بالعرض فرع موجود بالذات کی ہے تو کسی موجود کا تحقق ہی نہوگا چہ جائیکہ موجودات غیر متناہیہ موجود ہون۔

دین حق کا معیار تو جس کسی مذہب میں کوئی موجود بالذات تسلیم نہ کیا جائے یا زبان سے موجود بالذات کا اقرار ہو لیکن اس مذہب کے اصول کی بنا پر موجود بالذات کا وجود ممتنع اور محال ہو تو وہ مذہب بھی قطعاً غلط اور باطل ہوگا۔ علی ہذا القیاس اس موجود بالذات کی صفات اور اسکے مرضیات و نامرضیات کا علم بھی اسی کے ذریعہ سے ہوسکتا ہی

بہر حال مرد کو انتخاب یا رائے زنی کا کامل اختیار دیا گیا۔

ظاہر ہے کہ یہ حکم جسقدر مردون کے لئے مناسب ہے عورتوں کے نقصان عقل بھولا پن اور پھر فطرتی طباعی کے اعتبار سے چندان مناسب نہ تہا۔ تو ان مصلحتون کی اس طرح پاسداری کی گئی کہ ان کے بارے میں مشورہ کی تولیت عورتوں کے سپرد کی گئی کیونکہ عورتون کا مزاج عورتین ہی خوب اچھی طرح سمجھ سکتی ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہوا۔ امروا النساء فی بناتھن ابوداؤد شریف ترجمہ عورتوں ہی سے ان کے لڑکیوں کے بارے میں مشورہ کرو۔ کیونکہ مثل مشہور ہے۔ کند ہم جنس باہم جنس پرواز۔ کبوتر باکبوتر باز باباز۔

اور باایں ہمہ خود ۔ لڑکی سے مشورہ لینے کا بھی ارشاد فرمایا جس کے متعلق ہم پہلے ایک حدیث پیش کر چکے ہیں کہ لا تنکح الایم حتی تستامر ولا تنکح البکر حتی تستاذن قالوا یا رسول اللہ کیف اذنہا قال ان تسکت بخاری ومسلم وغیرہما ترجمہ اجازت کے بغیر نہ بیوہ عورت کا نکاح کیا جاسکتا ہے اور نہ کنواری کا نکاح کرنا چاہئے صحابہ نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ کنواری کس طرح اجازت دے گی آپ نے فرمایا اس کی خاموشی اجازت سمجھی جائے گی۔

اور مسلم کی ایک روایت میں یہ الفاظ بھی موجود ہیں والبکر یستاذنہا ابوھا فی نفسہا واذنہا صماتہا ترجمہ (باکرہ) کنواری لڑکی سے اسکے باپ کو اجازت لینی ہوگی اور اسکی خاموشی اجازت سمجھی جائیگی۔ ہم کو خوش ہونا چاہئے کہ ہمارے مقتدا اور آئمہ کے سردار یعنی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہی مذہب ہے اور اس مذہب کی تائید خنساء بنت خذام کی حدیث بھی کرتی ہے کہ ان کے باپ نے ان کی مرضی کے خلاف نکاح کر دیا تھا۔ تو استغاثہ کے وقت آپ نے اس نکاح کو رد کر دیا۔

نیز ابوداؤد کی ایک دوسری روایت اس مضمون میں صریح ہے جس کے الفاظ یہ ہیں عن ابن عباس قال ان جاریۃ بکرا اتت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فذکرت ان اباھا زوجہا وھی کارھۃ فخیرھا النبی صلی اللہ علیہ وسلم (ابوداؤد شریف) ترجمہ حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ ایک کنواری لڑکی دربار رسالت میں حاضر ہوئی اور کہا کہ زبردستی اسکے باپ نے اس کا نکاح کر دیا ہے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اختیار دیا کہ خواہ نکاح باقی رکھے یا فسخ کر دے۔

(باقی آئندہ)

دین حق

دین مذہب ملت دھرم جو کچھ بھی کہو دنیا میں اسقدر زبردست اور قوی چیز ہے کہ کوئی ذی عقل اس سے آزاد نہیں ہوسکتا مذہب کا آلہ شکار فقط ایک عقل ہی ہے جو عقلمند ہی ناممکن ہے کہ مذہب کے سامنے سر تسلیم خم نہ کرے اگرچہ اپنے کو لامذہب ہی کہے۔ ہاں مجنون اور عقل سے خارج مبحث سے بھی خارج ہے۔ جو شخص مذہب کی حقیقت سے ناآشنا ہے ممکن ہے کہ مضمون بالا کا انکار کرے لیکن مذہب کی حقیقت جاننے کے بعد انکار ناممکن ہے اسوجہ سے پہلے بالاختصار مذہب کی حقیقت عرض کردوں اور پھر حقانیت کا معیار اور پھر دین حق کا اسلام میں انحصار عرض کردوں تو مناسب ہے۔

مذہب کی حقیقت انسان کی تین حالتیں ایسی ظاہر و باہر ہیں جنسے انکار کی گنجائش ناممکن ہے۔ انسان موجود نہ تھا اور اب موجود ہے اور پھر موجود نہ رہیگا۔ انسان کا وجود دو عدموں کے درمیان میں ہے ہر ذی عقل اسکو سوچتا ہے کہ وجود کہاں سے آیا اور کس طرح اور کس نے دیا اس کی صفات کیا ہیں اس کے ہم پر حقوق کیا ہیں۔ پھر یہ بھی سوال ساتھ ساتھ پیدا ہوتا ہے کہ مرنے کے بعد جو عدم لاحق ہے اس کے بعد پھر کیا حال ہوگا ان دو عدموں کے متعلق انسان کا جو کچھ بھی خیال ہو اس کی مطابق جو انسان اپنی زندگی بسر کرتا ہے اسی کا نام مذہب ہے۔ اس مختصر تقریر سے اہل فہم پر یہ امر ظاہر ہوگیا ہوگا کہ کوئی ذی عقل مذہب سے آزاد نہیں ہوسکتا۔ اسکے بعد یہ بات بھی اہل عقل کے نزدیک مخفی نہیں کہ جب انسان کا وجود اپنا ذاتی نہیں تو ضرور غیر سے وجود اسکو ملا ہے پھر وہ معطی وجود بھی اگر موجود بالذات نہیں تو اس کے لئے بھی کسی دوسرے موجد کی تلاش ضروری ہوگی پھر اگر یہ سلسلہ یونہی غیر متناہی چلے اور کسی موجود بالذات پر اس کی انتہا نہ ہو تو تحقق بالعرض کا بدون بالذات کے لازم آئیگا جو قطعاً محال اور ممتنع ہے جب اس سلسلہ میں کوئی بھی موجود بالذات نہ ہوگا اور موجود بالعرض فرع موجود بالذات کی ہے تو کسی موجود کا تحقق ہی نہ ہوگا چہ جائیکہ موجودات غیر متناہیہ موجود ہوں۔

دین حق کا معیار تو جس کسی مذہب میں کوئی موجود بالذات تسلیم نہ کیا جائے یا زبان سے موجود بالذات کا اقرار ہو لیکن اس مذہب کے اصول کی بنا پر موجود بالذات کا وجود ممتنع اور محال ہو تو وہ مذہب بھی قطعاً غلط اور باطل ہوگا۔ علیٰ ہذا القیاس اس موجود بالذات کی صفات اور اسکے مرضیات و نامرضیات کا علم بھی اسی کے ذریعہ سے ہوسکتا ہے

تو جس مذہب میں ان تمام امور کے معلوم ہونے کا ذریعہ عقل صرف ہو اور اس ذریعہ کی انتہا موجود بالذات تک قطعاً نہ پہنچتی ہو تو وہ مذہب بھی یقیناً غلط ہوگا اس طرح جس مذہب میں اس موجود بالذات کے صفات ایسے بیان کئے جائیں جو اس کی شان کے قطعاً مخالف ہوں یا مرضیات و نامرضیات یعنی مذہب کے قطعیہ احکام کا تحفظ قطعی نہو یا اصول مذہب قطعیات کے قطعاً مخالف ہوں اس مذہب کو بھی غلط اور باطل ہی تصور کرنا چاہیئے۔

اسوقت جملہ مذاہب عالم سے قطع نظر کر کے اسلام اور عیسائیت اور یہودیت اور آریہ مذہب سے بحث کرنی ہے کہ ان میں سے کون اس معیار مذکور پر عقلاً صحیح ثابت ہوتا ہے اور کون نہیں ؟۔

چونکہ برادران وطن آریہ سماج آجکل اپنے ہی مذہب کی حقانیت اور قدامت کے بڑے زور سے مدعی اور تمام عالم کو اوم کے جھنڈے کے نیچے دعوت دیتے ہیں اسوجہ سے پہلے ہم انہی کے اصول سے بحث کرتے ہیں سب سے پہلا مذہب کا سنگ بنیاد یعنی کسی موجود بالذات کا سلسلہ موجودات میں موجود ہونا آریہ مذہب کے اصول کے مطابق ثابت ہو سکتا ہے یا نہیں ؟ اگرچہ سماجی ممبر ایک موجود بالذات نہیں بلکہ غیر متناہی موجودات ذاتیہ کے قائل ہیں لیکن خدا کو منظور ہے تو یہ ثابت ہو جائیگا کہ سماج کے اصول پر ایک موجود بالذات کا تحقق بھی محال ہے اصول مذہب کا وجود موجود بالذات سے تزاحم یہ مذہب کے بطلان کی بڑی دلیل ہے۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ وہ موجود بالذات کہ جس پر سلسلہ کائنات ختم ہوتا ہے اور تمام موجودات کا وجود اسی کے وجود کا اثر اور ظل ہے اسی کو اسلام اللہ اور خدا تسلیم کرتا ہے اور اس کی توحید ذاتی و صفاتی کا قائل ہے آریہ سماج گو اپنی زبان سے توحید ذاتی اور صفاتی کے بھی قائل ہوں مگر یہاں ابھی توحید ذاتی و صفاتی سے بحث نہیں ثابت یہ کرنا ہے کہ سماجی اصول پر خدا پرمیشور ایشور کا وجود ہی محال اور ممتنع ہے چہ جائیکہ توحید ذاتی و صفاتی۔

سماجی اصول پر پرمیشور ایشور خداوند عالم کا وجود ہی محال ہے	سماجی اصول کے مطابق پرمیشور ارواح غیر متناہیہ پرمانُک یعنی ذرات غیر متجزیہ غیر متناہیہ مادہ عالم یہ تینوں واجب بالذات موجود بالذات قدیم ازلی ابدی انادی ہیں۔

ان میں سے نہ کوئی موجود ہوا نہ کسی نے ان کو وجود دیا نہ ان کو کوئی غیر فنا کر سکتا ہے نہ وہ خود فنا ہو سکتے ہیں نہ ان میں ایک کی کمی ہو سکتی ہے نہ زیادتی ہو سکتی ہے۔ ارواح اور مادہ کے غیر متناہی افراد ایک پرمیشور باعتبار ذات کے سب موجود بالذات ہیں اب قابل دریافت یہ ہے کہ ان تین واجب بالذاتوں کے تسلیم کرنیکی صورت

ہیں یا تو ہر ایک کو بسیط کہا جائے تو یہ فرمانا چاہیے کہ یہ تینوں عین وجود ہیں یا غیر وجود اگر غیر وجود ہیں تو وجود ان کو عارض ہوگا پر میشور اور مادہ اور روح واجب بالذات کوئی بھی نہ ہوگی اور یہ شبہہ علیحدہ ہے کہ وجود عارض کیسے ہوا اور کس نے عارض کیا اور یہ بحث جدا گانہ ہی کہ خود وجود بحسب الذات کیا ہی عرض ہی تو کس کے ساتھہ قایم اور کسکی صفت اور کون اس کا موجد اب موجود تو موجود خود وجود ہی کا پتہ لگنا بہت مشکل ہے اور اگر وجود قائم بالذات ہے تو ایک اور چوتھا انادی ایشور روح و مادہ کے علاوہ نکل آیا بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ ایشور اور روح اور مادہ ان میں تو ایک بھی موجود بالذات نہ رہا صرف ایک وجود ہی واجب بالذات اور انادی رہا اور یہ اصول سماج کے بالکل مخالف ہے ہاں بیشک اسلام کا یہی دعوی ہے کہ موجود بالذات ایک ہی ہے اور اگر وجود ممکن ہی تو اس کا خالق کون ہی بدون روح اور مادہ کے اس کی پیدایش کیسے ہوئی اور کسنے کی اسکے علاوہ جب وجود ہی خود ممکن ہوا تو جسقدر اس وجود ممکن سے موجود ہوں گے ایشور روح مادہ یہ بھی سب ممکن ہونگے تو اس صورت میں سلسلہ موجودات میں ایک بھی موجود بالذات نہ رہا بلکہ موجود بالذات کا وجود ہی محال ہوا کیونکہ جب وجود ہی خود ممکن ہی تو اس سے متصف موجود بالذات کیسے ہوگا بلکہ اس صورت میں موجود بالذات تو کیا موجودات بالعرض نہیں نہیں ایک موجود کا بھی موجود ہونا گو وہ انادی نہو ممتنع بالذات ہوا کیونکہ سلسلہ موجودات اور وجود میں کوئی موجود بالذات نہیں تو اگر ایک موجود کو بھی موجود مانا جائیگا گو بالوجود بالعرض تو تحقق ما بالعرض کا بدون ما بالذات کے۔ لازم آئیگا جو بداہۃً محال ہی اور اگر تینوں کا وجود عین ہے تو باہم اتحاد ذاتی لازم آیا۔ ایشور روح مادہ ان کا غیر متناہی ہونا تو درکنار دو بھی نہیں ہو سکتے اور یہاں تین انواع متخالف بالذات تھیں جنکے افراد کی تعداد غیر متناہی ہی اب اگر تعدد آسکتا تو صرف اس کی یہ صورت ہی کہ تعدد تشخصات اور عوارض میں ہو اور یہاں یہ بھی محال ہے۔

کیونکہ منشا تعدد تشخصات اور عوارضات کا اگر ذات ہے تو ذات تینوں کی عین وجود ہے ذات واحدہ منشا تشخصات کثیرہ وعوارضات متعددہ کا نہیں ہو سکتی۔ اور اگر یہ تشخصات متباینہ اور عوارضات متضادہ غیر ذات سے ہیں تو یہ بھی باطل ہی کیونکہ لازم آتا ہے کہ جو ذات ایشور، روح۔ مادہ کے تشخصات اور عوارض کی منشا ہے وہ ان سے پہلے موجود ہوا اور اس صورت میں یہ تینوں انادی نہ رہے بلکہ ان سے پہلے ایک اور موجود ثابت ہوا۔ پس اگر ان تینوں کا وجود اس کے بعد ہی تو یہ حادث اور مسبوق بالعدم ہو کر نہ انادی رہے اور نہ واجب بالذات

اور اگر اس کے ساتھہ موجود ہیں تو اول تو اپنے وجود میں اس کے محتاج ہوئے کیونکہ وجود بے تشخص اور عوارضات لازمہ کے بن نہیں سکتا۔ دوسرے مجبولیت ذاتی لازم آتی ہے یعنی ان تینوں موجود بالذات کا موجود ہونا اس چوتھے کے اعطائے تشخص والحاق عوارض پر موقوف ہوگا۔ اسکے علاوہ اصول سماج کے اسوجہ سے بھی مخالف ہے کہ ان کے نزدیک انادی تین تھے اب چار ہوگئے اور درحقیقت چار نہیں انادی وہ ایک ہی ہوگا اور ایک انادی ہونا اصول سماج کے یہ بھی مطابق نہیں بلکہ یہ عین توحید اسلام ہے۔

یہاں ایک اور بات بھی قابل غور ہے وہ یہ کہ وہ چوتھا جس نے ایشور مادہ روح کو مختلف تشخصات اور عوارض دیئے جس کی بنا پر ان میں تعدد اور تکثر پیدا ہوا اور یہ تینوں عین وجود ہیں تو اب سوال یہ ہے کہ وہ چوتھا موجود بھی عین وجود ہے یا غیر وجود ہے اگر غیر وجود ہے تو اسکو وجود کہاں سے ملا اگر ایشور نے اسکو وجود عنایت فرمایا تو ایشور تو خود اسکا دست نگر ہے۔ ایشور تو جب موجود ہو تو وہ پہلے موجود ہو جائیں اور اگر کسی اور نے وجود عنایت فرمایا تو علاوہ ان چار کے ایک پانچواں انادی اور نکلا آیا اور اس میں بھی یہی گفتگو ہے علیٰ ہذا القیاس سلسلہ غیر متناہی ہوجائے گا۔ اور چونکہ اس سلسلہ میں کوئی موجود بالذات نہیں تو یہ بھی سب معدوم ہوں گے ورنہ لازم آئیگا۔

تحقق ما بالعرض کا بدون ما بالذات کے جو قطعاً محال ہے اور جب ایک بھی موجود ایسا نہ رہا جس سے ایشور اور روح مادہ کو تشخصات متبائنہ اور عوارضات متضادہ مل سکیں تو یا تو یہ تینوں بھی معدوم ہوں گے جو علاوہ موجود بالذات ہونے کے خلاف مفروض بھی ہے یا تعدد باطل ہو کر ایک ہی موجود کو موجود بالذات انادی کہنا پڑے گا جو اصول سماج کے مخالف اور عین توحید اسلام ہے۔

اور اگر یہ چوتھا عین وجود ہی تو ان تینوں کے ساتھہ اتحاد ذاتی لازم آیا اب اس میں اور ان تینوں کے امتیاز کا منشا اگر تشخصات اور عوارضات کو کہا جائے تو سوال یہ ہے کہ اس کے تشخصات اور عوارضات کا منشا اسکی ذات اور ان کی ذات بوجہ اتحاد ذاتی کے نہیں ہوسکتی ورنہ چاروں کا ایک ہونا لازم آئیگا اب اگر اس چوتھے کا تشخص ان تینوں کے تشخصات سے آیا اور ان کا تشخص اس کے تشخص سے جو صریح دور ہے دوسرے اس ایک کا تشخص ان تینوں کے تشخصات متبائنہ کا منشا نہیں بن سکتا اور وہ تینوں تشخصات متبائنہ اس کے ایک تشخص کے منشا نہیں بن سکتے کیونکہ یہ ایک تشخص ان تینوں تشخصات متبائنہ کا منشا اور علت تامہ نہیں ہوسکتا اور نہ وہ

تینوں تشخصات متبائنہ علی سبیل الاستقلال اس ایک کا منشا بن سکتے ہیں کیونکہ ایک علۃ تامہ چند معلولات متبائنہ کی ایک وقت میں ایک حیثیت سے علۃ نہیں ہوسکتی اور چند علل تامہ بالاستقلال ایک وقت میں معلول واحد کے لئے ایک وقت میں علۃ تامہ نہیں ہوسکتیں پس ثابت ہوگیا کہ ایسا کوئی جو تہا کہ جو ایشور اور روح و مادہ کے لئے تعدد تشخصات وعوارضات کا سبب بنے نہیں نکل سکتا تو ظاہر ہوگیا کہ جب ایشور اور روح و مادہ تین وجود ہوں گے تو اسوقت غیر متناہی واجب بالذات تو کیا دو بھی نہیں ہوسکتے فتد برفیہ۔ ہاں صرف ایک موجود واجب بالذات اور انادی ہوسکتا ہے جو عین توحید اسلام ہے اور اسلام ہی اس کا مدعی ہے اور یہی توحید اسلام کا اصل اصول اور سنگ بنیاد ہے۔

اور اگر یہ کہا جائے کہ ایشور مادہ روح تینوں بسیط ہیں اور مفہوم وجود ان کے لئے عرض عام ہے تو یہ احتمال پہلے عرضیت وجود میں باطل ہوچکا ہے۔ اس کے علاوہ اس صورت میں بساطۃ باطل ہوکر تینوں کا ترکب لازم آئے گا جو خلاف مفروض ہے۔

کیونکہ تینوں میں ایک وہ جزو ہوگا جو منشاء عروض وجود ہوگا۔ اور دوسرا وہ ہوگا جس سے ایک کو دوسرے سے امتیاز حاصل ہوگا تو تینوں کا کم سے کم دو دو جزوں سے مرکب ہونا لازم آئے گا خلاف مفروض تو ہوہی گا۔ تینوں کا حدوث بھی لازم آئیگا۔ چنانچہ شق ترکیب میں اسکے بطلان کا بیان آئیگا۔

اور اگر یہ کہا جائے۔ کہ ہر ایک کا وجود بسیط اور اس کا عین ہے اور وجود مشترک لفظی ہے نہ معنوی اور ہر ایک کی ذات ہی اس کے تشخص کا منشا ہے۔ تو یہ بھی غلط ہے کیونکہ وجود حقیقی جو مقابل عدم حقیقی کے ہے اگر وہ سب پر صادق آتا ہے تو اعتراض مذکور لازم آتا ہے اور بجائے عدم اشتراک کے اشتراک اور بجائے بسیط ہونیکے مرکب ہونا لازم آئیگا۔ اور اگر یہ وجودات بسیطہ متبائنہ عدم حقیقی کے مقابل نہیں بلکہ معدوم بھی ہوسکتے ہیں تو یہ وجود سماجی کو مبارک ہو، اب تو ایشور روح مادہ کا نفس وجود بھی لازم نہیں آتا چہ جائیکہ وجوب۔

اور بفرض محال اگر اس کو تسلیم بھی کرلیا جائے تو مفہوم وجوب ذاتی اور انادی ہونے کا تو ضرور لازم ذات ہوگا جس کے عروض کا منشا، ذات میں ضرور موجود ہوگا۔ اور ہر ایک میں ایک جزو ما بہ الاشتراک اور دوسرا ما بہ الامتیاز نکلکر مستلزم ترکیب ہوگا جس سے بطلان بساطۃ اور قدامت خود بخود لازم آجائیگا۔

یہ احتمالات مذکورہ تو اس صورت میں تھے۔ کہ تینوں کو بسیط کہا جائے اور اگر کل یا بعض کو مرکب کہا جائے تو ظاہر ہے کہ ہر مرکب اپنے ترکیب دینے والے کا محتاج ہے نیز اجزا کا محتاج ہے ترکیب کی بھی ضرورت ہے ہر مرکب کا وجود ان تینوں کے بعد ہوگا تو حادث ہوگا۔ لہٰذا تینوں میں سے ایک بھی انادی نہ رہا۔

اور یہ شبہہ علیحدہ ہی کہ وہ ترکیب دینے والا کون ہے اور کہاں سے آیا اور اس کو کس نے بنایا وہ خود انادی ہے یا مخلوق اور ممکن مرکب ہے یا بسیط الخ اور ظاہر ہے کہ احتمالات کل باطل ہیں۔ تو ثابت ہوگیا کہ سماجی اصول کے بناپر ایک بھی واجب الوجود واجب بالذات انادی نہیں ہوسکتا چہ جائیکہ تین چہ جائیکہ بے شمار۔

اور یہ معلوم ہوگیا ہی کہ جو مذہب ایسے اصول رکھتا ہو کہ جسمیں ایک موجود بالذات نہوسکے وہ مذہب باطل ہے تو ثابت ہوگیا۔ کہ آریہ سماج جس مذہب کیطرف دنیا کو دعوت دے رہا ہے۔ وہ مذہب عقلاً باطل ہے۔ سماجیوں کو پہلے یہ ثابت کرنا چاہیئے کہ ان کے مذہب کی بناپر۔ ایشور خداوند عالم کا وجود[1] ممکن بھی ہے یا نہیں[2]۔ ممکن[3] ہے تو پھر جائز الوقوع بھی ہی یا نہیں[4]۔ جائز الوقوع ہی تو پھر واقع بھی[5] ہے۔ یا نہیں[6]۔ واقع ہے تو واجب بالذات[7] انادی ہے یا ممکن[8] خاص۔ واجب بالذات ہے تو قابل علم[9] بھی ہی یا نہیں[10]۔ قابل علم ہے۔ تو اس کا علم[11] ذاتی ہے یا بالغیر[12]۔ اور بہر صورت منشا[13] ہے یا غیر منشا[14] ہے۔ پھر بہر حال جسقدر علم ہی وہ یکسان[15] ہے یا متغیر[16]۔ بہر کیف ازمنہ ثلاثہ کو شامل[17] ہی۔ یا قبل[18] حدوث اشیا علم نہیں۔ اگر یہ ثابت ہوجائے کہ ایشور واجب بالذات موجود بالذات ازلی ابدی علیم الکل بالذات غیر متغیر ہے۔ تو اصول سماج کی بناپر اس کا وجود[19] متناہی یا غیر متناہی[20]۔ اگر سماجی اصول باقی رہکر ایشور کا جمیع صفات کمالیہ سے متصف ہونا ثابت ہوجائے۔ تو پھر یہ بھی قابل لحاظ ہے کہ اسکو روح اور مادہ پر قدرت بھی ہوسکتی ہی[21] یا نہیں[22]۔ اگر قدرت ہوسکتی ہی تو پھر انصافاً روح اور مادہ پر تصرف[23] کرنا جائز بھی ہے یا نہیں[24]۔ اگر جائز ہے تو اصول سماج پر کوئی مخلوق بالخصوص انسان وحیوان وغیرہ میں سے ایک بھی پیدا ہوسکتا[25] ہے یا نہیں[26]۔ پیدا ہوسکتا ہی تو پھر ایشور سماجی اصول کی بناپر اہل عالم کو علم وگیان دے بھی[27] سکتا ہے یا نہیں[28]۔ اگر دے سکتا ہے تو اسکو ایسا استحقاق[29] بھی ہے یا نہیں[30]۔ پھر اس کا حکم واجب التعمیل[31] ہی یا نہیں[32]۔ ان تمام مراحل کے طے ہونے کے بعد اس میں بحث ہونی چاہیے کہ خداوند عالم کی مرضیات ونامرضیات کے صحیح علم ہونے کا طریقہ کیا ہے۔ اگر وحی کے علاوہ ہے تو کیا[33] ہے۔ اور وحی الہام[34] قطعی ہے تو اسکی حقیقت

کیا ہے اور شرائط کیا۔ پھر اس کے شناخت کا طریقہ کیا ہے۔ اور جب وحی اور الہام ہو اس کی شرائط کیا ہیں۔ اس کے بعد دیکھا جائے کہ یہ جملہ امور وید کے اندر متحقق ہیں۔ یا نہیں۔ اور وید اگر واقعی کوئی آسمانی کتاب تھی تو اب بھی اسی حالت میں باقی ہے۔ یا نہیں۔ اگر یہ ثابت ہو جائے کہ وید الہامی کتاب ہے اور اسمیں کوئی تغیر و تبدل نہیں ہوا تو پھر وہ ابدی قانون ہے۔ جس کے بعد کوئی خداوندی قانون آ ہی نہیں سکتا۔

یا وید کے بعد بھی کوئی اور قانون آسکتا ہے۔ اگر آسکتا ہے تو کوئی قانون آیا۔ یا نہیں۔ اگر آیا تو اب وید قابل عمل ہے یا نہیں۔ نیز یہ امر بھی قابل غور ہے کہ اصول وید پر تمام عالم عمل کر سکتا ہے۔ یا نہیں۔ اگر کر سکتا ہے تو پھر عالم باقی بھی رہ سکتا ہے۔ یا نہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔

غرض اس مختصر بیان سے اہل فہم نے یہ سمجھ لیا ہوگا۔ کہ سماجی اصول دین حق کے اصول نہیں ہو سکتے۔ جب سماجی اصول کا حاصل یہ ہے کہ ایشور اور پرمیشر کا وجود ہی محال اور ممتنع بالذات ہے تو الہام کس کا اور کیسا اور قانون ابدی یا وقتی کہاں۔ نقل مشہور ہے مردن موقوف مقبرہ مسمار۔

البتہ اسلام کا اصل اساس اور سنگ بنیاد یہی ہے کہ موجودات میں ایک ذات موجود بالذات منصف بجمیع صفات کمالیہ موجود ہے۔ جس کی عنایت سے تمام موجودات کا وجود ہے ذرات عالم میں سے کوئی ذرہ نہیں جس نے اس موجود مطلق سے وجود نہ لیا ہو جسکو جب چاہا بنایا اور جب چاہے بنا دے۔ اسیطرح جب چاہے مٹا دے اور جب چاہا مٹایا۔ اس دینی مرضیات اور نامرضیات پر مطلع فرمانے کے لئے انبیاء علیہم السلام کو بھیجا۔ اور انکی تصدیق کے لئے معجزات سے ان کی تائید فرمائی۔ سب سے پہلے نبی حضرت آدم علی نبینا و علیہم السلام تھے اور سب سے آخر سرور عالم سیدنا و مولانا محمد رسول اللہ خاتم الانبیا والمرسلین (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں۔ چونکہ دین حق کے آخری پہنچانے والے وہ تھے۔ لہذا اس آخری قانون کی جسکا اسم گرامی قرآن شریف ہے خود حفاظت فرمائی تاکہ اسمیں کوئی تغیر و تبدل نہو سکے۔ اصول اسلام میں کوئی اصل ایسی نہیں جو امور مذکور کے مخالف ہو۔ ہاں سماجی اصول اول سے آخر تک اس کا مخالف جسکی قدرے تفصیل ایک حیثیت سے مذکور ہوئی۔ چونکہ آجکل سماجیوں ہی کو بہت دعوے ہے اسوجہ سے انہی کے متعلق ہم نے قدرے تفصیل سے بحث کی۔ اور موسوی اور عیسوی دونوں دینوں کو (علی صاحبہما الصلوٰۃ والتسلیم) ہم بھی خدائی دین ہی تسلیم کرتے ہیں اور ایک وقت میں ایک قوم کے لئے وہ ہی

واجب العمل تھے۔ مگر اول تو اسمین تغیر و تبدل ہوا۔ اور ان کی موجودہ کتب میں بعض وہ احکام درج ہیں جو قطعاً یقیناً عقلاً غلط ہیں مثلاً تثلیث اور کفارہ کا مسئلہ نصاریٰ میں اور خداوند عالم میں ایسی صفات کا ذکر جو ممکنات کی صفات ہیں جنسے خدائے قدوس کی شان اعلیٰ اور ارفع ہے۔ مثلاً اس حی و قیوم کا یعقوب علیہ السلام سے کشتی لڑکر بچھڑ جانا طوفان کی خبر نہوتا اور خبر ہونے پر رونا جس سے آنکھیں دکھنے لگین فرشتوں کا عیادت کے لئے جانا وغیرہ وغیرہ امور جنسے ثابت ہوتا ہی کہ وہ کتابیں محرف ہیں علاوہ ازین اپنی کتاب قرآن شریف میں خود خداوند عالم نے ان کے محرف ہونیکو بیان فرمادیا۔ اسکے علاوہ اگر یہ کچھ بھی نہوتا تو وہ اب منسوخ الحکم ہیں۔ جنکے بیان فرمانیوالے وہ آخر الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والتسلیم ہیں کہ جن دلائل سے یہود اور نصاریٰ موسیٰ علیہ السلام اور ان سے پہلے انبیاء علیہ السلام کی نبوت ثابت کرتے ہیں اسی قسم کے متعدد دلائل سے سرورعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نبوت ثابت ہے تو انصافاً یہود و نصاریٰ کو سرور دوجہان کی آخری رسالت کو تسلیم کرنا چاہیے۔ وہ ہم سے زیادہ بات نہیں کرسکتے اور پھر علماء اسلام نے جزاہم اللہ تعالیٰ عنا و عن سائر المسلمین بڑی بڑی مبسوط کتابیں انکے رد میں لکھدین جو صدہا سال سے عالم کو حقانیت اسلام کو ثابت کررہی ہیں مگر آریہ سماج نے چند سالوں سے اسلام کا مقابلہ کیا ہی۔ گو علماء امت کثرہم اللہ تعالیٰ نے کسر بیانی میں نہیں اٹھا رکھی سو جسے ہم نے اس مختصر تلک روئے سخن برادران وطن کیطرف زیادہ کرلیا ہی۔ امید ہی کہ ہماری کسی لفظ سے انکو شکایت کا موقع نہوگا۔ کیونکہ صرف مسائل کی تحقیق کا پہلو اختیار کیا گیا ہی۔ اگر کسی صاحب نے اسپر کچھ تحریر فرمایا تو خدا چاہی اس مسئلہ کو اور وضاحت سے اپنی بساط کیموافق عرض کرنے کیلئے تیار ہیں۔" آخر میں اہل اسلام کیخدمتمیں دست بستہ عرض ہی کہ وہ علم دین کیطرف توجہ فرمائیں بالخصوص دارالعلوم تو موجودہ فتنہ و فساد کی زیادہ توجہ کے قابل ہی۔ کچھ اہل فضل لوگوں نے دارالعلوم کا خلاف کیا جسکی وجہ یہاں عرض کرنا مناسب نہین جو جماعتیں ہمیشہ سی دارالعلوم کا بغض لئے ہوئی تھیں انکو یہ وقت غنیمت معلوم ہوا دارالعلوم ہی کے فرزندوں کے ہاتھ مین دارالعلوم کے تباہ کرنے کیلئے تبر اور کدال دیدیئے۔ لیکن واللہ خیر حافظا وہو ارحم الراحمین دارالعلوم میں تعلیم کا کام اسیطرح سے ہورہا ہے جیسے پہلے ہوتا تھا اہل اسلام مخالفین کے غلط پروپاگنڈے پر توجہ نفرمادیں۔ یہ مخالف جماعت نکسی کے موافق نہ معتقد جنکو آج اچھا کہتے ہیں اگر انسے بھی خلاف ہوجائیں تو انکو بھی گالیاں ہی دینگے انکا دوست اور معتقد علیہ وہ ہی جو دارالعلوم کو فنا کرنیکی کوشش کرے اہل اسلام انکی چال سے بچیں اور اپنے دارالعلوم کیخدمتمیں پہلے سے زیادہ توجہ فرمائیں۔ خدا کو منظور ہی تو مطلع عنقریب صاف ہوجائیگا۔ اور جس گہری سازش پر یہ فساد ہوا ہی وہ بھی ظاہر ہوجائیگا۔ واللہ خیر حافظا وہو ارحم الراحمین +

دیوان حماسہ

مطبوعہ مطبع قاسمی دیوبند محشی بحاشیہ حضرت مولانا حافظ محمد اعزاز علی صاحب مدرس دارالعلوم دیوبند

جوکہ اپنی خصوصیات حاشیہ کے اعتبار سے مستقل شرح کا کام دیتا ہے مقبولیت عامہ سے گذر کر سرکاری یونیورسیٹیوں میں بھی یہ حماسہ قاسمی داخل نصاب ہوچکا ہے۔

یہ کتاب ختم ہوچکی تھی کہ جس کی وجہ سے تا طبع شائقین کی فرمائشیں ملتوی کرنی پڑتی تھیں۔ اب دوبارہ نہایت اہتمام کے ساتھ اعلیٰ درجہ کے سفید کاغذ پر طبع ہوکر تیار ہوگیا ہے۔ ٹائیٹل پیج نہایت عمدہ۔ باوجود ان مصارف کے قیمت پہلے سے بھی کم یعنی بجائے چار روپیہ بارہ آنے کے صرف تین روپیہ آٹھ آنے۔ سعہ؍

تسہیل الدراسہ شرح دیوان حماسہ

اس کتاب کی اکثر فرمائشیں آتی ہیں لیکن نایاب ہونے کی وجہ سے چونکہ کسی قیمت کو بھی دستیاب نہ ہوتا تھا اس لئے تعمیل فرمائش نہ ہوسکتی تھی۔ اتفاق سے ہمیں اس کے چند نسخہ دستیاب ہوگئے ہیں۔ لہٰذا اطلاع دیجاتی ہے کہ جو صاحب کم از کم پانچ روپیہ پیشگی بھیجدیں گے ان کی خدمت میں محض عہ میں ارسال کردیا جاویگا۔ اس قیمت میں کمی کی گنجائش بالکل نہیں ہے۔

دیوان متنبی محشی قاسمی

حضرت مولانا محمد اعزاز علی صاحب کی ادبی قابلیت کا نمونہ حاشیہ کے دو ممتاز و خوبصورت کالم کرکے ایک میں حل لغات اور دوسرے میں توضیح مطالب نہایت عجیب طرز میں فرمایا ہے اول میں ایک مفید مقدمہ درج ہے۔ قیمت کاغذ حنائی ولایتی۔ للعہ

یہ اور ہر قسم کی کتب بکفایت ملنے کا پتہ

مینیجر کتب خانہ مطبع قاسمی دیوبند ضلع سہارنپور

یادگار حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ بانی دارالعلوم دیوبند

انما انا قاسم واللہ یعطی

القاسم

(دور جدید)

جلد ۴ نمبر ۵

جمادی الاول ۱۳۴۷ھ

دارالعلوم دیوبند کا علمی، مذہبی، اخلاقی، تمدنی، تاریخی ماہوار رسالہ

(زیر ادارت)

فخر الہند حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب ناظم دارالعلوم دیوبند

(باہتمام)

خاکسار طاہر بن احمد القاسمی نائب المدیر عفی عنہ

مطبع قاسمی دیوبند میں طبع ہوکر

دفتر القاسم دارالعلوم دیوبند سے شائع ہوا

قیمت سالانہ دو روپیہ آٹھ آنہ (۲/۸) مع محصول ڈاک

فی پرچہ ۴/

ماہنامہ القاسم بابت ماہ جمادی الاولیٰ ۱۳۳۲ھ

جو

مظہر حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب قدس اللہ سرہ

بانی دارالعلوم دیوبند

جو کہ

جمادی الثانی سنہ

قدوۃ الانام حضرت مولانا الشاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی و حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب مہتمم

و حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی و دیگر مقدس و مقتدر علماء دیوبند سے شائع ہوتا ہے،

...ہات کا پردہ

...حدتک ملوکیت کی زنجیرین

...سے حاکم کی

...لیے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

"القاسم کا چوتھا سال"

القاسم کے چوتھے سال کا پانچوان نمبر آپ کے ہاتھون میں ہے اس چہار سالہ زندگی میں اس علمی خادم نے اپنی بساط وقدرت کے موافق جو کچھ بھی مذہبی وعلمی خدمت انجام دی اس کو یہاں پر سراہنا مقصود نہین ہے البتہ اتنا عرض کرنا ہی کہ اس دور انحطاط مین جبکہ میدان صحافت وسیع تر ہوتا جاتا ہی اور آئے دن نئے نئے رسالے اور اخبار منصہ شہود پر آتے رہتے ہین لیکن بہت ہی کم ایسے ہین کہ جو علم دوست حضرات کی قلت اور ناظرین کی بے توجہی اشاعتی دقتون اور مالی مشکلات کے مقابلہ سے مطمئن ہون اور بطمانیت خدمت انجام دیرہی ہون۔ عالم صحافت مین جسطرف دیکھئے کوئی اپنی قلت اشاعت کا شکوہ سنج ہی اور کوئی اپنی مالی مشکلات کا نوحہ گر بہت سے جرائد ورسالے نکلے اور بند ہوگئے اور بہت سے جان بلب ہورہی ہین۔ لیکن اس زمانہ کشمکش مین القاسم خواہ بزرگونکی روحانی برکات شامل حال ہونے کی وجہ سے یا ہمارے تحمل وبرداشت کے باعث ابھی تک اپنی معمولی رفتار کیساتھ جاری ہے۔ مگر اس میں شک نہیں کہ القاسم کو جس درجہ مالی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا اور پڑرہا ہے اس کا مقتضی

اور عالی حوصلگیوں کو اپنی ساتھہ ہی لیکر بیٹھ جاتا۔

...ناظرین کرام کی توجہ توسیع اشاعت کی طرف مبذول کرائی ... سب ضرورت اسطرف ...لیا گیا، بعض کرم فرما حضرات نے القاسم کی زندگی کو علمی زندگی کا مرادف سمجھکر اس کے احیاء وابقاء ...صد کیا لیکن جب تک کسی چیز کی بقا کی طرف کامل توجہ کیساتھہ سعی نہ کی جائے کامیابی محال ہوتی ہے اسلئے جو کچھ دو حضرات کی کوشش و توجہ کیا القاسم کو اسکی مشکلات سے نجات دیسکتی تھی۔ امسال القاسم کی چوتھی جلد کا پہلا نمبر ایک مخصوص نمبر کی صورت مین شائع کیا گیا کہ جس سے مقصود جہان دارالعلوم کی چونسٹھ سالہ روایات وتاریخ کا ناظرین کے سامنے پیش کرتا تھا وہیں القاسم کا استحکام بھی مدنظر تھا۔ اس خاص نمبر کو نہایت محنت وجانکاہی کیساتھہ دلچسپ وشاندار بنانے کی سعی کی گئی مصارف کثیر برداشت کرکے دیدہ زیب وخوشنما بنایا گیا اور الحمدللہ کہ ملک کے صاحب بصیرت اور فہمیدہ طبقہ کے لوگون نے القاسم کے اس مخصوص نمبر کو نہایت پسندیدہ نظرون سے دیکھا اور اپنی گرانبہا وقیمتی خیالات کے اظہار سے ہمین اس بات کے سمجھنے کا موقع دیا کہ حق تعالےٰ نے ہماری محنت ٹھکانے لگائی اور القاسم کا شاندار دارالعلوم نمبر ایک قابل قدر چیز ہوگیا۔ لیکن افسوس کہ حضرات ناظرین کرام کی طرف سے ہماری جانکاہی کی کماحقہ قدر افزائی نہ ہوئی۔ اور بجائے اس کے کہ اس موقع پر رسالہ کو استحکام کی صورت نصیب ہوجاتی اور مالی مشکلات سے رسالہ نجات پاجاتا بوجہ خاص نمبر کے کثرت مصارف کے مجموعی حیثیت سے اسمین نقصان سے ہی دوچار ہونا پڑا۔

کثیر حضرات نے ویلیو مرسلہ کے واپس کرنے مین بھی دریغ نفرمایا کہ جس کی وجہ سے علاوہ مستقل خریداری نقصان پڑنے کے محصولڈاک وجسٹری وغیرہ کے اخراجات بھی دفتر کے ذمہ پڑے۔ کہ جس کے ذریعہ مجموعی حیثیت سے ایک بڑے مالی خسارہ کا سامنا ہوا۔

خیال فرمایئے کہ علمی رسالون کی زندگی اس طریقہ سے کیسے ممکن ہے۔ اور کب تک کارکن لوگ اپنی خدمات کو ایسی غیراطمینانی صورت مین انجام دیسکتے ہیں۔

ناظرین القاسم کی امسالہ بے توجہی ہمین استقبال کے متعلق نہایت بھیانک تصویر دکھلا رہی ہے اور ہمارے عزائم واستقبال پر اس کا جو کچھ اثر ہونا چاہیئے اسکو آپ خود خیال کرسکتے ہین۔ ابتک ہم نے انتہائی سعی

اور مقدور بھر کوشش [illegible]مات کا پردہ اور انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ جاری رکھینگے کہ تا مقدور آ وقت پر آپ کے ہاتھوں [illegible] پہنچتے رہیں، لیکن ساتھ ہی کیا آپ حضرات کو آپ [illegible] جدتک ملوکیت کی زنجیرین ہم حق بجانب نہون گے اور آپ سے ایک رشتۂ وابستہ کی وجہ سے پرزور لفظون مین اپیل کرتے ہے حاکم کی کہ آپ کے نزدیک اگر واقعی حضرت قاسم العلوم والخیرات کے نام کی اس یادگار کا احیاء وابقا ضروری ہے شماتت اعداء اور تضحیک علماء کا درد آپ کے دل میں ہے تو اپنے اس علمی خادم کی توسیع اشاعت میں متفقہ اور متحدہ سعی کیساتھ اعانت فرماوین۔

القاسم کا شاندار دارالعلوم نمبر اپنی ظاہری وباطنی خوبیون کے لحاظ سے اور اپنی دیدہ زیبی وعلمی دلچسپی کے اعتبار سے خراج تحسین حاصل کر چکا ہے۔ یہ مخصوص نمبر اپنے بعض متبرکات مشمولہ کے لحاظ سے اس قابل ہی کہ اجبار واعزاز مین ہدیۃً پیش کیا جائے۔

ہم چاہتے ہین کہ مثل دیگر جاری ہو کر بند ہو جانے والے رسالون کے ہم ناظرین کے غم وغصہ وغیض وغضب کا باعث نہ بنیں بلکہ جسطریقہ سے بھی ممکن ہو اشاعتی دشواریون اور مالی مشکلات کا مقابلہ کرتے ہوئے ہمیشہ رسالہ کو وقت پر آپ کی خدمت مین اسی شان کیساتھ کہ جس طرح ابتک شائع ہوتا رہا ارسال کرتے رہین۔ لیکن بمجبوری اس بات کے عرض کرنے مین ہم معذور تصور کئے جاوین کہ اگر ناظرین حضرات کی کرمفرمائی کا یہی رویہ واندازہ رہا جو کہ امسال القاسم کے ابتدا رسال مین رہا ہے تو آخر انسانی سعی اشاعتی معاملات مین مالی اعانت ہی کی رہین منت ہوتی ہے۔ جبکہ اس کی طرف سے اطمینان سلب ہو جاویگا تو ہم کس بھروسہ پر ان مشکلات کا مقابلہ کرسکینگے اور کیونکر اس علمی یادگار کو قائم رکھ سکینگے۔ امید کہ ناظرین کرام نہایت دلسوزی اور ہمت کیساتھ کم از کم ایک ایک جدید خریدار فراہم کرنے کا تہیہ کرکے القاسم کی زندگی کو خطرہ سے محفوظ رکھنے کی سعی کرینگے۔ وما علینا الا البلاغ +

(ادارت)

م مین خواتین کی حقو

گذشتہ سے پیوستہ

جو اس جانب بھی نکاح کرنے والی عورتون کو اختیار دیا گیا ہے اور یہ ضرور ہے کہ مصالح اور نتائج کا چونکہ ان لوگون کو ی طرح علم نہین ہوتا تو ولی کی شرکت بھی ضروری سمجھی گئی حتی کہ بعض موقعہ پر یہ بھی ارشاد فرمایا کہ جو عورت اپنی ولی کے اجازت بغیر نکاح کرے تو اس کا نکاح باطل ہی مگر حق یہ ہی کہ یہ حکم مصلحۃً دیا گیا ہی اور آئنی پیش بندی کے بعد کبھی اگر اپنی سستی کے باعث یا کسی اور وجہ سے عقد ناپسند ہی تو احکم الحاکمین کا ارشاد واجب العمل عورتون کی حالت پر رحم کا حکم فرماتے ہوئے یہ ضروری قرار دیتا ہی کہ

عورتون کیساتھ بہترین معاملہ کرنا ضروری ہی پھر اگر تم کو وہ مکروہ معلوم ہون پسند نہ ہون تو بہت ممکن ہی کہ کسی چیز کو تم برا سمجھتے ہو اور خدا اسی مین تمہارے لئے بہت کچھ بھلائی کر دے۔

عاشروھن بالمعروف فان کرھتموھن فعسیٰ ان تکرھوا شیئاً۔ ویجعل اللہ فیہ خیراً کثیراً۔ سورہ نساء ع ۳

نیز ارشاد ہوتا ہی کہ آخر معاشرت حسن یا نیک سلوک نہ کرنے کی وجہ کیا ہی آپ ان کے مالک تو ہین ہی نہین ایک جائز اور شرعی طور پر ارتباط پیدا کر دیا گیا ہی جیسا آپ کا ان پر حق ہی ایسا ہی انکا بھی آپ پر حق ہی۔

چونکہ مردون کو ایک خاص شرافت خلاق لم یزل کی جانب سے دی گئی ہی تو ایک خاص حق اور مرتبہ بھی ہے مگر صرف ایسا جیسا کہ ایک شفیق کو اپنے چھوٹے پر ہونا چاہیئے۔ نہ جیسا کہ مالک کو مملوک پر یا آقا کو نوکر پر۔

جیسا کہ عورتو نپر مردون کیلئے بھلائی کرنا واجب ہی اسی طرح مردون کے اوپر واجب ہے کہ عورتون کی ساتھ بھلائی کرین۔ اور بھلائی سے پیش آئیں۔ ہان ایک خاص عظمۃ مردون کو ضرور ہے۔

ولھن مثل الذی علیھن بالمعروف وللرجال علیھن درجۃ ۔ واللہ عزیز حکیم ع ۲۸۔ سورہ بقرہ ج ۲

کہان ہیں وہ نئی تہذیب کے دلدادہ ۔ اب آئین اور بتائین کہ سچی مساوات اور محافظۃ حقوق اس مقدس فرمان میں ہے۔ یا اس مین کہ صاحب بہادر میم صاحب کے بوٹ کھولا کرین۔ میم صاحبہ جب سے چاہا کرین ملا کرین

اور صاحب بہائمات کا پردہ حاکرین - اور بس - معاذ اللہ تف ہی ایسی ناپاک
الطاف عامہ رسا ہی رحمت عالم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کہ ایسی صورت میں
اطمینان فرمایا ہے - ارشاد ہوتا ہی -

حدتک مملوکیت کی زنجیرمین ہے حاکم کی

تُنْكَحُ النِّسَاءُ لِأَرْبَعٍ لِمَالِهَا وَلِحَسَبِهَا وَلِجَمَالِهَا وَلِدِينِهَا فَاظْفَرْ بِذَاتِ الدِّينِ تَرِبَتْ يَدَاكَ ۔
(ابوداؤد شریف وغیرہ)

یعنی عورتون سے نکاح چار وجہ سے کیا جا سکتا ہی - یا ان کے مال کی حرص مین - یا ان کی شرافت کا خیال کرکے یا حسن اور جمال کی ہوس مین یا دین کے باعث - پس خدا تیرا بھلا کرے (دھنی آلودہ ہو جیو تیری ہاتھ) تو اس کے حاصل کرنے مین کامیاب ہو جو دین والی ہو -

دوسرے موقعہ پر ارشاد نبی ہے - (صلے اللہ علیہ وسلم) -

الدنیا کلہا متاع وخیر متاع الدنیا المرءۃ الصالحۃ ۔ (مسلم شریف وغیرہ)

دنیا (آخرت کی پونجی ہے) اور دنیا کی تمام پونجیون مین بہترین پونجی نیک عورت ہے -

نیز ارشاد ہے -

فقال عمر یا رسول اللہ ای المال نتخذ قال لیتخذ احدکم قلبا شاکرا ولسانا ذاکرا وزوجۃ مومنۃ تعین احدکم علی امر الآخرۃ ۔ (ابن ماجہ شریف)

ایک موقعہ پر حضرت عمر فاروق نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ کونسا مال ہم کو اختیار کرنا چاہئے - ارشاد ہوا کہ ضرورت ہی کہ آپ مین ہر ایک شخص شکر گذار دل ذکر مین مشغول زبان - اور ایسی بیوی حاصل کرے جو مسلمان ہو اور آخرت کے کام مین امداد کرے -

اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا -

لا تزوجوا النساء لحسنہن فعسی حسنہن ان یردیہن - ولا تزوجوہن لاموالہن فعسی اموالہن ان تطغیہن ولکن تزوجوہن علی الدین ولامۃ خرماء سوداء ذات دین افضل - ابن ماجہ شریف

عورتون سے صرف ان کے حسن کے باعث نکاح مت کرو - کیونکہ ممکن ہے کہ انکا دلفریب حسن خود ان کیلئے دینی ہلاکت کا باعث بن جائے - نہ مال کی ہوس مین عورتونسے نکاح کرو - کیونکہ بہت ممکن ہی کہ وہ مال ہی انکو متکبر اور سرکش بنا دے ہان دین کی طمع مین ان سے نکاح کرو - اور یہ بات یاد رکھو کہ ایک باندی نکٹی کالی (حبشن) جو دین دار ہو - بہت افضل ہے +

...حدیثوں نے مسلمانوں کو یہ تعلیم فرمائی ہے کہ عورت ... اور قابل طلب
ل۔ حسب یہ سب ساقط ہیں۔ اسکا یہ مطلب نہیں ... بہ۔ مطلب یہ ہے
...سائے پیچھے پڑے، بظاہر گو محمود نہیں۔ اب اگر کسی عورت میں حسن باطنی یعنی تدین۔ صلاح اور نیکوئی ہی
...حدیث کے مطابق اس کی دینی تابعداری کرنی لازم ہوگی جو اعلیٰ درجہ کی حسینہ۔ جمیلہ۔ متمولہ بلکہ اس سے
جو ... ہد البتہ یہ ضرور ہے کہ بد دینوں کی حمایت سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا پر تقدس دامن منزہ اور بری ہی
...وقت ہم مشتاق ہیں کہ کوئی ہم کو بتائے کہ کیا کسی دوسرے مذہب کے مدونات میں بھی اس قسم کی مفید پر رحم اور
پر صلاح تعلیم ہے۔ جس کا ایک بہت ہی مختصر سا غیر مرتب حصہ ان اوراق میں پیش کیا گیا ہے۔ معاذاللہ۔

چہ نسبت خاک را با عالم پاک،

ہمیں طوالت کا خوف منع کر رہا ہے۔ ورنہ دوسرے مذہب کی تعلیمات کو بھی اس موقعہ پر پیش کرتے۔ خیر
"یار زندہ صحبت باقی" کسی دوسرے موقعہ پر سہی +

مسئلہ نکاح پر دوبارہ نظر،

نکاح کیا ہی؟ مہر کو نکاح سے کیا تعلق ہے؟ نکاح کے فوائد
اسلام اور دیگر مذاہب کے مطمح نظر

مرد یا عورت کی حیات کا دوسرا دور۔ اس حد سے شروع ہوتا ہی کہ جہان سے ان کو متاہل متاہلہ۔ یا ناکح اور منکوحہ کا خطاب دیا جاتا ہی۔

یہ بات بدیہی ہے کہ یہ دور پہلے دور سے بہت زیادہ اہمیت رکھتا ہی اور یقیناً یہ دور طرفین کو بہت سی مراعات اور بہت سے حقوق کا مستحق بنا دیتا ہی۔

کیونکہ اس دور میں مرد اپنی طفولیت اور صبا "لڑکپن" کے غیر وقیع ایام ختم کرکے متاہلین کی صف میں آ موجود ہوتا ہی جہان اسکو، عیالدار، گھر کا مالک۔ یا بہت سے حقوق کا ذمہ دار وغیرہ وغیرہ "کہا جائیگا۔ اُسوقت اُس کے قبضے میں چند نفوس آئیں گے جن پر وہ رسمی حقوق یا شرعی بعض حقوق کی بنا پر ایک قسم کی حکومت رکھتا ہوگا۔ اور

حکومت کے ساتھ جہات کا پردہ داری بھی۔

اسیطرح عورت انجمن کی پر الطاف نظرون کے لگاتار چھا دے سے نکلکر ایک حدتک مملوکیت کی زنجیرین جکڑی جاتی ہے یا وہ ایک عیال۔ اہل بیت کی ذمہ دار حاکمہ ہوتی ہے۔ جس کے اوپر ایک دوسرے حاکم کی حکومت کام کرتی ہی۔

بہرحال یہ دور ایک غور کرنے والے کے لئے بہت کچھ مہتم بالشان پہلو پیش کرتا ہی۔ جن مین سے ہر ایک ایک خاص بسط کا خواہان ہوتا ہی۔

مگر ہم افسوس کرتے ہین کہ اوقات کی قلت اور مشاغل کے گھبرا دینے والے ہجوم کے باعث ہماری کم مائگی اور ناقص استعداد اپنی ہمت کے مطابق بسط پیش کرنے سے بھی معذور ہے۔

لیکن بحکم مَا لَا یُدْرَکُ کُلُّہٗ لَا یُتْرَکُ کُلُّہٗ ۔ یہ ضروری ہے کہ اس سلسلہ مین چند پہلوؤن پر معمولی سی روشنی ڈالی جائے۔ سب سے اول اجمالی طور پر یہ بتانا ضروری ہے کہ نکاح کیا چیز ہے۔؟

(۱) نکاح کیا ہی | نکاح ایک فطری چیز ہے۔ یعنی فطرت نے سلسلہ تناسل جاری رکھنے کی غرض سے ایک خاص قوت کالبد انسانی کو سپرد فرمائی ہی جسکا لازمی نتیجہ ہی کہ جانبین یعنی مرد اور عورت" مین سے ہر ایک کو دوسری کیطرف میلان ہو۔ اسی قوت کو جائز طور پر استعمال کرنے کیلئے جانبین سے کسی معاملہ کا طے ہونا۔ اور کسی عہد و میثاق کا قائم ہونا "عقد نکاح" کہلاتا ہی۔ ہمارے مذہب کے مقدس فقہا نے اس ہی کی تشریح قریب قریب ان الفاظ مین کی ہے

النکاح عقد یحل بہ استمتاع الرجل عن اھلہ ۔	نکاح ایک ایسا معاملہ جس کے باعث مرد کو اپنی اہلیہ سے فائدہ اور حظ حاصل کرنا حلال ہو جاتا ہی۔

نکاح کے فن مین چند امور قابل توجہ ہین۔ (۱) نکاح کے فائدے کیا ہین۔ اسلام سے پہلے نکاح کی کیا صورت تھی اسلام نے کیا ترمیم کی۔ جبر کیا ہے۔ اسلام مین نکاح کو عبادت کا مرتبہ دیا گیا۔ یا معاملات کا۔ اگر عبادت کا مرتبہ دیا گیا تو واجب ہی یا سنتہ اور کیون۔ ان کے متعلق اسوقت ارادہ ہی کہ اگر توفیق خداوندی نے ناچیز ضعیف البنیان کی امداد کی تو کسی قدر تفصیل کے ساتھ بیان کئے جائین۔

(۲) نکاح کے فائدے | بظاہر نکاح خواہشات حیوانیہ کی تکمیل یا ایفا کا ایک جائز ذریعہ ہوتا ہی جسکو خواہش پرست

اس ہی نگاہ سے دیکھتا ہی۔ وہ اس سلسلہ مین اپنی ہر ایک شہوانی خواہش کے ... ہوتا ہی وہ چاہتا ہے کہ اس کی منسوبہ حسن وجمال کی مالک ہو۔ جو اپنی خصوصی ناز وانداز اور دلفریب ... جس سے اس کے لئے طرب اور مسرت کا باعث بن سکے۔

اور یہ اسکو اپنی جان اور مال کی مالک وغیرہ وغیرہ پُر محبت خطابات سے یاد کیا کرے۔ اور اپنی زندگی کو اس کیلئے سامان تعیش وزینت مہیا کرنے میں صرف کردے۔ ایسی نظر رکھنے والا شخص بسا اوقات توالد وتناسل سے بھی نفرت کرتا ہی کیونکہ وہ اس کیلئے عشرت مین خلل انداز ثابت ہوتا ہی۔

اور غالباً اس ہی سطحی نظر پر اعتماد کرکے بعض مذاہب نے نکاح کو اچھا نہین سمجھا۔ چنانچہ ہندو مذہب مین ... زندگی کو زیادہ وقعت دی جاتی ہی جس مین نکاح سے استغنا ظاہر کیا جائے۔ اور بہت ممکن ہے کہ ایسے ہی نظ... کی کثرت کے باعث بطور علاج کے مذہب عیسیٰ علیہ السلام میں رہبانیت اور میرورت یعنی سادھو بنجانا ا... نکاح وغیرہ نہ کرنے کو افضل قرار دیا گیا ہو۔

لیکن واقعہ یہ ہی کہ اس پر لطف سلسلہ کے تحت مین ایسے وقیع باعظمت فوائد بھی ہیں جن کی تکمیل نہ صر... زوجین کے لئے دینی اور دنیوی فلاح اور بہبودی کا ذریعہ ہوتی ہے۔ نہ صرف کسی خاص خاندان کی تمدن ترقی کا ذریعہ ہوتی ہے۔ بلکہ تمام عالم کے لئے اساس تعمیر اور تمدن کا خشت بُنیادی کہے جانے کے واقعی ا... حقیقی طور پر مستحق ہوتی ہے۔ اگر شک ہو تو ذیل کی تفصیلات ملاحظہ فرمائی جاوین۔

فائدہ الف | نکاح مین تعمیر عالم ہے" یہ ظاہر ہے کہ عالم یعنی دنیا کی تعمیر اور رونق اور آبادی بقاء جنس انسانی کی دست نگر ہے۔ بقاء کے لفظی معنے تو باقی رکھنے کے ہیں۔ مگر جب مخلوقات۔ اور اشیاء موجودہ کیطرف نظر دوڑاتے ہیں تو لامحالہ ہمیں بقا کی ایک تقسیم کرکے اس کے دو حصے کرنے پڑتے ہیں (۱) بقاء شخصی (۲) بقاء نوعی ایک آم کا درخت (مثلاً) ہرا بھرا کھڑا ہے شادابی کیساتھ اس کا کھڑا رہنا بقاء شخصی ہے۔

مگر آم۔ امرود۔ سیب وغیرہ کے درختون اور باغون کا دنیا کی آخری عمر تک باقی رہنا بقاء نوعی ہی۔

اسیطرح نوع انسان میں زید کا زندہ رہنا۔ یہ زید ایک خاص شخص کی بقاء ہی لیکن زید کی نوع یعنی نوع انسان کا باقی رہنا۔ اور قیامت تک آدمیونکا موجود رہنا بقاء نوعی ہی"

(باقی آئندہ)

...ات کا پردہ

رَوْعُ الْخِلافِ عَنْ فُنُوْنُوْغِرَاف

یعنی

فونوگرا کا حکم ش عی

الحمد للہ وکفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفٰی ولاسیما علی سیدنا محمد المجتبیٰ ومن بھدیہ اھتدی ۔ مسلمانوں کا ہر حرکت وسکون اور عادت وعبادت چونکہ ایک مذہبی قانون کے ساتھ وابستہ ہے ۔ اس لئے جب کوئی نئی ایجاد ان کے سامنے آتی ہے تو مسلمان ہونے کی حیثیت سے انکا فرض ہوتا ہے کہ وہ اس کی طرف ہاتھ اور قدم بڑھانے سے پہلے قرآن وحدیث کی روشنی میں اسکے تمام مضار ومنافع پر نظر ڈالیں اور اس کے بعد اس کے استعمال یا عدم استعمال کا فیصلہ کریں ۔

گراموفون امریکا میں ایجاد ہوا اور پھر اسلامی دنیا میں پھیلا تو اس نے بھی فقہی فتاوی میں چند سوالات کا اضافہ کر دیا ۔ جن کے جوابات علماء نے لکھے اور بعض طبع بھی ہوئے ۔

حال میں میرے مخدوم ابن مخدوم جناب حافظ محمد یعقوب صاحب نبیرہ قطب عالم حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہٗ نے احقر کو اس موضوع پر ایک مفصل تحریر لکھنے کا امر فرمایا ۔ مجھے باوجودیکہ اپنی علمی کم مائیگی پیش نظر تھی لیکن اپنے مخدوم کے ارشاد کی تعمیل کو باعث سعادت سمجھکر یہ جہد المقل ہدیہ ناظرین کرتا ہوں ۔

وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم ۔

گراموفون کے متعلق فقہی سوالات اور ان کے جوابات تحریر کرنے سے پہلے چند مفید معلومات عرض کئے جاتے ہیں جو علاوہ دلچسپی کے اصل مسئلہ کی تحقیق میں بھی کچھ نہ کچھ بصیرت پیدا کرنے والے ہیں ۔

فونوگراف کب ایجاد ہوا اور کس نے ایجاد کیا فونوگراف ایک یونانی لفظ ہے جس کے معنے "کاتب صوت" ہوتے ہیں ۔ در حقیقت میں اس آلہ کا موجد امریکہ کے مشہور فاضل اڈیسون کو بتلایا جاتا ہے جو کان کی قوت سماع اور اُس کے ذریعے سے

ادراک اصوات پر غور کرتے کرتے اس عجیب وغریب نتیجہ پر پہنچا ہے (دیکھو دائرۃ المعارف وجدی)۔

لیکن قدیم تاریخ میں یونانی فلسفہ کے علمبردار افلاطون الٰہی کے حالات میں بھی ہم ایک ایسے آلہ کا ذکر پاتے ہیں جو گراموفون کی طرح تمام انسانی آوازوں کا عکس اُتارتا تھا۔ اگرچہ یہ تفصیل معلوم نہیں ہوسکی کہ افلاطون نے اس آلہ کو کن اصول پر ایجاد کیا اور کس کس چیز سے ترکیب دی۔ اور یہ کہ فاضل اڈیسون نے اسی کی نقل اتار کر اس کی ایجاد کا سہرا اپنے سر کرلیا۔ یا مستقل طور پر ایجاد کرتے ہوئے توارد خواطر ہوگیا۔

بہرحال تاریخ قدیم پتہ دیتی ہے کہ اس آلہ کا پہلا موجد افلاطون ہے۔ اور یہ کہ اس زمانہ کے سلاطین وامراء اسکو گراموفون کی طرح لہو ولعب میں نہیں بلکہ سلطنت وسیاست کی بڑی بڑی مہمات میں استعمال کرتے اور نہایت مفید نتائج حاصل کرتے تھے۔ وہ جس گفتگو اور جن مقالات کو زیادہ اہم سمجھتے تھے اس کے ضبط کرنے میں کتابت کی جگہ اس آلہ سے کام لیکر ہر قسم کی تحریف اور جعل سازی وغیرہ کے خطروں سے مامون ہوجاتے تھے۔

آج عدالتوں میں مدعی اور مدعیٰ علیہ اور ان کے گواہوں کے بیانات اور پھر جرح اور بحث پھر عدالت کے فیصلوں کیلئے نہایت اہتمام سے مسلیں بنتی ہیں اور سیکڑوں ورق سیاہ کئے جاتے ہیں اور ایک مستقل عملہ اس کام کے لئے رکھنا پڑتا ہے۔ اسپر بھی یہ مسلیں جعل سازی اور تحریف وتغیر سے ہرگز مامون نہیں ہوتیں۔

اس زمانہ کے سلاطین اور حکام یہ کام بھی اکثر اسی آلہ سے لیتے تھے۔ جس کے ذریعہ عدالت ماتحت کی تمام کارروائی عدالت عالیہ کے سامنے ایسی صاف واضح ہوتی تھی کہ گویا وہ خود اس مقدمہ کی سماعت میں شریک تھی۔ اور نہ کسی کا کوئی لفظ بدلا جاسکتا ہے اور نہ کسی کو اس سے انکار کرنے کی مجال باقی رہتی ہے۔ (ازاحۃ الوہم للعلامۃ محمد بخیت رئیس المجلس الاعلیٰ بمحکمۃ مصر الکبریٰ الشرعیہ صفحہ ۳)۔

دوسری بات اس جگہ یہ قابل غور ہے کہ

فونوگراف میں حامل صوت ہوا بھری ہوتی ہے یا وہ بذات خود کلمات قطع کرتا اور کلام ادا کرتا ہے

اس کے متعلق عام طور پر یہ مشہور ہے کہ ریکارڈ میں حامل صوت ہوا بھری ہوئی ہوتی ہے۔ اور وہی بطور آواز بازگشت مکرر سنائی دیتی ہے لیکن اس آلہ کی اصل حقیقت اور اس کے اصول ایجاد پر نظر کرنے کے بعد یہ خیال بالکل غلط ثابت ہوتا ہے۔ جیسا کہ دوحاضرہ کے انسائیکلوپیڈیا اور دائرۃ المعارف سے معلوم ہوتا ہے کہ اس آلہ کی بنیاد ایک خاص قسم کی نلکی پر قائم کی گئی ہے۔ جس کے

وسط میں ایک دھات کا پردہ اور پس پردہ ایک قطعہ توتیا رکھا جاتا ہے اور اس کے مقابل ایک پن لگائی جاتی ہی جب آواز کی متحرک اور متکیف ہوا نلکی کے راستہ سے اس پردہ پر پہنچتی ہے تو اسکو اسیقدر دباتی اور کھولتی ہے جسقدر ہر حرف کے لئے مناسب ہے یعنی جس طرح انسانی مخارج الفاظ کی بست وکشاد سے حروف اور کلمات پیدا ہوتے ہیں مثلاً میم کے ادا کرنے کیلئے دونوں ہونٹھ بالکل بند کرنے پڑتے ہیں اور واو کیلئے کچھ بند کرنے ہوتے ہیں اسیطرح یہ آواز کی ہوا بعض دوسرے آلات کی امداد سے اس پردہ کو ٹھیک اسیقدر دباتی ہے جس سے حروف کا صحیح مخرج پیدا ہو جائے۔ اور اس پردہ کے دبنے سے وہ پن جو اس کی ساتھہ لگی گئی ہے قطعہ توتیا پر دبتی ہے اور اس میں تمام کلمات کی صورتیں منقوش ومطبوع ہو جاتی ہیں پھر اس طبع شدہ قطعہ توتیا کے ذریعہ اسی نلکی اور پردہ وغیرہ کی امداد سے دوبارہ ویسی ہی آواز جب چاہیں پیدا کی جا سکتی ہے۔ یہ موقع اس ایجاد کی مفصل کیفیت اور اس کے آلات ترکیب کو باستیعاب بیان کرنے کا نہیں۔ اور نہ ہماری غرض اس سے متعلق ہے۔ ہمیں صرف یہ دکھلانا تہا کہ فونوگراف کی آواز صدائی بازگشت کیطرح نہیں بلکہ جسطرح انسانی زبان اور منھ کی حرکت سے ہوا میں اہتزاز وتموج پیدا ہو کر کلمات بنتے اور مسموع ہوتے ہیں۔ اسی نظریہ پر فونوگراف کی بنیاد ہے اسمیں بھی حروف وکلمات کو اسی ترکیب سے پیدا کیا جاتا ہے۔ اور اسی لئے اس آلہ کا نام بھی فونوغراف الناطق رکھا جاتا ہی۔

اسپر یہ شبہہ تو بالکل فضول ہے کہ نطق انسان کی ساتھہ مخصوص ہی کیونکہ نطق بمعنے تکلم خاصہ انسان نہیں بلکہ نطق کا مفہوم اصطلاحی یعنی ادراک کلیات وجزئیات یہ مخصوص بالانسان ہے۔

تمہیدی امور میں سب سے زیادہ اہم اور ضروری چیز اس کی تحقیق کرنا ہے کہ

فونوگراف آلات طرب مزامیر میں سے ہے یا اصل سے محض حکایات صوت کیلئے مثل ٹیلیفون وغیرہ کی ایک ایجاد ہے اور پھر شوقین مزاجوں نے اسکو آلہ سرود بنا لیا یہ بحث کسیقدر غور طلب ہی۔ اسلئے کہ اسمیں دو پہلو ہیں اور دونوں کیلئے کچھ کچھ قرائن وشواہد موجود ہیں۔ اور مسئلہ کی بعض جزئیات کا فیصلہ اسی تحقیق پر موقوف ہے۔ کیونکہ اگر اسکو آلات معازف ومزامیر میں داخل سمجھا جائے تو آواز مباح کا سننا سنانا بھی اس کے ذریعہ سے مطلقاً ناجائز ہو جاتا ہے۔ جیسے دوتارستار اور ہارمونیم پر کسی مباح نظم یا نعتیہ اشعار کا گانا بھی اسی طرح ناجائز ہے جیسے عام غزلوں اور فحش کلام کا۔

اور اگر یہ ثابت ہو کہ یہ آلہ اپنی اصل سے محض آلہ حاکیہ صوت ہے جیسے ٹیلیفون وغیرہ اور لہو ولعب اور

گانے بجانے میں اس کا استعمال اتفاقی طور پر ہوگیا۔ تو مسئلہ کے حکم میں یہ تفصیل کرنی پڑے گی۔ کہ اس کی جس پلیٹ میں کوئی ناجائز آواز مثل عورتوں کے گانے یا معازف ومزامیر اور طبل وسارنگی وغیرہ کی آوازیں بھری ہوں وہ تو اپنی اصل کی طرح ناجائز وحرام ہیں۔ اور جس پلیٹ میں کوئی مباح آواز بھری ہو اسکو اگر بقصد لہو ولعب سنتا ہے تو مکروہ ہے اور اگر کسی غرض صحیح سے سنتا ہے اور لہو ولعب مقصود نہیں تو جائز بلا کراہت ہے۔

بہرحال آواز مباح کو اس آلہ کے ذریعہ سے سننے کا جواز یا عدم جواز اس تحقیق پر موقوف ہے کہ یہ آلہ منجملہ آلات معازف ومزامیر ودتار ستار اور طبل وسارنگی وغیرہ کے ہے۔ یا اصل سے محض حکایت صوت کیلئے ایجاد ہوا ہے۔ اور پھر اتفاقی طور پر شوقین مزاجوں نے اسکو آلہ طرب ولعب بنالیا۔ چونکہ اس بحث میں دونوں پہلوؤں کے کچھ کچھ قرائن موجود ہیں اسلئے جانبین کے قرائن پیش کرنے کے بعد جانب راجح کے متعلق کچھ عرض کیا جائیگا۔

آلات طرب ومزامیر میں سے ہونے کے وجوہ۔

(۱) عام طور پر اس کا استعمال محض لہو ولعب اور گانے بجانے میں اسی طرح کیا جاتا ہے جیسے دوسرے آلات معازف ومزامیر کا۔ اور ارباب سماع جو حظ دوسرے مزامیر سے حاصل کرتے ہیں بعینہ وہی حظ اس سے حاصل ہوتا ہے۔ اسلئے یہ آلہ بھی مزامیر میں داخل ہونا چاہئے۔

(۲) اور اگر عام مزامیر اور گراموفون میں یہ فرق کیا جائے کہ اسمیں دوسری آوازوں کی نقل کیجاتی ہے۔ خود اس کی آواز مقصود نہیں ہوتی بخلاف جملہ مزامیر کے کہ وہ خود مقصود ہوتے ہیں۔ تو اس کے جواب میں کہا جاسکتا ہے کہ دوسرے آلات طرب میں بھی آوازوں کی نقل اتاری جاتی ہے۔ اور اسیوجہ سے ہندی مثل مشہور ہے (تانت باجی راگ پایا) یعنی دوتار کی تانت بجتے ہی معلوم ہوجاتا ہے کہ کیا گیت گاتا ہے۔

بالخصوص ہارمونیم میں تو آواز کی صاف نقل ہوتی ہے۔ گو بالکل فونوگراف کی طرح صادق نہو۔ الغرض جملہ مزامیر اور فونوگراف میں اسکے سوا کوئی فرق معلوم نہیں ہوتا۔ کہ مزامیر میں نئی آواز پیدا کی جاتی ہے اور فونو میں کسی پہلی آواز کی نقل ہوتی ہے۔ اور یہ بعینہ ایسا فرق ہے جیسے قدیم طرز کی مصوری اور فوٹوگراف میں ہے۔ کیونکہ قدیم طرز کے مصور اپنی طرف سے حسب دلخواہ ایک صورت بناتے ہیں اور فوٹوگراف ایک محکی عنہ (واقع) کا تابع ہوتا ہے اور اس کے عکس کو جو غیر قایم تہا مسالہ کے ذریعہ سے قایم بنادیتا ہے۔ لیکن اس فرق کیوجہ سے جواز وعدم جواز میں کوئی فرق نہیں کیا جاتا۔

بلکہ[1] فوٹو کی تصویر کو بھی عام تصویروں کی طرح شرعاً ناجائز قرار دیا جاتا ہے۔ اور کہا جاتا ہے کہ عکس جبتک عکس تھا جیسے آئینہ اور پانی میں ہوتا ہے اسوقت تک جائز تھا۔ اور جب مسالہ کے ذریعے اسکو پائدار بنایا گیا تو یہی تصویر ہے اور اس طرح پائدار بنانا تصویر کشی ہے۔

اسیطرح یہاں ایک جائز کلام جبتک اپنی اصلی صورت میں تھا جائز تھا۔ اور جب اسی کلام کا عکس اس آلۂ طرب میں اُتارا گیا تو یہی ایک تغنی وتلعب ہے اور ناجائز ہے۔ غرض آواز کا جدید ہونے یا کسی آواز کی بعینہٖ نقل ہونے سے آلۂ طرب کے جواز وعدم جواز میں کوئی فرق نہیں آتا۔

(۳) عام طور پر گراموفون کو بھی باجہ کہا جاتا ہے جیسے ہارمونیم وغیرہ کو یہ عرف عام بھی اسی کی دلیل ہے کہ یہ آلہ منجملہ آلات طرب ومزامیر ہے ـــ یہ وجوہ ہیں جنسے معلوم ہوتا ہے کہ گراموفون مزامیر میں داخل ہے۔

فونوگراف کے در اصل محض آلہ حاکیہ ہونیکی وجوہ

(۱) اسی تحریر کی ابتداء میں آپ معلوم کر چکے ہیں کہ اس آلہ کا پہلا موجد افلاطون ہے۔ اور نہ وہ لہو ولعب کا شوقین تھا اور نہ اس غرض کیلئے اس نے ایجاد کیا۔ اور نہ اس زمانہ کے لوگوں نے اسے اس بغرض اشغال میں استعمال کیا۔ بلکہ اس سے بڑے بڑے اہم کام لئے۔ جس سے ثابت ہوا کہ یہ آلہ در اصل مزامیر میں سے نہیں۔ اور اس کی اصل وضع لہو ولعب اور گانے بجانے کے لئے نہیں ہوئی۔

(۲) اس آلہ کا دوبارہ جنم (جیسا کہ آپ معلوم کر چکے ہیں) امریکہ کے مشہور فاضل اڈیسون کے ہاتھوں ہوا۔ جہانتک تحقیق سے معلوم ہوا اس جدید ایجاد کا اصلی مقصد بھی محض لہو ولعب نہ تھا۔ بلکہ ایک کام کی چیز ایجاد کرنا تھا۔ یہ دوسری بات ہے کہ اڈیسون کی قسمت میں وہ خوش قسمت لوگ نہ تھے جو اسکو اچھے مصرف میں استعمال کرتے اور افلاطون کیطرح اس کے لئے ایک بہترین یادگار بنا دیتے۔

(۴) جو چیز اصل سے جائز ہو اور کسی مفسدہ پر مبنی نہو۔ اگر لوگ عام طور پر اسے لہو ولعب اور ناجائز کاموں میں استعمال کرنے لگیں۔ تو اس سے اسکو معازف ومزامیر میں شمار نہیں کیا جا سکتا۔ دیکھئے اگر کسی وقت ٹیلیفون کے ذریعہ عام لوگ گانا مع مزامیر سننے سنانے لگیں تو ٹیلیفون کو مزامیر میں داخل نہ سمجھا جائیگا۔ اور آج بھی

---

[1] فوٹو کی تصویر کے متعلق مفصل تحقیق اور اس کا شرعی حکم نیز عام تصاویر کے متعلق شرعی احکام اور ان کی عقلی حکمتیں احقر نے اپنے رسالہ التصویر لاحکام التصویر میں مکمل لکھی ہیں۔ یہ رسالہ ابھی طبع نہیں ہوا ۱۲ منہ۔

گانے بجانے میں اس کا استعمال اتفاقی طور پر ہوگیا۔ تو مسئلہ کے حکم میں تفصیل کرنی پڑے گی۔ کہ اس کی جس پلیٹ میں کوئی ناجائز آواز مثل عورتوں کے گانے یا معازف و مزامیر اور طبل و سارنگی وغیرہ کی آوازیں بھری ہوں وہ تو اپنی اصل کی طرح ناجائز و حرام ہیں۔ اور جس پلیٹ میں کوئی مباح آواز بھری ہو اسکو اگر بقصد لہو و لعب سنتا ہے تو مکروہ ہے اور اگر کسی غرض صحیح سے سنتا ہے اور لہو و لعب مقصود نہیں تو جائز بلا کراہت ہے۔

بہر حال آواز مباح کو اس آلہ کے ذریعہ سے سننے کا جواز یا عدم جواز اس تحقیق پر موقوف ہے کہ یہ آلہ منجملہ آلات معازف و مزامیر و دتار ستار اور طبل و سارنگی وغیرہ کے ہے۔ یا اصل سے محض حکایت صوت کیلئے ایجاد ہوا ہے۔ اور پھر اتفاقی طور پر شوقین مزاجوں نے اسکو آلۂ طرب و لعب بنالیا۔ چونکہ اس بحث میں دونوں پہلوؤں کے کچھ کچھ قرائن موجود ہیں اسلئے جانبین کے قرائن پیش کرنے کے بعد جانب راجح کے متعلق کچھ عرض کیا جائیگا۔

آلات طرب و مزامیر میں سے ہونے کے وجوہ۔

(۱) عام طور پر اس کا استعمال محض لہو و لعب اور گانے بجانے میں اسی طرح کیا جاتا ہے جیسے دوسرے آلات معازف و مزامیر کا۔ اور ارباب سماع جو حظ دوسرے مزامیر سے حاصل کرتے ہیں بعینہ وہی حظ اس سے حاصل ہوتا ہے۔ اسلئے یہ آلہ بھی مزامیر میں داخل ہونا چاہئے۔

(۲) اور اگر عام مزامیر اور گراموفون میں یہ فرق کیا جائے کہ اسمیں دوسری آوازوں کی نقل کیجاتی ہے۔ خود اس کی آواز مقصود نہیں ہوتی بخلاف جملہ مزامیر کے کہ وہ خود مقصود ہوتے ہیں۔ تو اس کے جواب میں کہا جا سکتا ہے کہ دوسرے آلات طرب میں بھی آوازوں کی نقل اُتاری جاتی ہے۔ اور اسیوجہ سے ہندی مثل مشہور ہے (تانت باجی راگ پایا) یعنی دوتار کی تانت بجتے ہی معلوم ہوجاتا ہے کہ کیا گیت گاتا ہے۔

بالخصوص ہارمونیم میں تو آواز کی صاف نقل ہوتی ہے۔ گو بالکل فونوگراف کی طرح صادر نہو۔ الغرض جملہ مزامیر اور فونوگراف میں اسکے سوا کوئی فرق معلوم نہیں ہوتا۔ کہ مزامیر میں نئی آواز پیدا کی جاتی ہے اور فونو میں کسی پہلی آواز کی نقل ہوتی ہے۔ اور یہ بعینہ ایسا فرق ہے جیسے قدیم طرز کی مصوری اور فوٹوگراف میں ہے۔ کیونکہ قدیم طرز کے مصور اپنی طرف سے حسب دلخواہ ایک صورت بناتے ہیں اور فوٹوگراف ایک محکی عنہ (واقع) کا تابع ہوتا ہے۔ اور اس کے عکس کو جو غیر قائم تھا مسالہ کے ذریعہ سے قائم بنا دیتا ہے۔ لیکن اس فرق کیوجہ سے جواز و عدم جواز میں کوئی فرق نہیں کیا جاتا۔

بلکہ فوٹو کی تصویر کو بھی عام تصویروں کی طرح شرعاً ناجائز قرار دیا جاتا ہے۔ اور کہا جاتا ہے کہ عکس جبتک عکس تہا جیسے آئینہ اور پانی میں ہوتا ہے اسوقت تک جائز تہا۔ اور جب مسالہ کے ذریعے اسکو پائدار بنایا گیا تو یہی تصویر ہے اور اس طرح پائدار بنانا تصویر کشی ہے۔

اسیطرح یہاں ایک جائز کلام جبتک اپنی اصلی صورت میں تہا جائز تہا۔ اور جب اسی کلام کا عکس اس آلہ طرب میں اُتارا گیا تو یہی ایک تغنی وتلعب ہے اور ناجائز ہے۔ غرض آواز کا جدید ہونے یا کسی آواز کی بعینہٖ نقل ہونے سے آلہ طرب کے جواز وعدم جواز میں کوئی فرق نہیں آتا۔

(۳) عام طور پر گراموفون کو بھی باجہ کہا جاتا ہے جیسے ہارمونیم وغیرہ کو یہ عرف عام بھی اسی کی دلیل ہے کہ یہ آلہ منجملہ آلات طرب ومزامیر ہے ۔ یہ وجوہ ہیں جنسے معلوم ہوتا ہے کہ گراموفون مزامیر میں داخل ہے۔

فونوگراف کے دراصل محض آلہ حاکیہ ہونیکی وجوہ

(۱) اسی تحریر کی ابتداء میں آپ معلوم کرچکے ہیں کہ اس آلہ کا پہلا موجد افلاطون ہے۔ اور نہ وہ لہو ولعب کا شوقین تھا اور نہ اس غرض کیلئے اس نے ایجاد کیا۔ اور نہ اس زمانہ کے لوگوں نے اسے اس شغل میں استعمال کیا۔ بلکہ اس سے بڑے بڑے اہم کام لیئے۔ جس سے ثابت ہوا کہ یہ آلہ دراصل مزامیر میں سے نہیں۔ اور اس کی اصل وضع لہو ولعب اور گانے بجانے کے لیے نہیں ہوئی۔

(۲) اس آلہ کا دوبارہ جنم (جیسا کہ آپ معلوم کرچکے ہیں) امریکہ کے مشہور فاضل اڈیسون کے ہاتھوں ہوا۔ جہانتک تحقیق سے معلوم ہوا اس جدید ایجاد کا اصلی مقصد بھی محض لہو ولعب نہ تہا۔ بلکہ ایک کام کی چیز ایجاد کرنا تہا۔ یہ دوسری بات ہے کہ اڈیسون کی قسمت مین وہ خوش قسمت لوگ نہ تہے جو اسکو اچھے مصرف میں استعمال کرتے اور افلاطون کیطرح اس کے لئے ایک بہترین یادگار بنادیتے۔

(۳) جو چیز اصل سے جائز ہو اور کسی مفسدہ پر مبنی نہو۔ اگر لوگ عام طور پر اسے لہو ولعب اور ناجائز کاموں میں استعمال کرنے لگیں۔ تو اس سے اسکو معازف ومزامیر میں شمار نہیں کیا جاسکتا۔ دیکھئے اگر کسی وقت ٹیلیفون کے ذریعہ عام لوگ گانا مع مزامیر سننے سنانے لگیں تو ٹیلیفون کو مزامیر میں داخل نہ سمجھا جائیگا۔ اور آج بھی

ؔلہ فوٹو کی تصویر کے متعلق مفصل تحقیق اور اس کا شرعی حکم نیز عام تصاویر کے متعلق شرعی احکام اور ان کی عقلی حکمتیں حضرت نے اپنے رسالہ التصویر لاحکام التصویر میں مکمل لکھی ہیں۔ یہ رسالہ ابھی طبع نہیں ہوا ۱۲ منہ

گانے بجانے میں اس کا استعمال اتفاقی طور پر ہوگیا۔ تو مسئلہ کے حکم میں یہ تفصیل کرنی پڑے گی۔ کہ اس کی جس پلیٹ میں کوئی ناجائز آواز مثل عورتوں کے گانے یا معازف و مزامیر اور طبل و سارنگی وغیرہ کی آوازیں بھری ہوں وہ تو اپنی اصل کی طرح ناجائز و حرام ہیں۔ اور جس پلیٹ میں کوئی مباح آواز بھری ہو اسکو اگر بقصد لہو و لعب سنتا ہے تو مکروہ ہے اور اگر کسی غرض صحیح سے سنتا ہے اور لہو و لعب مقصود نہیں تو جائز بلا کراہت ہے۔

بہرحال آواز مباح کو اس آلہ کے ذریعہ سے سننے کا جواز یا عدم جواز اس تحقیق پر موقوف ہے کہ یہ آلہ منجملہ آلات معازف و مزامیر و دوتارہ ستار اور طبل و سارنگی وغیرہ کے ہے۔ یا اصل سے محض حکایت صوت کیلئے ایجاد ہوا ہے۔ اور پھر اتفاقی طور پر شوقین مزاجوں نے اسکو آلہ طرب و لعب بنالیا۔ چونکہ اس بحث میں دونوں پہلوؤں کے کچھ کچھ قرائن موجود ہیں اسلئے جانبین کے قرائن پیش کرنے کے بعد جانب راجح کے متعلق کچھ عرض کیا جائیگا۔

آلات طرب و مزامیر میں سے ہونے کے وجوہ۔

(۱) عام طور پر اس کا استعمال محض لہو و لعب اور گانے بجانے میں اسی طرح کیا جاتا ہے جیسے دوسرے آلات معازف و مزامیر کا۔ اور ارباب سماع جو حظ دوسرے مزامیر سے حاصل کرتے ہیں بعینہ وہی حظ اس سے حاصل ہوتا ہے۔ اسلئے یہ آلہ بھی مزامیر میں داخل ہونا چاہئے۔

(۲) اور اگر عام مزامیر اور گراموفون میں یہ فرق کیا جائے کہ اسمیں دوسری آوازوں کی نقل کیجاتی ہے۔ خود اس کی آواز مقصود نہیں ہوتی بخلاف جملہ مزامیر کے کہ وہ خود مقصود ہوتے ہیں۔ تو اس کے جواب میں کہا جاسکتا ہے کہ دوسرے آلات طرب میں بھی آوازوں کی نقل اُتاری جاتی ہے۔ اور اسیوجہ سے ہندی مثل مشہور ہے (تانت باجی راگ پایا) یعنی دوتار کی تانت بجتے ہی معلوم ہوجاتا ہے کہ کیا گیت گاتا ہے۔

بالخصوص ہارمونیم میں تو آواز کی صاف نقل ہوتی ہے۔ گو بالکل فونوگراف کی طرح صادق نہو۔ الغرض جملہ مزامیر اور فونوگراف میں اسکے سوا کوئی فرق معلوم نہیں ہوتا۔ کہ مزامیر میں نئی آواز پیدا کی جاتی ہے اور فونو میں کسی پہلی آواز کی نقل ہوتی ہے۔ اور یہ بعینہ ایسا فرق ہے جیسے قدیم طرز کی مصوری اور فوٹوگراف میں ہے۔ کیونکہ قدیم طرز کے مصور اپنی طرف سے حسب دلخواہ ایک صورت بناتے ہیں اور فوٹوگراف ایک محکی عنہ (واقع) کا تابع ہوتا ہے۔ اور اس کے عکس کو جو غیر قائم تھا مسالہ کے ذریعہ سے قائم بنا دیتا ہے۔ لیکن اس فرق کیوجہ سے جواز و عدم جواز میں کوئی فرق نہیں کیا جاتا۔

بلکہ فوٹو کی تصویر کو بھی عام تصویروں کی طرح شرعاً ناجائز قرار دیا جاتا ہے۔ اور کہا جاتا ہے کہ عکس جبتک عکس تھا جیسے آئینہ اور پانی میں ہوتا ہے اسوقت تک جائز تھا۔ اور جب مسالہ کے ذریعے اسکو پائدار بنا یا گیا تو یہی تصویر ہے اور اس طرح پائدار بنانا تصویر کشی ہے۔

اسیطرح یہاں ایک جائز کلام جبتک اپنی اصلی صورت میں تھا جائز تھا۔ اور جب اسی کلام کا عکس اس آلہ طرب میں اُتارا گیا تو یہی ایک تغنی و تلعب ہے اور ناجائز ہے۔ غرض آواز کا جدید ہونے یا کسی آواز کی بعینہٖ نقل ہونے سے آلہ طرب کے جواز و عدم جواز میں کوئی فرق نہیں آتا۔

(۳) عام طور پر گراموفون کو بھی باجہ کہا جاتا ہے جیسے ہارمونیم وغیرہ کو یہ عرف عام بھی اسی کی دلیل ہے کہ یہ آلہ منجملہ آلات طرب و مزامیر ہے یہ وجوہ ہیں جنسے معلوم ہوتا ہے کہ گراموفون مزامیر میں داخل ہے۔

فونوگراف کے دراصل محض آلہ حاکیہ ہونیکی وجوہ

(۱) اسی تحریر کی ابتداء میں آپ معلوم کر چکے ہیں کہ اس آلہ کا پہلا موجد افلاطون ہے۔ اور نہ وہ لہو و لعب کا شوقین تھا اور نہ اس غرض کیلئے اس نے ایجاد کیا۔ اور نہ اس زمانہ کے لوگوں نے اسے اس لغو مشغلہ میں استعمال کیا۔ بلکہ اس سے بڑے بڑے اہم کام لئے۔ جس سے ثابت ہوا کہ یہ آلہ دراصل مزامیر میں سے نہیں۔ اور اس کی اصل وضع لہو و لعب اور گانے بجانے کے لئے نہیں ہوئی۔

(۲) اس آلہ کا دوبارہ جنم (جیسا کہ آپ معلوم کر چکے ہیں) امریکہ کے مشہور فاضل اڈیسون کے ہاتھوں ہوا۔ جہانتک تحقیق سے معلوم ہوا اس بعدید ایجاد کا اصلی مقصد بھی محض لہو و لعب نہ تھا۔ بلکہ ایک کام کی چیز ایجاد کرنا تھا۔ یہ دوسری بات ہے کہ اڈیسون کی قسمت مین وہ خوش قسمت لوگ نہ تھے جو اسکو اچھے مصرف میں استعمال کرتے اور افلاطون کیطرح اس کے لئے ایک بہترین یادگار بنادیتے۔

(۳) جو چیز اصل سے جائز ہو اور کسی مفسدہ پر مبنی نہو۔ اگر لوگ عام طور پر اسے لہو و لعب اور ناجائز کاموں میں استعمال کرنے لگین۔ تو اس سے اسکو معازف و مزامیر میں شمار نہیں کیا جا سکتا۔ دیکھئے اگر کسی وقت ٹیلیفون کے ذریعہ عام لوگ گانا مع مزامیر سننے سنانے لگین تو ٹیلیفون کو مزامیر میں داخل نہ سمجھا جائیگا۔ اور آج بھی

لہ فوٹو کی تصویر کے متعلق مفصل تحقیق اور اس کا شرعی حکم نیز عام تصاویر کے متعلق شرعی احکام اور ان کی عقلی حکمتیں حضرت نے اپنے رسالہ التصویر لاحکام التصویر میں مکمل لکھی ہیں۔ یہ رسالہ ابھی طبع نہیں ہوا ۱۲ منہ

بہت آدمی گھڑا بجاکر اس پر گاتے ہیں۔ مگر اس کی وجہ سے گھڑے کو کسی نے مزامیر میں شمار نہیں کیا۔ اسی طرح بعض آدمی محض تالیاں بجاکر گاتے ہیں۔ مگر اس کی وجہ سے انسان کے ہاتھوں کو مزامیر نہیں کہا جاسکتا۔ اور یہی وجہ ہے کہ بعض اوقات میں تالی بجانے کی شرعاً اجازت ہی نہیں بلکہ امر تک فرمایا گیا ہے۔ نماز کے سامنے سے اگر کوئی شخص گذرتا ہو تو متنبہ کرنے کے لئے مرد کو سبحان اللہ کہنا اور عورت کو ہاتھ پر ہاتھ[ف] مارنا مستحب ہے۔

حاصل یہ ہے کہ کسی چیز کو اتفاقی طور پر لہو ولعب یا گانے بجانے میں استعمال کر لینے سے اوسکا مزامیر میں داخل ہونا لازم نہیں آتا۔ اس لئے گراموفون کو بھی اگر عام لوگ طرب و تغنی میں استعمال کریں تو وہ اس سے مزامیر میں شمار ہوگا (جبکہ اوس کی اصل وضع اس کے لئے نہیں)۔

(۴) فونوگراف اور دوسرے مزامیر کا فرق اس پر مبنی نہیں کہ اس میں حکایت صوت ہے اور دوسرے مزامیر میں صوت جدید پیدا کی جاتی ہے۔ بلکہ یہ فرق وجوہ ماسبق پر مبنی ہے جنکی مزید تحقیق عنقریب پیش کی جائیگی۔ کیونکہ صوت جدید ہونے یا کسی آواز کی نقل اتارنے کو مزامیر ہونے یا نہونے میں کوئی دخل نہیں۔ اور فونوگراف کو فوٹوگراف پر قیاس کرنا صحیح نہیں۔ کیونکہ آواز کی نقل اُتارنا شرعاً ممنوع نہیں اور صورت جاندار کی نقل اُتارنا شرعاً ناجائز ہے۔

(۵) اول تو عرف میں باجہ نام رکھدینا کسی چیز کی حقیقت کو نہیں بدلتا۔ دوسرے اس کے عرف عام ہونے میں بھی کلام ہے۔ تیسرے یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ عام طور پر لہو ولعب میں استعمال کرنے کی وجہ سے لوگوں نے اس کا نام باجہ رکھدیا۔

دونوں جانب کے یہ وجوہ ہیں جنکی وجہ سے بحث کا فیصلہ غور طلب ہو جاتا ہے۔ لیکن حضرت حکیم الامۃ مجدد الملۃ سیدی سندی حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی دامت برکاتہم نے مسئلہ زیر بحث کا جو فیصلہ احقر کے ایک عریضہ کے جواب میں ارشاد فرمایا ہے۔ اس نے نہ فقط اس مسئلہ میں شفاء صدر کا کام دیا بلکہ اس بحث کے متعلق ایک زرین اصول بتلادیا جسکو بغرض تحصیل برکت حضرت کی اصل عبارت میں نقل کیا جاتا ہے۔ وہی ہذہ۔

[ف] لیکن فقہاء لکھتے ہیں کہ ایک ہاتھ کی پشت پر دوسرے ہاتھ کی صرف انگلیاں مارنی چاہیئے۔ تاکہ پوری طرح تالی بجانا معلوم نہ ہو۔ الغرض بقدر ضرورت تالی بجانے کی اجازت دی گئی ۱۲ منہ۔

اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ یہ (یعنی اس آلہ کا مزامیر میں سے ہونا) غیر مسلم ہے اس لئے کہ ملاہی (مزامیر) محرم وہ ہیں جہاں خود ان ملاہی کی صوت (آواز) بخصوصہ مقصود ہو گو ان میں کوئی خاص لہجہ بھی منضم کر لیا جائے جیسا ہارمونیم میں ایسا انضمام ہو جاتا ہے اور گراموفون میں خود اس آلہ کی صوت بخصوصہ مقصود نہیں۔ بلکہ مقصود اصل صوت محکی عنہ ہے جس کا اس آلہ کے ذریعہ سے محفوظ کر کے اعادہ کیا جاتا ہے۔

اور دلیل اس کی یہ ہے کہ گراموفون میں جو صوت (آواز) بند کر کے پیدا کی جاتی ہے اگر اصل محکی عنہ (یعنی جس کی آواز ہے) پر قدرت ہو جائے تو پھر اس آلہ کی طرف اسوقت التفات بھی نہ کیا جائے۔ بخلاف ہارمونیم وغیرہ کے کہ ایسے وقت بھی اس سے قطع نظر نہیں کی جاتی۔

اور راز اس کا یہ ہے کہ گراموفون کی خصوصیت نے اس صوت (آواز) میں حظ (لذت) نہیں بڑھایا۔ لہذا اصل کے ہوتے ہوئے اس کا قصد نہیں کیا جاتا۔ اور ہارمونیم کی خصوصیت کو حظ خاص میں دخل ہے جو سادہ استماع میں مفقود ہے۔ اسلئے اصل کے ہوتے ہوئے بھی اس کا قصد کیا جاتا ہے۔

اس سے صاف ثابت ہو گیا کہ یہ ان ملاہی میں سے جنکی صوت بخصوصہا مقصود ہوتی ہے۔ اور حرمت ایسے ہی ملاہی کے ساتھ مخصوص ہے۔ کما ذکر۔"

حاصل یہ ہے کہ مزامیر اور آلات طرب میں خود ان آلات کی آوازیں بھی مقصود ہوتی ہیں اگرچہ ان کے ذریعہ سے کسی خاص کلام کی بھی نقل اُتار لی جائے۔ اور گراموفون کی آواز خود مقصود نہیں ہوتی بلکہ اصل ہی کا استماع مقصود ہوتا ہے۔ اسلئے اس آلہ کو ملاہی محرمہ اور مزامیر میں داخل نہیں کیا جا سکتا ہے۔

گراموفون کے شرعی احکام

ان تمہیدی امور کے بعد اصل مقصد پر آتے ہیں تو فقہی طور پر اس آلہ کے متعلق سوالات ذیل پیش آتے ہیں جنکا جواب نمبروار عرض کیا جائیگا۔ (کیا فرماتے ہیں علماء دین مسائل ذیل میں)

(۱) گراموفون میں عام راگ دمزامیر اور عورتوں کا گانا وغیرہ سننا شرعاً کیسا ہے؟۔

(۲) کوئی مباح نظم یا نثر اس آلہ کے ذریعہ تفریحاً سننا شرعاً کیا حکم رکھتا ہے؟۔

(۳) کسی ضروری اور مفید کلام کو اس آلہ کے ذریعہ سے ضبط کرلینا اور پھر سنانا جائز ہے یا نہیں؟۔
(۴) گراموفون میں قرآن مجید سننا اور سنانا جائز ہے یا نہیں؟۔
(۵) اسمیں جو قرآن مجید پڑھا جاتا ہے اسکے وہی احکام ہیں جو عام تلاوت قرآن کے ہیں یا کچھ اور؟۔
(۶) اسمیں اگر کوئی آیت سجدہ تلاوت کردیجائے تو سننے والوں پر سجدہ لازم ہوگا یا نہیں؟۔
(۷) اسکے جس پلیٹ (ریکارڈ) میں قرآن مجید کی کوئی سورت محفوظ ہو اسکو بلا وضو چھونا جائز ہے یا نہیں؟۔

الجواب

(۱) جس آواز کا سننا اصل سے حرام ہے اس کا گراموفون میں سننا بھی قطعًا بلا اختلاف حرام ہے۔ مثلاً عورتوں کا گانا اگرچہ بلا مزامیر ہو اور مرد کا گانا مع مزامیر۔ اور ناچ رنگ وغیرہ کی نقل۔ اسی طرح کسی مسلمان کی غیبت یا اسپر بہتان یا کوئی جھوٹی بات جسطرح اصل سے سننا سنانا حرام ہیں اسی طرح اس آلہ میں بھی اتفاقًا و اجماعًا حرام ہیں کما لا یخفی

(۲) جو کلام اصل سے مباح (جائز) ہے اس کی اس آلہ میں نقل اُتارنا اور اس کا سننا سنانا بھی فی نفسہ (خارجی عوارض سے قطع نظر کرتے ہوئے) مباح ہے۔ کیونکہ آپ تمہیدی مقدمات میں مفصل معلوم کرچکے ہیں کہ گراموفون اپنی ذات سے آلات طرب مزامیر اور ملاہی محرمہ میں داخل نہیں اسلئے کوئی مباح کلام فقط اس آلہ کیوجہ سے بغیر کسی عارضی کراہت یا ممانعت کے ناجائز نہوگا۔ البتہ جبکہ بلا ضرورت محض تفریحًا سنا جاتا ہے تو یہ ایک قسم کا لہو لعب ہے جو اگرچہ نو حرام نہ سہی مگر اسلام نے اس قسم کے لہو سے اجتناب کی تعلیم دی ہے جو انسان کیلئے مفید نہو۔ حدیث میں ہے من حسن اسلام المرء ترکہ ما لا یعنیہ {انسان کے پکے مسلمان ہونے کی علامت یہ ہے کہ بیفائدہ کاموں سے باز رہے۔
الغرض جائز کلام کا اس آلہ میں سننے سنانے کا اصلی حکم (خارجی عوارض سے قطع نظر کرتے ہوئے) یہ ہے کہ جائز ہے مگر ترک اولی ہے۔
لیکن چونکہ آجکل عمومًا اس آلہ کا استعمال ناجائز اور حرام لہو و لعب اور گانے بجانے میں ہونے لگا ہے۔ اور یہ جائز صورت بھی ناجائز کے ساتھ مشابہ ہونیکی وجہ سے جائز اور ناجائز اور حلال و حرام کو التباس میں ڈالکر بہت سے مفاسد کو مستلزم ہوجائیگی۔ جیسا کہ حالات عامہ کا تجربہ اسپر شاہد ہے۔
اسلئے سد ذرائع کے طور پر یہ صورت بھی ناجائز قرار دیجائے گی۔ جیسا کہ فقہاء نے شربت کے برتنوں کو دستہ خوا

شراب کے برتنوں کی طرح رکھنا محض اسی صوری مشابہت کی وجہ سے (سد ذرائع کے طور پر) ممنوع قرار دیا ہے۔
لیکن یہ ممانعت چونکہ عارضی ہے اسلئے اگر کسی وقت یا کسی خاص جگہ میں یہ عارضی وجہ ممانعت موجود نہ ہو۔ مثلاً کسی زمانہ میں اس کا عام استعمال لہو ولعب میں نہ رہے یا کسی ملک یا کسی خاص شہر میں ایسا ہو جائے تو وہاں اپنی اصلی حکم پر جائز سمجھا جائیگا۔

(۳) کوئی ضروری اور مفید کلام جو شرعاً ناجائز نہو اور اُس کا بعینہ لب ولہجہ کیساتھ نقل کرنا مقصود ہو، اس آلہ کے ذریعے اسکا محفوظ کرلینا اور پھر اعادہ کرنا جائز ہے۔ جیسے افلاطون کے زمانہ کے حالات میں آپ بذیل تمہید معلوم کر چکے ہیں کہ اس زمانہ کے حکام تمام عدالتی کارروائی کی مسلوں کے بجائے اس آلہ سے کام لیکر ہر قسم کی تحریف وجعل سازی کے خطرات سے مامون ہو جاتے تھے۔ اور اسمیں ایک بڑا فائدہ یہ تھا کہ بہت سے کلام وہ ہیں جو محض لب ولہجہ کے ذراسے تغیر سے بالکل الٹ جاتے ہیں۔ اس آلہ کے ذریعہ سے چونکہ لب ولہجہ بھی محفوظ ہو جاتا ہے اسلئے اسمیں اسکی بھی گنجائش نہیں رہتی کہ کوئی شخص اسیطرح اپنی بات کو بدلدے۔ مثلاً ایک ہی لفظ ہے "کیا بات ہے" یہ لفظ جب بلا ضغطہ زبان بولا جائے تو استفہام و استفسار کا ایک جملہ ہے۔ اور جب اسی لفظ کو ذرا ضغطہ اور تفخیم کے ساتھ بولیں تو یہی ایک چیز کی بڑائی اور عظمت شان کا بیان ہو جائیگا۔ عرف میں کہا جاتا ہے سبحان اللہ کیا بات ہے۔ اور اسی لفظ کو جب کسیقدر ضغطہ زبان کیساتھ بلا تفخیم تعظیم بولا جائے تو یہی جملہ تحقیر اور توہین کا جملہ ہو جاتا ہے۔ کہتے ہیں کہ "یہ بات کیا ہے"۔ دیکھئے یہ ایک ہی کلام ہے جو تعظیم کے لئے بھی ہو سکتا ہے اور توہین کے لئے بھی۔ اور استفہام بھی بن سکتا ہے اور اس کا امتیاز محض لہجہ کلام پر موقوف ہے جسکو کاغذات میں نقل کرنا دشوار ہے۔ اس قسم کے تغیرات سے بھی وہ تقریر مامون ہو سکتی ہے جو اس آلہ میں محفوظ ہو۔ الغرض اگر کوئی ضروری اور مفید مضمون اس آلہ کے پلیٹ میں محفوظ ہو جو بغیر اس آلہ کے ہمیں دستیاب نہیں ہو سکتا اس قسم کے مضامین کو سننا جائز ہے۔ مگر مناسب ہے کہ مجمع عام مجلس آرائی کے ساتھ اس طرح نہ سُنے جسطرح عام اہل تغنی دل لگی سنتے ہیں بلکہ خلوت میں سنے تاکہ انکی مشابہت لازم نہ آئے۔

(۴) قرآن مجید کو گراموفون میں بھرنا اور سننا سنانا سب ناجائز ہے۔
اول تو اسلئے کہ عام مباح کلام کو بھی بلا ضرورت اسمیں سننا جائز نہیں جیسا کہ جواب نمبر ۲ کے تحت میں مفصل گذر چکا ہے تو قرآن مجید کو اسمیں سننا بدرجہ اولیٰ ناجائز ہوگا۔ کیونکہ ظاہر ہے کہ قرآن مجید کو گراموفون میں سننے کی کوئی ضرورت نہیں اسلئے وہ صورت مذکورہ نمبر ۳ کے تحت میں ہرگز داخل نہیں ہو سکتا۔

دوسرے اس لئے کہ اگرچہ گراموفون مزامیر اور ملاہی محرمہ میں داخل نہیں لیکن اسمیں شبہ نہیں کہ بے ضرورت کوئی کلام اسمیں بھرنا اور سننا ایک قسم کا لہو ولعب ہے۔ اور اگر لہو ولعب مقصود نہو تب بھی تشبہ ہی لہو ولعب کے ساتھ۔ اور لہو ولعب اگر دوسرے مباح کلام میں کسیوقت جائز بھی سمجھا جائے تو ظاہر ہی کہ قرآن مجید کی ساتھہ کسیوقت اور کسی حال مین جائز نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ تلاوت قرآن مجید عبادت ہے اور عبادت کو ذریعہ لہو ولعب بنانا سخت حرام ہی۔
نیز یہ ایک قسم کی توہین ہے کلام الٰہی کی کہ لہو ولعب کے موقع پر یا لہو ولعب کیصورت سے اسکی تلاوت کیجائے۔ یہ تو قرآن مجید اور کلام الٰہی ہے۔ فقہا نے تو مطلقاً سبحان اللہ یا الحمدللہ وغیرہ الفاظ کو بھی ایسے موقع پر کہنے کو ناجائز لکھا ہے جہاں مقصود تسبیح وتحمید نہو بلکہ کوئی دوسرا کام مقصود ہو۔ جیسے سوداگر کسی چیز کو فروخت کرنے کے وقت خریدار کہتے ہیں سبحان اللہ کیا اچھی چیز ہی۔ چونکہ یہ سبحان اللہ محض اپنی چیز کی رونق بڑھانے کے لئے بے محل بولا گیا ہے اس لئے ناجائز ہے۔ اسیطرح بچوں کو سلانے کے وقت جو اکثر عورتیں اللہ اللہ کرتی ہیں فقہا نے اسکو اسی لئے ناجائز فرمایا ہے کہ یہ ذکر اللہ بے محل ہے۔ ان جزئیات پر نظر کرنے سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر بالفرض یہ لہو ولعب بھی نہو تب بھی قرآن مجید کا اس آلہ میں سننا جائز نہوگا کیونکہ بے محل وبے موقع ہے۔ اور اگر ذرا انصاف سے حالات کا معائنہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ آجکل عموماً قرآن مجید کا ریکارڈ بھی محض تفریح طبع کے لئے ایسا ہی رکھا جاتا ہے جیسے مختلف قسم کے گیت اور مختلف گانے والی فواحش کی آوازیں رکھی جاتی ہین کسقدر غیرت کا مقام ہی قرآن مجید کی پلیٹ بھی رنڈیوں کے گانے کے ساتھہ ہم پلہ کرکے رکھی جائے۔ اور جہاں ابھی ابھی گوہر جان اور منی جان کی مجلس رقص وسرود گرم تھی وہیں اب محض ذائقہ بدلنے کیلئے قاری صاحب کی اعوذ باللہ شروع کردیجائے۔ گراموفون کے مسئلہ سے علیحدہ ہوکر اگر اصل واقع میں بھی ایسا کیا جاتا کہ مجلس رقص وسرود میں مختلف رنڈیوں اور قوالوں کے ذیل میں قاری صاحب کو بھی موقع دیکر نوازا جاتا تو کسی مسلمان کی غیرت وحمیت تقاضا کرتی کہ وہ اسطرح قرآن مجید سنے اور سنائے اور کیا یہ قرآن مجید کی صاف توہین نہ تھی (نعوذ باللہ)۔ منہ

تعجب ہی کہ علامہ شیخ محمد بخیت مصری ازہری کو یہ کھلی ہوئی قباحت اور قرآن مجید کو ذریعہ لہو ولعب بنانا سمجھ میں نہیں آیا اور محض اتنی بات سے کہ یہ آلہ اصل سے مزامیر میں داخل نہیں۔ قرآن مجید تک اسمیں پڑھنے کو جائز کردیتے ہیں اور اسپر نظر نہیں فرماتے کہ اول تو آجکل گراموفون کو استعمال کرنے والے ننانوے فیصدی وہی لوگ ہیں جو اس سے

محض مزامیر اور رقص و سرود کا کام لیتے ہیں۔ اور اگر بالفرض کوئی خدا کا بندہ ایسا ہو اور اس کا قصد محض قرآن مجید ہی سننا ہو تو اول تو ظاہر حال اسکی تکذیب کرتا ہے۔ کیونکہ اگر قرآن ہی سننا مقصود تھا تو قرآن سنانے والے ہر جگہ ہر گاؤں اور ہر شہر میں خدا کے فضل سے بکثرت موجود ہیں ان سے کیوں نہ سن لیا۔ رہا یہ کہ کسی خاص قاری کی آواز سننا مقصود ہو تو یہ شرعاً مطلوب نہیں۔

دوسرے اس سے بھی قطع نظر کر لیجائے تو اس کے عمومی استعمال سے تشبہ لہو و لعب کے ساتھ یقیناً پیدا ہوتا ہے۔ اسلئے بھی قابل ممانعت ہے۔ جیسا کہ فقہاء نے شربت یا چائے کے برتنوں کو دسترخوان پر شراب کے برتنوں کی طرح رکھنے کو ناجائز فرمایا ہے۔

لطیفہ در عجیب بات ہے کہ اس آلہ کے موجد عیسائیوں نے بھی شاید اس کا احساس کیا کہ کلام الٰہی کو اس کے ذریعہ سے سننا سنانا ایک قسم کا لہو و لعب ہے اسی لئے آجتک سنا گیا کہ کسی عیسائی نے انجیل کی کوئی صورت یا کسی یہودی نے توراۃ کی کچھ آیتیں اسمیں بند کی ہوں۔ یہ ہمارے آزاد خیال مسلمانوں ہی کا طرہ امتیاز ہے کہ انھیں اسکی کی پروا نہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ قرآن مجید کا فونوگراف میں سننا سنانا چند گناہوں پر مشتمل ہے۔ اول تو مطلقاً لہو و لعب۔ دوسرے قرآن مجید کو ذریعہ لہو بنانا جو سخت ترین حرام ہے۔ تیسرے لہو و لعب کی مجلسوں میں فواحش کے گانے بجانے کے ذیل میں تفریح طبع کے لئے اس کا تلاوت کرنا بلا گراموفون کے بھی ناجائز ہے اور گراموفون میں بدرجہ اولیٰ حرام ہے۔

(۵) تمہیدی مقدمات میں آپ معلوم کر چکے ہیں کہ یہ آلہ بھی کلمات و حروف کو اسی طرح قطع کرتا ہے جس طرح انسانی زبان۔ اسلئے گراموفون میں جو آواز سنائی دیتی ہے وہ قرآن ہی کے احکام رکھتی ہے۔ مثلاً اس آواز کو برا کہنا یا اس کا استہزاء کرنا یا اس کے قرآن ہونے سے انکار کرنا وغیرہ اسیطرح جائز نہیں جسطرح خارج میں تلاوت قرآن کیساتھ جائز نہیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ قرآن مجید کو اسمیں بند کرنا اور پھر اسطرح سننا سنانا گناہ ہے۔ اور یہ بالکل ایسا ہی جیسے کوئی (جنبی) غسل کی حاجت والا آدمی قرآن مجید پڑھنے لگے یا کوئی شخص حالت شرب الخمر (نشہ) میں قرآن مجید پڑھنے لگے۔ تو اس شخص کا یہ فعل تو سخت گناہ اور حرام ہے مگر جو آواز اس کی زبان سے نکل رہی ہے اس کے قرآن ہونے کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔

(۶) گراموفون میں اگر کوئی آیت سجدہ پڑھی جائے تو اس سے سجدہ واجب نہیں ہوتا۔ کیونکہ فقہاء رحمہم اللہ تحریر فرماتے ہیں کہ طوطے وغیرہ جانوروں کو اگر آیت سجدہ پڑھا دی جائے تو ان کے پڑھنے سے سجدہ واجب نہیں ہوتا۔ اسیطرح آواز بازگشت کے ذریعہ اگر آیت سجدہ سنی جائے تو اس سے بھی سجدہ لازم نہیں آتا۔ درمختار میں ہے۔

لا تجب بسماعہ من الصدی والطیر (شامی مجلد اول) {سجدہ تلاوت آواز بازگشت یا کسی جانور سے سننے سے واجب نہیں ہوتا۔

ظاہر ہے کہ گراموفون بھی اسی حکم میں ہوگا۔

(۷) گراموفون کے جس ریکارڈ (پلیٹ) میں قرآن مجید کی کوئی آیت محفوظ ہو اسکو بلا وضو چھونا جائز ہے۔ کیونکہ وہ قرآن مجید کے حکم میں نہیں۔ اور نہ آیات وکلمات اسمیں اسطرح لکھے ہوئے ہیں جس طرح عام طور پر لکھا جاتا ہے اور اس کے اندر قطعہ تو تیا پر جو کچھ حروف کے مخارج کندہ ہوتے ہیں ان کی وجہ سے ریکارڈ کو قرآن کا حکم نہیں دیا جاسکتا۔ واللہ اعلم بالصواب والیہ المآب فی کل باب والحمد للہ اولہ وآخرہ وظاہرہ وباطنہ وبعزتہ وجلالہ تتم الصالحات۔

تصویب از حضرت حکیم الامۃ مولنا محمد اشرف علی صاحب تھانوی

دامت برکاتہم

بعد الحمد والصلوٰۃ میں مؤلف رسالہ ہٰذا کا ممنون ہوں کہ انہوں نے یہ رسالہ مجکو اظہار رائے کی غرض سے دیا مگر دیکھنے سے خود مجکو بعض فوائد زائدہ حاصل ہوئے۔ یہ تو اظہار شکر ہے اب اظہار رائے کرتا ہوں کہ ماشاء اللہ اس بحث میں کافی شافی ہے اور تحقیقات میں وافی اور شبہات کے لئے نافی ہے۔ حسب استدعاء مؤلف سلمہ اسکو رفع الخلاف عن حکم فونوغراف سے ملقب کرتا ہوں اللہ تعالیٰ اس کو مقبول ونافع فرماوے اور مؤلف سلمہ کو اس کے امثال کے لئے موفق فرماوے۔ کتبہ اشرف علی مقیم تھانہ بھون ۲۱ ربیع الاول ۱۳۴۶ھ

اقول وباللہ التوفیق ہذا التحقیق حقیق بالقبول واقرب الی الصواب فی ہذا الباب۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب والیہ المرجع والمآب۔
کتبہ الاحقر عزیز الرحمٰن عفی عنہ ۲۲ ربیع الاول ۱۳۴۶ھ

حمد وصلوٰۃ کے بعد عرض ہے کہ مولانا محمد شفیع صاحب کے رسالہ جدیدہ کا مطالعہ موجب تشفی خاطر وتطریب قلب ہوا تحقیقات جدیدہ تو اعد شرعیہ کی تحریر کی بعد اشارہ اکابر کوشش اعتبار کرکے فیصلہ صحیحہ فرمایا ہے۔ دعا ہے کہ مؤلف ممدوح کی دیگر مؤلفات کیطرح اسکو بھی قبول عام منجانب اللہ عطا ہو۔
(کتبہ الفقیر اصغر حسین عفا اللہ عنہ)

رسالت محمدی

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِیْنَ مَعَهٗ اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ تَرٰهُمْ رُکَّعًا سُجَّدًا یَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ؕ

مُحَمَّدٌ سَیِّدُ الْکَوْنَیْنِ وَالثَّقَلَیْنِ	وَالْفَرِیْقَیْنِ مِنْ عُرْبٍ وَّمِنْ عَجَمٖ
آن شہ ہر دو جہان آن مقتدائے انس و جان	آن محمد سرور و سالار ہر ملک و دیار
نَبِیُّنَا الْاٰمِرُ النَّاهِیْ فَلَا اَحَدٌ	اَبَرُّ فِیْ قَوْلِ لَا مِنْهُ وَلَا نَعَمٖ
باز امر و نہی را حامل نبی ما گزد	کش در لا و نعم صادق تر آمد زینہار
دَاعٍ اِلَی اللّٰهِ فَالْمُسْتَمْسِکُوْنَ بِهٖ	مُسْتَمْسِکُوْنَ بِحَبْلٍ غَیْرِ مُنْفَصِمٖ
خواند ما را سوی حق پس ہر کہ دامانش گرفت	دست زد بر آن رسن کو را نبرد روزگار

حضرات! اِس مضمون کو آپکی صحبت کیلئے انتخاب کیا گیا ہے اُس کی نزاکت محسوس کرنے والے کہتے ہیں۔

با خدا مستی کن و با مصطفےٰ ہشیار باش

اس دلکو ڈرانے والی تنبیہ کا مطلب جہانتک میں سمجھا ہون یہ ہیکہ ذات باری تعالیٰ ہرطرح سے برتر و بالا اور عالم اجسام کی تمام کثافتوں سے پاک و مطہر ہے اسکی ستائش میں زبان کھولتے ہوئے اگر انسان اپنی کوتاہ نظری سے جسمانی دنیا کے محاسن و فضائل کا ذکر کرنے لگے تو سننے والوں کو کوئی دھوکا نہیں ہو سکتا اور سب جانتے ہیں کہ عالم سفلی کی چیزیں کیسی ہی حسین و جمیل ہوں اس ذات بیچون کے مقابلہ میں کوئی قدر و قیمت نہیں رکھتیں اور کہنے والا جو ان کے ذکر سے توصیف باری تعالیٰ میں دل آویزی پیدا کرنا چاہتا ہے تو محض اسوجہ سے ہی کہ اس کی نظر اشیاء دیدنی سے پرے جا نہیں سکتی اور اس ہستی بے کیف کی کیفیت کما حقہ ظاہر کرنے کیلئے عاجز انسان کے پاس کوئی ذریعہ نہیں۔ سچی تڑپ رکھنے والا عاشق حق تعالےٰ کی معرفت میں کامیاب ہونے سے بیقرار ہے۔ اُس کے قرب کا آرزومند ہے۔ فرط اضطراب میں کہتا ہے۔

بخت از دہان یار نشانم نمیدہد
از بہر بوسۂ لبش جان ہمیدہم

دولت خبر ز راز نہانم نمیدہد
اینم نمی ستانند و آنم نمیدہد

یہ ذلیل الفاظ شان محبوب ازل کیلئے کسی طرح زیبا نہیں ہیں وہ ہستی مطلق دہن و لب کی آرائش سے پاک ہی اسکی زات نشان دیکھنے اور اس کی تمنا کرنے سے رفیع و بلند ہی۔ پس حسینان جہان کے لوازم زیبائش کا ذکر کرنے سے سکا عاشق بے ادبی اور گستاخی کا مرتکب ہوتا ہی۔ مگر مجبور ہی۔ اپنے دل میں قرب کا تصور جمانے۔ دولت وصال کا مشتاق جتلانے اور اپنی ہمدردون کو اپنی بے بسی سے آگاہ کرنے کے لئے اس کے پاس ان الفاظ سے زیادہ موثر ونی ذریعہ نہیں تو کہہ سکتے ہیں کہ اس کی رحمت کاملہ اپنے مجبور جان بازکو اس شوخی کے اظہار میں ضرور معذور قرار دیگی مثنوی روم کا قصہ مشہور ہی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جنگل میں ایک گڈرئے کو دیکھا جو فرط شوق میں کہہ رہا تھا۔ اے خدا اگر تو میرے پاس آجائے تو اپنا کمبل بچھا کر تجھے بٹھاؤن۔ ہاتھ دھوکر تیرے نازک پیر دباؤن۔ بکریون کا تازہ دودھ پیالے میں بھر کر تجھے پلاؤن۔ اور اپنی آنکھیں تیرے تلووں سے ملُون۔ حضرت موسیٰؑ نے اُسے گھر کا کہ اے کمبخت خدا کی شان میں کیا بے ادبی کر رہا ہے۔ وہ تیرے کمبل پر بیٹھنے کا محتاج اور تیری بکریون کے دودھ کا بھوکا ہی۔ تو بہ کر وہ پاک ذات ان تمام ضرورتون سے منزہ ہی۔ گڈرئے کی مجال کیا تھی کانپ گیا اور کہا توبہ۔ پھر کبھی ایسا لفظ زبان سے نہ نکالون گا۔ طبیعت کو اس طرف سے ڈرایا گیا دل اوچاٹ ہوگیا۔ اٹھکر بکریون کے دھندے میں لگ گیا۔ خدا کی طرف سے وحی آئی کہ موسیٰؑ تم نے ہمارے عاشق کو ہم سے جدا کر دیا۔ جن خیالات کے ساتھ اُسنے ہمارا تصور اپنے دل میں جمایا تہا وہ خیالات نرہے تو تصور کیونکر قائم رہ سکتا تہا۔ تو برائے وصل کردن آمدی۔ نے برائے فصل کردن آمدی۔ تم کو بہیجا گیا ہی۔ بندون کو ہماری طرف بلانے کیلئے تم نے انہیں بہکانے کا پیشہ کیون اختیار کرلیا ہے۔ یہ شان ہی اُس مولائے رحیم کی۔ کوئی اسے آسمانی باپ کہتا ہی کوئی اس کی رحمت کو ماں کی محبت سے تشبیہہ دیتا ہی۔ حالانکہ دنیا کے فانی ماں اور باپ کیا اور ان کی چند روزہ محبت اور شفقت کیا۔ اعلیٰ کو ادنیٰ سے تشبیہہ دینا بے ادبی اور شوخی ہی۔ مگر کیا کیا جائے ہمارا سرمایہ اور جائداد یہی ہی۔ ایسکو وہ منظور فرمالیتا ہی تو بیڑا پار کر دیتا ہی۔

مگر دربار رسالت پناہی میں عرض حال کرنے کی سعادت میسر آئے تو اس کی کیفیت اور ہی۔ وہ ذات اقدس بشری لباس مین اسی دنیا کے قاعدے اور قانون کے مطابق جہان میں جلوہ افروز ہوئی۔ مگر تمام صفات جمال و جلال

کے اندر نہ دنیا کی کوئی اچھی سے اچھی چیز آنحضرتؐ کی ہمسر ہو سکتی ہے نہ کوئی اعلیٰ سے اعلیٰ انسان ہم پلہ قرار پا سکتا ہے آپ دنیا میں ہوتے ہوئے تمام دنیا سے بالاتر ہیں۔ پس آپ کی نعت و منقبت میں دنیا کی پست چیزوں کے ذکر سے اگر ایک طرف بے ادبی کا ارتکاب ہوتا ہے تو دوسری جانب اس قباحت کا بھی اندیشہ ہے کہ سننے والے آپکو دنیوی مخلوق سمجھکر اور تمثیل کے اندر دنیوی چیزوں کا ذکر دیکھکر خدانخواستہ آنحضرتؐ کو ایسے ہی عارضی اوصاف سے متصف نہ سمجھلیں جیسی یہاں کی تمام چیزوں مین موجود ہیں۔ اسلئے تنبیہ کیگئی ہے کہ باخدا مستی کن و با مصطفیٰ ہشیار باش۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم علم اولین و آخرین کا فخر رکھتے ہیں اور آپ کا نور باعث ایجاد عالم ہے۔ ایک عاشق اس مضمون کو ادا کرتا ہے تو کہتا ہے۔

دیدمش خرم و خندان قدح بادہ بدست ۔۔۔ در ندمان آئینہ صد گونہ تماشا میکرد
گفتم این جام جان بین بتو کے داد حکیم ۔۔۔ گفت آن روز کہ این گنبد مینا میکرد

کہنے والا بات پتہ کی کہہ گیا مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کو جمشید کے جام جہان نما سے تشبیہ دینے میں اندیشہ ہے کہیں پکڑا نہ جائے۔ وہ دنیوی مادہ کا ذلیل پیالہ جسپر جوتش کے کچھ غلط سلط قاعدے کندہ تھے کیا نسبت اُس نور باطنی سے جسنے ایک قلب مصفا پر جلوہ ڈالکر ابتدائے آفرینش سے ابدالآباد تک کے تمام راز روشن کردیئے اور اس کا فیض تمام جہان میں پھیلایا۔ ایک عاشق نے شاعری نہیں کی سادہ طور پر اسی مضمون کو ادا کیا ہے خوب کہہ گیا ہے۔

فان من جودك الدنیا وضرتها ۔۔۔ ومن علومك علم اللوح والقلم
فیض تو بود ست باعث بہر تخلیق جہاں ۔۔۔ علم تو گردست سر لوح محفوظ آشکار
لم تقتون بزمان انت تخبرنا ۔۔۔ عن المعاد وعن عاد وعن ارم
منحصر بریک زمان نبود ہمی گوئی خبر ۔۔۔ از ارم از عاد و از کیفیت روز شمار

شاعرانہ بلند پروازیاں چھوڑکر جن لوگوں نے شاہد حقیقت کے چہرہ سے پردہ اٹھانے کی پوری کوشش کی ہے۔ آؤ دیکھیں کہ وہ اظہار صداقت میں کہانتک کامیاب ہوئے ہیں۔ ایک کہتا ہے۔

حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضا داری ۔۔۔ آنچہ خوبان ہمہ دارند تو تنہا داری

ذرا دیکھو کہ یہ عاشق صادق کیفیت حقہ کو منکشف کرنے کی سعادت کہاں تک پا سکا ہے۔

یوسف علیہ السلام کا حسن بے نظیر تھا جس پر بی بی زلیخا عاشق ہوئیں۔ تمام گھر بار لٹایا اور عمر اسی لگن میں بسر کی انکے سوا فدائیان یوسف میں کسی اور کا نام کس نے سنا ہے۔ اب ہمارے یثربی محبوب کا جلوہ دیکھو اور آپکے عاشقوں کا حال سنو۔ زبردست دشمن گھر پر حملہ آور ہوا ہے۔ میدان جنگ میں کشتوں کے پشتے لگے ہوئے ہیں قتل خونریزی کی خوفناک صدائیں شہر تک جا پہنچی ہیں۔ ایک بی بی جسکا نام ہند بنت خرام ہے بے تابانہ دوڑتی ہے میدان جنگ میں پہنچتی ہے تو ایک لاش کو دیکھتی ہے۔ کہا جاتا ہے بی بی یہ تیرا شوہر ہے۔ کہتی ہے یہ رسول اللہ پر قربان ہوا ہونے دو رسول اللہ کی خیریت بتاؤ۔ آگے بڑھتی ہے تو ایک اور لاش کے پاس سے آواز آتی ہے۔ بی بی یہ تیرا بھائی۔ کہتی ہے مبارک روح تھی جو رسول اللہ پر نثار ہوئی یہ کہو رسول اللہ سلامت ہیں۔ چند قدم اٹھاتی ہے تو ایک طرف سے آواز آتی ہے بی بی اپنے بیٹے کا منھ دیکھتی جا۔ کہتی ہے الحمد للہ میری سب کمائی ٹھکانے لگی۔ رسول اللہ کو سلامت دیکھلوں تو سجدہ شکر بجا لاؤں۔

اس بی بی کے شوہر عمر ابن الجموع کا عشق بھی ذکر کے قابل ہے۔ آپ پاؤں سے لنگڑے ہیں۔ چار شیر جیسے بیٹے رکھتے ہیں جو میدان جنگ میں جانے کے لئے تیار ہیں۔ لنگڑے باپ کو روکتے ہیں کہ آپ معذور ہیں نہ چلیے۔ (وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آتے ہیں اور عرض کرتے ہیں کہ میرا لنگ زمین چلنے سے تو روکتا ہے مگر کیا جناب پر قربان ہونے اور بہشت کے جانے میں بھی میرا لنگ حارج ہوگا۔ آپ اجازت دیتے ہیں وہ جا کر ہتھیار اٹھاتے ہیں اور قبلہ رو ہوکر دعا مانگتے ہیں کہ الٰہی اب واپس شہر میں نہ آؤں۔ شہید ہوتے ہیں تو بی بی ہندہ تینوں لاشوں کو اونٹ پر لاد کر دفن کرنے کے لئے شہر کو لاتی ہیں۔ کوئی خبر پوچھتا ہے تو پہلے یہی کہتی ہیں رسول اللہ سلامت ہیں سب مصیبتیں آسان ہیں۔ اونٹ شہر کے قریب آکر رک جاتا ہے آگے نہیں بڑھتا۔ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کو خبر ہوتی ہے تو فرماتے ہیں۔ عمر بن الجموع کی دعا کا تصرف ہے یہ واپس جانا نہیں چاہتے۔ وہیں میدان جنگ میں لیجا کر دفن کرو۔

عاشقان رسول کا ایک اور گروہ جرم عشق کے اندر دھوکے کیساتھ گرفتار کیا جاتا ہے۔ سب جانباز جان ہتھیلی پر رکھکر مقابلہ کرتے ہیں شہید ہو۔ ... ان میں سے دو بیکس پکڑے جاتے ہیں جنکو مکہ میں لیجا کر قید کرتے ہیں اور ایک دن تجویز ہوتی ہے کہ کسی درخت سے باندھکر دونوں کے جسم کو نیزوں کے زخم سے گلزار بناؤ مگر سب سے

آخری زخم، ہو جو دل کو پار ہو کر جان نکالے سے پہلے ایک قیدی کو جنکا نام خُبیب بن عدی ہے لیجاکر درخت سے باندھتے ہیں وہ کہتے ہیں میرا مُنہ کعبہ کیطرف کر دو یہ بھی منظور نہیں ہوتا چالیس نوجوان نیزوں کے وار کرنے لگتے ہیں۔ اسوقت کوئی پوچھتا ہے کہو اب تو چاہتے ہوگے کہ تمہیں چھوڑ دیں اور محمد کو تمہاری جگہ باندھ دیں بیکس تڑپ اٹھتا ہے کہ ہائے ظالم کیا کہا مجھے اس حالت کے مقابلہ مین رسول اللہ کے جسم مبارک پر ایک کانٹے کا چُبھنا بھی گوارا نہیں۔ کاش کوئی ہوتا تو اسوقت رسول اللہ کو میرا سلام پہنچاتا۔

	بجرم عشق توام میکشند و غوغا ئیست		تو نیز بر سر بام آکہ خوش تماشا ئیست	

اُسیوقت مدینہ مین رسول علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جبرئیل مجھے خُبیب کا سلام پہنچاتے ہیں ان کو کہ مین قتل کیا جا رہا ہے۔ ادھر خُبیب پر نیزے پڑتے ہیں، تو تڑپتے ہوئے مُنہ کعبہ کیطرف ہو جاتا ہے کہتے ہیں الحمد للہ میری مراد بر آئی آخری وقت میں بیت اللہ کی بوائے چہرہ کو سرد کیا۔ انکے بعد دوسرے قیدی زید بن دُثنہ کو لاتے ہیں وہ بھی اسی شکل سے اور اسی جوانمردی سے جان دیتے ہیں اور روایت ہے کہ انسے بھی وہی سوال کیا گیا اور ویسا ہی جواب پایا۔

آغاز اسلام کے اندر حضرت بلال جو ایک سنگدل کافر کے غلام ہین اور حضرت عمار اور ان کے والد یاسر اور ان کی والدہ سمیہ بھی اُنہی عاشقان رسول میں سے جنکو جکڑ کر پھینکدیتے ہیں اور کوڑوں سے پیٹتے ہیں۔ کھال کے اندر بند کر دیتے ہیں اور دھوپ میں ڈال چھوڑتے ہیں۔ برہنہ کرکے دوپہر کے وقت جُھلستے ہوئے ریت کے اوپر لٹا دیتے ہیں اور بڑا سا پتھر جو دھوپ سے آگ بنا ہوا ہے چھاتی پر رکھدیتے ہیں اور کہتے ہیں بتاؤ اب تو اس دیوانے کا کہنا نہ مانوگے۔ پتھر کے نیچے سے آواز آتی ہے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہ۔ کہن سال یاسر اور بی بی سمیہ انہی تکلیفوں میں جان دیتے ہیں اور اسلام کے اندر سب سے پہلے شہید ہونے کا فخر پاتے ہیں۔ بلال اور عمار نوجوان ہیں ان صعوبتوں سے جان بر ہوتے ہیں اور خدمت رسول میں عمریں صرف کر دیتے ہیں۔

زید بن حارثہ عرب عاربہ کے سپوت ہیں انکی قوم بنی اسمٰعیل کو باہر والے کہتی اور حقیر جانتی ہے اور خود شاہان یمن کی نسل سے ہونے پر فخر کرتی ہے۔ زید کو اس زمانہ کی بدامنی کی وجہ سے خورد سالی کے اندر ڈاکو پکڑ کر لیجاتے ہیں اور ایک میلہ میں بیچ ڈالتے ہیں۔ بی بی خدیجہ کا برادر زادہ اپنی پھوپی کے لئے خرید لیتا ہے اور مکہ میں لے آتا ہے بی بی خدیجہ حضرت کے نکاح میں آتی ہیں تو زید کو حضرت کی خدمت میں پیش کرتی ہیں۔ یہ واقعہ پیغمبری کا

شرف حاصل کرنے سے پہلے کا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زید کو اپنی ملکیت میں لیتے ہی آزاد کر دیتے ہیں۔ اور پدرانہ شفقت کیساتھ اپنے پاس رکھتے ہیں۔ اُدھر زید کے والد اُن کی ٹوہ لگا کر حسب رواج تاوان کی رقم لیکر آتے ہیں کہ روپیہ دیکر بیٹے کو چھڑا لیجائیں۔ آکر دیکھتے ہیں کہ جنگل میں آزادی کی ہوا کھانے والا اور شاہی نسل پر فخر کرنے والا اگرچہ غلام تو نہیں رہا مگر محبت کی قید میں ایسا آگیا ہوا ہے کہ یہ آزادی کو پسند کرتا ہے نہ باپ سے ملنا چاہتا ہے نہ گھر کو جانا چاہتا ہے۔ کہتا ہے:

گل بے رُخ یار خوش نباشد	بے بادہ بہار خوش نباشد
طرف چمن و ہوائے بستاں	بے لالہ عذار خوش نباشد
از قید کمند گیسوئے یار	آزادی یار خوش نباشد

غرض اس بندۂ عشق نے جو صحیح معنوں میں بندۂ عشق شدی ترک نسب کن جامی کے اصول پر کاربند ہوا۔ رسول پاک کا دامن پکڑا تو تمام عمر گذار دی اور اس دامن کے سایہ سے علیحدہ نہوا۔ تمام کو تکلیفوں اور مصیبتوں اور صعوبتوں اور دشواریوں کے اندر جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپکے ہمراہیوں پر بعثت کے وقت سے تمام آخیر پیش آتی رہیں۔ یہ بندہ خدا برابر کا شریک رہا۔ حتی کے وہ دن جسکو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تمام عمر میں سب سے زیادہ صعوبت اور دشواری کا دن قرار دیا ہے یعنی جس دن اہل طائف کو خدا کا نام سنانے کیلئے تشریف لے گئے ہیں اسدن بھی جو شخص اس کٹھن منزل میں آپ کا رفیق تہا وہ یہی حضرت زید تھے۔

حضرت ابوطالب اور بی بی خدیجہ کا انتقال ہوچکا تھا نہ باہر کوئی حامی تہا نہ گھر میں کوئی غمگسار۔ مکہ والے آپ کی اور آپکے ہمراہیوں کی کمزوری اور بیکسی سے اور دلیر ہوگر رات اور دن کا کوئی وقت ایذارسانی اور دشنام دہی سے خالی نچھوڑتے تھے۔ خصوصاً حقیقی چچا ابولہب اور ان کی بیوی نے وہ آفت ڈھائی تھی کہ باہر جائیں تو شہر کے اوباشوں کو مارپیٹ کی ترغیب دیتے تھے نماز پڑھیں تو جسم پر نجاست پھینکتے تھے رات کو آپ کے راستہ میں کانٹے بچھا دیتے تھے۔ آپ ہر طرف سے مایوس ہوئے اور ہر طرح سے تنگ آگئے تو طائف جانے کا ارادہ کیا۔ وہاں کے سردار تین بھائی تھے اُن کے پاس پہنچے خدا کا پیغام پہنچایا دین حق کی امداد کو بلایا وہ بولے خدا کو کوئی بھلا آدمی نہ ملتا تہا کہ تیری جیسے کنگلے کو پیغمبر بنا کے بھیجا۔ ہنسی میں اُڑایا دھتکار کر نکالدیا اور لونڈوں کو پیچھے لگا دیا۔ وہ رستہ کے دونوں طرف

صفین باندھکر کھڑے ہو گئے جو قدم اٹھاتے اپر پتھر اور جور کہتے اس پر اینٹ برستی۔ زید جسطرف پتھر آتا دیکھتے دوڑکر اپنے تئین آڑ بناتے۔ نشانہ حضرت کا تمام جسم تھا زید آگے بڑھتے تو ان کے سر پر لگتا: دونوں لہولہان ہو گئے گرتے اوراٹھتے دوڑتے اور بھاگتے شہر سے باہر ایک باغ مین پہنچ تو ظالمون سے پیچھا چھوٹا۔

انصاف سے دیکھو ایسا ایسے جانباز عاشق حسن یوسفی نے کہان پیدا کئے۔ جس جمال باکمال کی شمع پر یہ پروانے نثار ہوئے اگر اس کے ظاہری حسن کا جلوہ دیکھنا ہو تو جابر بن سمرہ سے پوچھو جو کہتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چاندنی رات مین دیکھا۔ کبھی چاند کیطرف نظر اٹھائی کبھی آپ کے چہرہ پر آنکھیں جمائیں بہتیرا غور کیا مگر مجھے ہر دفعہ حضرت کا چہرہ چاند سے فائق نظر آیا۔ برا بن عازب سے پوچھو جنسے کسی شخص نے کہا کہ کیا حضرت کا چہرہ تلوار کی طرح چمکتا تھا فرمایا نہیں چاند کیطرح منور تھا۔ مین نے آپ سے زیادہ حسین کسیکو نہیں پایا۔ ہند ابن ابی ہالہ سے دریافت کرو جو کہتے ہیں۔ آنحضرت کے چہرہ سے عظمت وشان نمایاں تھی اور بدر کامل جیسی روشنی۔ گردن مبارک چاندی جیسی صاف گڑیا کی گردن معلوم ہوتی تھی۔ ابوہریرہ سے پوچھو جو کہتے ہیں جسم مبارک ایسا گورا تھا گویا چاندی کا بنا ہوا ہے۔ ابن عباس سے پوچھو جو کہتے ہین آپ کے دندان مبارک چھدرے تھے اور کلام کے وقت دانتوں سے چمک پیدا ہوتی تھی۔ یہ سب کچھ تھا مگر حقیقت مین مقناطیسی کشش صرف جمال ظاہری نہ تھی۔ اس کا راز دیکھنا ہو تو اس دعا مین دیکھو جو حضرت نے طائف کے اوباشون سے نجات پانے کے بعد باغ مین پہنچ کر خدا سے مانگی ہے۔

آپ مکہ والون کے کفر وعناد سے ناشاد اور مایوس ہو کر طائف مین جاتے ہیں کہ وہیں کوئی اللہ کا بندہ حق کی آواز پر لبیک کہے اور دین ہنے کا مددگار ہو وہاں ایسی مصیبت سے دوچار ہوتے ہیں جو پہلے اور پیچھے کبھی دیکھی نہیں۔ وہان رہتے ہیں تو وہان کے بدمعاشوں سے سابقہ واپس مکہ کو تشریف لاتے ہیں تو یہان کے ظالمون کا سامنا کسی کے جسم میں دل اور دل کے اندر راحت کی تمنا اور تکلیف کی خلش محسوس ہوتی ہو تو دیکھے کہ ایسے وقت مین دل سے کیا دعا نکلتی ہے۔ اور جنکے ہاتھون ایسے راستبازون کو تکلیف پہنچتی ہے۔ ان کے لئے کیا آرزوئیں پیدا ہوتی ہیں۔ ایسے تمام حالات کا نقشہ آنکھوں کے سامنے جماکر اپنی دلی تمناؤں کا اندازہ کرو اور پھر اس فارس میدان صبر و رضا کے دل کی آواز سنو جو فرماتے ہیں۔ اللھم انی اشکو الیک ضعف قوتی وقلۃ حیلتی وھوانی علی الناس یا ارحم الراحمین انت رب المستضعفین وانت ربی الی من تکلنی ان لم یکن بک غضب فلا ابالی

اپنی طاقت کچھ نہیں۔ تدبیر کوئی نہیں، لوگ سب ذلیل سمجھتے ہیں۔ عرض حال کسے کروں تو کس سے کروں۔ تو سب سے زیادہ مہربان ہے جسکو لوگ کمزور سمجھیں تو اسکی بھی پرورش کرتا ہے۔ تونے مجھے کن لوگوں کے پلے ڈالا۔ مگر نہیں مولا اگر تو ناراض نہیں ہے تو پھر کوئی پروا نہیں ہے۔ یہ ہے وہ مقام تسلیم و رضا جو ہر طرح کے دنیوی مصائب سے بے پروا کر دیتا ہے اور ہر نیک و بد حالت کو خدا کا حکم قرار دیکر مصیبت میں راحت سے زیادہ شکر کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ جو بندہ اس امتحان میں پورا اترتا ہے وہ مولائے کریم تمام جسمانی اور روحانی طاقتوں کو اس کے سامنے زیر کر دیتا ہے اور آسمان کے زرین ستاروں اور زمین کے درخشندہ گوہروں کو اسکے جمال جہان آرا کا عاشق بنا دیتا ہے۔

تو ہم گردن از حکم داور مپیچ	کہ گردن نہ پیچد ز حکم تو ہیچ

نور جلال محمدی کا جلوہ دیکھا۔ شعاع قلب مصفا کی ضیا پاشی بھی دیکھو۔ جناب موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ید بیضا کی طاقت بخشی گئی عصائے اژدر صفت کی قوت دی گئی۔ اس نے اس زمانہ کے جادوگروں پر جو اثر دکھایا بیشک اپنی شان میں بے نظیر ہے۔ اُن کی آنکھوں نے حق کو باطل پر غالب آتے دیکھکر اور اُن کی آنکھوں نے راستی کو ناراستی سے پچھاڑتے دیکھکر اپنی مخلصانہ عقیدت کا اظہار کیا تو پھر ایسی پامردی دکھائی کہ دست و پا کو قطع کروایا۔ جسموں کو آہنی میخوں کیساتھ کھجور کے تنوں پر جڑوایا۔ اور اسی حالت کے اندر کئی کئی دن لٹکے رہنے کے بعد بھوک پیاس اور گرمی کی شدت سے جان دی مگر فرعون کی عظمت و جبروت کو حقیر جانکر جس خدائے قادر و قیوم کے آگے سجدہ کیا تھا اسکے دربار سے منھ نہ پھیرا۔ ساحرین فرعون رضوان اللہ علیہم اجمعین کی اس ثابت قدمی اور کوہ وقاری کا ذکر قرآن کریم میں دیکھکر دل پر عجیب کیفیت طاری ہوتی ہے اور یقین ہوتا ہے کہ جناب موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی عظیم الشان قوم بنی اسرائیل کی بجائے جنپر خدائے بزرگ کے بہت بڑے بڑے انعام نازل ہوتے رہے ہیں۔ ان ساحرین کی جماعت کو بارگاہ باریتعالیٰ میں نہایت فخر و مباہات سے پیش کریں گے اور اپنی خدمات مرسلانہ سے سرخروئی کیساتھ عہدہ برآ ہونیکے ثبوت میں ان جانبازوں کے کٹے ہوئے ہاتھ پیر اور چھدے ہوئے جسم دکھا کر شایان شان صلہ اور انعام کے امیدوار ہوں گے۔ ان شیران بیشہ صداقت کے زریں کارناموں پر جناب موسیٰ علیہ السلام کا قلب مبارک جسقدر مسرت و انبساط سے معمور ہوتا ہوگا اسیقدر انکو اپنی قوم کے خیال سے حسرت و یاس پیدا ہوئی۔ ان کی قوم پشت ہا پشت سے حق و صداقت کی علمبردار چلی آتی ہے۔ اور انہی کو فرعون کے ظلم سے نجات دلانے کیلئے جناب موسیٰ علیہ السلام مبعوث ہوئے ہیں۔ وہ لوگ جب ظالموں کے

تیغ سے نجات پاتے ہیں اور خدائے قدوس کا وعدہ ظالمونکو تباہ کرنیکا یاحسن وجوہ پورا ہوکر انکے ایمان کو تازہ کرتا ہے تو بجائے شکرگذار ہونے کے ناشکری کا اظہار کرتے ہیں۔ خدا کا حکم ہوتا ہے کہ ایک ارض مقدس پر ہمارے منکرون کا قبضہ ہے انکو وہان سے نکالو اور خود متصرف ہوکر اس زمین کی برکتوں سے لطف اُٹھاؤ تم کو وہان حکومت عزت اور ہر طرح کی نعمتوں سے بہرہ ور کیا جائیگا۔ مگر وہ ایک عرصہ تک غیرون کی ماتحتی اور غلامی میں بسر کرتے رہنے سے ایسے پست ہمت اور اپاہج ہو چکے ہیں کہ اپنے اندر معرکہ آرائی اور نام آوری کی جرت نہیں پاتے۔ نہایت کمینہ پن سے جواب دیتے ہین کہ وہان تو بڑے زبردست لوگ بستے ہیں جب تک وہ وہان ہیں ہم اس سرزمین پر قدم بھی نرکھ سکینگے۔ موسیٰ تم اور تمہارا خدا جاکر انسے لڑو ہم یہیں بیٹھے تماشا دیکھینگے۔ ملک خالی کر چکو گے تو چلے چلین گے۔ ایسی بے ہمتی پر خدا کا انعام کیا ملسکتا تہا۔ حکم ہوا کہ اچھا جنگلون میں مارے مارے پھرو۔ تمھارے لئے کوئی اچھا ٹھکانا مہیا نہ کیا جائیگا۔ اس حالت میں پورے چالیس برس گذر جاتے ہیں۔ اگرچہ جنگل میں وہ رازق مور و مار انکے خورونوش کا اہتمام اپنے دست قدرت سے کرتا رہتا ہے مگر اُس تمام نسل کو جو غلامی کی حالت مین پیدا ہوکر جوان ہوئی تھی اسی جنگل میں ختم کردیا جاتا ہے نئی نسل آزادی کی ہوا میں اور جنگل کی پر آفات زندگی میں پیدا ہوکر جوان ہوتی ہے تو وہ حوصلہ اور جرأت دکھا سکتی ہے جس کے ظاہر کرنے میں ان کے بزرگ ناکام رہے تھے۔ حضرت موسیٰ کے جانشین انھین لیکر ارض مقدس پر حملہ آور ہوتے ہیں اور خدا کا حکم بجالاکر کئی پشت تک اسکے انعامونکا لطف اٹھاتے رہتے ہیں۔ مگر ید بیضا اور عصائے اژدرنما کا معجزہ دکھانے والا قومی ترقی کی پاکیزہ تمناؤن میں ناکام رہ کر اپنے ہمراہیون کے ساتھ جنگل کے اندر حسرت و یاس کی موت سے دوچار ہوتا ہے اور قوم کے بام ترقی پر جلوہ افروز ہونے کا نظارہ نہیں دیکھ سکتا۔

اب ہماری سرکار اور ان کے جاں نثار ہمراہیون کو دیکھو۔ مکہ والونکا کچھ حال سُن چکے ہو۔ وہان جو اس گل گلستان رسالت کا بلبل بنتا تہا۔ اسی طرح کے خارون سے اپنے حلقوم کو چھلنی کرتا تہا۔ پوری تیرہ سال تک ان چند برگزیدہ بندون پر شہر اور نواحی شہر کی تمام بیدردآبادی نے ہر طرح کی آفت ڈھائی۔ جان سے مارا زخمی کیا قید کیا کھانے کو نہ دیا۔ گالی گلوچ کی۔ میل جول چھوڑا۔ رشتے ناطے چھوڑے۔ اور ایذادہی کا کوئی دقیقہ باقی نہ رکھا۔ مگر ہر ایک جوانمرد نے خواہ وہ بوڑھا تہا یا جوان یا بچہ وہی پامردی اور استقلال دکھایا جو قرآن کی تعلیم بے سلاح ساحرین فرعون کی نسبت سُن چکے تھے۔ انکے بعد مدینہ والون کی باری آئی۔

نہ تنہا عشق از دیدار خیزد	بسا کین دولت از گفتار خیزد

وہان محبوب خدا کی نام کی شہرت نے کئی محبان صادق پیدا کر دیئے تھے۔ وہ اس شمع سے اپنا کاشانہ منور کرنا چاہتے ہیں اور حج کے موقع پر ستر آدمی درخواست لیکر حاضر خدمت ہوتے ہیں۔ کہاجاتا ہے ہمیں لیجانا آسان نہیں۔ ہماری تمام قوم بر سر پرخاش ہے اور عرب میں سب سے زیادہ معزز اور صاحب اثر ہیں ملک کے اکثر امرا اور شیوخ انکے ہم آہنگ ہیں۔ ابتک تو وہ سمجھتے ہیں کہ کمزور ہستیان ہیں چند روز میں رگیدہ رگیدکر مار ڈالیں گے۔ تم ہمیں لیچلوگے تو تمہارا شہر ہوگا اور تمام عرب کا نرغہ اسکی ہمت ہے اور اپنی جان کو ہمارے لئے سپر بنا سکتے ہو تو لیچلو۔ وہ کہتے ہیں ہم آپکی حفاظت مین پامردی دکھائیں اور جانیں آپ پر نثار کرین تو انعام کیا پائیں گے۔ اس کے جواب مین نہ کسی ارض مقدس کی امید دلائی جاتی ہے۔ نہ چشمون باغوں اور خزانوں کے اشتیاق سے گرمایا جاتا ہے۔ کہاجاتا ہے تو یہ کہ دنیوی فوائد کی نیت سے جان بازی دکھاؤ تو خدا کے نزدیک کچھ عزت نہ پاؤگے۔ ہان تمام عمر رنج و بلا میں بسر کرو۔ دل و جگر کو تیر جفا سے چھلنی بناؤ تو مرنیکے بعد ضرور بہشت میں جاؤگے۔ وہ کہتے ہین بس ہے ہاتھ بڑھایئے اور بیعت لیجئے۔ قسمیں کھاتے ہیں جان نثاری کا وعدہ کرتے ہیں اور خوش خوش واپس ہوتے ہیں۔ پیچھے پیچھے بے وطنوں کا قافلہ پہنچتا ہے تو اسکی مہمانی مین وہ فیاضی دکھاتے ہیں کہ چشم فلک نے کبھی دیکھی نہیں۔ ایک ایک مہاجر کو ایک ایک مدنی بھائی بناتا ہے۔ کہتا ہے آدھا گھر لو آدھی زمین لو آدھا مال واسباب لو اور اگر کسی کے گھر میں دو بیویاں ہیں اور اسکا مہمان تنہا ہے تو کہتا ہے ایک بیوی کو طلاق دیتا ہون اس سے نکاح کرلو۔ مگر مہاجر بھی دنیا کی لالچ سے نہیں گئے وہ کہتے ہین سب کچھ تمھیں مبارک رہے۔ بازار کا رستہ بتادو خرید فروخت کریں گے۔ ٹکڑا کما لیں گے۔ یا ایک کلہاڑی اور رسی دیدو جنگل سے لکڑیان لاکر بیچ لین گے مگر تمھیں تکلیف نہ دیں گے۔

اب اُس اندیشہ کا وقت آتا ہے جس کی سب کو فکر تھی۔ دشمن انکی امن جگہ پر پہنچنے سے تلملا رہے تھے اور جو کمزور مکہ سے نہیں نکل سکے انھیں اور بھی ستا رہے تھے مسلمان ان کی رہائی کیلئے بیچین تھے۔ کفار پنجرہ سے اڑجانے والونکو دوبارہ گرفتار کرنا چاہتے تھے۔ ایسی کوششون کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہزار آدمی کی جرار فوج پوری تیاری کیساتھ حملے کیلئے پیش قدمی کرتی ہے۔ یہانکی وہ مختصر آبادی جو مسلمان ہوچکی ہے صرف تین سو تیرہ مرد مہیا کرتی ہے اور سامان جنگ اس تعداد کیلئے بھی پورا نہیں۔ تمام فوج میں تین گھوڑے ہیں۔ ستر اونٹ ہیں۔ چھ شخص زرہ پوش ہیں اور صرف

آٹھ کے پاس تلواریں ہیں۔ سفر کرتے ہیں تو ایک ایک اونٹ پر تین تین آدمی باری سوار ہوتے ہیں۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت علی اور زید ابن حارثہ شریک ہیں وہ عرض کرتے ہیں کہ آپ نہ اُتریں آپ کی نوبت پر ہم ہی پیدل چلیں گے آپ فرماتے ہیں تم مجھسے زیادہ قوی نہیں ہو نہ ثواب کی خواہش مجھسے زیادہ رکھتے ہو تو میں تکلیف میں کیوں نہ شریک ہوں۔ دشمن کے لشکر میں سو گھوڑے ہیں سات سو اونٹ ہیں۔ ہتھیار سب کے پاس ہیں اور سواروں کے علاوہ پیادہ بھی اکثر زرہ پوش ہیں۔ گانے بجانے اور شراب پینے کا سامان ساتھ ہے۔ ہر منزل پر ایک ایک سردار فوج کو کھانا دیتا ہے اور دس اونٹ ذبح کئے جاتے ہیں۔ اپنا اور دشمن کا ایسا بڑا تفاوت دیکھکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمراہیوں سے مشورہ لیتے ہیں۔ مہاجرین میں سے حضرت ابوبکر و عمر تقریر کرتے ہیں جس سے حضرت خوش ہوتے ہیں مدینہ والوں میں سے سعد بن عبادہ کھڑے ہو کر کہتے ہیں یا رسول اللہ ہم نے آپکی ہمراہی کا وعدہ کیا ہے آپ پہاڑ پر چڑھ جائیں سمندر میں اُتر جائیں ہم ساتھ رہینگے۔ مقداد ابن عمرو کھڑے ہوتے ہیں اور کہتے ہیں یا رسول اللہ ہم بنی اسرائیل نہیں کہ کہیں! تم اور تمھارا خدا جا کر لڑو ہم بیٹھے رہیں گے نہیں ہم عرض کرتے ہیں آپ خدا کی مدد سے آگے بڑھیں ہم آپ پر جانیں نثار کریں گے۔ مشورہ کی ضرورت نہیں۔ آپ حکم دیں کوئی مدنی اختلاف نہ کریگا۔ یہ قول تھا جسکی فعل نے تصدیق کی اور جنگ میں ایسی فتح پائی جو فیصلہ کن سمجھی گئی یعنی پہلے مسلمانوں کی کوئی ہستی نہ تھی اس جنگ سے انکی طاقت تسلیم ہونے لگی اور قبائل عرب۔ گر کئے انکی حمایت کرتے تھے تو بعض باوجود مسلمان نہونیکے انکا حلیف بننے کے خواہشمند ہو گئے۔

ایسی بے سامانی اور قلت میں باسامان کثرت کا مقابلہ صرف یہیں نہیں پیش آیا۔ کسی مہم میں سامان رسد کی ایسی قلت نظر آتی ہے کہ تمام سفر میں ہر سپاہی کو کھانے کے لئے آٹھ پہر کے بعد صرف صرف ایک ایک کھجور تقسیم ہوتی ہے۔ کسی مہم میں گرمی کی ایسی شدت ہے جو گویا مومن و مخالف میں تمیز کرنے کیلئے خدا کی طرف سے خاص طور پر مامور ہوئی ہے۔ مگر یدِ بیضائے محمدی کا ارشاد پانے والے کسی تکلیف اور رنج کے عذر پر ہم رہی میں قصور اور جانبازی میں کوتاہی نہیں کرتے۔ جنگ احد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک پر تکلیف اور زحمت پیدا کرنے میں طائف کو جانے کے دن سے دوسرے درجہ پر شمار ہوتا ہے اور صحابہ کرام پر صعوبات نازل کرنے میں سب سے زیادہ سخت سمجھا جاتا ہے ایک پہاڑی درہ پر پہرہ دینے والوں نے غلطی کی اور دشمن کی بہت بڑی جماعت نے مسلمانوں پر عقب سے حملہ آور ہو کر

کشتوں کے پشتے لگا دیے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک خندق میں گر گئے۔ دندان مبارک شہید ہو گئے۔ خود کی دو کڑ
رخسار میں ایسی گڑ گئیں کہ ابو عبیدہ بن الجراح نے انکو دانتوں سے پکڑ کر کھینچا اور ایک کڑی کھینچا تھا انکا ایک دانت
دوسری کھینچا تو دوسرا دانت ٹوٹا تو کڑی باہر آئی۔ ادھر لشکر میں یہ خبر مشہور ہوئی کہ آنحضرت شہید ہو گئے۔ اس آواز
جیسی پریشانی پیدا کی بیان نہیں ہو سکتی۔ اپنی اپنی جگہ سب کے اوسان ہو گئے ہر شخص کا طرز عمل دوسرے سے جدا گا
تھا۔ ہم نے تاریخ دیکھی ہے۔ سردار لشکر کا مارا جانا یا اسکی موت کا مشہور ہونا بلکہ اس کا ہاتھی سے اتر کر گھوڑے پر سوار
ایسی ابتری ڈالتا ہے جسکا تدارک نہیں ہو سکتا۔ مگر وہاں کیا ہوا بہت سے ہمت ہار بیٹھے۔ دو چار شہر کو بھی چلے گئے۔ مگر
جوانمرد ایسے نکلے جنہوں نے بگڑتے کام کو سنبھال لیا۔ انس بن نضر نے جب یہ آواز سنی تو پاس والوں سے کہا یار رسول
نہ رہے تو جینے کا مزہ کیا چلو ہم بھی انہیں کے پاس پہنچیں۔ ہمراہی پیچھے ہوئے آپ تلوار سونت کر آگے بڑھے۔ رستہ میں سعد
ابی وقاص سے دو چار ہوئے بولے دیکھو پہاڑ کے اوپر سے بہشت کی خوشبو آرہی ہے۔ ہجوم میں جا گھسے اور جسم پر ستر
کھا کر شہید ہوئے۔ زخموں کی کثرت سے لاش پہچانی نہ جاتی تھی۔ انگلی پر ایک خال تھا ان کی ہمشیر نے اس سے پہچ
حضرت علی فرماتے ہیں۔ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شہید ہونے کی آواز سنی تو تمام میدان میں چار دا
تلاش کی اور ہر لاش کو دیکھا جب نہ پایا تو خیال آیا کہ شاید فرشتے جسد مبارک کو آسمان پر لے گئے ہیں کہ کوئی بے ادبی
آخر خندق پر پہنچا تو حضرت کو سلامت پا کر شکر الٰہی بجا لایا۔ لڑائی گھمسان کی ہو رہی تھی میرے جسم پر تلوار کے سولہ زخم
چار ایسے کاری تھے کہ بیہوش ہو کر گرا اور ہر بار ایسا معلوم ہوا کہ کسی نے پکڑ کر کھڑا کر دیا ہے اور کہتا ہے دشمن کو ، کہ تم خدا
رسول کی اطاعت میں ہو اور وہ دونوں تم سے خوش ہیں۔ ایک ظالم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر تلوار کا وار
حضرت طلحہ نے جھپٹ کر وہ ضرب اپنے ہاتھ پر لی۔ ہاتھ ہمیشہ کیلئے شل ہو گیا پھر آگے بڑھکر اسقدر لڑے کہ آپ کے جسم
زخموں کا شمار اسّی تک پہنچا۔ ایک زخم سے بیہوش ہو کر گرے حضرت ابو بکر نے دوڑ کر منہ میں پانی ڈالا۔ آنکھ کھولتے
رسول اللہ کا کیا حال ہے۔ کہا بخیر و عافیت ہیں۔ آپ ہی نے مجھے تمہارے پاس بھیجا ہے بولے الحمد للہ آپ سلامت
تو مجھکو کسی بلا کا ڈر نہیں۔

(باقی آئندہ)

معزز اخبار "مشرق" گورکھپور کی رائے عالی

القاسم دیوبند کا خاص نمبر

محرم الحرام ۱۳۴۵ھ کا پہلا نمبر دار العلوم نمبر کے نام سے شائع ہوا ہے سبحان اللہ و ماشاء اللہ کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے۔ ہم مولانا حبیب الرحمن صاحب عثمانی مہتمم دار العلوم اور مولانا طاہر بن احمد القاسمی کو مبارکباد دیتے ہین کہ یہ شاندار اور صوری و معنوی خوبیون سے مرصع و مہذب نمبر شائع فرمایا ہے اور اسکی قیمت صرف ۶ رکھی ہے۔ ٹائیٹل کے علاوہ ۸۰ صفحات پر اسکی اشاعت ہوئی ہے اور نہایت پاکیزہ مصفا کاغذ اور چھپائی تو خاص حصہ ہے اس نمبر مین ۸ بلاک نہایت صاف ستھرے دار العلوم کے ہین۔

ٹائٹل پر دار الحدیث کا بلاک سبز رنگ چھاپا گیا ہے جسکو دیکھکر آنکھیں روشن ہو جاتی ہین۔ اور اسی طرح سُرخ و زرد رنگ بلاک سب دیکھنے کے قابل ہین۔

سب سے زیادہ جو چیز مسلمانون کے دلون کو اپنی طرف کھینچنے والی ہے وہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھ کا ایک خط ہی جسکو پڑھکر ہر مسلمان مرحوم کی روح پاک کیلئے خدائے برتر سے دعائے خیر کرے گا۔ کہ مرحوم ہی کی محنت و محبت اسلام کی یادگار دار العلوم دیوبند ہے۔

اس نمبر مین بھی اچھے اچھے مضامین ہین اور سچ بات یہ ہی کہ اسکی پرانی جلدون میں بھی ایسے پاکیزہ اور دلچسپ معرکۃ الآرا مضامین موجود ہین کہ شاید اب اس قسم کے مضمون نہ لکھے جائیں۔ ۶ر سالانہ قیمت کی کوئی حقیقت ہے۔ اس نمبر کے ہر مضمون پر اگر تبصرہ کیا جائے۔ تو بہت زیادہ جگہ اخبار کی کافی نہ ہوگی۔ یہ صرف دیکھنے کی چیز ہے اور کم سے کم ۶ر خرچ کرکے ہر مسلمان منگوا کر پڑھ سکتا ہی۔ اگر پسند نہ آئے اور اسلامی جذبات نہ پیدا ہون تو قیمت ہم سے واپس کر لیجائے۔

رجسٹرڈ نمبر

یادگار حضرت مولانا محمد قاسم النانوتوی رحمۃ اللہ بانی دار العلوم دیوبند

القاسم

دور جدید

جلد ۸ نمبر ۶

جمادی الثانی سنہ ۱۳۴۷

دار العلوم دیوبند کا علمی، مذہبی، اخلاقی، تمدنی، تاریخی، ماہوار رسالہ

(زیر ادارت)

فخر الہند حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب ناظم دار العلوم دیوبند

(باہتمام)

خاکسار طاہر بن احمد القاسمی نائب المدیر عفی عنہ

مطبع قاسمی دیوبند میں طبع ہوکر

دفتر القاسم دار العلوم دیوبند سے شائع ہوا

قیمت سالانہ دو روپیہ آٹھ آنہ (عہ) مع محصول ڈاک

فہرست مضامین رسالہ القاسم بابت ماہ جمادیٰ

بیادگار حجۃ الاسلام حضرت مولٰنا محمد قاسم قدس اللہ سرہٗ بانی

دار العلوم دیوبند

قدوۃ الانام حضرت مولانا الشاہ محمد اشرف علی صاحب و حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی

و دیگر مقدس و مقتدر علمائے دیوبند سے شائع ہوتا ہے۔

نوٹ۔ مراسلات میں نمبر خریداری ضرور تحریر کیجئے تاکہ تعمیل میں دقت نہو۔

مینجر



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

درس فنا

ابھی تک ہمارے اندوھگین قلوب حادثات دھر کی گذشتہ افتاد ورستم ظریفی سے مطمئن بھی نہ ہونے پائے تھے اور زخم خوردہ دلون کے لئے ابھی تک مداوا وچارہ کار بھی نصیب نہ ہوا تہا کہ زمانہ کی الم نوازی نے ایک تازہ ترین حادثۂ عظیمہ کی صورت مین زخمون پر نمک پاشی کردی۔

افکار وخیالات نے ابھی تک ایک بزرگ ہستی کی ماتم سنجی فراموش بھی نہ کی تھی کہ ایک دوسرا حادثہ اچانک دل ودماغ پر مستولی ہوگیا، حضرت محدث گنگوہی کے ایک جانشین کی صف ماتم ابھی تک علمی دنیا سے اٹھنے بھی نہ پائی تھی کہ ایک دوسرا خونچکان زخم قلب وجگر کے ایسا پار ہوا ہے کہ جس کے بعد جسد علمی کے پنپنے کی امید بھی ضعیف ہوگئی۔

القاسم ابھی تک اپنے ایک سرپرست کے غم فراق کو محو بھی نہ کرنے پایا تھا کہ اس کے سر سے سب سے بڑا سرپرست، ماوی وملجا ظاہر وباطن کا سہارا اچانک اٹھ گیا فانا للہ وانا الیہ راجعون =

ناظرین القاسم ایک مختصر ضمیمہ کے ذریعہ گذشتہ اشاعت القاسم سے یہ خون رلانیوالی خبر معلوم کرچکے کہ سرخیل کاروان اسلامیان مشتاقان دیدار قاسمی کے آنکھون کا سہارا دارالعلوم اور علمی دنیا کا سب سے بڑا محسن وپیشوا یعنی حضرت قاسم العلوم والخیرات کا اکلوتا لخت جگر اور خاندان قاسمی کا روشن چراغ حضرت مولانا الحاج حافظ محمد احمد صاحب نور اللہ

مصبحہ، کہ جن کا اسم گرامی اس سے پہلے ہمیشہ سرورق القاسم پر نمایاں طور سے لکھا جاتا تھا آج وہ دنیاوی آلائش و آلودگیون سے بالاتر آغوش پدر میں، خدائی رحمت و رضوان کے گہوارہ مین ہمیشہ کی میٹھی نیند [illegible]، [illegible] اور دنیا والوں کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے داغ مفارقت دیگئے۔

جدھر دیکھو صف ماتم بچھی ہوئی ہے۔ ہر طرف سے حسرت و غم بھری خبرون کے افسانہ [illegible] جارہے ہین۔ انجمن احباب افسردگی و پژمردگی کا ایک تصویر خانہ بنا ہوا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ یہ سب طبعیات انسانیہ کا مقتضی اور فطرت بشری کا نمونہ ہین کہ جسمیں ہم اور آپ سب برابر ہین لیکن کتنے ہین وہ حقیقت شناس قلوب کہ جو اس واقعہ ہائلہ اور اس جیسے تمام واقعات جان گسل سے کسی نتیجہ اور ثمرہ کو پہونچے یا پہونچتے ہون۔

اور کتنی ہیں وہ بصیرت افروز آنکھین کہ جو اس ظاہری سطح غم والم کو بصائر و عبر معارف و نتائج کی تہ مین دیکھتی ہین دنیا میں جو کچھ ہوا اور ہے اور ہوگا سب پر فنا طاری ہوئی اور ہوگی۔ نسل انسانی ہو یا حیوانی موجودات عالم سب کے سب موت و فنا سے ہمکنار ہوئے اور یکے بعد دیگرے ہونے والے ہیں۔

نبی اور رسول، بزرگ اور مقدس،، برگزیدہ اور مقرب بھی اسی دنیا میں آئے اور چلے گئے،،

ظاہری قوت و سطوت کے مالک۔ تخت و تاج پر ناز کرنے والے ایک حرکت قلم سے انسانی زندگی و موت کا فیصلہ کردینے والے بڑی بڑی قوتوں کے درمیان قلعون اور حصارون کے اندر بھی موت کے زبردست پنجہ سے نہ بچ سکے۔

بڑے بڑے فیلسوف و نکتہ رس دماغی نکتہ سنجیوں سے دنیا کو تصویر حیرت و استعجاب بنانے والے بھی اس دنیا میں پیدا ہوئے۔

لیکن اُن کی حیرت زا عقل و ادراک کے رسائی اور محیر العقول فہم و فراست کی جولانی بھی موت کی پیچیدگی تک نہ پہنچ سکی۔

غرض موت ہر شخص کے لئے مسلم اور فنا کا تعلق ہر ذی روح کے لئے ضروری و لابدی ہے۔ کل نفس ذائقۃ الموت

ہر کہ زاد بناچار بایدش نوشید		ز جام دہر مئی کل من علیہا فان	

لیکن حقیقت کی آنکھون سے دیکھنے والے ظاہر سے باطن کو جاننے والے اس دور فنا و بقا سے معلوم کہ کتنی کتنے سبق حاصل کرتے ہیں۔ نفس فنا اگر بقاء مطلق کا سبق دیتی ہے تو درجات فنا بھی اسی مناسبت سے اپنے اندر بصائر و عبر

نصائح و[...] کہتے ہیں۔ ہر مرنے والا خود تو دنیا سے چل بستا ہے لیکن اپنے حالات زندگی و سوانح حیات کے ذریعہ بعد والوں کے واسطے کچھ نہ کچھ سبق چھوڑ جاتا ہے تاریخ عالم میں جن لوگوں کا دور حیات اپنے اندر کوئی خصوصیت رکھتا ہے ضرور اس کی وفات بھی ایک درس عبرت چھوڑ جاتی ہے۔ تاریخ کے اوراق کو ٹٹولو اور دیکھو کہ جتنی بزرگ و مقدس ہستیوں کی سوانح حیات زینت اوراق بنی ہیں۔ سب کے سب اپنی وفات سے بعد والوں کے لئے ایک اسوہ اور طریقہ اور ایک جادۂ عمل چھوڑ گئے ہین۔

نبی اور عامی، مالک اور مملوک، راعی اور رعایا سب ہی اس سلسلۂ درس فنا و بقا میں جکڑے ہوئے ہین۔

لہٰذا اے میرے بزرگو! ہمارے سر سے اُٹھ جانے والا تقدس مآب انسان اس مین شک نہین کہ ہم سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جُدا ہو کر ہمارے لئے فراق و غم کی ایسی داستان چھوڑ گیا کہ جو ہمارے قرطاس قلب سے تا زندگی محو نہوگی، اور ہمارا ایک ایک آنسو اشک حسرت و غم بنکر فرش سے عرش تک صدائے درد و الم بلند کرتا رہیگا لیکن مسلمان کے واسطے مصیبت و الم رنج و غم ایک ابتلاء و امتحان ہے کہ جس پر ثبات و استقلال موعود اجر و ثواب ہے اور جزع و فزع۔ کرب و بے چینی موجب حرمان و خسران۔

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ
وَالْأَنفُسِ وَالثَّمَرَاتِ ۗ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ ۙ الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُم
مُّصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ○ أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ
صَلَوَاتٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ ○

اور البتہ ہم تم کو آزماوینگے تھوڑے سے ڈر اور بھوک اور مالوں اور جانوں اور پھلوں کی کمی سے۔ اور دے تو خوشخبری سنا ان صبر کرنیوالوں کو کہ جب انکو کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو بول اٹھتے ہیں کہ ہم اللہ ہی کے ہیں اور ہم اسی کیطرف لوٹنے والے ہیں۔ یہی ہیں جن پر رحمتیں ہیں۔ ان کے پروردگار کی طرف سے۔ اور یہی لوگ ہدایت یافتہ ہین۔

وہ حق و صداقت کا پیکر، تسلیم و رضا کا مجسمہ، ثبات و استقلال کا پتلا۔ دار نعیم کی اعلیٰ منزلوں مین اور جنت الفردوس کے اعلیٰ مقامات پر فائز و کامران ہوا اور اس کو عقبیٰ کی ایک زندگی نے دنیاوی زندگی کی آلودگیوں سے پاک اور ارفع کردیا کہ جس کی ایک زندگی دنیا کی ہزار زندگیوں سے بالاتر ہے ؎

کشتگان خنجر تسلیم را
ہر زمان از غیب جانے دیگر است

اب تم دیکھو کہ اس دار آخرت کی زندگی سے ہمکنار ہونے والے نے تمہارے لئے کیا چھوڑا۔ اور کس چیز کو تمہارے لئے طریق عمل بنایا اور کونسا نقش قدم تمہاری رہبری کے لئے چھوڑا۔

چونکہ ہر حادثہ اپنی صورت حال کے ذریعہ حقیقت کا ترجمان ہوتا ہے اسیطرح سے یہ فاجعہ عظمیٰ اپنی حال سے تمھارے لئے شاہراہ عمل بھی بتلا رہا ہے ۔ غور کرو اور سمجھو اور سوچو کہ وہ کون کون خوبیاں تھین کہ جنکا درس عمل تمھارے لئے کھلا ہوا ہی ۔

اور وہ کونسا نمونہ عمل ہے کہ جس کو آخر وقت مین تمھارے لئے شاہراہ بنا گئے ۔

اس شہید غربت کے واقعات زندگی ۔ انہماک خدمت علم دین بزرگون کے نقش قدم اور شاہراہ عمل کی جادہ پیمائی ۔ مصائب و تکالیف پر صبر و استقامت ۔ تحمل و بردباری ۔ رحم و کرم شفقت و مرحمت اور زندگی کے آخری لمحات کا رضاء الٰہی مین گذرانا ۔

عزیز و اقارب ۔ اہل و عیال ۔ فرزند و احباب سب سے علٰحدہ حالت غربت و مسافرت مین صبر و شکیبائی ۔ بشاشت و مسرت کیساتھ داعی اجل کو لبیک کہنا اور رضاء مولیٰ کے مقابلہ مین مادی تعلقات سے مستغنی ہوجانا یہ وہ سب اجمالی واقعات ہیں کہ جن کی طرف اشارہ ہم نے کر دیا ہے ۔ تفصیلی نظر آپ خود ڈالکر اپنے لئے نمونہ عمل بنا سکتے ہین ۔

ہر شخص کے احسانات و اکرامات اسکی حیثیت کے مطابق دو سرونپر ہوتے ہین کہ جنکے تشکر و امتنان سے عہدہ برآ ہونیکی سعی کرنا مقتضاء انسانی ہی ۔ لہذا اس بزرگ ہستی کے احسانات و اکرامات علمی ، نوازشات و عنایات مادی و پدری کا سلسلہ چونکہ اسدرجہ وسیع ہے کہ جسکا بار گران نہ صرف مسلمانان ہند کی گردن پر ہے بلکہ اقصاء عالم کے مسلمان اس بار گران کے رہین منت ہیں ۔ کہ جو حضرت قاسم العلوم والخیرات اور ان کے اس اکلوتے فرزند عزیز کے ذریعہ مسلمانونپر ہوئے ہیں کہ جن کی تفصیل کی احتیاج ہے ۔ نہ وسعت ، لہذا اے بزرگو ! اب تشکر و امتنان سے عہدہ برآئی کی واحد شکل یہ ہے کہ روحانی طور سے دعا و ایصال ثواب سے انکی ترقی درجات کی سعی کرنا ظاہری طور سے ان کی علمی و نسبی نشانیون اور یادگارون کی یاد کو دل سے نہ بھولنا ۔ و آخر دعوانا ان الحمد للہ

رب العالمین

ہدیۂ عقیدت

ببارگاہ ظل سبحانی سلطان العلوم اعلحضرت تاجدار دکن خلد اللہ ملکہٗ

آج جبکہ ہر چہار گوشہائے ملک سے سلطان العلوم تاجدار دکن خلد اللہ ملکہٗ کی آمد پر غلغلہائے مسرت و انبساط بلند ہو رہے ہیں اور ہندوستان کے اسلامی اخبارات اور مذہبی جرائد اپنے اپنے جذبات و عقیدت کا اظہار صفحات قرطاس پر نہایت روشن طریقہ سے کر رہے ہیں۔

جس جریدہ و اخبار کو دیکھئے ایک خاص جذبہ اسلامی کے ماتحت خصوصی نمبر نکال رہا ہے اور اس طریقہ سے اپنے جذبات عقیدت کو درگارہ خسروی تک پہنچانے کا متمنی نظر آتا ہے۔

لہذا ایسے وقت میں جبکہ مسلمانوں کی گم شدہ دولت کی یادگار "تاراج شدہ حکومت و سلطنت اسلامی پر آنسو بہانے والوں کے دل کا سہارا" اور موجودہ بے کسی و بے بسی وکس مپرسی کے عالم میں مسلمانوں کے اوج رفعت کی جھلک دکھلانے والا" اسلامی حکومتوں کی زندہ نظیر" عظمت و شوکت اسلامی کی ایک مثال" سلطنت مغلیہ کا ایک درخشندہ ستارا" اکبر و عالمگیر کی جلالت و عظمت کا ایک نشان" مشرقی علوم و فنون اور اسلامی تمدن و تہذیب کا نگہبان و محافظ"

دولت عثمانیہ کا مالک امیر الاسلام والمسلمین سلطان العلوم امیر **عثمان علی خان** تاجدار دکن خلد اللہ ملکہٗ نہضت فرمائے دہلی ہو رہے ہیں کہ جس سے مسلمانوں کی مٹی ہوئی دولت و حکومت عظمت و رفعت کی یاد تازہ ہو گئی ہے۔ اور دہلی کے کھنڈر اور جنگلات اور ویران شدہ عمارتیں جو سالہا سال سے اپنے بسنے والوں پر اشکہائے حسرت بہا رہی تھیں آج وہ بھی اس فرمانروائے اسلام کی قدم رنجہ فرمائی سے عشرت کدہ بہجت انبساط بنی ہوئی ہیں ہم گوشہ نشین و خلوت پسند گمنامی کو شہرت پسندی پر ترجیح دینے والے اس ناصر اسلام و المسلمین محافظ علوم الاسلام والدین سلطان العلوم تاجدار دکن آصفجاہ سابع خلد اللہ ملکہٗ و سلطنتہٗ کی آمد پر صفحات کاغذ کے بجائے عقیدتمند قلوب کو فرش راہ بناتے ہیں۔ اور وسائط قلم کو صاف و بے لوث جذبات کی ترجمانی کے لئے غیر کافی تصور کرتے ہوئے اپنے کامل عقیدت و محبت کے اظہار کو خدائے قدیر کے روبرو پیش

کرتے ہیں۔ اور دست بدعا ہیں کہ اے زمین وآسمان کی حکومت والے، اور اے لوح وقلم کے [illegible]، اور اے عرش سے فرش تک کے حکمران، سب بڑائیاں تیرے لئے ہیں اور تو ہی تمام کا مستحق ہی، حمد وثنا کا منتہا تو ہی ہے، اور تجھ ہی پر تمام تعریفین ختم ہیں۔

انسان بھی تیرا ہی مظہر اور تیرے ہی اوصاف کا ایک نمونہ ہی۔ انسانی اخلاق حسنہ۔ اور بشری عادات حمیدہ کی تعریف وتوصیف کا محور ومرکز بھی تو ہی ہے۔ پس اے خدائے قدیر وتوانا۔ تو مالک ہی اور معطی ہی تو رازق ہے اور منعم ہے۔ شکر سے تو خوش ہوتا ہے اور کفران سے ناراض، اطاعت وفرمانبرداری تیری یہاں مقبول ہیں۔ اور نافرمانی وعدوان تیرے قہر وغضب کا باعث۔ اپنے خاص فضل وکرم سے ہم مسلمان پژمردہ دلوں کی ڈھارس اور اسلام کی عزت وحرمت کی امیدگاہ تیرے نام لیواؤں کی قوت ودستگاہ تیرے نام فدا ہونے والے "حضور ہاشمی کے دین ومذہب کی حفاظت واعانت کرنے والے" اپنے خلیفہ کے خلیفہ کی نسبی یادگار **میر عثمان علیخان** خلد اللہ ملکہ وسلطنتہ کے مدارج اقبال ودولت میں ترقی فرما کہ جسکے ذریعہ تیرے لاکھون بندے عافیت واطمینان کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ اور جن کے سایہ عاطفت مین سیکڑون علمی مدارس اور مذہبی درسگاہیں نشر واشاعت علوم کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔

اور اے گردش لیل ونہار کو اپنے احکام واشارے سے چلانیوالے۔ اپنے اس خادم مذہب کی ملک وسلطنت کو حوادثات دھر سے مصئون ومامون رکھ کر تا گردش لیل ونہار قائم ودائم رکھ، کہ جس نے تیرے نام کو بلند کرنے کے واسطے کفرستان مغرب (لندن) میں عظیم الشان مسلمانوں کی عبادت گاہ (مسجد) بنوائی) اور جس نے تیرے محبوب کی خوابگاہ (روضہ اقدس) کی آرائش کے لیے ایک گرانقدر خدمت کی اور جسنے بیت المقدس کی مسجد اقصیٰ کی مرمت کرائی اور جسکی فیاضی اور جود وعطا نے مسلمانون کے معابد ومدارس ومکاتب ومساجد معمور ومشکور (ہیں)۔ اور اے انسانی قلوب کے مالک اور تمام قوتون پر حکمران اپنی قدرت کاملہ اور حکومت غالبہ کی بدولت اس مجاہد اسلام وساعی مذہب کو تمام مقاصد عالی اور مہمات ملکی مین کامیاب وفائز المرام فرما۔ اور اسکے مخالفین ومعاندین کو مقہور ومغضوب فرما۔ اور اسکے آفتاب اقبال ودولت کو تا ابد درخشان وتابان

آمین یا رب العالمین +

ظل اللہ عثمان

خلد اللہ ملکہ وسلطنتہ

من ابن مسعود عبدالرشید محمود الانصاری الگنگوہی

علیکم یا امیر المومنینا	سلام من جمیع المسلمینا

امیر المومنین! آپ پر سلام ہو تمام مسلمانوں کی طرف سے

وانتم طبتم دوماً مداماً	ودمتم ایہا السلطان فینا

آپ خوش رہیں اور آپ کا وجود باجود ہمیشہ ہم میں سلامت رہے

جرت ابحار فیضکم علینا	ویروی منہ کل العاطشینا

آپ وہ ہیں کہ جن کے فیض مسلمانوں پر ہمیشہ رہے اور اس سے پیاسے آآکر سیراب ہوتے ہیں

عیون قد جرت شرقا وغربا	بکم للناس والمتعلمینا

مشرق اور مغرب میں آپ کی فیاضی کے چشمے لوگوں اور خصوصاً طلباء کیلئے جاری ہیں

سما عقلا وفضلا ثم فطنا	علی اقرانہ المتدبرینا

آپ علم وفضل اور فطانت وتدبر میں اپنے ہمعصروں پر بلند ہیں

وفی جود واعطاء عمیم	تفاق علی جمیع الوالیینا

عالم سخاوت میں تمام والیان ریاست پر فائق ہیں

وشید بہ قصور العلم طراً	ودک بہ حصون الجاہلینا

آپ ہی کے ہاتھوں قصور علم مستحکم اور جاہلوں کے قلعے توڑے گئے

فلما کان ذا فضل وعلم	یکرم اہل علم اجمعینا

چونکہ آپ صاحب علم وفضل ہیں اس لئے اہل فضل کی قدر ہی فرماتے ہیں،

نظرتُ فما وجدتُ لہ مثیلا ‏ — ‏ لعلم اللہ خیر الحامینا

میں نے بہت غور کیا لیکن آپ جیسا علوم دینیہ کا حامی نہیں پایا

یُشیع علوم اسلام ویحی ‏ — ‏ جمیعَ فنونہ ویُعینُ دینا

آپ علوم کی اشاعت فرماتے ہیں، فنون اسلامی کو زندہ کرتے ہیں اور اعانت دین میں مصروف ہیں

هنیئًا للعلومِ وطالبیها ‏ — ‏ قدومُ جلالةِ السلطان فینا

علوم اور طالبان علوم کو میں مبارکباد دیتا ہوں کہ شہریار دکن آج ہم میں ہیں

تراہ منبت العلماءِ طرًّا ‏ — ‏ ووُرّاثا لخیر المرسلینا

آپ اس جگہ تو علماء کا منبت اور رسول اللہ صلعم کے وارثوں کا مقام دیکھیں گے۔

جرت فیضًا ہم عُربًا وعُجما ‏ — ‏ وقلّ مثیلهم فی الاوّلینا

ان لوگوں کا فیض عرب اور عجم میں پھیلا اور پہلوں میں بھی ان جیسے کم ہی ہوئے۔

اُولٰئك كلهم اقطابُ دینٍ ‏ — ‏ فلا امثالهم فی الآخرینا

جو لوگ اقطاب دین ہیں ان کی مثال آخرین میں نہ تلاش کیجئے۔

فلا ادری اُهَنِّئُ دار علمٍ ‏ — ‏ بظل اللہ ملكَ المسلمینا

میں نہیں سمجھتا کہ اس جگہ کو شہریار دکن کے قدوم کی وجہ سے مبارکباد دوں

اَمِ السلطان ذا جاہٍ علیٍّ ‏ — ‏ اقام بمسکن العلماء حینا

یا خورشید یار کو کہ وہ آج مسکن علماء میں تشریف لائے ہیں

الا یا معشر الاخوان فادعوا ‏ — ‏ لِطول بقائہ فی المسلمینا

دوستو! حضور نظام کے لئے دعا کرو

ادام اللہ محیاہُ وبوّا---- ‏ ‏ ----ہُ من افضالہ حصنًا حصینا

حق تعالیٰ ان کو سلامت رکھے اور محفوظ و مصئون،

وقاہُ اللہ من کل البلایا ‏ — ‏ وآفاتٍ وشرّ الحاسدینا

اور تمام بلایا آفات اور شر حاسدین سے بچائے

فنختم بالصلوٰة علی رسولٍ ‏ — ‏ کریم الخلق ختم المرسلینا

اب میں اس قصیدہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجکر تمام کرتا ہوں

رسالت محمدی صلعم

گذشتہ سے پیوستہ

حضرت سعد بن ابی وقاص اور ابوطلحہ انصاری نے اپنے تئین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سپر بنایا۔ دونو پورے تیر انداز تھے۔ سعد کے ہر تیر پر رسول اللہ شاباش فرماتے تھے اور دعا دیتے تھے آپ کا کوئی تیر خالی نہین گیا۔ ابوطلحہ کے ہاتھین اس کوشش کے اندر دو یا تین کمانین ٹوٹین آنحضرتؐ جس شخص کے پاس ترکش دیکھتے فرماتے اپنے تیر ابوطلحہ کے آگے ڈھیر کر دو۔ حضرت انہین خود تیر اٹھا کر دیتے تھے اور وہ ہر بار کہتے تھے یا رسول اللہ میری جان آپ پر قربان ہو۔ حضرت فرماتے تھے میدان جنگ مین ابوطلحہ چالیس آدمی کے برابر ہین۔ وہب بن قابوس مزنی نے تین جماعتون کو جو یکے بعد دیگرے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ آور ہونے کیلئے بڑھین یکہ وتنہا شکست دی آخر مین ایسی بہادرانہ موت پائی کہ حضرت عمر کہتے ہین خدا موت دے تو مزنی جیسی دے۔ سعد بن ابی وقاص فرماتے ہین جو جگری اور بہادری مزنی نے دکھائی وہ کبھی کسی بہادر سے دیکھی نہین گئی۔

قسمت گر کشتۂ شمشیر عشق یافت
مرگے کہ زندگان بدعا آرزو کنند

حنظلہ وہ نوجوان ہین جنکی شادی کا یہ پہلا دن تھا۔ غسل کرنا چاہتے تھے ایک بازو پر پانی ڈالا تھا دوسرا بازو خشک تھا کہ باہر کسیکو کہتے سنا آنحضرتؐ پر کفار کا ہجوم ہے۔ بے تاب ہوگئے۔ نہا بھی نہ سکے اسی حالت مین کپڑے پہن لئے تلوار ہاتھ مین لی میدان مین پہنچ لڑے اور شہید ہوگئے۔ حضرتؐ فرماتے ہین لوگو دیکھا مجھے کشف سے معلوم ہوتا ہے فرشتے حنظلہ کو آسمان و زمین کے درمیان غسل دے رہے ہین یہ کیا بات ہے۔ گھر سے دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ واقعی انہین غسل کی ضرورت تھی۔ یہ حنظلہ وہ ہین جن کے والد ابوعامر اسلام کے سخت ترین دشمن ہین۔ اس معرکہ مین کفار کی طرف موجود ہین۔ بلکہ خود مدینہ سے مکہ پہنچے ہین اور کفار قریش کو بڑی ترغیب دیکر معرکہ مین لائے ہین۔ ایسے شقی باپ کا یہ سعید بیٹا اپنی جان نثاری کے صلہ مین غسیل الملائکہ کے نام سے پاسٹیومس ٹائٹل یعنی پس مرگی خطاب حاصل کرتا ہے۔

اس سرفروشی اور جانبازی مین نام پانے والے صرف مرد ہی نہین۔ عورتون مین ہند بنت حرام کا ذکر ہو چکا۔ ایک اور مردانہ صفات بی بی نسیبہ ہین جو اپنی شوہر اور دو بیٹون سمیت میدان جنگ مین حاضر ہوئی

ہین۔ آنحضرتؐ کی نظر پڑی تو فرمایا شاباش تمام کینہ موجود ہی۔ عرض کرتی ہین یارسول اللہؐ دعا کیجئے بہشت مین بھی ہم آپ کے ساتھہ ہون حضرت نے اسیوقت دعا کی خوش ہوکر بولین بس اب جو مصیبت ہو آسان ہی۔ وہ فرماتی ہین پانی کی مشک بھر کرے آئی تھی لڑنے والونکو پلاتی تھی جسوقت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچی ہون مسلمان جیت مین تھے۔ پھرے گھڑی گھڑی پاسا پلٹا اور کفار کا ریلا غضب سے حملہ آور ہوا۔ مین نے مشک کھدی تلوار پکڑلی رسول اللہؐ کی حفاظت کرنے لگی۔ جو پاس آتا اُسپر تلوار چلاتی دُور والونپر تیرونکی بوچھاڑ کرتی خود نیزہ اور تلوار کے بارہؐ زخم کھائے۔ شانہ پر ایک زخم بہت گہرا تھا۔ لوگون نے کیفیت پوچھی کہنے لگین وہی کمبخت ابن قمئہ جب لوگون کے مارتا گراتا اور للکارتا ہوا آیا کہ آج محمدؐ کی جان نہ لون تو نجات نہ پاؤن۔ مین اور مصعب بن عمیر اسکی طرف جھپٹے۔ یہ زخم اس کے ہاتھہ کا ہی۔ مین نے بھی تلوار کے دو وار کئے مگر دشمن خدا دو زرہین پہنے ہوئے تہا کارگر نہوئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہین کہ اُس گھمسان کے وقت مین نے داہین طرف دیکھا ہے یا بائین طرف ہر نظر مین نُسیبہ کو اپنے آگے اور کسی پر حملہ کرتے ہوئے پایا ہے۔ یہ کنیزین اور غلام صرف اپنے آقا کے سامنے ہی جان نثار کرنے والے نہ تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال فرمانے کے بعد عرب کا سب سے بڑا ہیبت ناک معرکہ جو مسیلمہ کذاب کے ساتھہ ہوا ہے اسمین بھی یہ نُسیبہ شریک تھین۔ فرماتی ہین اسدن میری بڑی آرزو تھی کہ مسیلمہ کی موت میرے ہاتھہ سے ہو۔ پھرتے پھراتے کیا دیکھتی ہون کہ مسیلمہ کی لاش خاک و خون مین تڑپ رہی ہے اور میرا بیٹا عبد اللہ تلوار سے خون پونچھ رہا ہی پوچھا تو بولا یہ مسیلمہ کا خون ہے۔ مین نے شکر کیا کہ جو کام اپنے ہاتھہ سے چاہتی تھی وہ میرے بیٹے کے ہاتھہ سے ہوا مسیلمہ جیسے بدترین مفسد کے قتل کرنے کا فخر وحشی اور عبد اللہ دونوںکو حاصل ہی۔

رسول علیہ السلام پر جان فدا کرنے والون مین بالغ مرد اور عورتون کے علاوہ بچون کا بھی شمار ہی۔ غزوۂ بدر مین فوج کا جائزہ لیا ہی۔ تو جن بچون کو خورد سالی کی وجہ سے واپس کیا ہی۔ ان کی تعداد سات ہی جنمین سے ایک عمیر بن ابی وقاص یہ حکم سُنکر رونے لگے تو آپ نے انہین ساتھ چلنے کی اجازت دی اور وہ جنگ مین شہید ہوئے۔ جنگ احد مین ایسے خورد سالون کی تعداد تیرہؐ تھی جن مین سے ایک رافع بن خدیج کی نسبت کہا گیا کہ وہ اچھا تیرانداز ہے اور اُس نے اسیوقت تیر نشانہ پر لگاکر امتحان دیا اور ہمراہی کی اجازت لی۔ ایک اور بچہ نے جس کا نام سمرہ بن جندب ہی اپنے باپ سے شکایت کی کہ رافع کو اجازت مل گئی حالانکہ مین کشتی لڑون تو اُسے پچھاڑ دون

حضرت نے سنکر کشتی دیکھی اور پچھاڑنے والے کو بھی اجازت دی۔

جنگ احد سے واپس ہوتے ہیں تو سب دن بھر کی کد و کاوش سے نڈھال زخموں سے چور اور پیاروں کی موت سے مغموم ہیں مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے یہ قرار پائی ہے کہ امداد ربانی انہی لوگوں کو حاصل ہو سکتی ہے جو اپنی طرف سے سعی و کوشش کا کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھیں۔ دشمن اگرچہ پوری طور پر کامیاب نہیں ہوا مگر بڑا صدمہ پہنچا گیا ہے ممکن ہے دو چار دن ادھر ادھر چھپ کر آرام کرنے کے بعد پھر عود کرے۔ اسکی روک تھام ابھی ہونی چاہیئے اور تعاقب کرنا چاہیئے رات کو شہر میں منادی کر دی جاتی ہے کہ تمام لوگ جو کل کے جنگ میں شریک تھے سویرے ہی کمر بستہ ہو کر سفر کے لئے تیار ہوں۔ دس دس بیس بیس بلکہ اسی زخم کے رکھنے والے سبھی کہتے ہیں اٹھو رسول اللہ کی آواز پر لبیک کہو۔ زخموں کا علاج کوئی نہیں کرتا۔ رات بھر سینکتے رہتے ہیں۔ صبح کو زخمی ہاتھوں میں نیزے پکڑے ہوئے اور لنگڑاتے ہوئے وقت معین پر جھنڈے کے نیچے جمع ہو جاتے ہیں۔ حضرت خود زخموں سے نڈھال ہیں مگر ان کو لیکر چل پڑتے ہیں اور ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت کا خیال صحیح تھا۔ دشمن مشورہ کر رہی تھی کہ جو کسر رہ گئی ہے اسے لوٹ کر پورا کر لینا چاہیئے مگر تعاقب کی خبر سنکر حیران ہو گئے کہ او ہو! ابھی انکی طاقت کافی ہے چلو پھر سہی۔ وہ اُدھر ناکام واپس گئے یہ ادھر بامراد گھر کو آئے۔

اقوام عالم کی ترقی اور تنزل کا راز سمجھنے والے انصاف سے دیکھیں کہ ید بیضا کا جلوہ اور عصائے موسیٰ کا جلال دیکھنے والوں میں یہ بیجگری اور بزدلی کہاں سے پیدا ہو سکی۔ ادھر کی آواز ہے تم اور تمہارا خدا جاؤ ہم بیٹھے رہیں گے۔ ادھر والوں کا طرز عمل ہے۔

دست از طلب ندارم تا کام من بر آید	یا جان رسد بجانان یا جان ز تن بر آید		

جیسا عظیم الشان تفاوت طرز عمل میں ہے اسی قسم کا تفاوت مدعا اور غرض میں ہے۔ وہاں ارض مقدس کی حکومت چشموں نہروں اور باغوں کی منفعت پیش نظر ہے۔ یہاں ایسے مادی جذبات کی بیخکنی پہلے ہی کر دی جاتی ہے اور جان نثاری کا صلہ پوچھا جاتا ہے تو جنت کا نام لیتے ہیں۔ ایک شخص دریافت کرتا ہے کہ آدمی حق کی حمایت میں تلوار اٹھائے مگر دنیا کی منفعت بھی پیش نظر ہو۔ حضرت فرماتے ہیں اسکو کوئی ثواب نہ ملیگا۔ ایک موقع پر ارشاد ہوتا ہے کہ جانبازی کے وقت اونٹ کو باندھنے کے لئے ایک تسمہ حاصل کرنیکی

پیدا ہوجائے تو اجر ضائع ہوجاتا ہے اس ہدایت پر عمل کرنے کیلئے جس نمونہ کی ضرورت تھی اس کی مکمل اور صحیح
ن فیض یابان نور محمدی کو اپنے آقا رسول کریم احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات والا مین ایسی نظر آتی
کہ ابتدائے آفرینش سے اختتام عالم تک نہ کسی شخص واحد میں پائی گئی نہ پائی جائیگی۔ اُس بادشاہ
ودنیا نے اپنی یتیم زندگی چند کوڑیون کی اُجرت پر بکریان چرانے کے پیشہ سے شروع کی اور انسانون کے
اور جسم دونو پر حکومت کرنے کے رتبہ تک پہنچا۔ مگر ہر حال مین اُس نے اپنے تئین غریب سمجھا غریب رکھا
ہمیشہ دعا کی کہ الٰہی مجھے غربت کی حالت مین رکھ غربت کی حالت مین موت دے اور میرا حشر بھی غریبون کے
تھہ کر۔ آپ چلتے ہیں تو ساتھ والون سے آگے بڑھکر نہین چلتے۔ دو آدمی ساتھ ہیں تو اُن کے بیچ مین رہتے
زیادہ ہین تو بعض کے آگے اور بعض کے برابر۔ بیٹھتے ہین تو وہان جہان محفل مین جگہ ملجائے اور ایسے
ملکر بیٹھتے ہین کہ جو نہ جانتا ہو۔ اسے ہمیشہ اگر دریافت کرنا پڑتا ہے کہ حضرتؐ کہان تشریف رکھتے ہین بیٹھنے
طرز سے کوئی غرور اور تعلی ثابت نہین ہوتی۔ چوکڑی مارکر اور تکیہ لگاکر کبھی نہین بیٹھتے۔ عموماً گھٹنے کھڑے
ہتے ہین۔ اور اپنے بازو سے حلقہ کرتے ہیں محفل مین پاؤن نہین پھیلاتے۔ مجلس میں تشریف لاتے ہین تو صحابہ کرام
اپنی جگہ پاؤن مین مصروف رہتے ہین۔ کوئی آپکی آمد پر تعظیم کرے تو فرماتے ہیں میرے ساتھ وہ سلوک نہ کرو
قیصر وکسریٰ کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ کھانا کھاتے وقت دوزانو ہوکر بیٹھتے ہیں ایک گھٹنہ دوسرے گھٹنہ پر اور ایک پاؤن
دوسرے پاؤن پر ہوتا ہے اور فرماتے ہین مین کھانے کے وقت اپنی عاجزی اور غربت کو یاد رکھتا ہون اور غریبونکی
کھانا کھاتا ہون۔ سونے کے لئے کوئی مکلف فرش نہین بچھایا جاتا بی بی عائشہ کے حجرہ مین ایک دوہر تھی جسکا
کھجور کا چھلکا بھرا ہوا تھا۔ بی بی ام سلمہ کے گھر مین ایک ٹاٹ تھا جسکو دوہرا کرکے بچھایا جاتا تھا۔ ایک بار اسکی
نہین کردی گئین تو صبح کو فرمایا اسکی راحت نے مجھے رات کی نماز سے غافل رکھا وہی دو تہئین بچھایا کرو۔ بچھانا
پھر کو بورئے پر آرام فرمایا جسم مبارک پر نشان پڑگئے۔ حضرت عمر نے عرض کی یا رسول اللہ دعا کیجئے خدا فراخی دے
رس اور روم والے اللہ کی عبادت نہیں کرتے اور خوش حال ہین۔ فرمایا ابن خطاب تم اس خیال مین
نسے ہوئے ہو۔ ان بیچارون کو تو یہی چندروزہ عیش وآرام ملا ہے اسپر رشک کیا۔ حضرت نے آخر عمر مین بادشاہ
ب ہوکر حج کیا ہے آپکے ہمرکاب خدام کا اندازہ زیادہ سے زیادہ ایک لاکھ چودہ ہزار ہے اور کم سے کم چالیس ہزار

ایسی عظیم الشان جماعت کا آقا جس اونٹ پر سوار ہے اسکا پالان پُرانا اور ٹوٹا ہوا ہی اور تمام لباس جو جسم اطہر پر ہے اسکی قیمت کا اندازہ چودہ ماشہ چاندی زیادہ نہین ۔ کھانے مین کوئی تکلف جائز نہ رکھا جاتا تہا جو کچہ آگے رکھ دیا جاتا تناول فرما لیتے اور کسی چیز سے انکار نہ فرماتے ۔ اگر کھجورین ملی ہین وہی کھا لی ہیں ۔ روٹی گیہون کی یا جو کی ملی ہی ۔ سالن ملا ہی یا نہین ۔ صرف دودھ ملگیا ہی کوئی پھل ملگیا ہی جو ملا ہی کھالیا ہے اور کسی کھانے مین کبھی نقص نہین نکالا ۔ ایک بار آپ کے سامنے دودھ مین شہد ملاکر پیش کیا گیا ۔ فرمایا سبحان اللہ اکٹھی دو دو نعمتین ۔ مین نہ پیونگا ۔ یہ حرام نہین ہی مگر حساب تو دینا پڑیگا کہ ایسی نعمت کھانے کے بعد اس کے شکر کے لائق کام کیا گیا ۔ گھر مین نقد اور جنس کی قسم سے جو چیز ہو شام سے پہلے صرف کردی جاتی تھی ۔ انس کہتے ہین کہ آنحضرت کے کنبہ مین سیر بھر گیہون یا سیر بھر جوارات کو کبھی موجود نہین رہے ۔ حضرت ابوہریرہ کہین گئے ۔ بکری کا گوشت بھنا ہوا تھا کھانے کو کہا گیا آبدیدہ ہوکر بولے مین نہ کھاؤنگا حضرت کا زمانہ یاد آگیا ۔ آپ دنیا سے تشریف لے گئے مگر کبھی جو کی روٹی سیر ہوکر نہ کھائی تمام عرب زیر نگین ہوگیا اور خزانہ بھرپور ہوا تو کنبہ کیلئے سال بھر کی رسد جمع کرلی جاتی تہی مگر اس قسم کی جو سب سے کم قیمت ہو یعنی جو یا کھجور ۔ یہ ذخیرہ کبھی سال کیلئے کافی نہین ہوا ۔ ہمیشہ پہلے ہی ختم ہوجاتا تہا ۔ حضرت انس کہتے ہین کہ حضرت نے وفات پائی ہی تو آپ کی زرہ ایک یہودی کے پاس رہن تھی جس سے گھر مین خرچ کرنے کے لئے جو قرض لئے تھے ۔ بی بی عائشہ فرماتی ہین کہ محمد کا کنبہ کبھی دو دن متواتر جو کی روٹی سے سیر نہین ہوا ۔ نیز فرماتی ہین کہ محمد کے کنبہ مین مہینہ مہینہ اور دو دو مہینے ایسے گذرے ہیں کہ گھر مین آگ نہین جلی کھانے کے لئے کھجور اور پانی کے سوا کچھ میسر نہین آیا ۔

یہ سب طرح کا زہد و اتقا اور لذائذ دنیا سے بے تعلقی نہ صرف اپنے لئے اور اپنے موجودہ عیال کیلئے ہی بلکہ اپنی نسل اور اپنے ہر دو عم بزرگوار عباس اور ابوطالب کی نسل کیلئے تا قیام قیامت خیرات خواری کو حرام کردیا گیا ہے اور معاش کے لئے اپنی قوت بازو پر انحصار رکھنے کی تعلیم دی گئی ہے ۔ ایک یہی ارشاد ایسی زبردست قوت رکھتا ہی کہ اگر بالفرض جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت پر کوئی اور دلیل نہو تو خاندان رسالت پر صدقات کا حرام ہونا ہی آپ کی سچائی پر ایمان لانے کے لئے کافی ہی ۔ اگر معاذاللہ خاکم بدہان آپ دعوی نبوت مین صادق نہوتے اور نفسانی خواہش نبوت کے نام سے دنیا پر حکومت کرنے کا ولولہ پیدا کرتی تو مدعا

حاصل ہونے اور عرب پر حکومت کرنے کے بعد لذائذ دنیا سے لطف اٹھانے مین کیا چیز مانع ہو سکتی تھی۔

اور اگر بالفرض سادہ زندگی کی عادت پڑجانے سے آپکی یا آپ کے عیال کی طبیعت پر تکلف زندگی پر مائل نہو تی تھی تو اپنے بعد اپنی نسل کو آزادی دینے اور ان کے لیے عیش و تنعم کو جائز رکھنے سے کون امر مانع تھا۔ حکومت چلتی پھرتی چھاؤن ہے زائل ہو جائے تو شاہانہ عیش و آرام بھی میسر نہین آسکتا مگر صدقات و خیرات وہ چیز ہے جو کسی مقتدا کی اولاد کو حکومت نہ رہنے کی صورت مین بھی بے درد سر حاصل ہو سکتی ہے۔ اور دنیا مین ہر قوم کے اندر بزرگونکی اولاد باپ دادا کی استخوان فروشی سے بے عرق جبیں ہر طرح کی نفسانی خواہشون مین فائز المرام رہتی آئی ہے اور بد قسمتی سے ہمارے حضرت کی اولاد بھی آپ کی ہدایت کو بھلا کر اسی راستہ پر چل پڑی ہے۔ مگر قربان ہونے کو دل چاہتا ہے اُس نبی پاک پر جو آیا تھا دعوت عمل دینے کے لیے آیا تھا بیکاری اور کاہلی کے خلاف جہاد کرنے کیلئے آیا تھا بلند مقاصد کو پیش نظر رکھنے کے لئے اور پست مادی اغراض سے بے پروا کرنے کے لئے پس اس نے اس قسم کی تمام ہدایت کو مکمل کرنے کیلئے ایک طرف اپنی اولاد اور اہل خاندان پر وہ راستہ بند کر دیا جو دولت کا لازوال سرچشمہ ہونے کی وجہ سے کاہلی اور عیش پرستی کی جانب مائل کرنے والا تھا۔ دوسری جانب اپنا طرز عمل وہ پیش کیا جو افراط تفریط کے نقائص سے پاک تھا۔ وہ ایک طرف عیش و آرام کی آلائش سے خالی ہے ....

.... تو دوسری طرف خاطر بے مدعا پیدا کرنے مین اس حد تک بھی نہین پہنچتا۔ جو ایک بہت بڑے مذہبی رہنما کی طرف منسوب ہے کہ نروان حاصل کرنا ہے تو نہ دنیا میں گھر بار اور بیوی بچوں کا خیال پیدا کرو نہ آئندہ کے نسبت بہشت کی آرزو اور دوزخ کے خوف مین الجھو۔ ہمارے حضور نے خواہش سے نفور ہونے کو اس حد تک بھی نہین پہنچایا بلکہ اس کے برخلاف ایک شخص کو آپ دیکھتے ہیں بہت پھٹے پرانے کپڑے پہنے ہوئے ہے دریافت فرماتے ہین کہ تمھاری حیثیت کیسی ہے وہ عرض کرتا ہے مجھے اللہ نے ہر قسم کا مال دے رکھا ہے فرماتے ہین کہ اگر حقتعالی کسی کو نعمت بخشے تو اُسکی خوشنودی اسی مین ہے کہ نعمت کا نشان اسکے جسم پر ظاہر ہو اور اپنے لباس خوراک اور طرز ماندہ سے خوشحال ہونے کا شکر ادا کرے۔ ادھر اسطرح پر جائز اور معتدل خوش حالی کو حلال بلکہ اظہار شکر الٰہی کا ذریعہ قرار دیتے ہیں اور ادھر اپنی ذاتی طرز و روش سے ثابت کرتے ہین کہ دنیوی خواہشون کا ایسا تعشق نہونا چاہیے کہ کوئی چیز میسر نہ آئے تو آدمی بے صبری کرے اور جائز و ناجائز کی تمیز اٹھا دے۔ فطرت انسانی کا ایسا پاس و لحاظ۔ تو ثابت

بشری کا ایسا صحیح اندازہ۔ ناممکن سختی سے پرہیز اور ضرورت کے مطابق احتیاط سب کچھ ملا کر ایسا نسخہ تیار کیا ہے جسکو استعمال کرنیوالے کے بعد نہ حسن یوسفی کی ضرورت رہتی ہے نہ اعجاز موسوی کی۔ اعجاز ایک ید بیضا پیدا کرتا ہے تو دین فطرت کی تعلیم ملت بیضا بناتی ہے۔ تمام قوم کے دلکو نور ایقان سے منور کر دیتی ہے۔ حقانیت کا آفتاب باطل کی ظلمت کو پھاڑ کر قدرت کا وہ کرشمہ دکھاتا ہے جو سمندر کو چیر کر رستہ بنانے سے ظاہر نہ ہوسکا۔

اب دم عیسیٰ کو بھی دیکھنا چاہیے۔ دم عیسیٰ کا جو مفہوم تھا آجکل ہمارے مہربانون نے اسکا قصہ ہی پاک کر چھوڑا اب دیر و حرم پر کوئی نہیں اپنی راہ پر نہ مسیحیونکو اعتقاد ہے کہ ابن مریم مردہ زندہ کرتے تھے نہ مسلمان اس عقیدہ کو مانتے ہیں۔ مگر میں چونکہ آزاد خیالی کی دنیا میں نہین رہتا مجھے یقین ہے کہ مسیح علیہ السلام کی نسبت جو کچھ کہا گیا ہے لفظ بلفظ درست ہے اور میں مانتا ہون کہ ہر ایک نبی پاک کو حق تعالیٰ کی جانب سے کوئی نہ کوئی خاصہ عطا فرمایا گیا ہے جسمین وہ انبیا بھی شریک نہیں ہو سکتے جو اُس نبی سے افضل ہون۔ پس جناب مسیح علیہ السلام کو جو امتیاز احیا ہوتے اور رفع الے اسماء کے نام سے عطا ہوا ہے وہ آپ کا خاصہ ہے کوئی عام وصف نہین ہے جسمین کوئی اور بھی آپ کا شریک و سہیم ہو اُسکو مانتے ہوئے فضیلت و برتری کی تحقیق فضائل و کمالات کے مجموعہ کو اور اسکے اثر کو دیکھنے سے ہوگی۔

ایسی نظر سے دیکھین تو معاملہ صاف ہے۔ جناب مسیح علیہ السلام باوجود شاندار معجزات ظاہر کرنے اور وجیہاً فی الدنیا والآخرہ کا خطاب پانے کے پیغام ربانی کے مونے اور اپنی سچی اطاعت کیطرف بلانے مین سخت ناکام رہے ہین آپ کی حیات مبارک مین آپ کے حواری اور ماننے والے تعداد مین بیس تک بھی نہ پہنچ سکے اور جو تھے انہی مین سے وہ ضعیف الاعتقاد بھی تھا جسنے دنیوی لالچ سے آپکو گرفتار کروایا اور وہ بھی تھا جسنے باوجود بڑے مقرب ہونے کے تین بار آپ کی نبوت سے انکار کیا۔ آپ کے نام اور آپکے کام کو تاریخی حیثیت بلکہ غالباً قلم اور کاغذ سے روشناس ہونے کا موقع اسوقت میسر آیا ہے جبکہ لوگونکو آپ کی سچی تعلیم میں بہت کچھ آمیزش کرنے کا موقع مل چکا تھا یعنی آپ کی تعلیم نے یونان مین جاکر اشاعت پائی اور وہیں آپ کے حالات اور ملفوظات قید تحریر میں آئے۔ اُسوقت کی شہادت حکیم جالینوس دیتا ہے۔ وہ اپنی کتاب میں جو فلاطون کے فلسفہ پر لکھی ہے ذکر کرتا ہے کہ آجکل ایک جماعت پیدا ہوئی ہے جو نصاریٰ کہلاتے ہین اُن سے باوجود جاہل محض ہونے کے وہ افعال صادر ہوتے ہین جنکی مشق فلسفہ کی بہت بڑی تعلیم حاصل کرنے کے بغیر نہین ہوسکتی۔ وہ اپنے عقائد کی اشاعت مین موت سے نہین ڈرتے

اور ان میں سے اکثر زن و مرد تمام عمر مجرد رہکر راہبانہ زندگی بسر کرتے ہین ۔ جالینوس کی اس تعریف سے ثابت ہوتا ہے کہ اس ابتدائی زمانے مین مسیحیت کے اندر رہبانیت داخل ہوچکی تھی جو یقیناً جناب مسیح علیہ السلام کی تعلیم نہیں ہے ۔ اس غلطی کی اور نیز مسیحی مذہب کے کئی اور نقائص کی اصلاح سب سے پہلے اسلام نے کی اور ظہور اسلام سے کئی صدی بعد مسیحی دنیا کے روشن خیال علمار کو اسطرف توجہ ہوئی اور انھون نے رہبانیت اور دیگر نقائص کے خلاف جہاد کرنا شروع کیا جسکا سلسلہ آج تک جاری ہے اور پیروان مسیح علیہ السلام کیطرف سے رہبانیت اور تثلیث وغیرہ مسائل کی نسبت کئی طرح کی اصلاحین اور ترمیمین ہوتی چلی آتی ہیں ۔ مگر میرا منصب نہیں ہے کہ اس دنیا سے باہر رہنے کے باوجود ان بزرگوارون کے مختلف خیالات پر رائے زنی کرون اور ان کے کسی ایک عقیدہ کو مسیح علیہ السلام کی سچی تعلیم قرار دون ۔ میں سردست صرف اسقدر گذارش کرتا ہون کہ مسیح علیہ السلام کی زندگی مین آپکی تعلیم کو قبولیت عام حاصل نہیں ہوسکی اور آپ کے قریب تر زمانے مین آپ کی تعلیم پر پردے ڈالے جانے لگے اور بہت بڑے عرصہ تک پردون مین اضافہ ہوتا گیا اور اگر مسیحی دنیا کا کوئی عالم یا اُن کا کوئی فرقہ اُن تمام پردون کو چاک کرنے اور دین مسیحی کے خوشنما چہرہ کو بر سر بام لانے میں کامیاب ہوا ہے تو قرنہائے دراز کے بعد یہ سعادت حاصل کرسکا ہے اور کہا جاسکتا ہے کہ مُردون کے جان ڈالنے والے نبی کی تعلیم مُردہ دلون کے اندر ہدایت کی زندگی پیدا کرنے مین نہایت سست رفتار ثابت ہوئی ہے ۔ بلکہ اس سے بھی کچھ زیادہ کہا جاسکتا ہے ۔ کیونکہ جسوقت مسیحیت کے مصلح اعظم یعنی مقدس لوتھر نے جرمنی کے اندر اپنی آواز بلند کی ہے اسوقت جنوب مغرب کے علاوہ جنوب مشرق کیطرف سے بھی اسلامی توحید کا غلغلہ جرمنی تک پہنچ چکا تھا یعنی اسپین کے اندر اللہ اکبر کی صدا بلند ہوتے رہنے کے بعد مقدس لوتھر کے پیدا ہونے سے پچاس سال پہلے قسطنطنیہ کے مینارون سے بھی یہی صدا سمندر کی لہرون کو اور یورپ کے وادیون کو سنائی جانے لگی تھی تو مسیحی علما کو ایسی ایسی اصلاح و ترمیم کی ترغیب دینے مین جو غلغلہ توحید کے بلند ہونے کا ہوا ہوگا اسکو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا اور کہا جاسکتا ہے کہ کوئی مانے یا نہ مانے مسیحی دنیا کے مُردہ دلون کو سچی زندگی دینے مین کسی بیرونی قوت کا اثر بھی ضرور شامل ہے ۔

(باقی آئندہ)

اِسلام میں خواتین کی حقوق

گذشتہ سے پیوستہ

ایک درخت کے باقی رہنے کیلئے صرف پانی، ہوا، حرارت اور مٹی کی ضرورت ہے۔ لیکن اس درخت کی قسم کے باقی رہنے کیلئے صرف یہ چیزیں کافی نہیں۔ بلکہ اس کیلئے ایک زیادہ مہتم بالشان چیز یعنی تخم یا قلم کا باقی رہنا اور پھر کاشت ہونا بھی ضروری ہے۔ اگر دنیا سے آم، سیب وغیرہ کے تخم یا قلم معدوم ہو جائیں تو لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ کچھ عرصہ کے بعد جب یہ درخت اپنی عمر طبعی ختم کر کے فنا کی طرف قدم بڑھائیں گے۔ تو ان کی جنس بھی معدوم ہوتی نظر آئے گی۔

اسیطرح زید کی بقا کے لئے صرف کھانا، پینا، ہوا، اور حرارت ضروری ہے۔ مگر زید کی نوع یعنی انسان کے باقی رہنے کیلئے صرف یہ چیزیں کافی نہیں بلکہ انسانی کاشت لازمی ہے۔ جسکو ہم نکاح کے نام سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور جسکی طرف قرآن کریم کی یہ آیت ارشاد فرماتی ہے۔ نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنّٰى شِئْتُمْ۔ وَقَدِّمُوا لِأَنْفُسِكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوا أَنَّكُمْ مُّلَاقُوْهُ۔ ۲۷ سورہ بقرہ ع ۲۸ + (ترجمہ) عورتیں آپ کی کھیتی ہیں (جائز طور پر) انکا جس طرح چاہے استعمال کرلو۔ اور اپنی نفسوں کیلئے کچھ پیشگی سامان کرلو۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ اور اس کا یقین رکھو کہ اللہ سے ملنے والے ہو۔

اب ظاہر ہے کہ وہ مذہب جو نکاح کو برا سمجھتا ہے گویا انسانی کاشت کو برا سمجھتا ہے یعنی بقاء جنس انسان سے وہ دلگرفتہ اور متنفر ہے۔ مگر اسلام کی تعلیم ایسی کوتاہ اندیش نہیں۔

ایک شبہ ہاں اس موقعہ پر اس شبہہ کی یقیناً گنجائش ہے کہ بقاء جنس کیلئے نکاح کے خاص خاص قوانین اور قواعد۔ اور صرف منکوحہ کیساتھ تقید کی کیا ضرورت ہے تمام حیوانات کی جنس باقی رہتی ہے۔ بقاء جنس کیصورت وہی ہے۔ مگر خاص نکاح کی شرط یا قید صرف انسان کی خصوصیت کیوں ہے۔ یہی غیرت تو ایک کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ وہ زمانہ قدیم سے اس طرح کی عادت چلی آنے کا نتیجہ ہے۔ ورنہ "فطرت" انسان کی شہوت کو صرف منکوحہ پر منحصر نہیں چھوڑتی۔

جواب | لِاَّ تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِى الْاَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيْرٌ ۔ اسکے جواب کیلئے ضرورت ہے کہ ہم انسان اور عام حیوانات مین فرق بیان کرین۔

قانون خداوندی ہر ایک کیلئے اسکی ضرورت کے مطابق سامان مہیا کر دیتا ہی۔ حیوانات میں سی ہر ایک کو اسکی حفاظت جان اور حفظان صحت کے سامان عنایت فرمائے۔ شیر کو انتہائی طاقت عنایت فرمائی تو اسکے مقابلہ مین ہرن کو بھاگنے کی۔ خرگوش لومڑی وغیرہ کو بل مین گھسجانیکی۔ بندر وغیرہ کو درخت پر چڑھ جانیکی طاقت عنایت فرمائی جسکے ذریعہ وہ اپنی جانون کی حفاظت کر سکین۔

بلی وغیرہ کو گوشت خوری سکھائی تو چڑیون کو اڑنیکی طاقت۔ چوہونکو بل مین گھس جانیکی طاقت بھی مرحمت فرمائی۔ ان تمام جانورون کو پرون یا بالون کا لباس بھی عنایت فرمایا۔ جو جاڑون مین سردی سی بچائے تو گرمیون مین گرمی سے تکلیف دہ بھی نہ ہو۔

انکو پھاڑ ڈالنے والے پنجے، گھاس اکھیڑنے والے دانت یا دانہ اٹھانیوالی چونچین عطا فرمائین جنسے وہ اپنی زندگی باقی رکھ سکین۔ مگر انسان کو ان چیزون مین سے کوئی چیز بھی عنایت نفرمائی گئی۔ نہ اسکے پاس شکار کرنیوالے ناخون ہین نہ پھاڑنے والے دانت نہ اڑنے والے پر۔ نہ سردی سے بچنے والے بال۔ ہان اسکو ان تمام آلات کے عوض مین عقل عنایت فرمائی جو اُسکے لئے تمام ضرورتون کی متکفل ہوسکے اور ضرورتون کے لئے تمام آلات مہیا کر سکے۔

جوہر عقل بچے۔ بوڑھے۔ جوان۔ مرد۔ عورت سب مین ہی۔ مگر بچون کے پاس اس کا استعمال کرنا نہین آتا۔ جس کے باعث وہ مجبور ہین۔ لہذا ایک مربی اور پرورش کنندہ کی ضرورت ہوئی۔

مطلب یہ ہی کہ جیسا انسان اور حیوان مین باہمی فرق ہی ایسے ہی ان کے بچون مین بھی باہمی فرق ہی حیوانات مین سے تمام وہ جانور جنکے جوڑے نہیں ہوتے مشاہدہ اور استقرا سے یہی معلوم ہوا ہی کہ اُنکے بچونکو فطری اور قدرتی طور پر ابتدا ہی سے انکی ضروریات کا شعور دیا جاتا ہی۔ وہ چل سکتے ہیں۔ کھڑی ہوسکتی ہین۔ بیٹھ سکتی ہین۔ کھا سکتے ہین نہ خود سے پی سکتے ہیں۔ بہت بہت انکو مان کی ضرورت ہوتی ہی۔ اور وہ بھی دن بھر مین اتنی دیر کے لئے کہ وہ دودھ پلادی۔ گائے۔ بھینس۔ بکری۔ اونٹ۔ ہرن وغیرہ کے بچون کو پیش نظر رکھکر آپ باسانی ہماری دعوی کی تصدیق مشاہدہ فرما سکتے ہیں۔ بعضے جانور جنکے جوڑے ہیں اُنکے بچون مین قدرتی طور پر ابتدا سی یہ طاقت نہیں ہوتی

ان کی آنکھین بند ہوتی ہیں۔ یا وہ ایسے کمزور ہوتے ہین کہ خود سے اپنی ضرورتونکو پورا نہین کرسکتے۔ انکو ضرورت ہوتی ہے کہ ہر وقت ان کے مان یا باپ انکے ساتھ رہین۔ انکے مان باپ شب و روز انکی سیوا کرتے ہین اور پھر کچھ عرصہ کے بعد جب وہ خود طاقت یافتہ ہوجاتے ہین تو انکو علیحدہ کردیتے ہیں۔ کبوتر۔ چڑیا وغیرہ کی مثالین ایکطرف رکھو۔ مرغی وغیرہ کی مثالین دوسری طرف۔ انکے بچون مین آپ بہت فرق پائینگے۔

بہرحال جانوروں کے بچے خواہ کسی قسم کے ہون۔ لیکن وہ بہت جلد اپنی حوائج اور ضروریات کی تکمیل کے لائق ہوجاتے ہین اور انکی بہت سی ضرورتین تو خود خدا نے اپنے ذمہ پر لے رکھی ہین۔ مگر غریب انسان کے بچے ابتدا ءً نشوونما مین بالکل بے خبر، اور پھر لطف یہ کہ یہ بے خبری ایک دو روز کی نہین ایک دو ہفتہ یا ماہ کی نہین۔ برسون اور مدتون کی اور اس بے خبری سے فارغ ہونے کے بعد اسکی تمام ضرورتین اسکے سر پر۔ فطرت انکی تکفل سے بالکل بری۔ اور بے خبری کی وجہ یہ کہ وہ اپنی خداداد عقل کے استعمال کے طریقوں سے ناواقف ہین۔ لہذا ضروری ہوا کہ کوئی انکو عقل کے استعمال کا طریقہ سکھلائے۔ چنانچہ خدا کی حکمت بالغہ نے مان کو اسکے گھوارے میں لٹایا کہ اسکو یہ تمام طریقے سکھائے۔ اب اگر نکاح کے بجائے حیوانی طریق توالد کا بنی نوع آدم میں بھی جاری کیا جائے تو کوئی ہمین بتائے کہ اس بچہ اور اس کی اتالیق۔ ادب آموز اور رات دن علمی میں مشغول مان کا ذمہ دار کون ہوگا۔ اور اس طرز سے تمدن پر جو مضر اثر پڑیگا وہ ایک علیحدہ مستقل نقصان ہے۔ کہ نہ پھر یہ بلند نگین نظر آئینگی نہ مکانات۔ نہ بازار نہ دیگر رونق اور آرام کی چیزین۔ اور پھر ایک غریب شخص (اور دنیا کے اکثر آدمی غریب ہی ہین) اگر صرف ایک یا دو عورتون سے مخصوص طریقے سے تعلق رکھتا ہی اور یہ عورتین بھی صرف اسی سے وابستہ ہین تب تو کچھ ترمیم سے یہ نکاح ہی۔ اور اگر کسی ایک جانب کو بھی وابستگی سے مستغنی اور بے نیاز مان لیا جائے تو پھر وہی سوال کہ ان بیچارے بچون اور عورتونکا ذمہ دار کون؟ الحاصل اِلَّا تفعلوہ تکن فتنة فی الارض و فساد کبیر (ترجمہ "اگر نکاح نہ کروگے تو زمین مین فتنہ اور بہت بڑا فساد پیدا ہوجائیگا"

حق تو یہ ہے کہ نکاح کا طرز عمل گویا اس غریب کمزور صنف پر احسان بے پایان ہے (اور اسکو ایک دوسرا فائدہ نکاح کا سمجھنا چاہئے)۔

| دوسرا شبہہ | بہت ممکن ہی کہ یہ کہا جائے کہ باپ کا شفیق ہونا۔ بیٹے کا مستحق شفقت سمجھا جانا۔ اسیطرح وراثت خرچ |

زینت اور ادب آموزی وغیرہ کا جو نکاح اور طریق مروج کے بڑے اسباب سمجھے جاتے ہین، مستحق ہونا، یہ فطری اور طبعی نہین بلکہ رسمی باتین ہین جو قدیم زمانہ سے چلی آتی ہیں۔

جواب لیکن پھر اس سوال کا کیا جواب دیا جاسکتا ہے کہ یہ تمام مراسم حیوانات کی لاکھون کروڑون قسمون مین کیون نہیں جاری ہوئے صرف انسان ہی مین کیون جاری ہوئے۔ نہ کسی جانور کی اولاد ہمیشہ یا دیر پا شفقت کی طالب ہوتی ہی۔ نہ تعلیم کی خواہان ہوتی ہی۔ نہ مصارف تربیت کا مطالبہ کرتی ہی۔ نہ وراثت کی دعوی دار ہوتی ہی نہ کسی سامان رہائش وسکونت اور لباس وغیرہ کی آرزومند نظر آتی ہے۔ اگر کسی چیز نے یہان پر انسان کو تمام جانورون سے ممتاز کر دیا ہی تو اسی چیز نے نکاح انسان کے قواعد وضوابط کو بھی حیوانی طریقون سے ہزارون خوبیون اور محاسن کے ساتھ ممتاز کر دیا ہی۔

قال اللہ عزوجل: ولقد کرمنا بنی آدم وحملناھم فی البر والبحر ورزقناھم من الطیبات وفضلناھم علی کثیر ممن خلقنا تفضیلا ج ۱۵ ع ۷ سورہ بنی اسرائیل "(بیشک ہم نے عظمت دی بنی آدم کو اور سواری دی ہے ہم نے انکو جنگلون مین اور دریا مین۔ اور ہم نے انکو پاکیزہ چیزون کا رزق دیا۔ اور ہم نے انسان کو اکثر مخلوقات پر خاص فضیلت عطا کی)"

ھو الذی خلق من الماء بشرا فجعلہ نسبا وصھرا۔ ج ۱۹ ع ۵ سورہ فرقان "(خداوند عالم کی وہ ہستی ہے جس نے پانی سے آدمی کو پیدا کیا۔ پھر اس کیلئے نسب اور تعلقات سسرالی مقرر کئے)"

معاذ اللہ کسقدر قابل افسوس ہین وہ تخیلات جو مغرب کی خباثت آلود زہریلی ہواؤن سے متاثر ہوکر آج ہندوستان کی فضائین زہر پھیلا رہے ہیں۔ کہ مرد اور عورت مین کوئی فرق نہین۔ ہر عورت کو اختلاط۔ ملاقات وغیرہ کے وہی حقوق ملنے چاہئین جو مردون کو حاصل ہین۔ لیکن فہم ناقص کے مطابق یہ خیال حق معلوم ہوتا ہی کہ فطرت نے ابتدا ہی سے جب مرد اور عورت کو تاہل اور نکاح کے ذریعہ سے ملایا تو ان کے لئے علیحدہ علیحدہ فرائض بھی مقرر کر دئے۔ مرد کے اوپر سامان رہائش، سامان اکل وشرب کا مہیا کرنا فرض کیا تو عورت کے اوپر ان تمام چیزون کو اپنی اپنی موقعہ پر بہترین انتظام سے لگانا اور صرف کرنا فرض کیا۔ اسلام نے بھی اسی طریقہ کو ملحوظ رکھا۔ چنانچہ مرد کے لئے جائز طور پر اہل وعیال کا نفقہ "خرچ وغیرہ" کا مہیا کرنا بہترین عبادت

قرار دیا۔ اور عورت کی انتہائی تعریف یہ فرمائی کہ وہ خانگی امور میں ہوشیار سمجھدار اور امانت دار ہو۔ اس ہی باہمی تعلق کو قرآن پاک میں لباس کے لفظ سے تعبیر کیا واللہ اعلم بالصواب چنانچہ ارشاد ہوا ھن لباس لکم وانتم لباس لھن (عورتیں مردون کیلئے لباس ہین اور مرد عورتون کیلئے ہیں)۔

علما نے بیان کیا ہی کہ من ذا الذی یقرض اللہ قرضا حسنا۔ سورہ بقرہ ۲۴۶ ج ۲ (کون ہی جو اللہ کو قرض حسن دے کہ اللہ اسکو دوگنا چوگنا کر دیگا)۔ یہان قرض سے مراد اولاد پر خرچ کرنا ہی۔ کیونکہ اس سی بیشتر ۲۱۶ مین اولاد اور ازواج کا ذکر موجود ہی۔ عورت کی پیدایش کی غرض فرمائی گئی۔

ھوالذی خلقکم من نفس واحدۃ وخلق منھا زوجھا لیسکن الیھا۔ خدا وہی ہی جس نے تم کو ایک نفس (آدم علیہ السلام) سے پیدا کیا۔ اور پھر اسی سے اس کی بیوی پیدا کی تاکہ اسکو بیوی سے سکون حاصل ہو (اور اسکے پاس پہنچکر آرام حاصل کرے)۔

اب ظاہر ہی کہ مرد کو آرام ملنے کی صورت یہ ہی ہی کہ اسکی عورت خانگی معاملات مین اسکا ہاتھ بٹائے۔ اور ان فکرون سے اسکو سبکدوش رکھے۔ اس قسم کی آیتیں قرآن پاک مین تلاش سے اور بھی ملسکتی ہین۔ حدیث شریف مین اس مضمون کو ان الفاظ مین ادا کیا گیا ہے۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما استفاد المومن بعد تقوی اللہ خیرا لہ من زوجۃ صالحۃ ان امرھا اطاعتہ وان نظر الیھا سرتہ۔ وان اقسم علیھا ابرتہ وان غاب عنھا نصحتہ فی نفسھا ومالہ۔ (ابن ماجہ)۔	ایک مومن شخص تقوی اور خشیۃ الہی کے بعد سب سے بہتر چیز جو حاصل کرتا ہی وہ نیک عورت ہی کہ اگر اسکو کسی کام کیلئے کہے تو فوراً فرمانبرداری کرے۔ اور اسکو دیکھے تو خوش ہو۔ اور اگر اسکو قسم دیدے تو وہ پوری کرے۔ اور اگر اس سے غائب ہو تو وہ اپنی جان اور مین اسکی خیرخواہی کرے یعنی عفت سے رہے اور اسکے مال کے معاملہ مین بھی +

الحاصل چونکہ مرد کی ڈیوٹی فطری اور پھر اسلامی طور پر بیرونی ہی لہذا اسکو باہر آنے جانے کی اجازت دی گئی اور اس ہی ضرورت کا خیال رکھتے ہوئے قدرت نے مرد کو مرد کیلئے شہوت کا قابل بھی نہین بنایا ہی۔ مگر چونکہ عورتین مورد شہوات ہین۔ نیز ان کی ڈیوٹی خانگی ہے۔ لہذا انکو گھر مین رہنے کا حکم دیا حتی کہ اسکی نماز بھی گھر ہی مین افضل اور اعلی قرار دی گئی۔ حدیث مین ہے۔

صلوۃ المرأۃ فی بیتھا افضل من صلاتھا فی حجرتھا وصلوتھا فی مخدعھا افضل من صلاتھا فی بیتھا (ابو داؤد)	عورت کی نماز جو کمرہ مین ہو وہ صحن کی نماز سے افضل ہو اور جو نماز کوٹھری میں ہو وہ کمرہ کی نماز سے افضل اور اعلی ہی یعنی جتنی چھپ کر نماز

اگرچہ کسی شدید ضرورت سے باہر جانا بھی ہو تو وہ بھی بہت سی قیدوں کیساتھ جن کی تفصیل ہماری بحث سے خارج ہے ۔ بہرحال شہوات اور خواہشات کے پردوں کو اٹھا کر فہم صحیح کی روشنی مین جسقدر غور سے کام لیا جائیگا یہ بات واضح اور پھر واضح تر ہو جائیگی ۔ کہ فطرت نے خود عورت کو مرد کے مساوی حقوق دینے یا مردون جیسے کام کرنے کیلئے پیدا نہین کیا ۔ ورنہ ایام نسوانی ۔ پھر حمل ۔ ولادت وغیرہ نسوانی عوارض کے صرف عورتون کی ساتھ مخصوص ہونیکی کیا وجہ ۔ کاش مدعیات مساوات کے پشت پناہ حضرات جب ان کے مطالبہ مساوات مین ہم نوا ہو کر نیچر کے بدلنے کا ارادہ کرلین تو ان کے عوارضات خصوصیہ مین بھی تھوڑا سا ہاتھ بٹالین ۔

بحث موضوع سے بہت دور پہنچ جانا چاہتی ہے مگر گنجائش کی کمی ہمکو اپنے گذشتہ موضوع پر پھر واپس کرتی ہے ۔ ہمارا مدعا یہ تہا کہ جنس انسان کی بقا صرف نکاح پر منحصر ہے ۔ اور ضمنی بحث تھی کہ فطرت انسانی نکاح کے علاوہ حیوانی طریقہ توالد سے نہ صرف انکار کرتی ہے بلکہ اس سے سخت نفرت کرتی ہے کیونکہ حیوانی طریقہ توالد صرف ان حیوانات کے لئے ہے جو احساس غیرت اور دیگر مخصوص انسانی شرافتون سے بالکل بے بہرہ ہین ۔

بہرحال جب باتفاق جمہور مذاہب ۔ و باتفاق جماہیر علماء مذہب مختلفہ انسانی تناسل کیلئے نکاح کی صورت لازمی قرار دی گئی ۔ تو جو صورت اسکے برخلاف ہو وہ یقیناً ناجائز ۔ معیوب اور حرام ہونی چاہئے ۔ چنانچہ باتفاق جمیع افراد انسانی فعل زنا حرام قرار دیا گیا ۔

اور میری جان قربان ہوجیو صداقت پناہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کہ آپ نے مخصوص تعلیم مین نکاح کے اس فائدہ کبریٰ کا پوری طرح خیال فرمایا ۔ اور اپنی مقدس تعلیم سے یہ بھی ثابت کردیا کہ یہ مقدس اور آخری رسول نوع انسان کی کمی کا نہین زیادتی کا ۔ تنزل کا نہین ترقی کا خواہان ہے چنانچہ آپ ارشاد فرماتے ہین تناکحوا تناسلوا (نکاح کرو اور نسل پھیلاؤ) ۔

نیز ارشاد فرمایا ہے تزوجوا الودود الولود (ابو داؤد و نسائی) (ایسی عورت سے نکاح کرنا چاہئے جس کے اولاد زیادہ ہو اور محبت والی ہو) اور ان احادیث کے جمع کرنے کیلئے تو بہت سے اجزاء کی ضرورت ہے جنمین کثرت اولاد کو محمود سمجھا گیا ہے ۔ اور انکا خرچ برداشت کرنا بہترین صدقہ قرار دیا گیا ہے ۔ اور ہان یہ رسول اللہ کا خاص لطف و کرم ہے ۔ کہ رحمت عالم کے

حاشیہ اسکی تفسیر ایک حدیث مین لسان نبوت سے اسطرح صادر ہوئی ہے کہ اولاد کا کم یا زیادہ ہونا علی العموم اخلاق اور چال چلن کا اچھا یا برا ہونا زیادہ تر غذا نفسی تعلق ہے

دربار میں لڑکا اور لڑکی کی کوئی تفریق نہیں - ابر کرم سے دونوں برابر سیراب ہو رہے ہیں - بلکہ لڑکیاں کچھ اور آگے بڑھا دی جاتی ہیں اور اُن کے متعلق احسان گستر عالم محسن خلائق کا خصوصی ارشاد ہوتا ہے -

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لسراقۃ بن مالکؓ الا ادلک علی افضل الصدقۃ ابنتک مردودۃ الیک لیس لھا کاسب غیرک ۔ (ابن ماجہ)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سراقہ بن مالک سے فرمایا کہ کیا میں آپ کو بہترین صدقہ نہ بتاؤں؟ جو تمہاری لڑکی کہ تمہارے پاس لوٹ آئے (بیوہ ہو کر یا مطلقہ ہو کر) کہ اس کے لئے تمہارے علاوہ کوئی اور کمانے والا نہیں۔

وقال ایضا صلی اللہ علیہ وسلم مامن رجل تدرک لہ ابنتان فیحسن الیھما ما صحبتاہ او صحبھما الا ادخلتاہ الجنۃ ۔ (ابن ماجہ)

نیز ارشاد ہے کہ جس شخص کے دو لڑکیاں ہوں اور جب تک وہ اس کے پاس رہیں وہ ان کی اچھی طرح خدمت کرتا رہے - تو یہ دو لڑکیاں ہی اس کو جنت میں پہنچانے کے لئے کافی ہوں گی۔

وقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من کان لہ ثلاث بنات فصبر علیھن واطعمھن وسقاھن وکساھن من جدتہ کن لہ حجابا من نار یوم القیامۃ ۔ (ابن ماجہ باب)

نیز رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص کے تین لڑکیاں ہوں اُس نے اُن پر صبر کیا (یعنی ناک نہیں چڑھائی) اور ان کو کھلایا اور پلایا - اور اپنی طاقت کے مطابق لباس پہنایا تو یہ لڑکیاں اس کے لئے دوزخ کی آگ سے حجاب اور آڑ ہوں گی۔

احادیث مذکورہ بالا کے علاوہ اور بہت سی حدیثیں اسی مضمون میں ہیں مگر طوالت کے خوف سے ہم بیان کرنے سے مجبور ہیں ۔

قطعہ تاریخ رحلت

حضرت مولانا الحاج الحافظ محمد احمد صاحب مرحوم ومغفور،

صدر مہتمم مدرسہ عالیہ دارالعلوم دیوبند طاب اللہ ثراہ وجعل الجنۃ مثواہ - تاریخ سوم ماہ جمادی الاولیٰ یوم پنجشنبہ ۱۳۴۷ھ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم مقام وفات اسٹیشن نظام آباد - مقام دفن مقبرہ خطہ صالحین حیدرآباد دکن ۔

حضرت حافظ احمد گل باغ قاسم — مثل نکہت گل رحمت میں جو مستور ہوئے

دفعۃً ملہم غیبی نے ندا دی کہ حمید — بے شبہ کہدے تو سب سے کہ وہ مغفور ہوئے

(کمترین خادمانش محمد حمید الحق عفی عنہ)

اخلاقی مقالات

انسان کا مقصود آفرینش یہ ہے کہ اپنے ابنائے جنس کے ساتھ ہمدردی کرے اور انکی اصلاح کرتا رہے۔

(۲) اگر کوئی شخص برائی کرتا ہی تو اپنی فطرت اصلی کے خلاف اور اپنی ناواقفیت کے سبب سے کرتا ہے۔

(۳) ہوسکے تو اپنے بھائیون کی اصلاح کرو اور اگر ممکن نہو تو یاد رکھو کہ تم مین حلم کا مادہ اسی واسطے ودیعت کیا گیا ہے کہ دوسرون کے معائب پر صبر وتحمل سے کام لو۔

(۴) کوئی طبیب اگر کسی مریض کی حالت پر اظہار غضب وحیرت کرتا ہے تو یہ خود اس کے لئے شرم کی بات ہے۔

(۵) خدائے حیّ قیوم کو دیکھو کہ وہ روز ازل سے بدچلنیون اور بدافعالیون کے مناظر کو کس سکون وتحمل سے دیکھ رہا ہے تو اے بنی آدم جس کی مدت عمر صرف گنتی کے چند سال ہین کیا تجھ مین اتنا بھی صبر نہین کہ تو اتنے دن بھی ان پر تحمل کرسکے۔

(۶) جو کچھ کرو وہ اتباع ضمیر مین کرو لوگون کے خوش کرنے کے لئے نہ کرو۔

(۷) جو شخص اپنی نیکیون کا اعلان کرتا ہی وہ نیک کردار نہیں بلکہ جویائے شہرت ہے۔

(۸) اُس شخص سے بڑھکر نیک کردار کوئی نہیں ہوسکتا جو اپنی ناموری، مقبولیت، وہردل عزیزی کو مٹانا گوارا کرتا ہے مگر اپنے ضمیر کا خون کرنا نہیں چاہتا۔

(۹) اگر تم لوگون کی خوشنودی حاصل کرنے کی غرض سے کوئی کام کررہی ہو تو اپنے مرتبہ شرف انسانی سے گرگئے ہو۔

(۱۰) بڑے شخص کی عظمت میں اس سے ذرہ بھر بھی کمی نہین ہوتی کہ وہ مجہول الحال وخاکسار ہے۔

(۱۱) یہ کبھی نہ بھولو کہ انسان کے لئے بالکل ممکن ہے کہ متقی ہونے کے ساتھ ہی وہ غیر معروف وگمنام بھی ہو۔

(۱۲) جو شے اچھی ہے وہ فی نفسہ اچھی ہے کسی کی مدح وستایش سے اُس کی اچھائی مین کچھ اضافہ نہین ہوجاتا۔

(۱۳) مسرت ہمارے اعمال کے ہمراہ ہو تو ہو لیکن اُن کی رہنما نہین ہوسکتی۔

حضرت صدر مہتمم صاحب علیہ الرحمۃ کا سفر حیدرآباد اور سفر آخرت

وفات کے رقت انگیز حالات

چونکہ یہ حادثۂ عظیمہ اچانک وقوع پذیر ہوا کہ جس کے پہلے سے کوئی آثار نمایاں نہ تھے اسلئے اکثر حضرات تفصیلی واقعات کے معلوم کرنے کے خواہشمند و متمنی ہیں۔ لہذا حضرت رحمہ اللہ کے رفقائے سفر سے وفات کے جو مفصل حالات معلوم ہوئے ان کو مختصر طور سے ہدیہ ناظرین کیا جاتا ہے۔ (مدیر)

روانگی حیدرآباد حضرت مولانا ۲۸ ستمبر کو دیوبند سے روانہ ہوکر ۲ اکتوبر بروز سہ شنبہ حیدرآباد اسٹیشن کاچی گوڑہ پر رونق افروز ہوئے تمام خدام اور متوسلین دارالعلوم حضرت کو خوش آمدید کہنے کیلئے پہلے سے اسٹیشن پر موجود تھے۔ جناب مولوی عبدالباسط خانصاحب ناظم سررشتہ امداد باہمی حضرت کو اپنے دولت خانہ واقع سعید آباد باقرباغ لے گئے۔ وہاں سے تقریباً بارہ بجے حضرت مولانا موٹر پر سوار ہوکر جناب مولانا حکیم عبدالرحمن صاحب محدث سہارنپوری کے دولت خانہ پر رونق بخش ہوئے۔ وہاں سے حضرت مولانا سررشتہ امداد باہمی میں تشریف لائے اور مولوی محمد محمود صاحب صدیقی کو وہاں سے اپنے ہمراہ لیکر جناب ڈاکٹر خواجہ معین الدین صاحب ناظم سررشتہ حفظان صحت وطباعت کے یہاں تشریف لے گئے۔ جناب ڈاکٹر صاحب کے یہاں تھوڑی دیر قیام کرکے مولوی محمد علی صاحب کے یہاں اور وہاں سے جناب مولوی حکیم مقصود علیخان صاحب ناظر الاطباء کے یہاں تشریف فرما ہوئے۔ حضرت کی طبیعت اس روز بالکل اچھی تھی نہایت بشاش تھے۔ باوجود تکان سفر کے کوئی اثر گرانی کا نہ پایا جاتا تھا۔ حکیم صاحب کے یہاں سے قبیل مغرب حضرت مرحوم مع رفقاء باقرباغ تشریف لائے۔

نواب افسر الملک بہادر سے ملاقات وہاں پہنچکر حضرت کے ارشاد سے کرنل نواب سر افسر الملک بہادر کمانڈر انچیف افواج سرکار نظام کو حضرت کی تشریف آوری کی اطلاع ذریعہ ٹیلیفون دیگئی اور ۳ اکتوبر کی صبح کے لئے ملاقات کا وقت مقرر ہوا۔ جناب کرنل صاحب نے یہ فرمایا کہ حضرت جسوقت چاہیں تشریف لائیں۔ اسپر حضرت نے صبح کا وقت مناسب سمجھکر ۹ بجے کی اطلاع کرادی۔ چنانچہ صبح کو حضرت مولانا بمعیت جناب مولوی عبدالباسط خانصاحب پیرجی شریف صاحب کرنل صاحب کے یہاں تشریف لے گئے کرنل صاحب موصوف بے حد علیل تھے اور بستر سے حرکت نہیں فرماسکتے تھے اسلئے وہیں دونوں نے شرف ملاقات حاصل کیا۔ دیر تک باتیں کیں حضرت مولانا نے اپنی غایت سفر جناب کرنل صاحب سے بیان فرمائی جس کی تائید جناب کرنل صاحب نے پرزور الفاظ میں فرمائی اور فرمایا کہ سرکار دام اللہ اقبالہم کو دیوبند تشریف آوری کی دعوت دینے کے لئے آپ کا بنفس نفیس حیدرآباد تشریف لانا ہی مناسب اور نہایت مناسب ہوا۔

حضور نظام کی خدمت میں دعوت نامہ گذرانا اس کے بعد حسب قرارداد اسی دن شام کو دعانامہ مشتمل بر دعوت تشریف آوری

ظل سبحانی حضرت سلطان العلوم ادام اللہ اجلالہم کے بارگاہ اقدس داعلیٰ مین بتوسط نواب کرنل سر افسر الملک بہادر گزرانا گیا۔ کرنل صاحب کے بنگلہ سے واپسی میں حضرت مولانا نام پلی میں مولوی محمد محمود صاحب صدیقی اور مولانا مولوی احسان احمد صاحب رکن دارالترجمہ کے یہان ہوتے ہوئے باقرباغ مراجعت فرمائی اور شام کو نواب سر امین جنگ بہادر چیف سکرٹری کے یہان کھانا تناول فرمایا۔

مرض مین خفیف زیادتی

اسی دن شام کو حضرت مولانا کو جو دورہ بواسیر کا پہلے سے ہورہا تھا اس مین خفیف سی زیادتی محسوس ہوئی اور اک گونہ ضعف ہوگیا۔ اگلے دن ۱۲ بجے بروز جمعہ وفات سے دو ہفتہ پیشتر مولوی محمد محمود صاحب صدیقی مع برادران حضرت کی خدمت مین آئے۔ اسوقت حضرت کو امتلا ہو رہا تہا۔ تھوڑی دیر بعد اسی جگہ استفراغ ہوا اور ضعف زیادہ ہوگیا

حضور نظام سے اجازت باریابی

تھوڑی دیر کے بعد مولوی محمد محمود صاحب صدیقی سے فرمایا کہ ابھی تمہارے جانے کے بعد حضور پُر نور خلد اللہ ملکہ کا یہ حکم ذریعہ ٹیلیفون پہنچاہے کہ آج شام ۵ بجے کنگ کوٹھی مبارک پر ملاقات کے لئے آیئے۔ اس پر مولوی محمد محمود صاحب نے حضرت کی تشفی کی کہ حضرت کا مزاج انشاءاللہ گھنٹہ بھر مین اچھا ہوجائیگا تو حضرت ملاقات ضرور فرمائین۔ ارشاد فرمایا کہ استفراغ کے بعد میری طبیعت ہلکی ہوگئی ہے اور انشاءاللہ مین ۵ بجے سرکار کی ملاقات کا شرف حاصل کرونگا۔

مرض کی شدت

حضرت کو ۳ بجے پھر دورہ بواسیر کا ہوا۔ اس مرتبہ پہلے سے زیادہ خون گرا اور بوجہ ضعف دوران سر چکر بہت زیادہ تھا۔ استفراغ ہوا اور غشی کی کیفیت طاری ہوگئی۔ اس اثنا میں جناب مولوی عبدالباسط خان صاحب بھی مکہ مسجد سے واپس تشریف لاچکے تھے انھون نے حضرت کو آرام کرسی پر لٹا کر کمرے میں لے گئے۔ ہوش ہوا تو حضرت نے فرمایا کہ طبیعت پرسکون ہے اور کوئی فکر کی بات نہین۔ پہلے دورہ کے بعد جناب مولوی عبدالباسط خانصاحب کو حسینی علم بذریعہ ٹیلیفون اطلاع دی گئی تھی اور انھون نے مولوی محمد علی صاحب کو اسیوقت جناب مولوی حکیم مقصود علی خانصاحب کو ضروری ادویہ دے کر باقرباغ روانہ فرمادیا تہا۔ اس اثنا مین وہ بھی باقرباغ پہنچ گئے تھے۔ چنانچہ آپ کی ادویات کا حضرت کو استعمال کرایا گیا

مرض میں افاقہ اور حضور سے شرف ملاقات کا ارادہ

تھوڑی دیر میں حضرت کی طبیعت مین سکون ہوگیا اور حضرت نے مدرسہ کی خاطر سرکار سے ملاقات کا ارادہ باقی رکھا۔ ساڑھے چار بجے کے قریب لباس تبدیل فرمایا اور غالباً عمامہ باندھنے کیلئے کھڑے ہوئے تھے کہ پھر بیٹھ گئے اور فرمایا کہ آج ملاقات نہ ہوسکے گی، ضعف بہت ہے، سر میں چکر ہے نہ معلوم وہان کیا کیفیت ہو۔ اسکے بعد فوراً دعا نامہ مشتمل بر حالات علالت مرتب کرکے حضرت کے دستخط لیکر بارگاہ سلطانی میں گذرانا گیا۔ وہان سے یہ حکم محکم ذریعہ ٹیلیفون شرف صدور لایا کہ مولانا کی طبیعت سنبھلتے ہی اطلاع دیجائے ملاقات کیلئے پھر وقت مقرر کیا جائیگا۔ اس کے بعد تقریباً ½ ۵ بجے جناب ڈاکٹر خواجہ معین الدین صاحب ...... افسر اعلیٰ محکمۂ ڈاکٹری ممالک محروسہ دکن عیادت کے لئے باقرباغ تشریف لائے۔ چونکہ اگلے دن صبح تک حضرت کے مزاج مین کوئی تغیر نہ ہوا تھا اسلئے میجر ڈاکٹر خواجہ معین الدین صاحب حضرت کو اپنے بنگلہ پر بغرض معالجہ لے آئے۔

پروگرام کا التوا اس سے قبل جناب مولوی حکیم مقصود علیخاں صاحب کے توسط سے راجہ راجایان مہاراجہ سرکشن پرشاد بہادر یمین السلطنت صدر اعظم باب حکومت سے جو پروگرام ملاقات کا مقرر کیا گیا تھا وہ سب ملتوی کرنا پڑا۔ دو چار دن کے بعد حضرت کا مزاج رو بصحت ہوا تو پھر ارادہ سرکار مین اطلاع کا ہوا لیکن پھر یہ خیال ہوا کہ جمعرات کو اطلاع کی جائے تاکہ جمعہ کو سرکار دام اقبالہم سے شرف ملاقات حاصل ہو اور اسوقت تک ضعف وغیرہ بھی جاتا رہیگا۔

مرض مین کی زیادتی لیکن مشیت ایزدی کہ جمعرات کو حضرت کا مزاج پھر بگڑ گیا اور اس کے بعد برابر یہ سلسلہ رہا کہ کسی دن طبیعت بالکل سنبھل جاتی تھی اور کئی کئی گھنٹہ تک حضرت رحمۃ اللہ علیہ حضار سے گفتگو فرماتے رہتے تھے اور کسی دن حضرت کو ضعف زیادہ ہوتا تھا۔ حضرت نے کئی مرتبہ دوران علالت مین یہ فرمایا کہ عمر بھر مین کبھی ایسا اتفاق علالت کا مجھے نہیں ہوا جیسا اس مرتبہ ہوا ہے۔ ایک خاص نئی بات یہ تھی کہ حضرت کو دوران سر اور چکر بہت ہوتا تھا۔ جس سے استفراغ اور استفراغ سے کرب ہوتا تھا لیکن باایں ہمہ بجز ایک روز شب کے کہ طبیعت بہت زیادہ خراب ہوگئی تھی اور خدام کو تشویش ہوگئی تھی کبھی بھی حضرت مولانا کی علالت خطرناک متصور نہیں ہوئی۔

حضور نظام کی جانب سے خاصہ مبارک آغاز علالت کے چند روز بعد ایک روز شب کو حضور پُرنور ظل سبحانی نے بکمال مکرمت شاہانہ حضرت مولانا کے لئے اپنے دسترخوان خاص سے خاصہ مبارک بھی موٹر کے ذریعہ باقر باغ بھیجا تھا۔ لیکن جب یہ معلوم ہوا کہ حضرت ڈاکٹر خواجہ معین الدین صاحب کے مکان پر ہین تو خاصہ مبارک ڈاکٹر صاحب کے مکان پر آیا جس سے اعلیحضرت ظل سبحانی کی مخصوص توجہ شاہانہ ظاہر ہوئی حیدرآباد کی روانگی سے چار پانچ روز قبل تک برابر حضرت مولانا کا یہ خیال تھا کہ دو تین روز میں طبیعت سنبھل جائے تو میں سرکار سے ملکر وطن واپس ہونگا۔ اس وقت کسی کے حاشیہ خیال مین بھی یہ بات نہ تھی کہ اب کی مرتبہ مولانا ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دیوبند سے رخصت ہوکر آئے ہیں۔ حتی کہ آپ کا مزار بھی حیدرآباد میں ہی بنے گا۔

ارادہ واپسی دیوبند اس کے بعد مرض کی شدت وغیرہ کیوجہ سے حسب مشورہ معالجین حضرت نے بھی وطن کا ارادہ فرمالیا چنانچہ چہارشنبہ کی شام کو دس بجے ذریعہ ٹیلیفون جناب مولوی عبدالباسط خانصاحب نے سکنڈ کلاس کا ایک پورا ڈبہ حضرت اور حضرت کے رفقا کیلئے ریزرو کرنیکا انتظام فرمایا۔ اور یہ طے ہوا کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ پنجشنبہ کو شام کی گاڑی سے مراجعت فرمائے دیوبند ہوں۔ جب اسکی اطلاع حضرت کو دی گئی تو آپ نے یہ ارشاد فرمایا کہ اگر سب کا مشورہ ہو تو مجھے جلد سے جلد دیوبند پہنچایا جائے۔ اس ارشاد کی تعمیل مین بجائے شام کے صبح کی گاڑی سے ڈبہ کے ریزرو کرنیکا مکرر ٹیلیفون کے ذریعہ انتظام کیا گیا۔

روانگی دیوبند جمعرات کی صبح کو ۶ بجکر ۵۴ منٹ پر حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو کرسی پر بٹھاکر موٹر میں سوار کرایا گیا۔ تکیے لگا کر حضرت بیٹھ گئے۔ ایک طرف سے جناب مولوی عبدالباسط خانصاحب اور دوسری طرف سے مولوی حافظ محمد محمود صاحب

صدیقی حضرت کو تھامے رہے۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے راستہ میں مولوی عبد الباسط خاں صاحب کو اُن کی پُر خلوص خدمات پر دلی دعائیں دیں یہ کچھ ایسے پاک دل سے نکلیں تھیں کہ مولوی محمود صاحب صدیقی اور مولوی عبد الباسط خانصاحب بیتاب ہوگئے۔ اور جناب مولوی عبد الباسط خانصاحب نے بالفاظ مناسب حضرت کی دعاؤں کا خیر مقدم کیا۔ اسٹیشن پہنچنے پر کرسی کے ذریعے سے گاڑی میں بیٹھ گئے لیکن ابھی گاڑی چلنے نہ پائی تھی کہ چکر آکر حضرت کو استفراغ ہوا۔ استفراغ کے بعد حضرت کی طبیعت پر سکون ہوگیا۔ حضرت مولانا بستر پر لیٹ گئے۔ جناب مولوی فیض الدین صاحب۔ جناب مولوی عبد الباسط خان صاحب۔ جناب نواب عبد العزیز خانصاحب اور بہت سے دیگر حضرات سکندرآباد تک مشائعت کے لئے تشریف لائے۔ سکندرآباد پر حضرت کی طبیعت بہت زیادہ سنبھل گئی تھی اور حضرت بشاش معلوم ہوتے تھے۔ اور بجز ضعف کے اور کوئی بات حضرت کے چہرہ سے اسوقت ظاہر نہ ہوتی تھی۔ ان حضرات سے گفتگو فرماتے رہے اسوقت چونکہ حضرت روانہ ہو رہے تھے جناب مولوی عبد الباسط خانصاحب اور نواب عبد العزیز خانصاحب پر خصوصاً دیگر حضرات پر عموماً جو کیفیت ملال مفارقت طاری تھی اُس سے سب چشم پُر نم ہو رہے تھے۔ چند ہی ساعتوں میں ٹرین روانہ ہوگئی۔ رفقائے سفر حسب ذیل تھے۔

رفقائے سفر

(۱) مولوی محمد محمود صاحب صدیقی اسسٹنٹ منیجر سررشتہ امداد باہمی سرکار عالی حیدرآباد دکن۔ (۲) جناب مولوی میر احمد علی صاحب خلیفہ مجاز حضرت شیخ الہند۔ (۳) جناب مولوی محمد علی صاحب مدرس گورنمنٹ اسکول حیدرآباد دکن۔ (۴) پیر جی شریف احمد صاحب خادم مدرسہ دار العلوم دیوبند۔

رجوع الی اللہ

سکندرآباد سے چلکر حضرت مولانا کی طبیعت برابر بشاش رہی لیکن قرائن سے محسوس ہوتا تھا کہ حضرت مرحوم اپنی وفات کو سمجھ چکے ہیں۔ چند ایسے کلمات فرمائے جیسے کسی پر منکشف ہو چکا ہو کہ وقت قریب ہے۔ چنانچہ حافظ محمود صاحب نے عرض کیا کہ حضرت آج تو آپ کی طبیعت بہت بشاش ہے۔ فرمایا الحمد للہ بہت سکون ہے مگر آگے دیکھئے کیا ہوتا ہے؟۔

مولوی محمود صاحب نے بطور تسلی فرمایا کہ حضرت دہلی پر آپ کا مجمع مدلیسب وظاہر آپ سے پہلے پہنچ جائیں گے۔ اس پر کچھ جواب نہیں دیا بلکہ ادھر سے توجہ بالکل ہٹالی۔ کیونکہ توجہ دوسری طرف ہو چکی تھی اور ادھر سے منقطع ہو چکے تھے۔ خیال بجائے دوسروں کے اپنا تھا اور رجوع الی اللہ اور رجوع الی اہل اللہ کی توفیق حق تعالے نے دیدی تھی۔

حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی کو خط لکھوانا

چنانچہ اسی وقت جناب مولوی محمد محمود صاحب صدیقی سے یہ فرمایا کہ ایک خط حضرت مولانا اشرف علی صاحب کو میری علالت کے مفصل حالات اور حیدرآباد کے تمام کوائف کے متعلق تحریر کر دو۔ اور باصرار فرمایا کہ خط ابھی لکھو۔ اصل ارشاد کے موافق خط لکھنا شروع کیا گیا۔ اور تھوڑا لکھنے بعد حضرت کو سنایا تو حضرت نے کچھ اور مضمون بتلایا وہ بھی اضافہ کر دیا گیا۔ اس کے بعد پھر سنایا گیا اسی اثنا میں تقریباً ۱۱ بج گئے تو حضرت کے فرمانے سے رفقاء سفر نے کھانا کھایا۔

ذکر اللہ میں مشغولی

اب غالباً ۲ بجے کا عمل تھا۔ صبح سے اسوقت تک حضرت برابر سکون کے ساتھ کچھ پڑھنے میں مشغول تھے حسب ضرورت کوئی بات فرماتے ورنہ اکثر حصہ یاد خدا میں منہمک نظر آتے تھے۔ کھانے کے بعد مولوی محمد محمود صدیقی نے

ہراسی خط کو لکھنا شروع کیا اور جس حد تک لکھا تھا وہ سنایا اس کے بعد حضرت نے یہ فرمایا کہ یہ اور لکھدو ------ کہ میرے
لئے حق تعالیٰ شانہ کی جانب سے جو مقدر ہو چکا ہے میں اسکے سامنے سر تسلیم خم کر چکا ہوں۔ حضرت مولانا اشرف علی صاحب
ظلہ کے نام جو خط سربند کرایا گیا تھا اس میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بھی لکھوایا تھا کہ مولوی عبد الباسط خان صاحب مولوی
فضل الدین صاحب خواجہ معین الدین صاحب وغیرہ نے میری دل سے خدمت کی اور میں اُن سے بہت خوش ہوا اور
پ اُن کیلئے خاص طور پر خاص اوقات میں دعائے خیر فرمائیں۔ اسی اثنا مین حضرت نے شدت پیاس کیوجہ سے
رت سے ٹھنڈا کرا کے دودھ نوش فرمایا۔ اس کے بعد حضرت کو اک گونہ متلی ہوئی جسپر مولوی محمد محمود صاحب نے چند دانے
ائچی کے حضرت کے منہ مین ڈالے۔ چند منٹ کے بعد حضرت نے فرمایا کہ مجھے بیت الخلاء لے چلو اس پر عرض کیا گیا کہ
بیت الخلا جانے کی تکلیف حضرت نہ فرمائیں یہیں چوکی رگا دی جائیگی اس پر حضرت نے فرمایا کہ مجھے بیت الخلا ہی لے چلو
مگر رفقا نے اصرار کرکے وہیں چوکی لگادی اور پردہ کرلیا۔ اس کے بعد حضرت نے یہ فرمایا کہ مجھے متلی ہو رہی ہے چنانچہ طشت
سامنے کیا گیا۔ استفراغ ہوا حضرت لیٹ گئے پھر دو منٹ کے بعد استفراغ ہوا اور بہت کرب ہوا۔ اسکے بعد حضرت کو پسینہ آیا
ام بدن اور پیشانی عرق عرق ہوگئی اور رفقا اسکے معنی ابھی تک کچھ نہ سمجھ سکے اسکے بعد چند مرتبہ حضرت خود ... لیٹ گئے
د مولوی محمد علی صاحب سے پوچھا کہ نظام آباد کب آئیگا۔ رفقا برابر تھلے رہے یا پنکھا کرتے رہے۔ بجلی کے پنکھے کا رُخ اُدھر کو
پھیر دیا گیا۔ پنکھا پوری قوت سے چلتا رہا۔ اسکے بعد پھر اُٹھکر بیٹھ گئے اور پیر جی سے مخاطب ہوکر فرمایا کہ بڑی چادر دو۔ چنانچہ
بادر پیش کی گئی تو حضرت نے اُسے خود خوب اوڑھ لیا۔

ت وفات اب حضرت کو مولوی محمد محمود صاحب میر احمد علی صاحب اور مولوی محمد علی صاحب لئے ہوئے بیٹھے ہوئے تھے اور پیر جی صاحب
پنکھا کر رہے تھے جو حضرت نے ارشاد فرمایا کہ میرے قلب کے قریب کچھ تکلیف محسوس ہوتی ہے۔ چنانچہ ایک طرف سے مولوی محمد محمود صاحب
نے اور دوسری طرف سے مولوی میر احمد علی صاحب نے ہلکے ہلکے دبایا اسکے بعد دفعتاً مولوی محمود صاحب صدیقی کی زبان پر بلاقصد
درود شریف جاری ہوگیا۔ اور مولوی میر احمد علی صاحب بھی پڑھنے لگے اور حضرت کی زبان اور ہونٹ بھی جلد جلد متحرک ہونے لگے اور
تکیوں پر غیر معمولی سرعت کیساتھ عقد انامل کی حرکت جاری تھی۔ اسی مین دو تین ضربیں الا اللہ کی بلند آواز سے لگائیں اور بیٹھے ہی
بیٹھے چند لمحوں کے بعد الا اللہ کی ایک ضرب کیساتھ ایک نہایت خفیف حرکت حضرت کی گردن کو معلوم ہوئی، گردن جھک گئی اور
رضا بالقضا کیساتھ سر تسلیم خم کر دیا اور اپنے تبسم آمیز چہرے کیساتھ اپنے مالک سے جا ملے۔ اسکے بعد مولانا کو نبض تمام ٹٹولا گیا
وہاں کچھ بھی تو نہ تھا۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی روح پُرنور اپنے مولیٰ سے واصل ہو چکی تھی۔ مولوی محمود صاحب فرماتے ہیں کہ اسوقت اس
ں ریلوے کمرے مین ایک نہایت ہی ممتاز اور ارفع کیفیت نورانیت کی ہمہ تن محسوس کی جسکا ادراک تو کر رہے تھے لیکن بیان کیلئے
لفاظ کچھ بھی نہیں آتے۔ ڈبہ منور معلوم ہوتا تھا۔ بہرحال نہ سکرات نہ بیہوشی نہ جھٹکے کچھ بھی نہیں ہوا۔ نہایت ہی سہولت
سے حق تعالےٰ نے بلایا اور انھوں نے لبیک فرمایا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون+

اسٹیشن نظام آباد کی کیفیت اس روح فرسا خبر کا نظام آباد میں پہنچنا تھا کہ سارے شہر میں تہلکہ مچ گیا۔ ہر خاص و عام۔ امیر و غریب افسران و عہدہ داران سب اسٹیشن پر آموجود ہوئے اور ہر قسم کی خدمات کے لئے وقف ہوگئے۔ مولوی محمد محمود صاحب صدیقی نے فوراً جا بجا تار دیئے اور چند گھنٹہ میں یہ خبر دکن کے گوشہ گوشہ میں پھیل گئی۔ اور اکثر حضرات نظام آباد روانہ ہوئے۔ اہل دیوبند نے کمال اندوہ و ملال کا احساس کرتے ہوئے تابوت مبارک دیوبند لیجانیکا عزم کیا گیا لیکن پھر مصلحتاً تابوت مبارک کو بلدہ لانا تجویز ہوا چنانچہ جمعہ کے دن صبح پانچ بجے کے قریب تابوت معظم بذریعہ موٹر بحفاظت تمام بلدہ پہنچ گیا۔ حیدرآباد میں اس خبر جانگسل نے ایک کہرام بپا کر رکھا تھا۔ تابوت مکرم کے ورود سے افسردہ قلوب کو بڑی تشفی و تسکین حاصل ہوگئی۔

صبح جمعہ کی طلوع ہوتے ہی لوگ اس شش و پنج میں مصروف تھے کہ حضرت کو بلدہ مدفون کیا جائے یا تابوت مبارک دیوبند پہنچایا جائے

حضور نظام خلد اللہ ملکہ کو وفات کی اطلاع اب جبکہ حضرت مولانا کی نعش مبارک حیدرآباد پہنچ چکی تھی تو یہ بھی کسطرح قرین صواب نہ تھا کہ حضرت بندگان اقدس و اعلیٰ کی بلا اطلاع و اجازت مولانا کو دیوبند پہنچایا جائے چنانچہ ۸ بجے کے قریب مستقر پر یہ قرارداد ہوئی کہ بارگاہ سلطانی میں تمام واقعات عرض کئے جائیں اور وہاں سے جو حکم شرف صدور لائے اسکی تعمیل کی عزت حاصل کیجائے۔ فوراً مولوی عبد الباسط خان صاحب اور مولوی حکیم مقصود علیخانصاحب معروضہ لیکر کنگ کوٹھی مبارک پر حاضر ہوئے مجلس برخاست ہو چکی تھی اور اعلیحضرت جمعہ کے اہتمام میں مصروف تھے۔ معروضہ پیش کرایا گیا۔ معروضہ ملاحظہ فرماتے ہی ہر دو حضرات کو فوراً شرف باریابی بخشا گیا۔ اور تمام حالات مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے متعلق حضور بندگان اقدس و اعلیٰ نے دریافت فرمائے اور مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی بزرگی اور صاحب وقات ہونے کی بہت تعریف فرماتے رہے۔

حضور نظام کا فرمان دربارہ تدفین حضرت اور یہ حکم نافذ فرمایا کہ بس اب حضرت مولانا یہیں رہیں گے۔ حضرت مولانا کو قبرستان خطہ صالحین میں جو سرکار نے مشاہیر علماء و اکابر اہل اللہ کیلئے خاص طور پر تیار کرایا ہے دفن کیا جائے۔ چنانچہ اسکے بعد سرکار فیض آثار نے نواب اظہر جنگ بہادر کوتمام ضروری انتظامات تدفین کا حکم دیا۔ نواب اظہر جنگ بہادر نے ادھر قبر کا انتظام فرمایا اور خود سرکار باغ عامہ میں نماز جمعہ کے لئے تشریف لیگئے۔ بعد نماز جمعہ مجمع عام میں تقریر فرمائی جسمیں اظہار رنج و ملال فرما کر حضرت مرحوم کی مدح سرائی اور مناقب بیان فرمائے۔ یہ الفاظ بھی ارشاد فرمایا کہ خدا کی قدرت ہے وہ مجھے لینے آرہے تھے لیکن میں نے انھیں روک لیا۔

قبرستان کو روانگی ادھر تمام متوسلین و خدام حضرت مولانا کے جنازہ کو چارپائی پر رکھ کر خطہ صالحین کیطرف روانہ ہوئے۔

جنازہ کی متعدد نمازیں اور چونکہ بہت سے حضرات مولوی فیض الدین صاحب کے مکان پر نماز جنازہ میں شریک نہیں ہوسکے تھے اسلئے تیسری مرتبہ پھر نماز جنازہ ایک مجمع نے پڑھی پھر یوسف شاہ شریف صاحب کی مسجد میں بعد نماز جمعہ نماز جنازہ پڑھی گئی پھر درگاہ شاہ خاموش صاحب کی مسجد میں نماز ہوئی اور اسکے بعد تقریباً ۴ بجے خطہ صالحین پہنچے۔ یہاں قبر کی تیاری میں کسیقدر تاخیر تھی بہر حال پانچ بجے کے قریب قبر تیار ہوئی اور بعد عصر پھر ایک مرتبہ جو لوگ نئے آچکے تھے انھوں نے حضرت مولانا کی جنازہ کی نماز پڑھی غرض جنازہ کی پانچ چھ نمازوں کے بعد نفس مغرب میں جگر گوشہ قاسمی کو جسنے اپنی عمر کا چالیس سالہ حصہ دارالعلوم دیوبند اور اسلام کیخدمات میں صرف کیا تھا اور آخری نحبہ بھی اسی

فتاوی دارالعلوم دیوبند

سوال ۱ کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ حنفی المذہب اہل حدیث امام کے پیچھے نماز پڑھ سکتا ہے یا نہیں ؟ بینوا توجروا۔

جواب ۔ حنفی المذہب کی نماز اہل حدیث امام کے پیچھے صحیح ہے لیکن اگر وہ غیر مقلد تقلید کو شرک اور مقلدین کو مشرک سمجھتا ہے جیسا کہ غیر مقلدین کے کتب میں مذکور ہے تو ایسے غیر مقلد کے پیچھے حنفی المذہب کو نماز نہ پڑھنی چاہیئے فقط واللہ اعلم بالصواب۔

سوال ۲ ۔ خلاصہ سوال یہ ہے کہ گل محمد نے اپنے یتیم بہن بھائیون کا گوسالہ ایک غیر شخص کو دیدیا وہ اس کے بعد کچھ مدت رہا ہم اسکو واپس لے سکتے ہیں یا نہیں ؟ اور اجرت پرورش کا کیا حکم ؟۔

جواب ۔ گوسالہ یتیم بچون کا جو گل محمد نے دیدیا وہ ان بچون کو واپس ہونا چاہیئے اور اجرت پرورش وغیرہ اگر وہ شخص طلب کرے تو گل محمد سے لے سکتا ہے فقط

سوال ۳ ۔ مین نے اپنی زوجہ کو بحالت غصہ بہ نیت طلاق یہ کہا کہ مین نے اپنی زوجہ کو چھوڑ دیا۔ اس صورت میں کونسی طلاق واقع ہوئی ؟۔

جواب ۔ اس صورت مین تمھاری زوجہ پر ایک طلاق بائنہ واقع ہوگئی دوبارہ نکاح اس سے جائز ہے درمختار۔

سوال ۴ ۔ ایک عورت اپنے شوہر کے ساتھ بمبئی چلی گئی، کچھ دنون کے بعد وہان سے واپس آکر بیان کرتی ہے کہ میرے شوہر نے مجکو طلاق دیدی ہے پس اس صورت میں عقد ثانی کرنا جائز ہے یا نہیں ؟۔

جواب ۔ اس صورت میں موافق بیان عورت کے جبکہ کوئی امر اس کا مکذب نہین ہے اسکو نکاح کرنا درست ہے درمختار

سوال ۵ ایک مرد ایک طوائف زناکار کے پاس رہتا تھا اور اسکی زناکاری سے گذر اوقات کرتا تھا پھر اس سے نکاح کر لیا عورت بدستور زناکاری کرتی رہی کیا یہ نکاح اس دیوث کا جائز ہے ؟ یا عورت دوسرے مرد سے نکاح کر سکتی ہے یا نہیں ؟

جواب اس صورت میں نکاح اس مرد کا طوائف مذکورہ سے صحیح ہوگیا پھر بعد نکاح کے بھی طوائف مذکورہ کا پیشہ زناکاری کرنا اور شوہر کا اس کو منع نہ کرنا اور اس کی حرام آمدنی سے گذارہ کرنا یہ جملہ امور حرام اور موجب فسق ہیں اور شوہر مذکور دیوث اور فاسق ہے لیکن نکاح جو ہوگیا وہ قائم ہے جبتک وہ طلاق نہ دے اور اس کی عدت نہ گذر جائے اسوقت تک طوائف مذکورہ دوسرے شخص سے نکاح نہیں کر سکتی ۔ کذا فی کتب الفقہ

سوال ۶ ۔ ایک شخص احمد نے بحالت غصہ ایک جلسہ میں اپنی بیوی کو تین مرتبہ یہ کہا کہ میں نے تجکو طلاق دی ایب

دس بارہ روز کے بعد احمد رجوع کرنا چاہتا ہے، یہ جائز ہے یا نہیں ؟-

جواب اس صورت میں احمد کی زوجہ مطلقہ ثلثہ ہوگئی یعنی تین طلاق اسپر واقع ہوئی رجوع کرنا اس کو جائز نہیں ہے اور بدون حلالہ کے احمد اس سے دوبارہ نکاح نہیں کرسکتا درمختار و شامی و فتح القدیر فقط۔

سوال عمر نے زید سے کہا کہ میں اپنی لڑکی ہندہ کی شادی تمہارے لڑکے سے کردونگا منگنی ہوگئی اور لڑکے والوں نے لڑکی کو سونے کی بالیاں و ڈوپٹہ چوڑی وغیرہ دی، عمر زید کو دھوکہ دیتا رہا اور لڑکی کی شادی دوسری جگہ کردی اس صورت میں کیا حکم ہے ؟-

جواب۔ دھوکہ دینا سخت گناہ ہے۔ پس عمر اگر بے وجہ زید سے وعدہ کرکے خلاف وعدہ دنیاوی طمع کی وجہ سے کیا تو عمر فاسق و عاصی ہوگیا اور جو کچھ عمر نے دیا تھا وہ واپس کرنا لازم ہے۔ فقط

سوال. کسی شخص نے ایک ہندو زمیندار سے ایک نئی مسجد اس شرط پر بنوائی کہ اگر مسجد کے سامنے سے ہندو دن کے تیوہار کیوقت باجا بجاتے ہوئے جاویں تو اسے روک نہیں سکتے۔ اور اگر کسی وجہ سے اس کا خراج بند ہوجائے تو یہ مسجد مالک زمین یعنی ہندو زمیندار کے ملک میں چلی جائیگی۔ اس مسجد میں نماز جائز ہوگی یا نہیں؟

(۲) ایک شخص جملہ (سلو من اہل علم) کو کلام مجید کی آیت کہے اسکے لیے شرعاً کیا حکم ہے ؟

جواب۔ اس صورت میں وہ مسجد شرعی نہیں ہوئی لیکن نماز اس میں صحیح ہے جبتک اس ہندو کی اجازت سے نماز اس میں پڑھے جاویں نماز صحیح ہوجاویگی۔ اور وہ مسجد نہیں ہوئی اور وقف نہیں ہوئی کما فی الشامی قولہ و شرطہ شرط سائر التبرعات الخ افاد ان الوقف لابد ان یکون مالکاً لہ وقت الوقف ملکاً باتاً الخ اور کافر کا وقف صحیح نہیں۔

(۲) یہ اس سے خطا ہوئی آئندہ بلا تحقیق ہر ایک عربی عبارت کو قرآن کی آیت نہ کہے باقی غلطی اکثر ہوجاتی ہے۔ اسمیں احتیاط کرنی چاہیے اصل آیت یہ ہے فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون حاصل اس آیت کا بھی یہی ہے جو عبارت مذکورہ کا مطلب ہے۔ یعنی سوال اہل علم سے کرنا چاہیے کما ورد فی الحدیث شفاء العی السوال۔ فقط

سوال ایک شخص سے طلاق حاصل کرنے کیلئے پچاس روپیہ معاوضہ مقرر کرکے اسٹامپ پر طلاق تحریر کرالی اور بعد تحریر ہونے کے معاوضہ مقررہ نہ دیا اور طلاق دہندہ طلاق نامہ لیکر چلا گیا اس صورت میں طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟

جواب۔ اس صورت میں جبکہ معاوضہ نہ دیا گیا تو طلاق نہیں ہوئی۔ فقط

قواعد وضوابط رسالہ القاسم

(۱) تاریخ روانگی رسالہ ہر قمری مہینہ کی ۱۵ ہے۔ نیا سال محرم سے شروع ہوتا ہے۔

(۲) حجم کم سے کم ۳۲ صفحہ کا ہوتا ہے اور سائز ۲۰×۲۶ ۔

(۳) عام قیمت سالانہ ڈھائی روپیہ ہے۔ امراء و والیان ریاست سے حسب حیثیت۔ قیمت فی پرچہ ۴ آنہ۔

(۴) سالانہ چندہ پیشگی بذریعہ منی آرڈر یا وی پی وصول ہوتا ہے۔ محصولڈاک روانگی رسالہ و پیکنگ کا صرفہ بذمہ دفتر ہے فیس رجسٹری و فیس منی آرڈر کا صرفہ بذمہ خریدار ہے۔

(۵) سالانہ چندہ جہانتک ممکن ہو منی آرڈر روانہ کرنا چاہئے اس مین منگانیوالیکو کفایت اور بھیجنے والوں کو سہولت رہتی ہے۔

(۶) جو صاحب درمیان سال میں رسالہ کے خریدار بنتے ہیں ان کو شروع سال ہی سے خریدار سمجھا جاتا ہے۔ چنانچہ کل پرچے بشرط موجودگی اس سال کے بھیجے جاتے ہیں تاکہ سلسلہ مضامین نہ ٹوٹے۔

(۷) جو حضرات القاسم کے حلقہ اشاعت و فیض کے وسیع اور عام کرنے کیلئے غیر مستطیع شایقین کے نام کم قیمت پر رسالہ جاری کرانیکیلئے امداد قوم مرحمت فرماتی ہیں وہ القاسم کی معاونین و محسنین خاص شمار ہوتی ہیں اور ایسی مخیر حضرات کا اسماء گرامی وقتاً فوقتاً القاسم میں شایع کیے جاتے ہیں۔

(۸) جو پرچہ ڈاکخانہ یا دفتر کی غلطی سے وصول نہ ہوا ہو اس کیلئے تاریخ اشاعت سے دس روز کے اندر اندر دفتر کو اطلاع کر دینی چاہیے تاکہ دوبارہ رسالہ بھیجدیا جاے اس کے بعد قیمتاً بشرط موجودگی ارسال ہوگا۔

(۹) جواب طلب امور کے لئے جوابی کارڈ یا ٹکٹ آنا چاہیے۔

(۱۰) خط و کتابت و ترسیل زر کے وقت پتہ صاف خوشخط ہونا چاہیے خریداری کی نمبر کا حوالہ کوپن سرنامہ پر ضرور ہونا چاہیے ورنہ عدم تعمیل کی شکایت نہ کیجائے۔

نرخ و شرح اجرت اشتہارات

(۱۱) مہذب اشتہارات کے چربے موافق سائز رسالہ لئے جاسکتے ہیں بشرطیکہ فی صفحہ ... نصف صفحہ ... صفحہ کیلئے ... پیشگی بھیجدیے جائیں دوامی اشتہارات میں اور بھی رعایت ممکن ہے۔

(۱۲) کوئی مضمون مخالف مسلک علمائے دیوبند شایع نہوگا نیز جو مضمون انتخاب مین آکر طبع ہوجاے بشرط طلب اسکا معاوضہ حسب حیثیت مضمون ادا کیا جائے گا۔

(۱۳) عدم انتخاب کی صورت مین مضمون بیرنگ واپس ہو سکیگا۔

... ترسیل زر ... بنام ... دارالعلوم دیوبند ہونی چاہیے۔ (منیجر)

یادگار حضرت مولانا محمد قاسم النانوتوی رحمۃ اللہ علیہ بانی دار العلوم دیوبند

القاسم

دور جدید

جلد ۴ — نمبر ۷

رجب المرجب ۱۳۴۷ھ

دار العلوم دیوبند کا علمی، مذہبی، اخلاقی، تمدنی، تاریخی ماہوار رسالہ

(زیر ادارت)

فخر الہند حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب ناظم دار العلوم دیوبند

(باہتمام)

خاکسار طاہر بن احمد القاسمی نائب المدیر عفی عنہ

مطبع قاسمی دیوبند میں طبع ہو کر

دفتر القاسم دار العلوم دیوبند سے شائع ہوا

قیمت سالانہ ۲ روپیہ آٹھ آنہ (عہ۸) مع محصول ڈاک

فی پرچہ ——— ۴؍

فہرست مضامین رسالہ القاسم بابت ماہ رجب المرجب ۱۳۵۴ھ

بیادگار حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب قدس اللہ سرہٗ

بانی دار العلوم دیوبند

زیر سرپرستی

قدوۃ الانام حضرت مولانا الشاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی و حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی

ودیگر مقدس ومقتدر علمائے دیوبند سے شائع ہوتا ہے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سلسلہ تصوّف

شرح مثنوی مولانا روم

دفتر چہارم

بعد حمد ایزد و نعت نبی — ملتمس ہے احقر اشرف علی

شکر شرح دفتر ثالث کے بعد — شرح رابع کا ہوا آغاز سعد

مولوی شبیر اور فاضل حبیب — داد کے قابل ہیں یہ دونوں لبیب

اپنی اپنی شرح میں دونوں فرید — ہیں کلید مثنوی کی دو کلید

دونوں شرحیں اپنے اپنے طرز پر — ہیں مفید عام و خاص و پرگہر

دونوں شرحوں کو الٰہی کر مفید — اور دونوں شارحوں کو دے مزید

اور بقیہ دفتروں کی بھی شرح — ختم کو پہنچا دے اے صاحب فتوح

شرح

اے ضیاء الحق حسام الدین توئی — گر گذشت از مہ بنورت مثنوی

ہمت عالی تو اے مرتجے — می کشد ایں را خدا داند کجا

گردن ایں مثنوی را بستہ — می کشی آنسو کہ تو دانستہ

مثنوی پویاں کشندہ ناپدید — ناپدید از جاہلے کش نیست دید

مثنوی را چوں تو مبدأ بودهٔ — گر فزوں گردد تواش افزودهٔ

تو چنیں خواہی خدا خواند چنیں — میدہد حق آرزوئے متقیں

کان اللہ بودهٔ در ما مضے — تاکہ کان اللہ لہ آمد جزا

مثنوی از تو ہزاراں شکر داشت — در دعا و شکر کفہا بر فراشت

در لب و گفتش خدا شکر تو دید — فضل کرد و لطف فرمود و مزید

زانکہ شاکر را زیادت وعدہ است — آنچنانکہ قرب مزد سجدہ است

گفت واسجد واقترب یزدان ما — قرب جاں شد سجدهٔ ابدان ما

گر زیادت می شود زیں رو بود — نز برائے بوش ہائے و ہو بود

باتو ما چون زر بتابستان خوشیم — حکم داری ہیں بکش تا می کشیم

خوش بکش ایں کارواں را تا بحج — اے امیر صبر و مفتاح الفرج

حج زیارت کردن خانہ بود — حج ربُّ البیت مردانہ بود

زاں ضیا گفتم حسام الدین ترا — کہ تو خورشیدی وایں دو وصفہا

کایں حسام و ایں ضیا یکیست ہیں — تیغ خورشید از ضیا باشد یقین

نور ازاں ماہ باشد وین ضیا — آن خورشید ایں فرو خوان از نبا

شمس را قرآن ضیا خواند اے پدر — وان قمر را نور خواند ایں را نگر

شمس چوں عالی تر آمد خود ز ماہ — پس ضیا از نور افزوں داشت جاہ

بس کس اندر نور مہ منہج ندید — چوں برآمد آفتاب آں شد پدید

آفتاب اعراض را کامل نمود — لاجرم بازارہا در روز بود

تاکہ قلب و نقد نیک آید پدید — تا بود از غبن و از حیلہ بعید

تاکہ نورش کامل آمد بر زمیں — تاجراں را رحمۃ للعالمیں

لیک بر قلاب مبغوض است سخت — زاں کزو شد کاسد او را نقد و رخت

پس عدو جان صراف است قلب	دشمن درویش کہ بود غیر کلب
انبیا با دشمنان برمی تنند	پس ملائک رب سلم می زنند
کایں چراغے راکہ ہست آن نوردار	از پف و دہانے دزدان دور دار
دزد و قلاب است خصم نور بس	زیں دو اے فریادرس فریاد رس
روشنی بر دفتر چارم بریز	کافتاب از چرخ چارم کرد خیز
ہین ز چارم نور دہ خورشید وار	تا بتابد بر بلاد و بر دیار
ہر کش افسانہ بخواند افسانہ ایست	وانکہ دیدش نقد خود مردانہ ایست
آب نیل است و بقبطی خون نمود	قوم موسیٰ را نہ خوں بود آب بود
دشمن ایں حرف ایندم در نظر	شد ممثل سرنگوں اندر سقر
اے ضیاء الحق تو دیدی حال او	خود نمودت پاسخ افعال او
دیدۂ غیبت چو غیب ست اوستاد	کم مبادا زیں جہان ایں دید و داد
آن حکایت را کہ نقد وقت ماست	گر تمامش میکنی ایں جا رواست
ناکسان را ترک کن بہر کسان	قصہ را پایان بر و مخلص رسان
ایں حکایت گر نشد آنجا تمام	چارمین جلد است آرش در نظام

یہاں مولانا مثنوی کی طوالت کا عذر اور مولانا حسام الدین کی تعریف بیان فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے ضیاء الحق حسام الدین تو ہی ہے جس کے نور کے سبب مثنوی افاضۂ نور ہدایت میں چاند پر فوقیت لے گئی ہے۔ اور اے وہ شخص جس سے ہماری امیدیں وابستہ ہیں آپ کی ہمت عالی خدا جانے اس مثنوی کو کہاں سے کہاں لیجاویگی۔ میں نے جو کہا ہے کہ آپ کی ہمت عالی خدا جانے مثنوی کو کہاں سے کہاں لیجاویگی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس پر آپ ہی کا تصرف ہے۔ اور اس کی ڈوری آپ ہی کے ہاتھ میں ہے۔ آپ نے اسکی گردن باندھ رکھی ہے۔ اور جسطرف آپ مناسب سمجھتے ہیں اس طرف لیجاتے ہیں پس چونکہ میں اسوقت تک آپکا تصرف دیکھ رہا ہوں، اسلئے سمجھتا ہوں کہ اس کا اختتام بھی آپ ہی کے تصرف سے ہوگا۔ اسلئے کہدیا گیا۔

کہ آپ کی ہمت عالی الخ مثنوی دراز ہو رہی ہے اور لوگ سمجھتے ہیں کہ اسے میں کھینچ رہا ہوں مگر ایسا نہیں بلکہ جو اصل کھینچنے والا ہے یعنی مولانا حسام الدین وہ من حیث التصرف مخفی ہے۔ گو ہر ایک سے مخفی نہیں بلکہ اُس جاہل سے مخفی ہے جو چشم بصیرت نہیں رکھتا۔ اور جو لوگ چشم بصیرت رکھتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ مولانا حسام الدین اس کے کھینچنے والے ہیں۔ خیر یہ تو ایک ضمنی گفتگو تھی اب میں کہتا ہوں کہ چونکہ مثنوی کا مبدا آپ ہی ہیں اور اس کا ظہور آپ ہی کے فیض سے ہے۔ اسلئے اگر یہ بڑھ جائے تو میں اس کا ذمہ دار نہیں بلکہ اسکے بڑھانے والے آپ ہی ہیں۔ اصل بڑھانے والے تو اسکے حق سبحانہ ہیں مگر میں نے آپ کو اس کا بڑھانے والا اسلئے کہدیا ہے کہ آپ فانی فی الحق ہیں پس جب آپ کسی چیز کو چاہتے ہیں تو خدا بھی وہی چاہتا ہے کیونکہ اس کا قاعدہ ہے کہ وہ متقین کے مقاصد پورے کرتا ہے۔ چونکہ آپ بیشتر خدا کے ہو چکے ہیں اسلئے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خدا بھی آپ کا ہو گیا۔ اور بجز شاذ و نادر احوال میں یا مستثنیٰ ان احوال کے جن میں آپ کی مرضی کا لحاظ رکھنا اس کی حکمت و مصلحت کے خلاف ہے وہ آپ کی منشا کا لحاظ رکھتا ہے۔ اور چونکہ آپ کا منشا اسکا طول ہے اسلئے یہ طویل ہوتی جاتی ہے۔ ایک وجہ تو اسکے طول کی یہ تھی۔ دوسری وجہ یہ ہو کہ مثنوی آپکی نہایت ممنون و مشکور ہوا اور آپ کیلئے دعا اور آپ کے شکر کے لئے ہاتھ اٹھائے ہوئے ہے۔ اسکے منہ اور زبان پر خدائے تعالےٰ نے آپ کا شکر دیکھا اسلئے اس نے عنایت اور فضل کیا اور ترقی بخشی۔ کیونکہ شاکر کے لئے ترقی کا وعدہ ہو چکا ہے۔ اور فرما چکے ہیں لئن شکرتم لازیدنکم اور ترقی شکر کی یوں ہی اجرت ہے۔ جیسی کہ سجدہ کی اجرت قرب ہے۔ چنانچہ حق سبحانہ نے واسجد واقترب فرمایا ہے۔ پس جس طرح ہمارے اجسام کا سجدہ ہمارے ارواح کے قرب کا سبب ہو گیا ہے۔ یوں ہی مثنوی کا شکر اس کی ترقی کا سبب ہو گیا۔

الغرض اگر مثنوی میں زیادتی ہو تو اس کے اسباب یہ ہیں جو بیان کئے گئے ورنہ خواہش شہرت و تعریفہائے تحسین اس کا باعث نہیں۔ چونکہ ہم آپ سے یوں ہی خوش ہیں جس طرح موسم گرما سے انگور خوش ہوتا ہے۔ اسلئے آپ کے مطیع ہیں اور کوئی ذاتی رائے نہیں رکھتے۔ اگر آپ چاہتے ہیں کہ یہ دراز ہو تو آپ حاکم ہیں۔

آپ کھینچیں آپکے تابع ہو کر ہم بھی کھینچیں گے۔ اے امیر صبر اور اے کشایش کی کنجی آپ اس قافلہ کو

اس حد تک کھینچنا چاہتے ہیں کہ حج ہو جاوے۔ آپ شوق سے کھینچیں ہم آپکے تابع ہیں کوئی یہ نہ کہے کہ حج کے معنی تو افعال مخصوصہ کے ساتھ خانہ کعبہ کی زیارت ہے سو یہ مقصد مثنوی سے کب حاصل ہو سکتا ہے اسلئے کہ ہم کہتے ہیں کہ بیشک حج شرعی یہ ہی ہے جس کا نصوص میں حکم ہے۔ لیکن حج بیت اللہ مردان خدا کیساتھ مخصوص نہیں بلکہ اس میں وہ اور ان کے علاوہ اور لوگ سب شریک ہیں اور حج رب البیت اور بچشم قلب زیارت حق سبحانہ یہ مردان خدا کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور یہاں یہی حج مراد ہے۔ نہ کہ مصطلح شرع یہانتک عذر طویل کو ختم کر کے اب مولانا حسام الدین کی تعریف کرتے ہیں جو کہ تمہید ہے دوسرے مضمون کی۔ اور کہتے ہیں کہ حسام الدین میں نے تمھیں اسلئے ضیاء کہا ہے کہ آپ شمس ہیں۔ اور ضیاء اور حسام آپکے دو وصف ہیں دو نہیں بلکہ ضیاء اور حسام بھی ذاتاً ایک ہی ہیں اور فرق اعتباری ہے۔ ایک میں نے اسلئے کہا کہ آفتاب کی تلوار خود اس کا نور ہی ہوتا ہے۔ اور اسی کو بوجہ قاطع ظلمت ہونے کے حسام کہا جاتا ہے۔ تو چونکہ آپ آفتاب ہیں اور آفتاب کی روشنی کو ضیاء اور چاند کی روشنی کو نور کہا جاتا ہے چنانچہ اس کی تصدیق قرآن سے کر سکتے ہو۔ دیکھو قرآن نے شمس کو ضیاء اور قمر کو نور کہا ہے اس لئے میں نے آپ کو نور نہیں کہا بلکہ ضیا کہا۔ نیز چونکہ آفتاب ماہتاب سے ارفع ہے، اسلئے ضیاء کو بھی نور پر فوقیت ہوگی۔ اور یہ امر مشاہدہ سے بھی ثابت ہے کیونکہ بہت سے لوگ چاند کی روشنی میں رستہ نہیں پا سکتے۔ لیکن جب آفتاب نکلتا ہے تو وہ ظاہر ہو جاتا ہے۔ نیز آفتاب سامان تجارت کو خوب اچھی طرح ظاہر کر دیتا ہے یہی وجہ ہے کہ بازار دنکو لگتے ہیں، تاکہ کھوٹا کھرا اچھی طرح ظاہر ہو جاوے۔ اور تاکہ آدمی پامال دھوکے اور چال سے دور رہے نیز اسی کا نتیجہ ہے کہ اس کا نور کامل زمین پر تاجروں کے حق میں رحمۃ للعالمین ہے۔ پس اس بیان سے معلوم ہوا کہ نور شمس نور قمر سے ارفع ہے لہذا میں نے آپ کو ضیا کہا۔

اب سنو کہ گو آفتاب اور ضیاء تاجروں کا محبوب ہے لیکن کھوٹا مال چلانے والے اس کے سخت دشمن ہیں کیونکہ اس سے انکا مال واسباب رائج نہیں ہو سکتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ صراف کا جانی دشمن کھوٹا مال چلانے والا ہی ہوتا ہے۔ اور ہونا بھی یہی چاہیئے۔ اسلئے کہ فقیر کا دشمن کتا ہی ہوتا ہے۔ پس ضرور ہے کہ جس طرح کاملین آپ کو محبوب سمجھتے ہیں یوں ہی ناقصین آپکے دشمن ہوں۔ لیکن آپ کو مطمئن

رہنا چاہیئے کہ اس سے آپ کو کوئی ضرر نہ پہنچیگا، اس لئے کہ آپ نائب انبیا ہیں اور جبکہ انبیاء کا اعداء سے مقابلہ ہوتا ہے تو فرشتے رب سلم، رب سلم پکارتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس چراغ کو جو کہ منور ہے تو ان چوروں (دشمنوں) کی پھونک سے دور رکھنا۔ پس نور کے دشمن دو ہی شخص ہیں ایک کھوٹا مال چلانیوالا دوسرا چور سوائے فریادرس ہم تجھ سے ان دونوں کی تعدی کی فریاد کرتے ہیں تو ہماری فریاد سن اور ان کو سزا دے۔ پس جبکہ فرشتے انبیاء کے لئے دعا کرتے ہیں تو آپ کے لئے بھی ضرور کریں گے۔ اسلئے کوئی اندیشہ کی بات نہیں آپ شوق سے دفتر چہارم پر روشنی ڈالیئے اور اس سے اپنے کمالات کو ظاہر فرمایئے۔ کیونکہ آفتاب بھی بنابر مشہور چرخ چہارم ہی سے طلوع ہوتا۔ دیکھئے میں پھر عرض کرتا ہوں کہ آپ آفتاب کیطرح دفتر چہارم سے نور افشانی کریں تاکہ وہ ملکوں اور شہروں کو منور کردے۔ یہ ضرور ہے کہ کچھ لوگ اسے افسانہ کہتے ہیں اور کچھ اسے کھرا مال سمجھتے ہیں مگر میں کہتا ہوں کہ جو لوگ اسے افسانہ کہتے ہیں وہ خود افسانہ اور بے حقیقت ہیں اور جو اسے کھرا مال سمجھتے ہیں وہ ہی حقیقت میں مرد ہیں۔ نیز مثنوی کا لوگوں کی نظروں میں مختلف صورتوں میں ظاہر ہونا کچھ تعجب خیز نہیں اسلئے کہ ایسا ہوتا ہے کہ ایک چیز مختلف لوگوں کو مختلف صورتوں میں دکھلائی دیتی ہے چنانچہ آب نیل حقیقت میں پانی تھا اور قبطیوں کو خون دکھلائی دیتا تھا اور قوم موسےٰ کو خون نہ دکھلائی دیتا تھا بلکہ پانی ہی معلوم ہوتا تھا۔ پس یہی حالت مثنوی کی ہے۔ کہ کچھ لوگ اسکو اسکی حقیقت کے موافق دیکھتے ہیں اور کچھ خلاف لیکن جو لوگ اسکے دشمن ہیں اور اسکو اسکی حقیقت کے خلاف دیکھتے ہیں عالم مثال کے مشاہدہ سے ان کی حالت یہ معلوم ہوتی ہے کہ وہ دوزخ میں سرنگون ہیں۔ پس اے ضیاء الحق آپنے ان کی حالت تو دیکھ ہی لی ہے اور خدا تعالیٰ نے آپ کو انکے افعال کی سزا محسوس کرا دی ہے لہذا آپ ان کی طرف التفات نفرمائیں آپ کی غیب میں آنکھ عالم غیب کی طرح فیض رساں ہے خدا کرے اس کی بینش اور سخاوتیں کمی نہ آئے اگر آپ اس حکایت کو جو پیش نظر ہے یہاں تمام فرمادیں تو کچھ مضائقہ نہیں اہلوں کی خاطر سے نااہلوں کو چھوڑیئے اور قصہ ختم کیجئے اور انتہا کو پہنچایئے۔ اگر یہ حکایت وہاں تمام نہوئی تو نہو چوتھی جلد کے اندر اسکو سلسلہ بیان مل سکے آئے۔

شرح

اے ضیاء الحق حسام الدین توئی	کہ گذشت از مہ بنورت مثنوی

یعنی اے ضیاء الحق حسام الدین آپ ہی ہیں جن کے نور کیوجہ سے یہ مثنوی چاند سے بڑھ گئی۔ مطلب یہ کہ چونکہ مولانا حسام الدین ہی کے فیض اور تصرف کی برکت سے مثنوی لکھی گئی ہے لہٰذا مولانا فرماتے ہیں کہ اس مثنوی کا رتبہ آپ ہی کی بدولت چاند سے بھی بڑھ گیا ہے۔ اور یہ مثنوی اپنی فیض رسانی میں چاند سے بھی زیادہ ہو گئی ہے۔

ہمت عالی تو اے مرتجا	می کشد ایں را خدا داند کجا

یعنی اے امیدگاہ آپ کی ہمت عالی اس کو خدا جانے کہاں تک کھینچ رہی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ چونکہ مضامین آپ ہی کی توجہ سے بڑھ رہے ہیں تو خدا جانے یہ توجہ اور تصرف اس مثنوی کو کہاں تک بڑھاویگا۔

گردن ایں مثنوی را بستۂ	می کشی آنسو کہ تو دانستۂ

یعنی آپنے اس مثنوی کی گردن کو باندھ رکھا ہے اور آپ اسکو اس طرف کو کھینچ رہے ہیں جسطرف کہ آپ جانتے ہیں۔ مطلب یہ کہ چونکہ اس کے مضامین کو آپ بقصد بڑھا رہے ہیں اور ایک اجمالی طور پر آپ کو علم بھی ہے کہ اسکو اس قدر تک پہنچانا ہے تو آپ اسکو اسی حد تک لیجا رہے ہیں اگرچہ آپ کو تفصیلی علم نہو اور اصل مقصد بھی آپ کا نہو مگر تبعًا تو آپ کا قصد اس کے متعلق ہے ہی۔ اگرچہ اصل قصد حق تعالےٰ کا ہے۔ تو خدا داند کجا اور تو دانستۂ میں جو بظاہر تعارض تھا کہ اوپر تو علم الٰہی کے سپرد کیا کہ خدا جانے یہ کہاں تک بڑھیگی اور یہاں کہتے ہیں کہ آپ کو بھی معلوم ہے تو تعارض جاتا رہا۔ کہ اجمال اور تفصیل کا فرق ہے۔ اور اصل تبع کا فرق ہے۔ خوب سمجھ لو۔

مثنوی پویان کشندہ ناپدید	ناپدید از جاہلی کش نیست دید

یعنی مثنوی تو دوڑ رہی ہے۔ اور کھینچنے والا غائب ہے اور اس جاہل سے غائب ہے جسکے نگاہ نہیں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ مثنوی تو بڑھ رہی ہے اور اس کے مضامین میں خوب زیادتی ہو رہی ہے مگر جو اس کا اصل بڑھانیوالا ہے یعنی حق تعالےٰ وہ نظر نہیں آتے۔ اب شبہہ ہوا کہ جب وہ نظر ہی نہیں آتے

تو تم کو کیسے اطلاع ہوئی کہ وہ ہی کشندہ ہیں تو فرماتے ہیں کہ جو اہل بصیرت نہیں ہیں ان سے غائب ہیں ورنہ جو آنکھ والے ہیں وہ جانتے ہیں کہ اصل کشندہ وہی ہے ۔ آگے پھر حضرت حسام الدین ہی کو خطاب فرماتے ہین کہ ۔

مثنوی را چوں تو مبدأ بودۂ	گر فزون گردد تواش افزودۂ

یعنی مثنوی کے لئے جب آپ ہی مبدأ تھے تو اگر وہ زیادہ ہو تو آپ ہی نے اسکو بڑھایا ہے ۔ مطلب یہ کہ یہ شروع بھی آپ ہی کی توجہ سے ہوئی ہے ۔ اور اب زیادہ بھی آپ ہی کی توجہ سے ہوگی ۔ اب یہاں شبہہ ہوا کہ اوپر تو حق تعالےٰ کو افزائندہ کہا تھا ۔ اب حضرت حسام الدین کو کہا تو تعارض ہوا اس کو ایک عجیب پیرایہ سے دفع فرماتے ہیں کہ ۔

تو چنیں خواہی خدا خواہد چنیں	میدہد حق آرزوئے متقین

یعنی آپ اس طرح چاہتے ہیں تو خدا بھی اُسی طرح چاہتا ہے ۔ اور حق تعالیٰ متقیوں کی آرزو دیتے ہیں ۔

کان اللہ بودۂ در ما مضے	تا کہ کان اللہ لہ آمد جزا

یعنی آپ گذشتہ زمانہ میں کان اللہ تھے ۔ یہانتک کہ کان اللہ لہ جزا آئی ۔ مطلب یہ ہے کہ اصل تو حق تعالےٰ ہی ہیں لیکن چونکہ آپ کا جو مقصد ہوتا ہے ۔ اسی کے مطابق حق تعالےٰ کا قصد بھی ہوتا ہے ۔ لہذا گویا کہ افزائندہ آپ ہی ہوئے ۔ کہ جو آپ نے چاہا خدا نے اسی طرح کر دیا ۔ اور یہ اس لئے کہ جب آپ خدا کے ہوئے تو خدا آپ کا ہوگیا ۔ اور آپ نے خدا کی مرضیات کے موافق کیا تو خدا نے آپ کی مرضی کے موافق کام کیا ۔

مثنوی از تو ہزاران شکر داشت	در دعا و شکر کفہا بر فراشت

یعنی مثنوی نے تم سے ہزاروں شکر رکھے اور دعا و شکر میں ہاتھوں کو بلند کیا ۔ مطلب یہ کہ چونکہ مثنوی آپ ہی کی توجہ کی برکت سے لکھی گئی ہے ۔ تو بزبان حال وہ آپ کی شکر گذار ہے ۔ اور آپ کو دعائیں دے رہی ہے ۔ تو جب اس نے شکر کیا تو یہ ہوا کہ ۔

در لب و کفش خدا شکر تو دید	فضل کرد و لطف فرمود و مزید

یعنی اُس مثنوی کے لب اور کف میں خدا تعالےٰ نے آپ کا شکر جو دیکھا تو فضل اور لطف فرمایا اور زیادتی فرمائی ۔ (باقی آئندہ)

رسالت محمدی صلعم

گذشتہ سے پیوستہ

پس اصل میں دیکھنے کی چیز وہ زندگی ہے جو ہمارے حضور نے نہیں بلکہ ہمارے حضور کے ہاتھوں اس حی وقیوم خدا نے دنیا مین پیدا کی - ایسی زندگی سے پہلے دنیا پر جو موت چھائی ہوئی تھی اس کا ذکر میں ایک با انصاف ہندو محقق پنڈت پرشوتم دیوسست دھاری کے الفاظ میں پیش کرتا ہون وہ فرماتے ہیں۔

"اسلامی آفتاب کے طلوع کے قبل، مذاہب کی تعلیمات نہیں تھیں - میرے نزدیک جو قدیم مذاہب اسوقت ہیں وہ آغاز اسلام سے قبل بھی تھے - خود عرب میں مشہور مذاہب موجود تھے - یہودیت بھی نصرانیت بھی مجوسیت بھی اور عقلی بلند پروازی کی سوج الحادبھی - لیکن ان سب کا نتیجہ کیا تھا؟ عقائد کے لحاظ سے مثل ہندوستان کے یا تو خداؤں کی وہ کثرت جس کو نصرانیت نے بہت گھٹایا تاہم تین کی تعداد سے کم نہ کرسکی اس کے ساتھ یہ اعتقاد کہ حضرت عیسیٰ خود سولی پر چڑھکر تمام بنی آدم کے گناہون کا کفارہ بن گئے - یہ توحید تھی لیکن خدا اس قسم کا تھا جو آدمیوں سے کشتی لڑتا تھا - بتوں پر مثل ہندوستان کے آدمیون کی قربانی چڑھائی جاتی تھی - باپ کی منکوحہ بیٹے کو وراثت میں ملتی تھی - حقیقی ہمشیرگان سے شادی جائز تھی - ازدواجی شرائط دحدود معین تھے قمار بازی، شراب خواری، زناکاری داخل تہذیب تھی - بے حیائی کا یہ ادنیٰ نمونہ ہے کہ عرب کا مشہور نامور شاعر امراءالقیس کہ شہزادہ بھی تھا، اپنی پھوپی زاد بہن کے ساتھ بدکاری کا قصہ مزے لیکر بیان کرتا ہے اور یہ قصیدہ کعبہ پر آویزاں کیا جاتا ہے - الغرض عرب بھی ہندوستان سے اپنی تہذیب و تمدن میں کچھ کم نہ تھا۔ پیغمبر عرب کے مبعوث ہوتے ہی تمام بداخلاقیاں دور ہونی شروع ہوگئین اور وہی عرب بالآخر تہذیب کی ایک مثال بن گیا اور دنیا کے روبرو توحید الٰہی کا ایسا نمونہ پیش کیا کہ ہر مذہب کی تعلیمات پھیکی پڑ گئیں"

یہاں تک اس حق پرست ہندو کا کلام ہے جس نے نہایت خوبصورتی سے واضح کردیا ہے کہ آن حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو نہ صرف شرک و بدعت بلکہ ہر قسم کی عیاشی و بدمعاشی اور ظلم و ستم کفر و عدون کا مقابلہ کرنا تھا اور اس مقابلہ کی کوشش تیرہ سال مخفی طور پر اور دس سال علانیہ کی گئی - نتیجہ یہ نظر آیا کہ اس عرصہ کے

بعد خود وحی ربانی تبلیغ کے مکمل ہو اور نعمت کے پورا ہونے کا اعلان کرتی ہے۔ فوجوں در فوج ، بنکر اسلام میں آتا
ہر طرح کی بدکاری سے نفور ہوتے اور جان و مال کو دین کے نام پر قربان کرتے دیکھکر حق تعالےٰ اپنے کلام میں آپکو
مبارک باد دیتا ہے۔ مردہ دلوں کو زندہ کرنے کا وہ کرشمہ دکھایا کہ صدق وصفا کے سخت ترین دشمن دین ہونے
کے مخلص ترین خادم بن گئے۔ عمر بن خطاب گھر سے رسول کو قتل کرنے کی نیت سے چلتے ہیں راستہ میں قرآن
کی چند آیتیں سنکر ایسے بیتاب ہوتے ہیں کہ رسول علیہ السلام کی خدمت میں جاکر کانپتے ہوئے جسم اور لرزتی
ہوئی زبان سے کلمۂ توحید زبان پر لاتے ہیں۔ عمرو بن عاص کفر کی حالت میں مسلمان پناہ گزینوں کو حبشہ سے
نکلوانے کے لئے وفد کے لیڈر بنکر بادشاہ کے پاس جاتے ہیں اور اسلام لاکر فاتح مصر ہونے کا اعزاز پاتے ہیں
ان کے الفاظ جو موت کے وقت کہے ہیں قابل غور ہیں۔ وہ نزع کی حالت میں روتے ہیں۔ صاحبزادے
عرض کرتے ہیں، رونے کا سبب کیا ہے آپ کی نسبت آنحضرت کی بہت سی بشارتیں ہیں۔ کہتے ہیں میرے
ایک وقت تھا کہ میرے دل میں سب سے زیادہ نفرت محمد رسول اللہ کے نام سے تھی اس وقت مرجاتا تو یقیناً
دوزخ میں جاتا۔ پھر ایک وقت آیا کہ مجھے اپنی جان اور اولاد سے زیادہ محبت محمد رسول اللہؐ سے تھی اس حالت
میں مرتا تو یقیناً بہشت میں پہنچتا۔ آنحضرت کے بعد بدقسمتی سے بہت دیر تک دنیا میں رہنے کا اتفاق ہوا
کئی بھلے بُرے کام کرنے پڑے، اب معلوم نہیں میرا کیا حشر ہوگا۔ اس لئے روتا ہوں۔ اسلام کے سخت ترین
دشمن ابوجہل کا بیٹا عکرمہ باپ کے بعد بہت عرصہ تک باپ کا جانشین ہوکر اسلامیوں کو سخت سے سخت نقصان
پہنچاتا رہا ہے۔ ایسا پشتینی دشمن اسلام جب رسول اللہؐ کی خدمت میں آتا ہے تو تمام عداوتیں دل سے ایسی محو
ہوتی ہیں کہ اسلام کا سچا جان نثار بن جاتا ہے۔ جن سرداروں کی رہنمائی میں اسلامی فوجیں قیصر روم کی
عظیم الشان قوت سے ٹکراتی ہیں ان میں عکرمہ بن ابی جہل صف اول میں شمار ہوتے ہیں۔ جنگ یرموک کے
مشہور معرکہ میں ایک موقعہ پر ساٹھ ہزار کے مقابلہ میں تجویز ہوتی ہے کہ صرف ساٹھ آدمی بھیجے جائیں جو جوانمرد
ایسی بے نظیر مہم کو سر کرنے کے لئے منتخب ہوتے ہیں ان میں عکرمہ بن ابی جہل بھی شامل ہیں؛ خالد بن ولید
جو دنیا کے مشہور ترین جرنیلوں میں شمار ہوتے ہیں۔ اگر جنگ احد میں اپنی جنگی قابلیت سے مسلمانوں پر مصیبت
ڈھانے اور رسول علیہ السلام کو زخمی کرنے کا باعث بنتے ہیں تو چند سال کے بعد خود ہی آکر قدموں پر سر رکھتے ہیں

اور اپنی جان بازی کے صلہ میں دربار رسالت سے سیف اللہ کا خطاب پاتے ہیں۔ وحشی کہتا ہے میں نے کفر کی حالت میں خاص حربہ تیار کرا کر اسلام کے بہترین شخص کو قتل کیا اور مسلمان ہوکر اسی حربہ سے اسلام کے سخت ترین دشمن کو مارا۔ یہ شخص رسول علیہ السلام کے عم بزرگوار حضرت حمزہ کا قاتل ہے۔ جس نے بعد میں مسیلمہ کذاب کو مار کر کفارہ ادا کیا۔

ان دو چار دس بیس جان نثار غلاموں پر کیا منحصر ہے تمام عرب جو ایک بیکس کی آواز پر غصہ سے آگ ہوگیا تھا، چند سال کے اندر ایسا پلٹا کھاتا ہے کہ آپ کی صدا پر لبیک کہنے میں ہر شخص دوسرے پر سبقت کرتا ہے۔ عروہ بن مسعود ثقفی رضی اللہ عنہ کفر کے عالم میں جب حدیبیہ کے مقام پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں صلح کی گفتگو کرنے حاضر ہوتے ہیں تو واپس جاکر اہل مکہ سے کہتے ہیں۔ لوگو! باز آؤ، تم محمدؐ کا کیا مقابلہ کرو گے۔ میں نے قیصر روم کا دربار دیکھا ہے، بادشاہ ایران کا دربار دیکھا ہے اور شاہ حبش کا دربار دیکھا ہے۔ کسی کے درباری اپنے بادشاہ کی وہ تعظیم نہیں کرتے جو محمدؐ کے ساتھی اپنے رسولؐ کی کرتے ہیں۔ وہ وضو کرنے بیٹھتے ہیں تو اُن کے پانی کا ایک قطرہ زمین پر گرنے نہیں پاتا لوگ پانی کو ہاتھوں میں لیتے ہیں اور منہ پر ملتے ہیں اور اس سعادت کو حاصل کرنے کے لئے آپس میں جھگڑتے اور ایک دوسرے سے پیش دستی کرتے ہیں۔

دم عیسیٰ جناب مسیح علیہ السلام کو اور اُس کا فخر آپ کے متوسلین کو مبارک رہے۔ دلوں کا ایسا کھنچنا۔ پتھر دلوں کا نظر توجہ سے ایسا موم ہوجانا، ایک بہت بڑی قوم کو حق کی طرف مائل کرنے کی تمنا میں اتنی قلیل مدت کے اندر کامیاب ہونا وہ اعجاز ہے جس کو نہ صرف مسیح علیہ السلام بلکہ ابتدائے آفرینش سے آج تک کوئی نبی مرسل اور کسی قوم کا ہادی ورہنما نہیں پاسکا۔ آپ بات وہ کہتے ہیں جو کسی کو پسند نہیں۔ بلاتے ہیں اس رستہ کی جانب جو سب کو دشوار نظر آتا ہے۔ روکتے ہیں ان عادتوں سے جن میں نفس کی لذت اور راحت نصیب ہوتی ہے۔ حالات تمام ناگوار ہیں وحشی بھاگنا چاہتے ہیں۔ درندے دانتوں سے پنجوں سے اور سینگوں سے حملہ کرتے ہیں مگر کوئی نامعلوم زنجیر ہے جو سب کو جکڑ کر قدموں کی طرف جھکاتی ہے۔ وہ اپنا قدم اٹھاتے ہیں دور ہونے کے لئے یا بڑھاتے ہیں ہلاک کرنے کی نیت سے مگر دونوں کوششیں بے کار ثابت ہوتی

ہیں قدم اپنی جگہ پر جمے رہجاتے ہیں دل میں ولولۂ محبت جوش مارتا ہے اور سر اطاعت کے لئے جھک جاتا ہے۔ یہ کیوں؟ اس لئے کہ۔

آپ تمام بنی نوع سے زیادہ فیاض ہیں۔ سب سے زیادہ راستباز ہیں۔ سب سے بڑھکر نرم دل ہیں۔ سب سے زیادہ بہادر ہیں۔ سب سے زیادہ فہیم ہیں۔ جو پہلی بار دیکھتا ہو مرعوب ہوجاتا ہے جو تعارف بڑھاتا ہو محبت کرنے لگتا ہے اور سب طرح دیکھ بھالکر دل سے آواز نکلتی ہو کہ ایسا شخص نہ کبھی دیکھا ہے، نہ دیکھیں گے۔ آپ اکثر متفکر و مغموم رہتے ہیں۔ بے ضرورت تکلم نہیں فرماتے۔ جب کلام کرتے ہیں تو پورے طور پر متوجہ ہوکر سمجھاتے ہیں اور اکثر جملے تین بار دھراتے ہیں۔ مختصر اور جامع فقرے استعمال کرتے ہیں۔ بات زوائد اور حشو سے خالی ہوتی ہے۔ بات سے نہ تکبر ثابت ہوتا ہے۔ نہ فضول چاپلوسی۔ اکثر نعمائے الٰہیہ کی تعریف و توصیف میں گفتگو فرماتے ہیں۔ مگر کھانے پینے کی چیزوں کا ایسا ذکر نہیں کرتے جس سے اشتیاق اور حرص ثابت ہو۔ مذمت کسی چیز کی نہیں کرتے۔ دنیا اور دنیا کی کسی چیز سے آپ کو غصہ نہیں آتا۔ آپ کی ذات خاص کو کوئی تکلیف یا نقصان پہنچائے، خفا نہیں ہوتے، بدلہ نہیں لیتے جو کام حق کے خلاف ہو اس پر ناراض ہوتے ہیں، اور اس کے مناسب تدارک میں ہرگز کوتاہی نہیں کرتے۔ غصہ کے وقت آپ مُنہ پھیر لیتے ہیں، خوشی کے وقت آنکھوں کو جھکا لیتے ہیں اور ہنسی کے وقت صرف تبسم فرماتے ہیں۔ جس سے موتی کے سے دانے چمکتے نظر آتے ہیں۔ جریر بن عبداللہ خورد سالی میں مسلمان ہوئے ہیں۔ کہتے ہیں میں جب سے مسلمان ہوا ہوں حضرت نے کبھی میری کسی گذارش کو رد نہیں فرمایا، اور جب مجھے دیکھا ہے تبسم فرمایا ہے۔ عمرو بن عاص کہتے ہیں جو لوگ متکبر ہوتے تھے حضرت ان سے زیادہ التفات کے ساتھ پیش آتے تھے اور محفل کے اندر کلام میں اکثر ان کی طرف متوجہ ہوتے تھے، چنانچہ میری جانب حضرت کا ایسا التفات تھا کہ مجھے گمان ہوا شاید میں آپ کے نزدیک سب سے بہتر ہوں۔ ایک دن جرأت کی اور پوچھا کہ حضرت آپکے نزدیک میں بہتر ہوں یا ابوبکر فرمایا ابوبکر، میں نے کہا میں بہتر ہوں یا عمر فرمایا عمر، میں نے پھر پوچھا میں بہتر ہوں یا عثمان فرمایا عثمان، ایسی سچی اور کوری بات سُن کے مجھے افسوس ہوا کہ نہ پوچھتا تو بہتر تھا، طبع مبارک میں مذاق بھی تھا۔ مگر راستی کے خلاف کوئی بات نہ ہوتی تھی۔ ایک شخص نے سواری طلب کی فرمایا تجھے اونٹنی کا بچہ دینگے۔ اُس نے کہا بچہ لیکر کیا کرونگا فرمایا جو اونٹ ہوگا کسی اونٹنی کا بچہ ہی تو ہوگا۔ ایک بدوی آپ کی خدمت میں جب آتا

کوئی تحفہ لیکر آتا۔ آپ بھی اسے کوئی شہر کی چیز ضرور عطا فرماتے۔ ایک دن بازار میں خرید و فروخت کر رہا تھا حضرت نے پیچھے سے پکڑ لیا۔ گھبرا کر بولا کون ہے چھوڑ دے، پھر کر دیکھا تو اور پیچھے کو جھکا کہ حضرت کے سینہ سے لگا رہے۔ آپ نے فرمایا اس غلام کا کون خریدار ہے وہ بدوی بولا حضرت میری قیمت کیا پڑے گی فرمایا نہیں اللہ کے نزدیک تم گرانقدر ہو۔ حضرت کے سامنے دنیا کے معاملات کی باتیں ہوتی تھیں۔ شعر اشعار کا تذکرہ ہوتا تھا حضرت خاموش رہتے تھے یا کبھی تبسم فرماتے تھے۔ شب کو کھانا کھانے کے بعد لوگ بیٹھکر باتیں کرتے یا کہانیاں سُناتے ہیں ایسی صحبتیں بھی حضرت کے سامنے منعقد ہوئی ہیں۔ جنمیں سے ایک کہانی کا ذکر جو حضرت عائشہؓ نے سُنائی ہے، آج تک محفوظ ہے اس میں نو سہیلیوں کا قصہ ہے جو اپنے شوہروں کا حال مقفّیٰ عبارت میں سُناتی ہیں۔ ایک عورت کا شوہر اور اس کی ساس اور دیگر اعزّہ نہایت اچھا سلوک کرتے ہیں مگر انجام طلاق پر ہوتا ہے۔ حضرت اس کے حال پر خوشنود ہوکر فرماتے ہیں میرا بھی تم لوگوں سے ایسا ہی برتاؤ ہے مگر طلاق نہ دوں گا۔

صحبت احباب کا ایسا پاس و لحاظ رکھنے کے باوجود رات کے پردے میں حضرت کے اوقات گرامی دنیا کے تمام اوقات سے یکسو ہوکر حمد و ثنائے باری تعالےٰ میں بسر ہوتے ہیں۔ نماز کے اندر ایسا لمبا قیام فرماتے ہیں کہ پائے مبارک متورم ہوجاتے ہیں۔ لمبی سے لمبی سورتیں جو گھنٹوں میں ختم ہوں۔ ایک ایک رکعت میں نہایت آہستگی سے تلاوت فرماتے ہیں، اور ہر آیت پر اس کے مناسب حال رحم یا مغفرت کی التجا کرتے ہیں۔ آنکھوں سے آنسوؤں کی بارش ہوتی ہے، سینہ مبارک سے ایسی آواز نکلتی ہے گویا دیگ میں جوش آرہا ہے۔ کبھی کسی ایک آیت کو بار بار دھراتے ہیں اور اسی میں پورا وقت صرف کردیتے ہیں۔ جتنا طول قیام کو ہوتا ہے اسیقدر طویل رکوع اور سجود کرتے ہیں۔ ابن عمر نے ایک رات حضرت کے ساتھ نماز ادا کی کہتے ہیں اس قدر طویل قیام تھا کہ مجھے ناجائز خیال آنے لگا یعنی نیت توڑ دوں آپ کی اس تکلیف کو دیکھکر خدام عرض کرتے ہیں کہ آپ مغفور و مرحوم ہیں پھر ایسی تکلیف کیوں فرماتے ہیں فرمایا کیا میں شکرگذار بندہ نہ بنوں۔ رات کے علاوہ دن کے اندر بھی آپ کی مصروفیت نماز میں اسقدر ہے کہ حضرت علی سے اس تفصیل پوچھی گئی، تو کہا تم میں وہ طاقت کہاں۔ نماز کے برابر ہی روزہ کا اہتمام ہے اور اکثر متواتر روزہ رکھتے ہیں کہ لوگ گمان کرتے ہیں اب افطار ہی نہ فرمائیں گے۔ دوسروں کیلئے عبادت میں شدّت کو پسند نہیں فرماتے ایک عورت کا ذکر ہوا کہ

وہ شب کو آرام نہیں کرتی، فرمایا ایسے عمل کرو جو طاقت سے باہر نہوں۔ جس کام سے خود تنگ آجاؤ اسے خدا بھی پسند نہیں کرتا۔ بہتر عمل وہ ہے جو قابل برداشت ہو اور ہمیشہ ہو۔ ہند ابن ابی ہالہ بی بی خدیجہ کے بیٹے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زیر تربیت رہی ہیں۔ حضرت کے عادات کریمانہ سے پوری واقفیت رکھتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وہ وقت جو زنانخانہ میں گذرتا تھا اس کے تین حصہ تھے۔ ایک حصہ اپنی آسائش کا۔ ایک حصہ گھر والوں سے بات چیت کا۔ اور ایک حصہ عبادت کا پھر آپنے اپنے آرام کا حصہ نصف کر دیا تھا۔ اس میں سے باقی آدھا بندگان خدا کی احوال پرسی میں صرف ہوتا تھا۔ اسوقت وہ لوگ حاضر ہوتے تھے جو خلوت میں کچھ عرض کرنا چاہتے ہوں۔ ان میں سے جو شخص جتنا زیادہ پارسا ہوتا اتنا ہی اسکو دوسرں سے زیادہ وقت دیا جاتا نیز جس کی چند حاجتیں ہوں اسکو اس سے زیادہ موقع دیا جاتا تھا جس کی ایک حاجت ہو اور جو شخص باریاب ہو اسے تاکید ہوتی تھی کہ اگر کوئی حاجتمند مجھ تک نہ پہنچ سکے اور تمھیں اس کی ضرورت کا علم ہو تو تم ہی مجھے خبر کر دو کیونکہ جو شخص حاکم کے سامنے کسی مجبور کی سفارش کرتا ہے خدا قیامت کے دن اسے ثبات قدمی عطا فرماتا ہی نیز فرماتے تھے کہ کوئی مرجائے اور مال چھوڑے تو اس کے وارثون کا حصہ ہی لیکن مقروض مرے یا عیال کا کوئی خبرگیر نہو تو اسوقت مرنے والے کا وارث میں ہون۔ اس مجلس میں جو بے علم جاتے تھے عالم بنکر واپس آتے تھے جو محتاج جاتے تھے غنی ہو کر آتے تھے۔ حضرت باہر تشریف لاتے تو ضرورت کے بغیر اپنی زبان مبارک بند رکھتے تھے۔ آنے والون کی دلجوئی کرتے تھے۔ ہر قوم کے شرفا اور رؤسا کی تعظیم کرتے تھے اور حتی الوسع انہی کو ان کی قوم پر حاکم بناتے تھے۔ لوگون کو بدی سے بچاتے تھے۔ خود ان کے شر سے محفوظ رہتے تھے کبھی کوئی ایسا موقع پیش نہیں آیا جس کے لئے حضرت پہلے سے تیار نہوں۔ ہر شخص سے کشادہ پیشانی پیش آتے تھے۔ اور کوئی بات ایسی نہونے دیتے تھے جس سے لوگ تنگ آجائیں۔ قانون پر عمل کرنے میں نہ کمی ہوتی تھی نہ زیادتی۔ اس بارہ مین شریف اور رذیل سب برابر تھے۔ آپ کی دوستی کا فخر محض پاکباز لوگوں کو حاصل ہوتا تہا آدمی جسقدر خلوص میں زیادہ ہو آپ کے نزدیک اسیقدر افضل تھا اور جسقدر لوگون کی ہمدردی اور امداد کے لئے تیار ہو اسیقدر معزز سمجھا جاتا تھا۔ آپ کی نشست و برخاست کی نسبت پوچھا گیا تو کہا آپ خدا کا نام لیکر بیٹھتے تھے۔ اور اسی کے ذکر پر مجلس کو ختم کرتے تھے۔ آپ کا ہمنشین گمان نہیں کر سکتا تھا۔ کہ مجھسے زیادہ آپ اور پر بھی مہربان ہونگے۔ کوئی پاس آبیٹھے تو جبتک خود نہ

اُٹھے آپ کسی اور طرف توجہ نہ کرتے تھے۔ کوئی شخص کچھ طلب کرے تو عطا فرماتے تھے یا نرمی سے خوشنما جواب دیتے تھے۔ آپ کی خوش اخلاقی اور نرمی سب کے لئے عام تھی گویا آپ سب کے باپ ہیں اور لوگ آپ کے عیال ہیں آپ کی محفل علم کی حیا کی صبر کی اور امانت کی محفل ہوتی تھی۔ وہاں آوازیں بلند نہ ہوتی تھیں عیب چینی نہ کیجاتی تھی، پردے فاش نہ ہوتے تھے۔ سب اہل محفل یکساں سمجھے جاتے تھے۔ فضیلت ہوتی تھی تو تقوےٰ اور دیانت کی۔ بڑوں کی تعظیم کیجاتی تھی چھوٹوں پر رحم ہوتا تھا۔ حاجتمندوں کی حاجت برآری اور پردیسیوں کی غمخواری کیجاتی تھی۔

حضرت انسؓ کہتے ہیں میں نے دس سال کامل آپکی خدمت کی ہے، آپ نے کبھی مجھے اُف بھی نہیں کہا۔ کوئی غلطی کی ہے تو نہیں پوچھا کہ کیوں کی۔ کوئی کام نہیں ہوا تو نہیں پوچھا کہ کیوں نہیں ہوا۔ آپکے برابر کسی کا خلق نہیں دیکھا، آپ کی کف پا کے برابر کسی خز اور حریر کو نرم نہیں دیکھا، آپ کے پسینہ کے برابر کسی مشک اور عطر کو خوشبودار نہیں دیکھا۔ آپ نے روبرو کسی سے ایسی بات نہیں کی جو اُسے بری لگے، ایک شخص زرد رنگ کی خوشبو کپڑوں کو لگا کر آیا، جب اُٹھ کر چلا گیا ہے تو فرمایا کہ اس سے کہدینا ایسی خوشبو نہ لگایا کرے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں آپ کی زبان پر گالی نہ تھی، چیخ کر نہ بولتے تھے۔ بدی کا بدلہ بدی سے نہ دیتے تھے۔ ہمیشہ معاف فرماتے اور درگذر کرتے۔ آپنے اپنے ہاتھ سے کبھی کسی خادم یا عورت کو نہیں مارا۔ ایک بد اطوار شخص آپ کی خدمت میں آیا آپؐ نرمی سے بات کرتے رہے بعد میں پوچھا گیا کہ حضرت ایسے بد آدمی سے ایسی خوش خلقی۔ فرمایا وہ آدمی بہت بُرا ہے جس کی بدزبانی کے ڈر سے لوگ اس کے پاس آنا چھوڑ دیں۔ ابن عباسؓ کہتے ہیں حضرت سب لوگوں سے زیادہ فیاض تھے خصوصًا رمضان میں جب کہ حضرت جبریلؑ کے ساتھ قرآن کا دور ہوتا تھا تو آپ کی فیاضی کی رفتار تیز آندھی سے زیادہ تیز ہوتی تھی۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ کسی شخص نے آپؐ سے کچھ طلب کیا فرمایا پاس تو کچھ نہیں میرے نام سے قرض لے لو ادا کر دونگا۔ حضرت عمرؓ نے عرض کی کہ یارسول اللہؐ طاقت سے زیادہ تکلیف کیوں؟ آپؐ نے اس بات کو ناپسند فرمایا منہ پھیر لیا، ایک انصاری بولا حضرت خرچ کئے جائے تنگدستی کا خوف نہ کیجئے خدا آسان کریگا۔ چہرۂ مبارک پر خوشی ظاہر ہوئی تبسم کیا اور فرمایا مجھے حکم بھی یہی ہے۔ ۵

اس سادگی پہ کون نہ مرجائے اے خدا
لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں

تلوار کے بغیر گھائل کرنے کی ادائیں یہی تو ہیں۔ حق کی آواز سے قوم کو دشمن بنالیا جاتا ہے، اور تیرہ سال تک مارتے

کیلئے ہاتھ اٹھانا ایک طرف دوسروں کی مار کو روکنے کی بھی کوشش نہیں ہوتی اور اس عرصے میں اتنے جان باز فدائی میسر آجاتے ہیں کہ پھر جو معرکہ ہوتا ہے اس میں دشمن کو نیچا دیکھنا پڑتا ہے۔ اور یہ کینہ وعناد بھی جو اس سال میں دور ہوا صرف مکہ والوں کو ہے جو خانہ کعبہ کا مجاور ہونے کی وجہ سے اپنے تئیں تمام عرب سے بالاتر سمجھتے تھے اور اسلامی مساوات کو مان لینے کے بعد اپنی فوقیت کے زائل ہونے سے ڈرتے تھے۔ یا مدینہ کے یہودیوں کو ہے۔ جو ہارون علیہ السلام کی اولاد ہونے کی وجہ سے پیمبر زادگی کے نذر نیاز لینے کے مستحق تھے۔ اور اسلام کی ترقی میں اپنا تنزل محسوس کرتے تھے۔ اور مسیح علیہ السلام پر غالب آجانے کی وجہ سے یقین کر بیٹھے تھے، کہ کوشش ہو تو باطل بھی حق کو شکست دے سکتا ہے۔ پس یہ خود غرضی کا بغض وعناد تھا۔ جس نے کچھ دیر تک حق کی آواز کو بلند نہونے دیا۔ یہود سود خواری اور خیرات خواری کی نحوست سے سخت دل ہو گئے تھے جبتک ملک بدر نہوئے شرارت سے باز نہ آئے۔ قریش مکہ کو محض غرور تھا وہ رفتہ رفتہ کم ہوتا گیا بہت سے خود بخود اطاعت کرتے چلے گئے۔ جو اڑے رہے ان کے شہر پر قابض ہونے کے بعد جب حضرت نے سب مجرموں کیلئے اعلان معافی کر دیا تو پانی کی طرح بہ نکلے اور قدموں پر آگرے۔ سب لڑائی جھگڑا انہی کا تھا۔ جب یہ دور ہوا تو تمام ملک بغیر جدال وقتال کے رحمۃ للعالمین کے آگے جھک گیا۔ ملک کے دور دست علاقوں پر کبھی کوئی یورش نہیں ہوئی۔ نجد کے صحراؤں اور یمن کی شاداب وادیوں تک جس حسن عالمتاب کا شہرہ پہنچ چکا تھا۔ اس کے دیدار سے آنکھوں میں نور اور دل میں سرور پیدا کرنے کے لئے زن و مرد جوق جوق امنڈ آئے اور اس کا سبب وہی حضرت کے اخلاق کریمانہ تھے جن کو آپ کے اندر پیدا کرنیوالا خود اپنے کارنامہ پر خوشی کا اظہار کرتا ہے اور فرماتا ہے فبما رحمۃ اللہ الخ اے نبی اگر تم درشت مزاج اور سخت دل ہوتے تو کوئی تمھاری طرف نہ جھکتا۔ یہ ہماری رحمت تھی کہ تم خوش اخلاق اور رحیم بنائے گئے۔

اب دیکھو شمع پر پروانے کیسے نثار ہو رہے ہیں۔ جان مانگی جاتی ہے تو مہاجرین وانصار کی عورتیں مرد اور بچے قربان ہونے کو لپکتے ہیں۔ مال مانگا جاتا ہے تو صدیق اکبر جیسے تن کے کپڑے اتار کر کمبل کو جسم پر ببول کے کانٹوں سے لپیٹ لیتے ہیں۔ مہم بھیجنے کی ضرورت ہوتی ہے تو ایک ایک شخص تمام لشکر کی تیاری اپنے ذمہ لے لیتا ہے۔ غربت کے دن آتے ہیں تو مصعب بن عمیر جیسے ایک ایک کپڑے پر چار چار سو درہم خرچ کرنے والے بکری کی کھال اوڑھ کر گذر کرتے ہیں اور خوش رہتے ہیں ۔

(باقی آئندہ)

استخارہ

سلسلہ تعلیمات اسلام کے آغاز میں لکھا گیا تھا کہ اس عظیم الشان سلسلہ کی دو کڑیاں اسوقت ہدیۂ ناظرین کیجائینگی "مشورہ اور استخارہ" حسب وعدہ مشورہ کی بحث الحمد للہ کافی تفصیل و تحقیق کیساتھ سامنے آچکی ہے۔ اس کا دوسرا حصہ "استخارہ" اتنا تفصیل طلب نہیں، اسلئے باختصار اُسکے ضروری احکام لکھنے کے بعد اس سلسلہ کو سردست ختم کیا جاتا ہے۔

استخارہ کے معنے لغت میں طلب خیر کے ہیں اور اصطلاح شرع میں اُس دعاء کو کہتے ہیں جو کسی معاملہ کے مفید یا مضر ہونے میں تردد پیدا ہوجانے کی صورت میں حق تعالےٰ کی بارگاہ میں کیجاتی ہے۔ تاکہ تردد زائل ہوکر ایسی جانب متعین ہوجائے جس میں فائدہ ہو۔ اور نماز استخارہ وہ نفل نماز ہے جو اس دعا سے پہلے پڑھی جاتی ہے۔

استخارہ درحقیقت مشورہ ہی کی ایک خاص نوع ہے۔ کیونکہ جسطرح مشورہ اپنے ابنائے جنس اور اقران و امثال سے اس لئے کیا جاتا ہے کہ تردد زائل ہوکر ایک جانب متعین ہوجائے اسیطرح استخارہ گویا جناب علیم و خبیر سے بطور مشورہ تاکہ معاملہ کی جو جانب حق تعالےٰ کے علم میں بہتر اور خیر ہو وہ ہی متعین ہوجائے۔

کیونکہ انسان کتنا ہی عاقل و زیرک اور تجربہ کار ہو۔ بہت مرتبہ رائے میں غلطی کرتا ہے اور مفید کو مضر یا مضر کو مفید۔ دوا کو مرض اور مرض کو دوا سمجھ بیٹھتا ہے۔ اسی مضمون کو قرآن عزیز میں اسطرح بیان فرمایا گیا ہے۔

عسی ان تکرھوا شیئا وھو خیر لکم وعسی ان تحبوا شیئا وھو شر لکم ۔	عجب نہیں کہ تم کسی چیز کو بُرا سمجھو حالانکہ وہ تمھارے لئے بہتر ہو اور یہ بھی عجب نہیں کہ تم کسی چیز کو اچھا جانو حالانکہ وہ تمھارے حق میں بُری ہے ۔

اسلامی تعلیمات کے وہ گرانمایہ اصول جو انسان کی دنیا و آخرت اور معاش و معاد کی درستی کے کفیل ہیں استخارہ بھی انھیں سے ایک زرّیں اصول ہے۔ مضمون سابق میں آپ حدیث نبوی کا یہ جملہ پڑھ چکے ہیں۔

ماخاب من استخار ولا ندم من استشار ولا عال من اقتصد (رواہ الطبرانی عن انس کنز ۱۴۲/۲)	جو استخارہ کرتا ہے وہ ناکامیاب نہیں ہوتا۔ اور مشورہ کرتا ہے وہ نادم نہیں ہوتا اور جو مصارف میں متوسط چال چلتا ہے وہ محتاج و فقیر نہیں ہوتا۔

اس ایک مختصر حدیث میں نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے تین اہم اور نہایت مفید چیزوں کی تعلیم فرمائی ہے۔

(۱) اہم کاموں میں مشورہ لینا (۲) استخارہ کرنا (۳) بخل و اسراف کے درمیان متوسط چال رکھنا۔

اور دوسری حدیث میں ہے۔

من سعادة ابن آدم استخارته الله ومن سعادة المرء رضاه بما قضی الله - ومن شقاوة بن آدم ترك استخارة الله ومن شقاوة بن آدم سخطه بما قضی الله له (رواه الترمذی والحاکم عن سعید کنز ص ۱۸۱/۳۴) +

اللہ تعالےٰ سے استخارہ کرنا آدمی کی نیک بختی کی علامت ہے۔ نیز اللہ کے حکم پر راضی رہنا بھی اس کیلئے سعادت ہے۔ اور ترک استخارہ بدبختی کی علامت ہے۔ اور اللہ کے حکم سے ناراض ہونا بھی شقاوت ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہمیں دعا استخارہ کی اس طرح تعلیم فرماتے تھے جسطرح سورت قرآن کی تعلیم فرمایا کرتے تھے۔ اور تمام کاروبار میں استخارہ کرنے کی تاکید فرماتے تھے (احیاء العلوم مصری ص ۱۸۵/۱)۔

بعض حکماء کا مقولہ ہے کہ جسکو منجانب اللہ چار چیزیں عطا ہو جائیں۔ وہ چار چیزوں سے محروم نہ رہیگا۔ یعنی جسکو حق تعالےٰ شکر کی توفیق عطا فرمائیں وہ زیادتی نعمت سے محروم نہ رہیگا۔ اور جسکو توبہ کی توفیق دیجائے وہ قبولیت سے محروم نہوگا۔ اور جسکو استخارہ کیطرف متوجہ کر دیا جائے وہ صحیح رائے اور مفید نتیجہ سے محروم نہ کیا جائے گا اور جسکو مشورہ کرنے کی عادت ہو وہ صحیح رائے کے سمجھنے میں دھوکہ نہ کھائیگا۔

استخارہ کس کام مین کیا جائے

استخارہ کی غرض چونکہ رفع تردد ہے اسلئے ایسی ہی کاموں میں استخارہ کیا جائے جنمیں تردد ہو سکتا ہے۔ یعنی جنمیں اچھے ہونے اور برے ہونے اور مضر یا مفید دونوں کا احتمال ہو سکے اسلئے عبادات واجبہ میں استخارہ نہیں کیا جا سکتا کیونکہ ان کا خیر اور بہتر ہونا متعین ہے انکے برے یا مضر ہونے کا مطلقاً احتمال نہیں اسی مضمون کو مشہور اس ضرب المثل میں بیان کیا گیا ہے ؎ در کار خیر حاجت ہیچ استخارہ نیست +

البتہ حج کیلئے اس بات میں استخارہ ہو سکتا ہے کہ کونسا برس اسکے لئے زیادہ بہتر ہے اور یہ کہ رفیق سفر اور راستہ کونسا اختیار کرے۔

طریق استخارہ

استخارہ کیلئے لوگوں میں بہت سے طریقے تعویذ گنڈے والے عاملین کے مجوزہ مشہور ہیں۔ جنمیں سے اکثر اگرچہ قرآن و حدیث ہی

کی دعاؤں سے مرکب ہیں۔ لیکن ظاہر ہے کہ اس طریقے سے بہتر کوئی طریق نہیں ہو سکتا جو خود حضرت رسالتماب صلے اللہ علیہ وسلم کا تجویز کردہ ہو۔

اسلئے ہم صرف اُسی کے نقل کر دینے پر اکتفا کرتے ہیں؛ حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب کوئی شخص کسی مہتم بالشان کام کا ارادہ کرے تو اسکو چاہئے کہ اول دو رکعت نماز بہ نیت نفل پڑھے۔ عام روایات حدیث میں اسیقدر مذکور ہی (کما رواہ البخاری) اور احیاء العلوم وغیرہ کی بعض احادیث میں یہ بھی مذکور ہی کہ اسکی پہلی رکعت میں سورہ فاتحہ کے بعد قل یا ایھا الکٰفرون پڑھے اور دوسری میں قل ھو اللہ احد اور بہتر یہ ہے کہ دعاء کے اول و آخر سات سات مرتبہ درود شریف پڑھے۔

نماز کے بعد یہ دعاء پڑھے۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّی اَسْتَخِیْرُکَ بِعِلْمِکَ وَاَسْتَقْدِرُکَ بِقُدْرَتِکَ وَاَسْئَلُکَ مِنْ فَضْلِکَ الْعَظِیْمِ فَاِنَّکَ تَقْدِرُ وَلَا اَقْدِرُ وَتَعْلَمُ وَلَا اَعْلَمُ وَاَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ اَللّٰھُمَّ اِنْ کُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ ھٰذَا الْاَمْرَ (اس جگہ اپنے مقصد کو ذکر کرے یا دل میں خیال کرے)، خَیْرٌ لِّیْ فِیْ دِیْنِیْ وَمَعَاشِیْ وَعَاقِبَۃِ اَمْرِیْ فَاقْدِرْہُ لِیْ وَیَسِّرْہُ ثُمَّ بَارِکْ لِیْ فِیْہِ۔ اَللّٰھُمَّ وَاِنْ کُنْتَ تَعْلَمُہٗ شَرًّا لِّیْ فِیْ دِیْنِیْ اَوْ مَعَاشِیْ اَوْ عَاقِبَۃِ اَمْرِیْ فَاصْرِفْنِیْ عَنْہُ وَاصْرِفْہُ عَنِّیْ وَاقْدِرْ لِیَ الْخَیْرَ حَیْثُ کَانَ ثُمَّ رَضِّنِیْ بِہٖ۔ رواہ احمد والبخاری عن جابر کذا فی الکنز ص۱۷۴ج۴۔

ترجمہ اے اللہ میں تیرے علم سے استخارہ کرتا ہوں (یعنی اپنے کام میں جانب خیر متعین کرنا چاہتا ہوں) اور تیری قدرت کاملہ سے قدرت حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ اور تیرے عظیم الشان فضل کی بنا پر تجھسے درخواست کرتا ہوں۔ اسلئے کہ تو قدرت رکھتا ہی اور مجھے کچھ قدرت نہیں اور تجھے علم ہے مجھے کچھ علم نہیں تو ہی پوشیدہ باتوں کا جاننے والا ہے۔ ای اللہ اگر تو جانتا ہے کہ یہ کام (اسجگہ اپنے مقصد کو ذکر کرے) میرے لئے بہتر ہے میرے دین میں اور معاش میں اور آخرت و عاقبت میں تو اس کام کو میرے لئے مقدر فرما دے۔ اور مجھپر آسان کردے۔ اور پھر میرے اس کام میں برکت عطا فرما۔ یا اللہ اگر تو جانتا ہے کہ یہ کام میرے لئے دین یا دنیا یا انجام کار میں اچھا نہیں مجھے اس کی طرف سے پھیر دے اور اسکو مجھسے پھیر دے اور میرے لئے خیر اور بھلائی کو مقدر فرمادے جہاں کہیں ہو اور پھر مجھے اس چیز پر راضی کردے جس میں میری بھلائی اور بہتری ہے۔

اسی طرح سات مرتبہ استخارہ کرنے کے بعد سب سے اول جس جانب قلب کا میلان دیکھے اس پر بلا تأمل عمل کرے کہ انشاء اللہ تعالیٰ اسی میں خیر ہوگی۔ جیسا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

اذا هممت بامر فاستخر ربك فيه سبع مرات ثم انظر الى الذى يسبق الى قلبك فان الخير فيه۔ رواہ ابن السنى فى عمل اليوم والليلة ٭	جب کسی کام کا ارادہ کرو تو سات مرتبہ اپنے پروردگار سے اس کے بارہ میں استخارہ کرو پھر دیکھو کہ سب سے پہلے قلب میں کیا خیال آتا ہے۔ جو خیال آئے اسی میں خیریت ہے۔

دوسرا مختصر طریقہ

اگر کام میں عجلت ہے اور اتنی مہلت باقی نہیں رہی استخارہ مذکورہ کر سکے تو کام شروع کرنے سے پہلے گیارہ مرتبہ دعا ذیل پڑھے۔

اَللّٰهُمَّ خِرْ لِيْ وَاخْتَرْ لِيْ ۔ کنز العمال } یا اللہ میرے لئے خیر کر اور جو صورت بہتر ہو اسکو ظاہر فرما۔

اور پھر جس طرف قلب کا میلان دیکھے عمل کرے، انشاء اللہ تعالیٰ وہ ہی بہتر ہوگا۔

حق یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اس اسلامی تعلیم پر عمل کرے تو کبھی اور کسی حال میں پریشان نہ ہو۔ لیکن افسوس ہی کہ آج ہم اپنے کاروبار میں ہر بچے اور بڑے سے مشورے کرتے ہیں اور ظاہری تدبیر دن اور انکی فکروں میں ہزاروں پریشانیاں اٹھاتے ہیں۔ مگر چند منٹ اس سنت حسنہ کیلئے صرف نہیں کئے جاتے اور اسی لئے اکثر تدبیریں الٹی پریشانیوں میں اضافہ کا سبب ہو جاتی ہیں۔

استخارہ کی بحث میں اسی قدر بیان پر اکتفا کرتے ہوئے حق تعالیٰ سے دعا ہے کہ مسلمانوں کو سچا مسلمان بنادے اور ان تعلیمات اسلام کا نمونہ عمل بنا کر غیروں کے لئے شمع ہدایت بنائے وما ذلك على الله بعزيز۔ وعليه التكلان وهو المستعان ٭

حجاب ونقاب

مسئلۂ نکاح پر عمیق نظر

نکاح کے فوائد - اور صنف نازک کی قدر افزائی

اسلام اور دیگر مذاہب کا لائحہ عمل

نکاح کا فائدہ | قال عبد اللہ قال لنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا معشر الشباب من استطاع منکم الباءۃ فلیتزوج فانہ اغض للبصر واحصن للفرج (الحدیث) بخاری شریف کتاب النکاح صفحہ جلد ثانی

ترجمہ۔ حضرت عبد اللہ (ابن مسعودؓ) نے فرمایا کہ ہمارے سامنے حضرت رسالت پناہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا کہ اے جوانون کی جماعت، تم لوگوں میں سے جو بارۃ (جماع) کی قدرت رکھے اسکو نکاح کر لینا چاہیئے، کیونکہ نکاح آنکھوں کو بد نظری سے نیچی رکھتا ہے اور شرمگاہ کو برے افعال سے محفوظ رکھتا ہے۔ (بخاری شریف)

فائدہ ۱ میں ضمنی طور سے زنا کی ان خرابیون کا اظہار کیا تھا جنکا تعلق انسان کی خانگی معاشرت سے ہوتا ہے۔ اور اجمالی طور سے یہ بھی بتایا گیا تھا کہ نکاح نہ کرنے کی صورت میں یا بالفاظ دیگر عورتوں اور مردوں میں بطریق ازدواج ارتباط نہ ہونے سے سوسائٹی پر تمدنی لحاظ سے کسقدر مضر اثر پڑ سکتا ہے عالم کی تمام خوبصورتیں اور تمام تمدنی آرائشیں محو ہو جائیں گی۔ وغیرہ وغیرہ (ملاحظہ فرمایا جائے القاسم جمادی الثانی)۔

اسوقت قباحت زنا کے دوسرے پہلو کی طرف توجہ دلائی جاتی ہے۔

جیسے محبوب اور کچھ زیادہ مگر غیر مناسب الفاظ میں عاشق معشوق کے تعلق اور ارتباط کی غیرت اور حمیت کی انتہا۔ یا متوسط حد۔ تو یہ ہوتی ہے۔ کہ محبوب تو محبوب۔ تصور محبوب کے خلوت گاہ میں بھی تصور غیر کا داخلہ روا نہیں رکھا جائے۔ ع

شرکت غم بھی نہیں چاہتی غیرت میری	غیر کی ہو کے رہے یا شب فرقت میری

اور بے حجابی یا اغیار کی ساتھہ اختلاط کو تو شاعر دن کا تخیل قیامت کبریٰ کے فوراً آپہنچنے کا اعلیٰ سبب بتاتا ہی۔

الٰہی کیوں نہیں اُٹھتی قیامت، ماجرا کیا ہے؟		ہمارے سامنے پہلو میں وہ دشمن کے بیٹھے ہیں	

شاعرانہ تخیلات سے ہٹ کر اگر واقعات کو دیکھا جائے تو وہ بھی یقیناً ان ہی الفاظ سے ادا ہونیکے قابل ہیں اور حق یہ ہے کہ یہ حمیت اور غیرت اکتسابی یا اختیاری نہیں ہوتی، بلکہ یا تو خود فطری ہوتی ہے ورنہ کم از کم ان اسباب پر مبنی ہوتی ہے جو فطری ہوتے ہیں۔ رجال اور نساء کے درمیان ایک دوسرے کیطرف کشش یا وہ جذبات جن کے باعث یہ کشش پیدا ہوتی ہے کیا وہ اختیاری نہیں؟ ہرگز نہیں طبعی اور فطری ہیں۔ پس اگر وہ فطری ہیں تو یہ غیرت اور حمیت تو ان ہی پر مرتب ہوتی ہے یہ بھی فطری ہوگی۔

لیکن تعلقات تعشق سے اتر کر اگر عام ازدواجی ارتباط کو بھی دیکھا جائے تو اس میں بھی یہ غیرت اس ہی شد و مد سے ہیجان انگیز نظر آتی ہے۔

آپ نے بہت مرتبہ سنا ہوگا کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو قتل کر ڈالا یا دوسرے دفلان شخص کو مار ڈالا یا خودکشی کر لی۔ اور یہ سب کیوں؟ صرف اسوجہ سے کہ ایک دوسرے شخص نے اسکے محفوظ تعلقات پر (جو زن و شوہر میں ہوتے ہیں) دست درازی کر کے اسکے جذبۂ غیرت پر ایک بھزا و غیرت کش ضرب لگا دی تھی۔

اول تو کوئی ضرورت نہیں کہ ازدواجی تعلقات میں جو غیرت ہوتی ہے اسکو ہم فطری نہ مانیں، بلکہ کسبی (خود حاصل کردہ) یا عادی مانیں۔

لیکن اگر مان بھی لیں اور اسکو صرف انسانی عقل و فکر کا نتیجہ کہیں تو جب ہم دوسری طرف جانوروں کی سیکڑوں اصناف میں اس غیرت کو اپنی اسی تیزی کے ساتھ نمایاں پاتے ہیں۔ تو لازماً اپنے اس خیال سے رجوع کر کے یہ کہنا پڑتا ہے۔ کہ ازدواجی تعلقات کی غیرت کسبی یا اختیاری نہیں بلکہ فطری اور طبعی ہے۔ جس میں صرف انسان ہی کی خصوصیت نہیں بلکہ جنس حیوان کی قریب قریب تمام انواع برابر کی حصہ دار ہیں!!

مُرغ۔ بچار۔ بھینسے وغیرہ وغیرہ جانوروں کو دیکھو! ایک کے حلقۂ اقتدار یا دائرۂ ارتباط میں اگر دوسرا شریک ہونے کی کوشش بھی کرتا ہے تو آپس میں وہ جنگ چلتی ہے کہ جبتک ایک مقابل دوسرے کو شکست دیکر فرار نہ کر دے اس سلسلہ جنگ کا خاتمہ ہی نہیں ہوتا۔ ان کو کس معلم عقل و شعور نے اس غیرت کی تعلیم دی ہے؟-

سو وہاں اگر کوئی معلّم ہے تو وہ فطرت اور طبیعت ؛

الحاصل واطی موطوءہ صاحب فراش اور فراش ، یعنی زن وشوہر کے درمیان تعلقات میں غیرت کا ہونا فطری اور طبعی چیز ہے ۔ اب اس احساس غیرت کی بنا پر ناجائز تعلقات کے کسقدر مہلک نتائج پیش آئنگے ؟ وہ ظاہر ہیں ؛ بہرحال اسی قسم کے وجوہات کی بنا پر دنیا کے تمام مذاہب نے ، متمدن اقوام کی اعلیٰ تہذیب نے بالاتفاق زنا کی قباحت اور دفتر اخلاق میں اسکی انتہائی شناعت کا فتویٰ دیا ہے ۔ انتہا یہ کہ اسلام تو ان دو شخصوں کے وجود ہی کو سوسائٹی کے حق میں برے اور مہلک اثرات کا ناشر اور باعث مان کر انتہائی ذلت کے طریقہ سے صفحہ ہستی سے محو کر دینے کا اپنے پیروؤن کو حکم دیتا ہے ۔ جو اس قبیح جرم کے مرتکب ہوئے ہیں ۔ تاکہ ان کا بار بار لذت کے اعادہ کی ناپاک خواہش کسی دوسرے کے ساتھ اس فعل کے اجرا کی محرک نہ بنے ۔ جو تمدن ، معاشرت تہذیب اخلاق ، سب کے لئے سخت نقصان دہ ثابت ہوگئی ۔ اور ابتداء میں پیش بندی کے خیال سے یہ حکم کرتا ہے کہ :۔

قُلْ لِلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ۝

مسلمان مردوں سے کہدو کہ اپنی آنکھیں نیچی رکھیں (اور اپنے ستر ڈھکو تھامے رہیں) شرمگاہوں کی حفاظت کریں یہ ان کیلئے پاکیزہ تر ہی ۔ اللہ کو تمام ان باتوں کی خبر ہے کہ جو لوگ کرتے ہیں ۔

وَقُلْ لِلْمُؤْمِنَاتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ ۔ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآئِهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآئِهِنَّ

مسلمان عورتوں سے کہدیجئے کہ اپنی آنکھوں کو نیچی رکھیں اپنے ستروں (شرمگاہوں) کی حفاظت کریں اور اپنی زینت (سنگار) کو (قصداً) ظاہر کریں مگر جو (حصہ) زینت کا (اتفاقیہ بغیر ارادہ کے کھلجائے یا) ظاہر ہو جائے ۔ اور اپنی اوڑھنیوں کو اپنے گریبانوں پر ڈال لیں ۔ اور اپنا

ف یہ بات ہماری سمجھ سے بہت بعید ہی کہ اس آیت سے چہرہ اور ہتھیلیاں کھولے رکھنے کا جواز کیسے ثابت ہوتا ہے ۔ کیونکہ "ما ظہر منہا" میں ضمیر ہا کا مرجع لامحالہ زینت ہی ہوگا ؛ زینت کا لفظ لغت عرب میں اور پھر قرآن کریم میں بھی اسی معنی میں استعمال ہوتا ہو کہ جس معنی میں ہماری اردو زبان میں بولا جاتا ہو یعنی زیبائش سنگار ، زینۃ الحیوۃ الدنیا ۔ قل من حرم زینۃ اللہ ۔ اور ولا یضربن بارجلہن لیعلم ما یخفین من زینتہن ۔ غیر متبرجات بزینۃ (وغیرہا من آیات اللہ) اس معنے کی تصدیق کے لئے اعلیٰ شاہد ہیں ۔ یہاں پر یہ امر خصوصیت کی ساتھ قابل توجہ ہے کہ سنگار ظاہر کرنے کی چار صورتیں ہو سکتی ہیں ۔ جن کا علیحدہ علیحدہ

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۴

سی طرح سات مرتبہ استخارہ کرنے کے بعد سب سے اول جس جانب قلب کا میلان دیکھے اس پر بلا تامل عمل کرے انشاءاللہ تعالیٰ اسی میں خیر ہوگی۔ جیسا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

ذا هممت بامر فاستخر ربك فيه سبع مرات ثم انظر الى الذى يسبق الى قلبك فان الخير فيه ۔ رواه ابن سنی فی عمل اليوم والليلة ۔	جب کسی کام کا ارادہ کرو تو سات مرتبہ اپنے پروردگار سے اس کے بارہ میں استخارہ کرو پھر دیکھو کہ سب سے پہلے قلب میں کیا خیال آتا ہے۔ جو خیال آئے اسی میں خیریت ہے۔

دوسرا مختصر طریقہ

گر کام میں عجلت ہے اور اتنی مہلت باقی نہیں رہی استخارہ مذکورہ کرسکے تو کام شروع کرنے سے پہلے گیارہ مرتبہ دعا ذیل پڑھے۔

اللھم خر لی واختر لی ۔ کنز العمال } یا اللہ میرے لئے خیر کر اور جو صورت بہتر ہو اسکو ظاہر فرما۔

اور پھر جس طرف قلب کا میلان دیکھے عمل کرے، انشاءاللہ تعالےٰ وہی بہتر ہوگا۔

حق یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اس اسلامی تعلیم پر عمل کرے تو کبھی اور کسی حال میں پریشان نہو۔ لیکن افسوس ہے کہ آج ہم اپنے کاروبار میں ہر بچہ اور بڑے سے مشورے کرتے ہیں اور ظاہری تدبیروں اور انکی فکروں میں ہزاروں پریشانیاں اٹھاتے ہیں۔ مگر چند منٹ اس سنت حسنہ کیلئے صرف نہیں کئے جاتے اور اسی لئے اکثر تدبیریں الٹی پریشانیوں میں اضافہ کا سبب ہوجاتی ہیں۔

استخارہ کی بحث میں اسی قدر بیان پر اکتفا کرتے ہوئے حق تعالےٰ سے دعا ہے کہ مسلمانوں کو سچا مسلمان بنادے اور اُن تعلیمات اسلام کا نمونہ عمل بناکر غیروں کے لئے شمع ہدایت بنائے وما ذلك على الله بعزيز۔ وعليه التكلان وهو المستعان ۔

حجاب ونقاب

مسئلۂ نکاح پر عمیق نظر

نکاح کے فوائد۔ اور صنف نازک کی قدر افزائی

اسلام اور دیگر مذاہب کا لائحہ عمل

نکاح کا فائدہ | قال عبد اللہ قال لنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا معشر الشباب من استطاع منکم الباءۃ فلیتزوج فانہ اغض للبصر واحصن للفرج (الحدیث) بخاری شریف کتاب النکاح صفحہ ۷۵۸ جلد ثانی

ترجمہ۔ حضرت عبداللہ (ابن مسعودؓ) نے فرمایا کہ ہمارے سامنے حضرت رسالت پناہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا کہ اے جوانوں کی جماعت، تم لوگوں میں سے جو باءۃ (جماع) کی قدرت رکھے اسکو نکاح کر لینا چاہیئے کیونکہ نکاح آنکھوں کو بدنظری سے نیچی رکھتا ہے اور شرمگاہ کو (برے افعال سے) محفوظ رکھتا ہے۔ (بخاری شریف)

فائدہ ملا میں ضمنی طور سے زنا کی ان خرابیوں کا اظہار کیا تھا جنکا تعلق انسان کی خانگی معاشرت سے ہوتا ہے۔ اور اجمالی طور سے یہ بھی بتایا گیا تھا کہ نکاح نہ کرنے کی صورت میں یا بالفاظ دیگر عورتوں اور مردوں میں بطریق ازدواج ارتباط نہ ہونے سے سوسائٹی پر تمدنی لحاظ سے کسقدر مضر اثر پڑ سکتا ہے عالم کی تمام خوبصورتیں اور تمام تمدنی آرائشیں محو ہو جائیں گی۔ وغیرہ وغیرہ (ملاحظہ فرمایا جائے القاسم جمادی الثانی)۔

اسوقت قباحت زنا کے دوسرے پہلو کی طرف توجہ دلائی جاتی ہے۔

جیب محبوب اور کچھ زیادہ مگر غیر مناسب الفاظ میں عاشق معشوق کے تعلق اور ارتباط کی غیرت اور حمیت کی انتہا۔ یا متوسط حد۔ تو یہ ہوتی ہے۔ کہ محبوب تو محبوب۔ تصور محبوب کے خلوت گاہ میں بھی تصور غیر کا داخلہ روا نہیں رکھا جائے۔ ؎

شرکت غم بھی نہیں چاہتی غیرت میری	غیر کی ہو کے رہے یا شب فرقت میری

اور بے حجابی یا اغیار کی ساتھہ اختلاط کو تو شاعروں کا تخیل قیامت کبریٰ کے فوراً آپہنچنے کا اعلیٰ سبب بتاتا ہے۔

	ابھی کیوں نہیں اٹھتی قیامت، ماجرا کیا ہے؟		ہمارے سامنے پہلو میں وہ دشمن کے بیٹھے ہیں		

شاعرانہ تخیلات سے ہٹ کر اگر واقعات کو دیکھا جائے تو وہ بھی یقیناً ان ہی الفاظ سے ادا ہونیکے قابل ہیں اور حق یہ ہے کہ یہ حمیت اور غیرت اکتسابی یا اختیاری نہیں ہوتی، بلکہ یا تو خود فطری ہوتی ہے ورنہ کم از کم ان اسباب پر مبنی ہوتی ہے جو فطری ہوتے ہیں۔ رجال اور نساء کے درمیان ایک دوسرے کیطرف کشش یا وہ جذبات جن کے باعث یہ کشش پیدا ہوتی ہے کیا وہ اختیاری نہیں؟ ہرگز نہیں طبعی اور فطری ہیں۔ پس اگر وہ فطری ہیں تو یہ غیرت اور حمیت تو ان ہی پر مرتب ہوتی ہے یہ بھی فطری ہوگی۔

لیکن تعلقات تعشق سے ہٹ کر اگر عام ازدواجی ارتباط کو بھی دیکھا جائے تو اس میں بھی یہ غیرت اسی شد ومد سے ہیجان انگیز نظر آتی ہے۔

آپ نے بہت مرتبہ سنا ہوگا کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو قتل کر ڈالا یا دوسرے (فلاں) شخص کو مار ڈالا یا خودکشی کر لی۔ اور یہ سب کیوں؟ صرف اس وجہ سے کہ ایک دوسرے شخص نے اسکے محفوظ تعلقات پر (جو زن وشوہر میں ہوتے ہیں) دست درازی کر کے اسکے جذبۂ غیرت پر ایک بھرا ور غیرت کش ضرب لگا دی تھی۔

اول تو کوئی ضرورت نہیں کہ ازدواجی تعلقات میں جو غیرت ہوتی ہے اسکو ہم فطری نہ مانیں، بلکہ کسبی (خود حاصل کردہ) یا عادی مانیں۔

لیکن اگر مان بھی لیں اور اسکو صرف انسانی عقل وفکر کا نتیجہ کہیں تو جب ہم دوسری طرف جانوروں کی سیکڑوں اصناف میں اس غیرت کو اپنی اسی تیزی کے ساتھ نمایاں پاتے ہیں۔ تو لازماً اپنے اس خیال سے رجوع کر کے یہ کہنا پڑتا ہے۔ کہ ازدواجی تعلقات کی غیرت کسبی یا اختیاری نہیں بلکہ فطری اور طبعی ہے۔ جس میں صرف انسان ہی کی خصوصیت نہیں بلکہ جنس حیوان کی قریب قریب تمام انواع برابر کی حصہ دار ہیں۔"

مرغ۔ بجار۔ بھینسے وغیرہ وغیرہ جانوروں کو دیکھو! ایک کے حلقہ اقتدار یا دائرہ ارتباط میں اگر دوسرا شریک ہونے کی کوشش بھی کرتا ہے تو آپس میں وہ جنگ چلتی ہے کہ جبتک ایک مقابل دوسرے کو شکست دیکر فرار نہ کردے اس سلسلہ جنگ کا خاتمہ ہی نہیں ہوتا۔ ان کو کس معلم عقل وشعور نے اس غیرت کی تعلیم دی ہے؟

ہو وہاں اگر کوئی معلم ہے تو وہ فطرت اور طبیعت ؛

الحاصل واطی موطوٗہ صاحب فراش اور فراش یعنی زن وشوہر کے درمیان تعلقات میں غیرت کا ہونا فطری اور طبعی چیز ہے۔ اب اس احساس غیرت کی بنا پر ناجائز تعلقات کے کسقدر مہلک نتائج پیش آئینگے؟ وہ ظاہر ہیں؛ بہرحال اسی قسم کے وجوہات کی بنا پر دنیا کے تمام مذاہب نے، متمدن اقوام کی اعلیٰ تہذیب نے بالاتفاق زنا کی قباحت اور دفتر اخلاق میں اسکی انتہائی شناعت کا فتویٰ دیا ہے۔ انتہا یہ کہ اسلام تو ان دو شخصوں کے وجود ہی کو سوسائٹی کے حق میں بُرے اور مہلک اثرات کا ناشر اور باعث مان کر انتہائی ذلت کے طریقہ سے صفحہ ہستی سے محو کر دینے کا اپنے پیروؤں کو حکم دیتا ہے۔ جو اس قبیح جرم کے مرتکب ہوئے ہیں۔ تاکہ ناہنجار لذت کے اعادہ کی ناپاک خواہش کسی دوسرے کے ساتھ اس فعل کے اجرا کی محرک نہ بنے۔ جو تمدن، معاشرت تہذیب اخلاق، سب کے لئے سخت نقصان دہ ثابت ہوگئی۔ اور ابتدا ہی میں پیش بندی کے خیال سے یہ حکم کرتا ہے کہ :-

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ یَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِھِمْ وَیَحْفَظُوْا فُرُوْجَھُمْ ذٰلِکَ اَزْکٰی لَھُمْ اِنَّ اللّٰہَ خَبِیْرٌ بِمَا یَصْنَعُوْنَ ۝

مسلمان مردوں سے کہدو کہ اپنی آنکھیں نیچی رکھیں (اور اپنے ستر ڈھکے رہیں) شرمگاہوں کی حفاظت کریں یہ ان کیلئے پاکیزہ تر ہے۔ اللہ کو تمام ان باتوں کی خبر ہے کہ جو لوگ کرتے ہیں۔

وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنَاتِ یَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِھِنَّ وَیَحْفَظْنَ فُرُوْجَھُنَّ وَلَا یُبْدِیْنَ زِیْنَتَھُنَّ اِلَّا مَا ظَھَرَ مِنْھَا وَلْیَضْرِبْنَ بِخُمُرِھِنَّ عَلٰی جُیُوْبِھِنَّ ۔ وَلَا یُبْدِیْنَ زِیْنَتَھُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِھِنَّ اَوْ اٰبَآئِھِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِھِنَّ اَوْ اَبْنَآئِھِنَّ

مسلمان عورتوں سے کہدیجئے کہ اپنی آنکھوں کو نیچی رکھیں اپنے ستر (دن وشرمگاہوں) کی حفاظت کریں اور اپنی زینت (سنگار) کو (قصداً) نہ ظاہر کریں مگر جو (حصہ) زینت کا (اتفاقیہ بغیر ارادہ کے) کھلا ہی رہ (یا) ظاہر ہو جائے۔ اور اپنی اوڑھنیوں کو اپنے گریبانوں پر ڈال لیں۔ اور اپنا

ح؎ یہ بات ہماری سمجھ سے بہت بعید ہے کہ اس آیت سے چہرہ اور ہتیلیاں کھولے رکھنے کا جواز کیسے ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ "ما ظہر منہا" میں ضمیر ہا کا مرجع لامحالہ "زینت" ہی ہوگا، زینت کا لفظ لغت عرب میں اور پھر قرآن کریم میں بھی اسی معنی میں استعمال ہوتا ہے کہ جس معنی میں ہماری اردو زبان میں بولا جاتا ہے یعنی زیبائش، سنگار۔ زینۃ الحیٰوۃ الدنیا۔ قل من حرم زینۃ اللہ۔ اور ولا یضربن بارجلھن لیعلم ما یخفین من زینتھن۔ غیر متبرجات بزینۃ (وغیرہا من آیات اللہ) اس معنے کی تصدیق کے لئے اعلیٰ شاہد ہیں۔ یہاں پر یہ امر خصوصیت کی ساتھ قابل توجہ ہے کہ سنگار ظاہر کرنے کی چار صورتیں ہوسکتی ہیں۔ جن کا علیحدہ علیحدہ

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۴

اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِیْٓ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ
نِسَآئِهِنَّ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ اَوِ التّٰبِعِيْنَ غَيْرِ
اُولِي الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ اَوِ الطِّفْلِ الَّذِيْنَ لَمْ يَظْهَرُوْا
عَلٰى عَوْرٰتِ النِّسَآءِ وَلَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ
مَا يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ وَتُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ
الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ج ۱۸ ع ۴ - سورۂ نور ۴

سنگار نہ کھولیں مگر اپنے خاوند کے آگے یا اپنے باپ کے سامنے - یا خسر کے سامنے یا حقیقی یا سوتیلے بیٹوں کے سامنے یا اپنے بھائیوں یا بھتیجوں یا بھانجوں کے سامنے یا اپنی عورتوں کے سامنے یا اپنے مملوکوں کے سامنے یا ایسے کم عمروں کے سامنے جو صاحب شہوت نہ ہوں یا ایسے لڑکوں کے سامنے جو عورتوں کے بھید نہیں پہچانتے - اور نہ پٹخیں (یا دھمکاویں) اپنے پیروں کو کہ معلوم ہو جائے وہ سنگار جو چھپائے ہوئے ہیں - اور توبہ کرو اللہ کے آگے سب ملکر (اے ایمان والو - امید ہے کہ کامیاب ہو جاؤ گے - ج ۱۸ ع ۴ - سورہ نور ۴

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۳ - حکم تفصیل کی ساتھ آیات مندرجہ بالا میں ذکر کر دیا گیا ہے -

(۱) غیر مردوں کے سامنے قصداً زینت کو ظاہر کرنا یا کھولنا - { قطعاً ممنوع - بحکم لَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ -

(۲) غیر مردوں کے سامنے زینت کا ظاہر ہو جانا مجبوراً جیسے چادر - برقعہ - چہرے کا کچھ حصہ یعنی ایک آنکھ جس کا کھولنا ضروری ہے اگر چادر اوڑھے ہوئے ہے اسکا سر جو پہلے سے لگا ہوا تھا پاؤں کی جوتیاں - یا کچھ حصہ اگر موزے نہیں پہنے ہوئے - یا اتفاقاً جیسے ہاتھ یا اسکی مہندی چادر وغیرہ سنبھالنے کے وقت - یا کان کی کوئی بالی یا چادر کی حرکت کے وقت تاوقتیکہ پھر جلدی سے درست کرے - } ضرورتاً جائز ہے بحکم اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا -

(۳) محرموں کے سامنے جیسے باپ بھائی وغیرہ (جن کا ذکر آیۂ کریمہ میں ہے) - زینت کا کھولنا (۴) محرموں کے سامنے زینت کا کھل جانا - } کوئی حرج نہیں - بحکم لَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ " " " " " "

احقر کی پیش کردہ چاروں صورتوں کو دوبارہ ملاحظہ فرمائیے اور آیات بالا کا مطالعہ کیجئے اور اپنے ہانشینس سے دریافت فرمائیے کہ کیا غیر محرموں کے سامنے بازار گلیوں میں بے حجاب گھومنے پھرنے یا آفسوں - ملوں اور کارخانوں میں بے نقاب کام کرنے کا جواز معلوم ہوتا ہے؟ -

پھر کس قدر تعجب کی بات ہے کہ بے نقابی کو جائز اور بے حجابانہ گلگشت کو مباح قرار دیا جائے - غالباً آپکے ذہن میں ایک سوال پیدا ہوگا کہ پھر وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ (اپنی اوڑھنیوں کو اپنے گریبانوں پر ڈال لیں) کہنے کی کیا ضرورت تھی لیکن اگر اس کا یہ جواب دیا جائے کہ اس حصہ کے چھپانے کی سختی کے ساتھ تاکید مقصود ہے یا آنچل مارنے اور اوڑھنی اوڑھنے کی ہیئت بتانا منظور ہے - (یا اس جیسی تاویل نہ کیجائے جس سے اخفا ثابت مقصود ہے) تو پھر وہ صورت نکل آئیگی جو عام بازاری عورتوں کا

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۹

اس آیت میں زینت کے چھپانے اور ولیضربن بخمرھنّ علیٰ جیوبھنّ (اپنی اوڑھنیوں کو اپنے گریبانوں پر ڈال لیں) کا حکم ہی مگر سورہ احزاب ع ۸ - پ ۲۲ میں یدنین علیھنّ من جلابیبھنّ (نیچے لٹکالیں اپنے اوپر اپنی چادریں) کو فرماکر آزاد عورتوں کیلئے چہرے کو ڈھانپنا لازمی کر دیا گیا۔ اور ان صورتوں سے اس صنف نازک کی تمام شوخیاں غیر مردوں کے سامنے بند کر کے ان ہلاکت انگیز فتن کے راستوں کو یکسر اُٹھا دیا گیا جو کبھی ممکن تھا کہ اپنے اثرات دکھلاتے۔ اور عالم میں فساد پھیلاتے۔ جیساکہ آج اُن قوموں کی خبریں ہمارے سامنے ہیں شہادتیں پیش کرتی ہیں جن میں اس حکم کی مراعات نہیں کی جاتی۔

اور چونکہ ان خطرات کا مہلک اثر مردوں کی بہ نسبت عورتوں کیلئے زیادہ خوفناک ہوتا اسلئے حجاب کا حکم اس صنف کے لئے بذات خود رحمۃ کبریٰ ہے۔ ضمنی کلام میں بحث طویل ہوگئی۔

خلاصہ گفتگو کا یہ ہے کہ زنا سے بچانا اور اسیطرح ان تمام ذرائع اور وسائل کو منقطع کر دینا جو زنا کے لئے مقدمات بن سکیں۔ ہر مذہب اور ہر شریعت اخلاق کا پہلا فرض ہے۔ چنانچہ "غض بصر" اور "حصن فرج" کو ہر مذہب "روحانی ترقی" کا پہلا قدم قرار دیتا ہے۔ مگر غض بصر اور حصن فرج کے حصول کے طریقے جو نکالے گئے وہ مختلف ہیں

اسلام اور دیگر مذاہب | اور جیساکہ زنا کی سزا اور مذکورہ بالا مقدمات زنا سے حفاظت وغیرہ میں (جنکا ذکر مختصر طور سے اوپر گذرا) اسلام کا معیار اہتمام تمام مذاہب سے بہت بڑھا ہوا رہا تھا۔ اسی طرح اس موقعہ پر بھی اسلام کا لائحہ عمل دوسرے مذاہب سے ممتاز نظر آتا ہے۔

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۴۔ شیوہ ہی کہ بی نقاب بے حجاب۔ سر کھلا ہوا۔ کانوں کی بالیاں لٹکتی ہوئی، جھومکے ہلتے ہوئے اور ایک معمولی سی دامنی شانوں پر پڑی ہوئی اور فقط۔ تو کیا کلام الٰہی، خداوندی فرمان، اور خدائے ذوالجلال کا ارشاد اسی ناپاک طریقہ کی تعلیم کریگا؟ معاذ اللہ۔ احقر نے ان ہی چاروں شقوں کا خیال کرتے ہوئے کا یبدین اور الا ما ظہر منہا کے ترجموں میں قصداً اور اتفاقاً کا بریکٹ زائد کر دیا ہی۔ اگر آپ تھوڑی توجہ فرمائینگے تو آپکو اپنی تعجب کے باعث حیران ہو جانا پڑیگا کہ ایکطرف تو یہ حکم ہی کہ آواز میں نرمی نہ کرو۔ کہیں ایسا نہو کہ گری ہوئی طبیعتوں کا میلان آواز ہی کیطرف ہو جائے (یہ حکم اگرچہ سورہ احزاب میں صرف نساء نبی صلے اللہ علیہ وسلم کیلئے ہی مگر اول تو خصوص مورد کا علی العموم اعتبار نہیں ہوتا دوئم علت کے عام ہونے سے معلول اور حکم کو کیوں نہ عام کیا جائیگا باقی عام عورتوں جیسی نہ ہونا وہ ثواب، عذاب - مزید خشیۃ الٰہی - اتباع احکام الٰہیہ کے متعلق ہی) پیروں کو زور سے زمین پر مت پٹکو۔ کیونکہ زیور کی آواز ہی طبیعتوں کو کشش ہوا کرتی ہی۔ اور دوسری طرف یہ حکم دیدیا جائیگا کہ چہرہ کو

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۶

زنا اور مقدمات زنا سے حفاظت۔ اسی طرح پستی نظر اور صیانت فرج کے متعلق دوسرے مذاہب کا مطمح نظر بظاہر یہ رہا ہے کہ اس قوت کا بالکل قلع قمع اور استیصال کر دیا جائے کہ جو اس سلسلہ میں ناشائستہ اور ناجائز افعال کے لئے محرک بنا کرتی ہے۔

ہندو مذہب میں سادھو، سنیاسی وغیرہ۔ عیسائیوں اور یہودیوں میں راہب سب اس ہی سنت کے پیرو نظر آتے ہیں۔ انکے مسلک کے مطابق ایک سالک کیلئے نکاح ایک مضر چیز سمجھی جاتی ہے۔ بلکہ ایسے مجاہدے اور ریاضتیں کیجاتی ہیں کہ جنسے وہ قوت ہی نکالدیجائے جو مرد و عورت کو ایک دوسرے کیطرف مائل کرتی ہے۔ بظاہر یہ طریقہ نہایت مناسب معلوم ہوگا۔ اور تارک دنیا۔ طالب و عاشق مولے ہونیکا اعلیٰ معیار قرار دیا جائیگا۔ لیکن اگر معمولی فکر اور سمجھ سے بھی کام لیا جائے تو بہت جلد معلوم ہو جائیگا کہ یہ اصول فطرت کے خلاف کس قدر سخت جنگ ہے۔ گویا رب العالمین سے جہاد کیا جاتا ہے کہ جس چیز کو اس نے ہماری خلقت میں سرشت کیا ہے اس کو ہم زبردستی نکال پھینکیں۔

مگر اسلام جو پہلے ہی فطرۃ اللہ التی فطر الناس علیہا لا تبدیل لخلق اللہ (ترجمہ، خدا کے پیدا کرنیکا ایک خاص طریقہ ہے جس پر کہ لوگوں کو پیدا کیا خلق الٰہی میں کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔) کا دعوٰی کر چکا ہے ان تمام طریقوں کو بلکہ اصل رہبانیت اور سادھوپنے ہی کو بدعت قرار دیتا ہے۔

بقیہ حاشیہ ص ۲۵۔ بے نقاب رکھو۔ اور پھر یہ بات تو ظاہر ہے کہ زمانہ خیر صلاح میں بھی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کو "وقرن فی بیوتکن" (اپنے گھروں میں پڑی رہو) کا حکم تھا۔ جس کا باعث انکی تعظیم و تکریم ہو سکتی ہے۔ لیکن کیا آج زمانہ فتن و فساد میں "وقرن فی بیوتکن" (اپنے گھروں میں پڑی رہو) کا حکم نہ دیا جائے تاکہ عام مسلمانوں کی توہین اور تذلیل نہو۔ ہماری وہ عظمت نہ سہی مگر ذلت سے بچنے کا تو حکم ہے۔ اور پھر اس بات میں تو کوئی اشکال ہی نہیں معلوم ہوتا کہ سلسلہ حجاب میں اعلیٰ حکم "وقرن فی بیوتکن" (اپنے گھروں میں پڑی رہو) کا ہے۔ تب ہی تو اس کا حکم ازواج مطہرات رضوان اللہ علیہن کو دیا گیا۔ یہ مضمون چونکہ صرف ضمنی ہے اسوجہ سے مزید طوالت سے اجتناب کرتے ہوئے گذارش ہے کہ چونکہ اس وقت کوئی تفسیر کی کتاب یا اس مسئلہ میں کسی کی تصنیف ہمارے سامنے نہیں تو یہ کہنا ضروری ہے کہ اِن کَانَ خَطَاءً فَمِنِّی وَاِن کَانَ حَقًّا فَمِنَ اللّٰہِ۔ واللہ اعلم بالصواب۔

وَرَهْبَانِيَّةَ ابْتَدَعُوهَا مَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِمْ إِلَّا ابْتِغَاءَ رِضْوَانِ اللّٰهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا ۔ پ ۲۷ ع ۲۰ سورہ حدید

اور نہایت بلند آہنگی سے حکم فرمایا ہے۔

اور ایک دنیا چھوڑنا انھوں نے نیا نکال لیا۔ ہمنے تو انپر فرض نہیں کیا تھا۔ مگر رضاء الٰہی حاصل کرنے کیلئے ایجاد کر لیا، پس اسکا بھی تو لحاظ جیسا رکھنا چاہئے تھا نہ رکھا۔

یا بنی آدم خذوا زینتکم عند کل مسجد وکلوا واشربوا ولا تسرفوا۔ انہ لا یحب المسرفین۔ قل من حرم زینۃ اللّٰہ التی اخرج لعبادہ والطیبات من الرزق قل ھی للذین امنوا فی الحیوۃ الدنیا۔ خالصۃ یوم القیامۃ کذلک نفصل الآیات لقوم یعلمون۔ قل انما حرم ربی الفواحش ما ظہر منہا وما بطن والاثم والبغی بغیر الحق وان تشرکوا باللہ ما لم ینزل بہ سلطانا وان تقولوا علی اللہ ما لا تعلمون۔ ج ۸ ع ۴ ۔ سورہ اعراف

اے آدم کے بیٹو لیلو اپنی رونق ہر نماز کے وقت۔ اور کھاؤ پیو اور فضول خرچی مت کرو۔ اللہ فضول خرچی کرنیوالونکو پسند نہیں کرتا۔ آپ فرما دیجئے کسنے منع کیا ہے رونق اللہ کی جو پیدا کی ہے اس نے اپنے بندوں کیواسطے اور پاکیزہ اور ستھری کھانے کی چیزوں کو۔ آپ کہیئے کہ وہ (رونق) دنیا میں تو مومنون کیلئے ہے ہی (جو کچھ ہی) قیامت کے روز صرف ان ہی کے لئے ہے۔ ایسے ہی ہم آیتوں کو بیان کیا کرتے ہیں ان لوگوں کے سامنے جو سمجھ رکھتے ہیں۔ (آپ فرما دیجئے) کہ میرے رب نے منع کیا ہے بے حیائی کے کام، بری باتوں کو جو کھلی ہوں اُن میں سے یا چھپی ہوں۔ اور گناہ کو۔ اور ناحق کی زیادتی کو اور یہ کہ شریک کرو اللہ کا جس کی اس نے سند نہیں اتاری۔ اور یہ کہ اللہ پر جھوٹ بولو جو تم کو معلوم نہیں۔

اور پھر حکیم ذوالجلال۔ ارحم الراحمین عزوجل اپنے اس دین کے (جس کے بغیر وہ راضی ہی نہیں ہوتا) إِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْإِسْلَامُ (اللہ کے نزدیک تو دین صرف اسلام ہی ہے۔

اصول کی قرآن پاک میں اس طرح تعلیم دیتا ہے۔

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا (اللہ کسی نفس کو تکلیف نہیں دیتا۔ مگر اس کی طاقت کے مطابق!

خداوند عالم، رب العالمین، ارشاد فرماتا ہے کہ ہمارا مقصود تم کو تکلیف دینا نہیں، ہم یہ نہیں چاہتے کہ تم اپنے ماحول سے آنکھیں بند کر لو۔ اور دنیا میں رہنا تک ترک کر ڈالو۔ ہمیں تمھاری سختی اچھی ہی نہیں معلوم ہوتی۔ یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر جلد ۲ ع ۲۳ سورہ بقرہ (ترجمہ) اللہ کا ارادہ تم پر آسانی کرنے کا ہے اور دشواری یا تنگی نہیں چاہتا۔

ہم یہ ہرگز نہیں کہتے کہ تم رات دن مصائب جھیلو۔ مصیبتیں اور تکالیف برداشت کرو۔ اپنے اوپر نیند

اورآرام حرام کرلو۔ نہیں ہرگز نہیں، تم آرام سے رہو، عیش کرو۔ خود عیش کرو، اپنی اولاد کو گھر والوں کو رشتہ داروں کو دوست احباب کو سب کو عیش کراؤ، ہاں ہم تو صرف ایک بات کے خواہاں ہیں اور وہ یہ کہ تم ہماری مرضی کے مطابق رہو۔ ہماری قائم کردہ حدود سے آگے مت بڑھو۔ بری باتوں سے خود بچو۔ اولاد کو بچاؤ، کنبہ داروں کو اور تمام ماتحت لوگوں کو بچاؤ۔ اچھے کاموں کو خود کرو اور تمام زیراثر نفوس سے کراؤ۔

یا ایہا الذین آمنوا لا تحرموا طیبٰت ما احل اللہ لکم ولا تعتدوا ان اللہ لا یحب المعتدین و کلوا مما رزقکم اللہ حلالاً طیباً واتقوا اللہ الذی انتم بہ مومنون۔ پ ۷، ع ۱۱ سورہ مائدہ۔

اے ایمان والو۔ جو پاکیزہ چیزیں اللہ نے تمہارے لئے حلال کردی ہیں۔ انکو حرام مت کرو اور (حد سے مت بڑھو) تجاوز نہ کرو۔ اللہ تجاوز کرنیوالوں کو پسند نہیں کرتا۔ اور جو رزق کہ تم کو اللہ نے دیا ہے (جو) حلال ہو پاکیزہ ہو اسکو کھاؤ۔ اور اس خدا سے ضرور ڈرتے رہو جسپر تم ایمان لائے ہو۔

عالم کون کا سب سے بڑا ہادی۔ ملأ اعلیٰ کا سب سے بڑا سردار اپنی مقدس تعلیم میں (جس کی سند صحت اپنے خالق اور معبود سے ان الفاظ میں لے چکا ہے۔ وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰی۔ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی۔ اور اِنَّا اَرْسَلْنٰکَ بِالْحَقِّ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا۔ سورہ فاطر ع ۳۔ اور یٰس۔ وَالْقُرْاٰنِ الْحَکِیْمِ اِنَّکَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ۔ سورہ یٰس پ ۲۲۔

اور ساجدان حضرت الالٰہ کو بارگاہ قدس کے یہ مبارک الفاظ سنا چکا ہے:

مَنْ اَطَاعَ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ۔ (جس نے خدا کے پیغمبر کی فرمانبرداری کی اس نے خدا کی فرمانبرداری کی۔

ارشاد فرماتا ہے لنفسک علیک حق۔ لزوجک علیک حق۔ (کما قال علیہ السلام) تیرے نفس کا بھی تجھپر حق ہے۔ تیری زوجہ یا زوج کا بھی تجھپر حق ہے۔

دوسرا ارشاد ہے فان اللہ لا یمل حتی تملوا۔ (اللہ تعالیٰ ثواب دینے سے نہیں تھکتا۔ مگر کہیں ایسا نہو کہ زیادہ عبادت کی حرص میں تم ہی جلدی تھک جاؤ۔ اور پھر معمولی عبادت سے بھی مجبور ہو جاؤ۔

(باقی آئندہ)

فتاویٰ دارالعلوم دیوبند

سوال (۱) حشمت دعویدار ہے کہ میرے فرزند کا نکاح مسماۃ ریشم بی بی سے ہوا تھا اور اس پر دوگواہ مسلمہ پیش کرتا ہے۔ مدعاعلیہ یہ عذر کرتا ہے کہ جس سے نکاح ہوا تھا وہ دوسری لڑکی تھی۔ یہ عذر مسموع ہوگا یا نہیں؟۔

الجواب (۱) اس صورت میں اگر ہر دوگواہ مدعی کے مسلم وعادل ہیں تو نکاح پسر حشمت مدعی کا ریشم بی بی کے ساتھ ہونا شرعاً ثابت ہے اور عذر مدعی علیہ کا مسموع نہیں ہے فقط۔

سوال (۲) ریاست میں ایک قاضی کے فتوے دینے سے ایک جذامی مسلمان کی نعش کو دفن کرنے کے دو ماہ بعد جلایا گیا اس کے متعلق کیا حکم ہے۔ اور جس قاضی نے جواز کا فتویٰ دیا وہ دُرمختار وعالمگیری وغیرہ کا حوالہ دیتا ہے اس کے لئے کیا حکم ہے؟ اس کے پیچھے نماز پڑھی جاوے یا اس سے مقاطعہ کردیا جاوے؟ (۲) جذامی کی نعش مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیجائے یا علیحدہ؟ (۳) اور اسکو نمک ڈالکر جلایا جائے یا نہیں؟۔

الجواب (۲) مسلمانوں کی نعش کو جلانا جائز نہیں ہے بالکل حرام ہے جس قاضی نے مسلمان جذامی کی نعش کو جلانے کا حکم کیا وہ جاہل اور فاسق ہے کسی کتاب میں جلانے کا حکم نہیں لکھا یہ اس نے غلط حوالہ دیا شخص مذکور چونکہ بدعتی بھی ہے اور فاسق ہے اس کے پیچھے نماز مکروہ ہے اور اسکو امام بنانا حرام ہے کیونکہ امام بنانے میں اس کی تعظیم ہے اور تعظیم بدعتی اور فاسق کی حرام ہے۔ حدیث شریف میں ہے من وقر صاحب بدعة فقد اعان علی هدم الاسلام یعنی جس نے بدعتی کی تعظیم اور توقیر کی اس نے اسلام کے گرانے میں مدد کی والعیاذ باللہ تعالیٰ۔ پس قاضی مذکور کو توبہ کرنی چاہئے اور اگر وہ توبہ نکرے تو اس سے سلام وکلام قطع کردینا چاہئے ایسا شخص لائق قاضی ومقتدا ہونے کے نہیں ہے۔ (۲) مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کرنا چاہئے (۳) یہ حکم شرعاً نہیں ہے بلکہ مثل دیگر اموات اہل اسلام کی اسکو بھی دفن کیا جائے۔ فقط

سوال (۳) ایک لڑکا نماز نہیں پڑھتا اور کبوتر بازی وغیرہ کرتا ہے اس کا باپ اس کو اپنی جائداد سے

محروم کرکے اس کے حصہ کو دوسرے بیٹوں کے نام کردے یا اور کسی کار خیر میں صرف کردے۔

الجواب (۳) اس لڑکے کو میراث سے محروم نکرنا چاہیئے یہ بڑا سخت گناہ ہے اس کے واسطے دعا کرنی چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ ہدایت کرے۔ باقی میراث سے محروم نکیے کیونکہ حدیث شریف میں ہے من قطع میراث وارثہ قطع اللہ میراثہ من الجنۃ یوم القیامۃ (او کما قال علیہ السلام) یعنی جس شخص نے اپنے وارث کی میراث قطع کی اور اسکو محروم کردیا اللہ تعالیٰ اسکو جنت کے میراث سے محروم فرمادیگا۔ فقط

سوال (۴) کنواری بالغہ لڑکی کا نکاح بدون اجازت ولی کے غیر کفو میں جائز ہے یا نہیں؟۔

(۲) ایسے نکاح کو ولی فسخ کرسکتا ہے یا نہیں؟۔

الجواب (۱ و ۲) درمختار میں ہے کہ بالغہ اگر اپنا نکاح غیر کفو میں بدون رضامندی ولی کے کرے تو وہ نکاح باطل اور ناجائز ہے۔ پس جبکہ ولی اس نکاح سے راضی نہیں ہے اور اس نے اجازت اس نکاح کی نہ دی تو وہ نکاح نہیں ہوا ویفتی فی غیر الکفو بعدم جوازہ اصلا درمختار فقط۔

سوال (۵) زید نے دوسو روپیہ کی بھیڑ بکری خرید کر چرواہے کی سپرد کی دوسو پچیس روپیہ میں کہ سال بھر کے بعد قیمت مذکورہ دوسو پچیس روپیہ وضع کرکے نصف منافع چرواہے کو دونگا۔ سال بھر کے بعد وہ مال دوسو پچاس روپیہ کا ہوا اول زید نے اپنے دوسو پچیس روپیہ وضع کرلئے اور پچیس روپیہ منافع میں سے نصف خود رکھ لیا اور نصف بکر کو دیدیا تو زید کو یہ منافع لینا جائز ہے یا نہیں؟۔

الجواب (۵) یہ اجارہ شرعاً فاسد ہوا لہذا اجرت مقررہ واجب نہیں ہوئی بلکہ بکر کو سال بھر چرانے کی اجرت جو کچھ معروف ہو دیجاوے۔ پس رفع نزاع کے لئے بہتر یہ ہے کہ زید و بکر دونوں مصالحت کرلیں اور جس اجرت پر بکر اب راضی ہوجاوے اور صلح کرے وہ اسکو دیدیجاوے تو دونوں کے حق میں اب یہ فعل جائز ہوجاوے گا۔ فقط

سوال (۶) (۱) اگر کوئی مسلمان کسی کافر کے مکان میں مقیم ہو تو وہاں نماز پڑھ سکتا ہے یا نہیں؟ (۲) جہاں کنویں وغیرہ نہیں ہیں اور پانی جوہڑ وغیرہ سے نہر یا بارش کا بو دار میسر ہوتا ہے اس کا پینا اور وضو و غسل کرنا جائز ہے یا نہیں؟۔

الجواب (۶) ان دونوں صورتوں میں کافر کے مکان میں نماز صحیح ہے حدیث شریف میں ہے جعلت لی الارض مسجداً وطهوراً۔ الحدیث اوکما قال صلے اللہ علیہ وسلم۔ (۳) پانی مذکور جبکہ وہ دردہ یا اس سے زیادہ ہے اور بظاہر اس کا بدبودار ہونا نجاست کی وجہ سے نہیں ہے تو اس پانی سے غسل و وضوء اور پینا درست ہے۔ فقط

سوال (۷) ایک شخص عرصہ چار سال سے اپنی زوجہ سے کنارہ کش ہو نہ خرچ دیتا ہو نہ طلاق دینے پر آمادہ ہوتا ہو ایسی حالت میں عورت دوسرا عقد کرسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب (۷) اس صورت میں جبتک شوہر طلاق نہ دے یا خلع نکرے اور عدۃ نہ گذرجاوے اسوقت تک عورت مذکورہ کو دوسرا نکاح کرنا شرعاً جائز نہیں ہے۔ فقط

سوال (۸) ایک طویل تحریر شوہر نے اپنی زوجہ کو لکھی جسمیں صاف طور سے طلاق نہیں لکھی بلکہ ارادہ طلاق دینے کا اس سے معلوم ہوتا ہو اس صورت میں طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟ نقل تحریر ارسالخدمت ہو۔

الجواب (۸) اس تمام تحریر کے دیکھنے سے صاف طلاق کا دینا ظاہر نہیں ہوتا ارادہ طلاق کا ضرور معلوم ہوتا ہو پس اگر اس تحریر کے بعد اس کی کوئی تحریر آئی ہو جسمیں صاف یہ تحریر ہو کہ میں نے طلاق دیدی اور آزاد کردیا یا زبانی کوئی ایسا لفظ صاف کہا ہو تو اس شخص کی عورت پر طلاق واقع ہوگئی اور عدۃ کے بعد وہ نکاح ثانی کرسکتی ہے۔ فقط

سوال (۹) زید نے اپنی دختر ہندہ نابالغہ کا نکاح مسمی بشیر نابالغ سے بولایت اس کے ماموں کے کردیا بشیر کے بالغ ہونے کے بعد نکاح فسخ ہوسکتا ہو یا نہیں؟۔

الجواب (۹) اس صورت میں ہندہ کو بعد بالغہ ہونے کے نکاح کے فسخ کرانے کا اختیار نہیں ہو کیونکہ اس کا نکاح اس کے باپ نے کیا ہے البتہ بشیر کو بعد بلوغ کے فسخ نکاح کا اختیار ہے اور اسکو طلاق دینے کا بھی اختیار ہو پس اگر ماموں بشیر کا اسوقت ولی جائز تھا کہ اس سے اقرب کوئی ولی موجود نہ تھا تو وہ نکاح صحیح ہوگیا اور بشیر بعد بلوغ کے اسکو فسخ کراسکتا ہو اور طلاق بھی دیسکتا ہے مگر ہندہ کو کچھ اختیار فسخ وغیرہ کا نہیں ہے اور وہ بدون فسخ کرانے بشیر کے یا طلاق کے دوسرا نکاح نہیں کرسکتی۔ وان کان الحرج غیرهما

ای غیر الاب وابیہ فلہما خیار الفسخ بالبلوغ الخ ۔

سوال (۱۰) نماز جب التحیات پڑھتے ہیں تو اشہد ان لا الہ الا اللہ پر انگشت شہادت اٹھانی جائز ہے یا نہیں ؟ (۲) مسجد کے دروازوں میں مقتدی کو نماز پڑھنی جائز ہی یا نہیں ؟ ۔

الجواب (۱۰) تشہد میں اشہد ان لا الہ الا اللہ پر انگشت شہادۃ اٹھانا سنت ہے جیسا کہ در مختار اور شامی میں مذکور ہے وھکذا ذکرہ الامام محمدؒ فی الموطاء ۔ (۲) جائز ہے ۔ فقط

سوال (۱۱) ایک شخص نے ظہر کی سنتوں کی نیت باندھی صرف ایک رکعت پڑھی تھی کہ تکبیر ہوگئی جس وقت تک شخص مذکور کی چار رکعت پوری ہوئی امام مصلے پر نہیں گیا جب وہ چار رکعتیں ادا کر چکا تب امام صاحب مصلے پر پہنچے اور پہلی ہی تکبیر سے نماز ادا کی گئی نماز ہوگئی یا نہیں ؟ ۔

الجواب (۱۱) اس صورت میں نماز ہوگئی اور تکبیر کے اعادہ کی ضرورت نہیں کما فی الدر المختار صلی السنۃ بعد الاقامۃ او حضر الامام بعدھا لا یعیدھا بزازیہ ۔ فقط

سوال (۱۲) آجکل جو حالت ہندوؤں کی مسلمانوں کی ساتھ اکثر بلاد ہندوستان میں ہے وہ ظاہر ہے اور معلوم ہے قابل دریافت یہ امر ہے کہ ہندوستان کے اہل ہنود اب بھی ذمی کے حکم میں ہیں یا حربی کے ۔ ہم مسلمانوں کے اوپر ان کے ذمہ ہونیوالے حقوق عاید ہوتے ہیں یا حربی والے ۔ ؟

الجواب (۱۲) درحقیقت ہندوستان میں ہندو اور مسلمانوں کی شان مستامن کی سی تھی لیکن جب سے ہندوؤں نے جگہ جگہ مسلمانوں پر حملے شروع کر دیئے ہیں اور علی الاعلان وہ مسلمانوں کے دشمن ہوگئے ہیں تو مسلمانوں کی ساتھ ان کا کوئی معاہدہ وغیرہ نہیں رہا اور وہ مصداق وہم بدؤاکم اول مرۃ کے ہوگئے ۔ فقط ۔

سوال (۱۳) ایک شخص نے یہ الفاظ کہے کہ شرعی فیصلہ مجھے منظور نہیں ہے اور شریعت کوئی چیز نہیں ہے دریافت طلب امر ہی کہ ایسا شخص شرعاً مرتد ہی یا نہیں ؟ اور اس سے اسلامی تعلقات رکھنا جائز ہی یا نہیں ؟ ۔

الجواب (۱۳) بیشک انکار و استہزاء بالدین والشریعۃ کفر ہی کما فی الشامی ویظہر من ھذا ان ما کان دلیل الاستخفاف یکفر بہ وان لم یعتقد الاستخفاف الخ صفحہ ۳ ج ۳ فقط

انتظار کی گھڑیاں ختم ہو گئیں

ہم نے اس سے پہلے اعلان کیا تھا کہ فخر الہند حضرت مولانا مولوی حبیب الرحمن صاحب ناظم دار العلوم دیوبند و مدیر القاسم مدظلہ العالی کا محققانہ مضمون "**تعلیمات اسلام**" مستقل کتابی شکل میں طبع ہو رہا ہے شائقین کے بہت سے فرمائشی خطوط اُسی وقت سے آنے لگے تھے۔ لیکن چونکہ اس مضمون کے پہلے جزء یعنی مسئلہ استشارہ کا کچھ حصہ اور دوسرا جز یعنی مسئلہ استخارہ پورا باقی تھا اس لئے اس کی طباعت میں غیر معمولی تاخیر ہو گئی، کہ جس سے علم دوست حضرات کو تکلیف انتظار گوارا کرنی پڑی۔

الحمد للہ کہ اب یہ گرانمایہ تالیف پوری ہو کر زیور طبع سے آراستہ ہو گئی ہے۔

اس تالیف میں حضرت مؤلف نے اسلامی تعلیم کی حقانیت وصداقت کو جس انوکھے انداز بیان فرمایا ہے اور مسئلہ استخارہ واستشارہ کو جس عالمانہ ومحققانہ طرز میں تحریر فرمایا ہے وہ انہی کا حق ہے، جو لوگ حضرت مؤلف کی متانت تحریر وسلاست بیان سے واقف ہیں، انشاء اللہ وہ حضرات اس تالیف کو بھی اُسی نظر سے ملاحظہ فرماویں گے کہ جس مقبول نظروں سے انھوں نے "اشاعت اسلام یعنی دنیا میں اسلام کیونکر پھیلا" کو ملاحظہ فرمایا ہے۔

کتابت وطباعت نہایت اعلیٰ درجہ کاغذ ولایتی سفید صفحات ۲۳۱ ٹائٹل خوبصورت۔ قیمت باوجود ان تمام خوبیوں کے صرف ۱۰؍

علاوہ اس کے ہر قسم کے قرآن مجید وحمائلیں اور درسی وغیر درسی، عربی، فارسی، اُردو کتابیں بکفایت منگائیے

ملنے کا پتہ

مینجر کتب خانہ مطبع قاسمی دیوبند ضلع سہارنپور یو۔ پی

قواعد وضوابط رسالہ القاسم

(۱) تاریخ روانگی رسالہ ہر قمری مہینہ کی ۱۵ ہے۔ نیا سال محرم سے شروع ہوتا ہے۔

(۲) حجم کم سے کم ۳۲ صفحہ کا ہوتا ہے اور سائز ۲۰×۲۶/۸ ۔

(۳) عام قیمت سالانہ ڈھائی روپیہ ہے۔ امراء و والیان ریاست سے حسب حیثیت۔ قیمت فی پرچہ ۴ ہے۔

(۴) سالانہ چندہ پیشگی بذریعہ منی آرڈر یا وی پی وصول ہوتا ہے محصولڈاک۔ روانگی رسالہ و پیکنگ کا صرفہ بذمہ دفتر ہے فیس رجسٹری و فیس منی آرڈر کا صرفہ بذمہ خریدار ہے۔

(۵) سالانہ چندہ جہاں تک ممکن ہو منی آرڈر سے روانہ کرنا چاہئے اسمیں منگانیوالیکو کفایت اور بھیجنے والونکو سہولت رہتی ہے۔

(۶) جو صاحب درمیان سال میں رسالہ کے خریدار بنتے ہیں ان کو شروع سال ہی سے خریدار سمجھا جاتا ہے۔ چنانچہ کل پرچے بشرط موجودگی اس سال کے بھیجے جاتے ہیں تاکہ سلسلہ مضامین نہ ٹوٹے۔

(۷) جو حضرات القاسم کے حلقہ اشاعت فیض کے وسیع اور عام کرنے کیلئے غیر مستطیع شائقین کے نام کم قیمت میں رسالہ جاری کرکے امداد قوم مرحمت فرماتے ہیں وہ القاسم کے معاونین و محسنین مخلص شمار ہوتے ہیں اور ایسے مخیر حضرات کے اسمائے گرامی وقتاً فوقتاً القاسم میں شائع کئے جاتے ہیں

(۸) جو پرچہ ڈاکخانہ یا دفتر کی غلطی سے وصول نہ ہوا ہو اس کیلئے تاریخ اشاعت سے دس روز کے اندر اندر دفتر کو اطلاع کردینی چاہئے تاکہ دوبارہ رسالہ بھیجدیا جائے اس کے بعد قیمتاً بشرط موجودگی ارسال ہوگا۔

(۹) جواب طلب امور کے لئے جوابی کارڈ یا ٹکٹ آنا چاہئے۔

(۱۰) خط وکتابت و ترسیل زر کے وقت پتہ صاف خوشخط ہونا چاہئے خریداری کے نمبر کا حوالہ کوپن منی آرڈر پر ضرور ہونا چاہئے ورنہ عدم تعمیل کی شکایت نہ کیجئے۔

نرخ وشرح اجرت اشتہارات

(۱۱) مہذب اشتہارات کے چربے موافق سائز رسالہ لئے جاسکتے ہیں بشرطیکہ فی صفحہ ... نصف صفحہ ... صفحہ کیلئے ... پیشگی بھیجے جائیں دوامی اشتہارات میں اور بھی رعایت ممکن ہے۔

(۱۲) کوئی مضمون مخالف مسلک علمائے دیوبند شائع نہ ہوگا نیز جو مضمون انتخاب میں آکر طبع ہو جائیگا بشرط طلب اسکا معاوضہ حسب حیثیت مضمون ادا کیا جائیگا۔

(۱۳) عدم انتخاب کی صورت میں مضمون بیرنگ واپس ہو سکیگا۔

(۱۴) جملہ خط وکتابت و ترسیل در بنام معتمد المدیر القاسم دارالعلوم دیوبند ہونی چاہئے۔

(مینیجر)

یادگار علمی حضرت مولانا محمد قاسم النانوتوی رحمۃ اللہ بانی دارالعلوم دیوبند

القاسم

دور جدید

جلد ۴ نمبر ۹

رمضان المبارک ۱۳۴۷ھ

دارالعلوم دیوبند کا علمی، مذہبی، اخلاقی، تمدنی، تاریخی ماہوار رسالہ

زیر ادارت

فخر الہند حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب ناظم دارالعلوم دیوبند

باہتمام

خاکسار طاہر بن احمد القاسمی نائب المدیر عفی عنہ

مطبع قاسمی دیوبند میں طبع ہوکر

دفتر القاسم دارالعلوم دیوبند سے شائع ہوا

قیمت سالانہ دو روپیہ آٹھ آنہ (۲ عہ/) مع محصول ڈاک

فی پرچہ ——— ۴/

فہرست مضامین رسالہ القاسم

بابت ماہ رمضان المبارک ۱۳۴۷ھ

(جو)

بیادگار حجۃ الاسلام حضرت مولٰنا محمد قاسم صاحب قدس سرہٗ

بانی دار العلوم دیوبند

بسرپرستی

قدوۃ الانام حضرت مولٰنا الشاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی و حضرت

مولٰنا حسین احمد صاحب مدنی و دیگر مقدس و متقی علماء

دیوبند سے

شائع ہوتا ہے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مرثیہ

وفات حضرت مولٰنا حافظ محمد احمد صاحب مہتمم دار العلوم دیوبند

مادۂ تاریخ

محمد احمد رضی اللہ تعالیٰ عنہم

۱۳۴۷ ہجری

بکیتُ وحقّ ان اَحِنّ وانّ با	وحُقّ لعینی ان تصبّ وتسکبا

میں رویا اور میرے لئے حق تھا کہ میں گریہ وزاری کروں اور میری آنکھ کیلئے حق تھا کہ آنسو بہائے

وکیف یقوم القلب فی القلب مضغۃ	لِهمٍّ اذاب الصخر حین تألّبا

اور قلب (جبکہ وہ ایک گوشت کا لوتھڑا ہے) کیسے اس غم کا مقابلہ کرسکتا ہے جس نے پتھروں کو پگھلا دیا

وخطبٍ ازاح الطود عن مستقرہٖ	وامرٍ فظیع غادر الطفل اشیبا

اور کیسے اس مصیبت عظیمہ اور ہیبت ناک واقعہ کا مقابلہ کرسکتا ہے جس نے پہاڑ کو اپنی جگہ سے ہلا دیا اور بچوں کو بوڑھا کردیا

نُعِیّنا کریم الخُلق والخَلق احمدا	نشا فی عبادات الالٰہ وشیّبا

واقعہ یہ ہے کہ ہمیں ایک کریم و شریف اخلاق یعنی حضرت محمد احمدؒ کی خبر وفات دیگئی جو کہ حق تعالیٰ کی عبادت ہی میں جوان ہوئے اور اسی میں بوڑھے ہوئے

فیا لکِ من برقیۃ دکنیۃ	اسلتِ بمسراکِ من العین صیّبا

اے دکن کے برقی پیغام تجھ پر حیرت ہے کہ تو نے آتے ہی آنکھوں سے ایک گھنگھور گھٹا برسانی شروع کردی

بھی زائل ہوگئی

مرثیہ پڑھ دیا

نعیت الی دار العلوم جریکۃ ـ ـ ـ العذیق المرجبا

تونے دارالعلوم دیوبند کو اس کے ایسے مربی کی وفات کی خبر دی جو اسکے حل و عقد کا دار و مدار تھا

نعیت لنا حلو الشمائل احمدا ـ وکنا نرجی ان نراہ فنطربا

تونے ہمیں شیریں خصلت جناب احمد کی وفات کی خبر دی۔ حالانکہ ہم یہ امید لگائے ہوئے تھے کہ ہم انکی زیارت سے مسرور ہونگے

وکنا علی خوف من البین دائما ـ فلما تولی کان بالعقل ذھبا

اور ہم ہمیشہ اس جدائی کے ڈر سے ڈرتے تھے۔ لیکن جب روانہ ہوئے تو اور بھی زیادہ عقل و حواس رخصت ہوگئے

فلسنا فقدنا الیوم شیخ شیوخنا ـ نعم والامیر العدل والام والابا

اس لئے کہ آج ہم نے فقط اپنے استاذ الاساتذہ ہی کو گم نہیں بلکہ ایک امیر عادل اور ماں اور باپ کو بھی

بکتہ علوم اھلھا و دیارھا ـ وان لسور العلم ان یتنقبا

آپ کو علوم اور اہل علوم اور دیار علوم سب روتے ہیں، اور وقت آگیا ہے کہ علم کی محکم دیوار قلعہ میں رخنہ پڑجائے

فما موتہ واللہ موت لعالم ـ ولکن بہ اصل العلوم تھبھبا

اس لئے ان کی موت بخدا صرف ایک عالم کی موت نہیں۔ بلکہ اس کی وجہ سے علوم کی جڑیں ہل گئیں۔

وکان بہ نظم لجامعۃ سمت ـ علی ازھر فی مصر والتی بقرطبا

اور انھیں کی ذات گرامی سے اس جامعہ قاسمیہ کا نظم قایم تھا۔ جو مصر کے جامع ازہر اور قرطبہ کے جامعہ پر فوقیت رکھتا ہے

بقیۃ اسلاف کرام ترحلو ـ الی قاسم الخیرات اولی ولینسبا

آپ گذشتہ اسلاف کرام کی بقیہ یادگار تھے۔ اور حضرت قاسم العلوم والخیرات کی طرف صحیح طور پر نسبت کے لائق تھے۔

... سبیل اللہ ثمۃ غربۃ — فلم ادر ان یرثی لہ او یرحبا

... ایک اسلئے کہ اللہ کے راستے میں (یعنی بکار مدرسہ) شہید ہوئے دوسرے سفر کی موت بھی شہادت اسلئے مجھے تردد ہے کہ اس موت

... میتۃ واللہ قد رموتہ — غریبا شہیدا فائزا متغربا

آپ ... چکا تھا۔ لیکن حق تعالے نے آپ کی وفات بحالت مسافرت شہادت کیساتھ مقدر فرمائی تھی اسلئے اچانک سفر پیش آگیا

ترکت حبیب الخلق بعدک حائرا — وان بکاہ فی نواک لہ نبا

مرحوم آپنے حبیب الخلق (مولنا حبیب الرحمن صاحب) کو اپنے بعد حیران و پریشان چھوڑ دیا آپکی جدائی میں انکا رونا بھی ایک شان رکھتا ہے

حدیث بکاہ ہائما متوجعا — حقیق بان یملا وبالدمع یکتبا

ان کے پریشان و دردمند ہوکر رونے کا واقعہ اس قابل ہے کہ آنسوؤں سے لکھا جائے

علی ان تذراف الدموع لفائت — مدی الدہر لا یقضی لذی الحزن مأربا

مگر کسی فوت شدہ پر ہمیشہ آنسو بہانا غمگین کی حاجت روائی نہیں کرسکتا

اما راعہ من بعد خمسین حجۃ — فراق حبیب لم یزل متوصبا

کیا مرحوم کو پچاس سال کی طویل صحبت کے بعد مولانا حبیب الرحمن صاحب کا فراق ناگوار ہوا جو کہ ہمیشہ مریض و دردمند رہتے ہیں

وکانا کندمانی جذیمۃ حقبۃ — فصارا کأن فیما مضی لم یصحبا

حالانکہ یہ دونوں جذیمہ کے دو ہمنشینوں کی طرح ایک زمانہ تک ساتھ رہے مگر پھر ایسے ہوگئے کہ گویا کبھی ساتھ رہے ہی نہ تھے

احقا عباد اللہ ان لست زائرا — بعینی بعد الیوم ذاک المرجبا

کیا اے اللہ کے بندو یہ بات صحیح ہے کہ میں آج کے بعد اس مقبول خلائق کی زیارت نہ کرسکوں گا

ولست ابالی بعد دفنک فی الثری — بایہم غال الزمان و قرضبا

اور آپ کو مٹی میں دفن کردینے کے بعد مجھے پروا نہیں اب زمانہ جس کو چاہے ہلاک کردے

وما مات من ابقی لہ مثل طاہر — وخلف ابنا طیب النفس طیبا

لیکن اس شخص کو مردہ نہیں کہہ سکتے جس نے مولوی محمد طاہر جیسا فرزند چھوڑا ہو اور جس نے اپنا خلیفہ مولوی محمد طیب جیسا کریم النفس چھوڑا ہو۔

نَعَيْتِ كريمًا لم يزل يرتقي العلا ۔۔۔ فعذّبتِ قلبًا لا يزال معذّبا

یعنی ایک ایسے شریف انسان کی خبر وفات دی جو ہمیشہ معالی میں ترقی کرتا رہا۔ جسکی وجہ سے تونے ہمارے قلب کو سخت تکلیف دی جو کبھی زائل نہ ہوگی

نَعَيْتِ لنا المجد المؤثّل والحيا ۔۔۔ ء والفضل ثم العلم والحلم والإبا

گویا تونے آج خاندانی بزرگی اور حیا، اور فضل اور علم اور بردباری اور خودداری تمام اوصاف حمیدہ کا مرثیہ پڑھ دیا

نَعَيْتِ الى دار العلوم جُزَيلها ۔۔۔ المُحَكَّكَ منهم والعُذَيْقَ المُرَجَّبا

تونے دار العلوم دیوبند کو اس کے ایسے مربی کی وفات کی خبر دی جو اسکے حل و عقد کا دار و مدار تھا

نَعَيْتِ لنا حُلْوَ الشمائل احمدًا ۔۔۔ وكنا نرجّي ان نراه فنطربا

تونے ہمیں شیریں خصلت جناب احمد کی وفات کی خبر دی۔ حالانکہ ہم یہ امید لگائے ہوئے تھے کہ ہم انکی زیارت سے مسرور ہونگے

وكنا على خوف من البين دائمًا ۔۔۔ فلما تولّى كان بالعقل ذهبا

اور ہم ہمیشہ اس جدائی کے ڈر سے ڈرتے تھے۔ لیکن جب روانہ ہوئے تو اور بھی زیادہ عقل و حواس رخصت ہوگئے

فلسنا فقدنا اليوم شيخ شيوخنا ۔۔۔ نعم والأمير العدل والأم والأبا

اس لئے کہ آج ہمنے فقط اپنے استاذ الاساتذہ ہی کو گم نہیں بلکہ ایک امیر عادل اور ماں اور باپ کو بھی

بكته علوم ما اهلها وديارها ۔۔۔ وان لسور العلم ان يتنقبا

آپ کو علوم اور اہل علوم اور دیار علوم سب روتے ہیں اور وقت آگیا ہے کہ علم کی محکم دیوار قلعہ میں رخنہ پڑجائے

فما موته والله موت لعالم ۔۔۔ ولكن به اصل العلوم تهبّبا

اس لئے ان کی موت بخدا صرف ایک عالم کی موت نہیں۔ بلکہ اس کیوجہ سے علوم کی جڑیں ہل گئیں۔

وكان به نظم لجامعة يممت ۔۔۔ على ازهر في مصر واللّذْ بقرطبا

اور انھیں کی ذات گرامی سے اس جامعہ قاسمیہ کا نظم قایم تھا۔ جو مصر کے جامع ازہر اور قرطبہ کے جامعہ پر فوقیت رکھتا ہے

بقيةُ اسلاف كرام ترحّلوا ۔۔۔ الى قاسم الخيرات اولى وَلِينسبا

آپ گذشتہ اسلاف کرام کی بقیہ یادگار تھے۔ اور حضرت قاسم العلوم والخیرات کی طرف صحیح طور پر نسبت کے لائق تھے۔

شهيد سبيل الله ثمة غربة — فلم ادر ان يرثى له او يرحبا

آپ دو وجہ سے شہید ہیں ایک اسلئے کہ اللہ کے راستہ میں (یعنی بکار مدرسہ) شہید ہوئے دوسرے سفر کی موت بھی شہادت اسلئے مجھ تردد ہے کہ اس موت

اتى حينه والله قدر موته — غريبا شهيدا فائزا متغربا

آپ کا وقت آچکا تھا۔ لیکن حق تعالے نے آپ کی وفات بحالت مسافرت شہادت کیساتھ مقدر فرمائی تھی اسلئے اچانک سفر پیش آگیا

تركت حبيب الخلق بعدك حائرا — وان بكاه في نواك له نبا

اے مرحوم آپنے حبیب الخلق (مولنا حبیب الرحمن صاحب) کو اپنے بعد حیران و پریشان چھوڑ دیا آپکی جدائی میں انکا رونا بھی ایک شان رکھتا ہے

حديث بكاه هائما متوجعا — حقيق بان يملا وبالدمع يكتبا

ان کے پریشان و دردمند ہوکر رونے کا واقعہ اس قابل ہے کہ آنسوؤں سے لکھا جائے

على ان تذراف الدموع لفائت — سدى الدهر لا يقضي لذي الحزن ماربا

مگر کسی فوت شدہ پر ہمیشہ آنسو بہانا غمگین کی حاجت روائی نہیں کر سکتا

اما راعه من بعد خمسين حجة — فراق حبيب لم يزل متوصبا

کیا مرحوم کو پچاس سال کی طویل صحبت کے بعد مولانا حبیب الرحمن صاحب کا فراق ناگوار نہوا جو کہ ہمیشہ مریض و دردمند رہتے ہیں

وكانا كندماني جذيمة حقبة — فصارا كان فيما مضى ما تصاحبا

حالانکہ یہ دونوں جذیمہ کے دو ہمنشینوں کی طرح ایک زمانہ تک ساتھ رہے مگر پھر ایسے ہوگئے کہ گویا کبھی ساتھ رہا ہی نہ تھا

احقا عباد الله ان لست زائرا — بعيني بعد اليوم ذاك المرحبا

کیا اے اللہ کے بندو یہ بات صحیح ہے کہ میں آج کے بعد اس مقبول خلائق کی زیارت نہ کرسکوں گا

ولست ابالي بعد دفنك في الثرى — بايهم غال الزمان وقرضبا

اور آپ کو مٹی میں دفن کردینے کے بعد مجھے پروا نہیں اب زمانہ جس کو چاہے ہلاک کردے

وما مات من ابقى له مثل طاهر — وخلف ابنا طيب النفس طيبا

لیکن اس شخص کو مردہ نہیں کہہ سکتے جس نے مولوی محمد طاہر جیسا فرزند چھوڑا ہو اور جس نے اپنا خلیفہ مولوی محمد طیب جیسا کریم النفس چھوڑا ہو۔

فیاثاویا للہ فی دار غربۃ — علیک سلام اللہ ما ھبت الصبا

پس اے اللہ کے لئے زمین مسافرت کو اپنا آرامگاہ بنانیوالے تجھپر اللہ تعالیٰ کی طرف سے سلام ہو جبتک کہ پروا ہوا چلتی ہے

کذالک دولات الزمان باھلہ — یقوض ما قد کان بالامس طنبا

یہی حال ہے زمانہ کی گردشوں کا ابنارِ زمانہ کے ساتھ کہ کل جسکا خیمہ لگایا تھا آج اس کو اکھاڑا جاتا ہے

فبعداً للدار لا تقر لاھلھا — وتبا لدھر فی موالیہ قلبا

پس ہلاک ہو وہ گھر جو اپنے کے لئے قائم نہیں رہتا۔ اور دور ہو وہ زمانہ جو اپنے لوگوں پر ہر وقت بدلتا رہتا ہے

فمن یرضھا یوماً لامر یسرہ — فسوف تراہ فی غد متغضبا

جو شخص آج اس دار دنیا سے کسی خوش کن کام کی وجہ سے راضی ہوا تو سمجھلو کہ عنقریب اسکو آپ ناراض بھی دیکھیگا

ومن جرب الدنیا وقاسی بلائھا — رأی جل ما فیھا من البرق خلبا

اور جس شخص نے دنیا کا تجربہ کیا اور اسکی مشقتیں برداشت کیں وہ تمام دنیا کی چیزوں کو دھوکہ کی ٹٹی سمجھتا ہے

اذا شمت فی آفاق مسراک طالعا — فکن لافول عاجل مترقبا

جب تم اپنی سیر و سیاحت میں کسی ستارے کو افق پر طلوع ہوتا دیکھو تو اسکے عنقریب غروب ہونے کے منتظر ہو جاؤ

وان قصاری منزل الحی حفرۃ — سمی ما سمی مالا وجاھا ومنصبا

اور بیشک ہر زندہ انسان کی انتہائی منزل ایک تاریک گڑھا ہے۔ دنیا میں خواہ وہ مال و جاہ اور عہدہ کے اعتبار سے کتنا ہی بلند ہو گیا

رقی فی السما او خاض فی البحر قعرہ — فلیس لہ عما قضی اللہ مھربا

چاہے آسمان میں چڑھ جائے یا دریا میں گھس جائے۔ لیکن حق تعالیٰ کے حکم سے اس سے کوئی بھاگنے کی جگہ نہیں

فکم نابہ مستکبر جاءہ القضا — فلم یدر فی ای البوادی تعصبا

بہت سے امیر متکبر ہیں کہ جب قضاء الٰہی انکو پہنچی تو ان کا یہ پتہ بھی نہیں لگا کہ کس جنگل میں اتر گئے

فتبا لمن غرتہ خضراء دمنھا — ولم یتئب للعقبیٰ ولم یتاھبا

ہلاکت ہے اس شخص کے لئے جس کو دنیا کے سبز باغ نے دھوکہ میں ڈالا ہے اور آخرت کے لئے اس نے کوئی تیاری نہیں کی۔

اَمَا فی بنات الدھر للمرء مزجرٌ ۔ ولم یکفہ ریب الزمان مؤدبا

کیا ایک عقلمند کے لئے حوادث زمانہ میں عبرت نہیں۔ اور کیا اس کے لئے یہ حوادث ایک بہتر واعظ نہیں

الیس لذی عینین فی ذاک عبرۃ ۔ فھل جاز ان یلھو وان یتلعبا

کیا ہر دو آنکھوں والے کیلئے اس میں کوئی عبرت نہیں۔ پس کیا یہ جائز ہے کہ وہ اب بھی لہو ولعب میں مشغول رہے

فیا نفس ما للھالک بالھو ساھیا ۔ اما حان ان تحیی وفی اللہ ترغبا

اے دل تو کسقدر لہو ولعب میں مصروف ہے۔ کیا ابتک اس کا وقت نہیں آیا کہ تو ترحم کرے اور اللہ تعالیٰ کیطرف رغبت کرے

وھل لابن عشرین بعد الثلثین ملعب ۔ الم یأن ان تخشیٰ الالٰہ وترھبا

اور کیا تیس سال کی عمر کے بعد بھی تیرے کھیل کا موقع باقی ہے کیا اسکا وقت نہیں آگیا کہ تو اللہ سے ڈرے

فکم فی امانیک البواطل تنتھی ۔ وکم فی المعاصی تستمر وتلعبا

کب تک تو ان باطل تمناؤں میں ترقی کرتا رہیگا۔ اور کب تک گناہوں پر اصرار کرتا رہیگا۔

نقشہ سحری وافطار ماہ رمضان المبارک ۱۳۴۷ھ

تاریخ رمضان	تاریخ انگریزی	انتہاء سحر	وقت افطار	وقت عشاء	تاریخ رمضان	تاریخ انگریزی	انتہاء سحر	وقت افطار	وقت عشاء
۱	۱۲	۵ بجکر ۴۴ منٹ	۶ بجکر ۱۰ منٹ	۷ بجکر ۳۴ منٹ	۱۶	۲۷	۵ بجکر ۳۱ منٹ	۶ بجکر ۲۲ منٹ	۷ بجکر ۴۴ منٹ
۲	۱۳	۵ ,, ۴۳ ,,	۶ ,, ۱۰ ,,	۷ ,, ۳۳ ,,	۱۷	۲۸	۵ ,, ۲۹ ,,	۶ ,, ۲۳ ,,	۷ ,, ۴۵ ,,
۳	۱۴	۵ ,, ۴۳ ,,	۶ ,, ۱۱ ,,	۷ ,, ۳۴ ,,	۱۸	یکم مئی	۵ ,, ۲۸ ,,	۶ ,, ۲۳ ,,	۷ ,, ۴۶ ,,
۴	۱۵	۵ ,, ۴۲ ,,	۶ ,, ۱۲ ,,	۷ ,, ۳۵ ,,	۱۹	۲	۵ ,, ۲۷ ,,	۶ ,, ۲۴ ,,	۷ ,, ۴۶ ,,
۵	۱۶	۵ ,, ۴۱ ,,	۶ ,, ۱۳ ,,	۷ ,, ۳۵ ,,	۲۰	۳	۵ ,, ۲۶ ,,	۶ ,, ۲۴ ,,	۷ ,, ۴۶ ,,
۶	۱۷	۵ ,, ۴۰ ,,	۶ ,, ۱۳ ,,	۷ ,, ۳۶ ,,	۲۱	۴	۵ ,, ۲۵ ,,	۶ ,, ۲۴ ,,	۷ ,, ۴۶ ,,
۷	۱۸	۵ ,, ۳۹ ,,	۶ ,, ۱۵ ,,	۷ ,, ۳۷ ,,	۲۲	۵	۵ ,, ۲۴ ,,	۶ ,, ۲۵ ,,	۷ ,, ۴۷ ,,
۸	۱۹	۵ ,, ۳۹ ,,	۶ ,, ۱۶ ,,	۷ ,, ۳۸ ,,	۲۳	۶	۵ ,, ۲۳ ,,	۶ ,, ۲۶ ,,	۷ ,, ۴۸ ,,
۹	۲۰	۵ ,, ۳۸ ,,	۶ ,, ۱۶ ,,	۷ ,, ۳۸ ,,	۲۴	۷	۵ ,, ۲۲ ,,	۶ ,, ۲۶ ,,	۷ ,, ۴۸ ,,
۱۰	۲۱	۵ ,, ۳۷ ,,	۶ ,, ۱۷ ,,	۷ ,, ۳۹ ,,	۲۵	۸	۵ ,, ۲۱ ,,	۶ ,, ۲۷ ,,	۷ ,, ۴۹ ,,
۱۱	۲۲	۵ ,, ۳۶ ,,	۶ ,, ۱۸ ,,	۷ ,, ۴۰ ,,	۲۶	۹	۵ ,, ۲۰ ,,	۶ ,, ۲۸ ,,	۷ ,, ۵۰ ,,
۱۲	۲۳	۵ ,, ۳۵ ,,	۶ ,, ۱۹ ,,	۷ ,, ۴۱ ,,	۲۷	۱۰	۵ ,, ۱۹ ,,	۶ ,, ۲۸ ,,	۷ ,, ۵۰ ,,
۱۳	۲۴	۵ ,, ۳۴ ,,	۶ ,, ۲۰ ,,	۷ ,, ۴۲ ,,	۲۸	۱۱	۵ ,, ۱۸ ,,	۶ ,, ۲۹ ,,	۷ ,, ۵۱ ,,
۱۴	۲۵	۵ ,, ۳۳ ,,	۶ ,, ۲۱ ,,	۷ ,, ۴۳ ,,	۲۹	۱۲	۵ ,, ۱۷ ,,	۶ ,, ۳۰ ,,	۷ ,, ۵۲ ,,
۱۵	۲۶	۵ ,, ۳۲ ,,	۶ ,, ۲۱ ,,	۷ ,, ۴۳ ,,	۳۰	۱۳	۵ ,, ۱۶ ,,	۶ ,, ۳۰ ,,	۷ ,, ۵۲ ,,

فضائل ومسائل ماہ رمضان المبارک

رمضان میں خدا تعالیٰ کی رحمت مسلمانوں کی طرف خاص طور سے نازل ہوتی ہے، جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور دوزخ کے دروازے بند ہو جاتے ہیں۔ صدقات وخیرات کا ثواب اس ماہ میں معمول سے صدہا درجہ زیادہ ملتا ہے۔ رمضان کے روزے رکھنا اسلام کا تیسرا فرض ہے جو اس کا انکار کرے مسلمان نہیں رہتا اور جو شخص رمضان میں روزہ چھوڑ دے وہ اگر تمام عمر بھی روزہ رکھتا رہے تو اس درجہ وہ ثواب کو حاصل نہیں کر سکتا جو وقت پر روزہ رکھنے سے حاصل ہوتا۔

روزہ کی نیت روزہ میں نیت کرنا شرط ہے، بغیر نیت کے روزہ نہ ہوگا نیت ساڑھے گیارہ بجے دن تک کر سکتا ہے نیت اس طرح سے کرے بِصَوْمِ غَدٍ نَوَيْتُ مِنْ شَهْرِ رَمَضَانَ۔

روزہ توڑنے والی چیزیں ناک یا کان میں دوا ڈالنا۔ قصداً منہ بھر کر قے کرنا۔ کلی کرتے وقت حلق میں پانی چلا جانا کنکر۔ پتھر۔ لوہے وغیرہ کے کھانے سے بخیال غروب سورج روزہ کھول لینا رات سمجھ کر صبح صادق کے بعد کھانا۔ لوبان وغیرہ کی دھونی سونگھنا، سگرٹ حقہ پینا۔ تھوک میں غالب حصہ خون کا مل گیا ہو تو اسکو نگل لینا۔ دانتوں میں گوشت وغیرہ کا ٹکڑا رہ جانے اور اس کو باہر نکالکر نگل جانے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے اور اگر اسکو باہر نکلے بغیر کھالیا تو اگر وہ چنے کے برابر یا اس سے زائد ہو تو روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔

کن چیزوں سے روزہ نہیں ٹوٹتا؟ بھولکر کھانا۔ مسواک کرنا خود بخود قے آنا۔ خوشبو سونگھنا بلا قصد حلق میں گرد وغبار مکھی، مچھر کے گھس جانے سے۔ سر میں تیل لگانے سے احتلام ہونے سے نہیں ٹوٹتا۔ آنکھ میں دوا یا پانی ڈالنا۔ تھوک اور بلغم نگلنا۔ منہ بھر سے کم قصداً قے کرنا۔ پان کی سرخی غرغرہ کے بعد باقی رہجانا ان جملہ امور سے روزہ نہیں ٹوٹتا۔

سحر افطار سحری کھانا سنت ہے۔ اگر بھوک نہ ہو تب بھی بقصد ادائے سنت دو ایک چھوہارے کھالینا سنت ہے یا کم از کم پانی ہی پی لینا چاہیے۔ سحری دیر میں کھانا سنت ہے لیکن نہ اتنی دیر کہ وقت مشکوک ہو جائے۔ غروب کے بعد فوراً روزہ کھولنا مستحب اور تاخیر مکروہ ہے۔ البتہ ابر کے دن افطار میں تاخیر اور سحر میں جلدی کرنا احتیاطاً مستحب ہے۔ چھوارے یا اور کسی شیرینی سے روزہ افطار کرنا سنت ہے۔ ورنہ پانی سے یا محض نمک سے افطار کرنے کو ثواب سمجھنا غیر واقعی امر ہے

افطار کی دعا یہ ہے اَللّٰھُمَّ لَكَ صُمْتُ وَبِكَ آمَنْتُ وَعَلٰی رِزْقِكَ اَفْطَرْتُ۔

تراویح کے مسائل رمضان میں عشا کی فرض نماز کے بعد بیس رکعت تراویح پڑھنا سنت مؤکدہ ہے۔ تمام رمضان میں تراویح سے ایک کلام اللہ ختم کرنا اور سننا سنت ہے۔ تراویح کی جتنی چار چار رکعت پڑھی جاتی ہیں اتنی ہی دیر ہر چہار رکعت کے بعد بیٹھنا سنت ہے خواہ دعا و درود پڑھے یا خاموش رہے۔ ختم قرآن شریف کے دن خاص اہتمام کرنا۔ جھنڈیاں لگانا روشنی زیادہ کرنا وغیرہ وغیرہ اور تقسیم شیرینی وغیرہ کے لیے جبرا چندہ کرنا اور تقسیم میں احترام مساجد کے خلاف شور وشر برپا کرنا سب امور مخترعہ و ناجائز ہیں۔

اعتکاف رمضان کی بیسویں تاریخ کا دن چھپنے سے ذرا پہلے عید کا چاند نظر آنے تک مسجد جماعت میں بہ نیت اعتکاف ٹھیرنا سنت مؤکدہ علی الکفایہ ہے۔ اگر محلہ میں ایک آدمی بھی اعتکاف کرے گا تو تمام لوگ بری الذمہ ہوجاویں گے ورنہ سب کے سب گنہگار و تارک سنت ہوں گے۔ مرد کے اعتکاف کے لئے نیت اور مسجد وجماعت ہونا ضروری ہے۔ اعتکاف کی جگہ سے بلا ضرورت نکلنا اعتکاف کو فاسد کر دیتا ہے۔ البتہ ضرورت طبعی وشرعی جیسے پیشاب۔ پاخانہ وغیرہ و نماز جمعہ وغیرہ کی نیت سے نکلنا درست ہے۔ بھول کر یا جان کر جماع کرنے سے اعتکاف ٹوٹ جاتا ہے۔ اعتکاف میں بالکل خاموش رہنا مکروہ ہے۔ البتہ فضول باتیں کرنا بھی ٹھیک نہیں، تلاوت کلام اللہ یا دوسری عبادت میں مشغول رہے۔

احکام عید الفطر عید کے روز دو رکعت نماز بطور شکریہ کے واجب ہے۔ عید کا وقت آفتاب نکلنے سے زوال آفتاب تک ہے۔ طریقہ نماز عید الفطر کا یہ ہے کہ پہلے نیت کرے کہ میں دو رکعت نماز واجب عید الفطر کی مع چھ تکبیروں کے پڑھتا ہوں۔ اس کے بعد ہاتھ باندھے اور سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ پڑھکر تین مرتبہ اَللّٰهُ اَكْبَرُ کہے اور ہر مرتبہ مثل تکبیر تحریمہ کے دونوں کانوں تک ہاتھ اٹھاوے اور بعد ہر تکبیر کے ہاتھ چھوڑ دے اور تکبیر کے بعد اتنا توقف کرے کہ تین مرتبہ سبحان اللہ کہہ سکے۔ تیسری تکبیر کے بعد ہاتھ نہ چھوڑے بلکہ باندھ لے اور اعوذ الخ وبسم اللہ الخ پڑھکر سورۂ فاتحہ اور کوئی دوسری صورت پڑھے اور مقتدی حسب دستور خاموش کھڑا رہے۔

صدقۃ الفطر کا بیان صدقۃ الفطر اس شخص پر واجب ہے جس کے پاس ضروریات خانہ کے علاوہ

ساڑھے باون تولہ چاندی یا اسی قدر وزن کے روپیہ ہوں یا زیور ہوں یا مال وجائداد یا تجارت کا مال ہو یا ساڑھے سات تولہ سونا ہو یا اسی قدر وزن کی اشرفیاں یا زیور ہو۔ یہ ضروری نہیں کہ اس مال پر سال بھر بھی گذر گیا ہو اگر کسی کے پاس بہت مال ہے لیکن قرض اس قدر ہے کہ اگر ادا کیا جائے تو ساڑھے باون تولہ چاندی یا اسی قیمت کا اسباب باقی نہیں رہتا تو اُس پر صدقۃ الفطر واجب نہیں۔ جس شخص کے پاس مذکورہ بالا یا اس سے زیادہ ہو وہ اپنی طرف سے بھی صدقۃ الفطر ادا کرے اور اپنی چھوٹی نابالغ اولاد کی طرف سے بھی صدقۃ الفطر ایک آدمی کا (بوزن انگریزی) پونے دو سیر گندم ہیں یا اُن کی قیمت۔ جو ساڑھے تین سیر اپنے محتاج عزیز و اقارب سب سے زیادہ مستحق ہیں۔ ایک شخص کو کئی آدمیوں کا صدقۃ الفطر دیدیا جائے تو درست ہے۔ اور اگر ایک آدمی کا صدقۃ الفطر کئی محتاجوں کو دیدیں تو بھی درست ہے۔ عید کی نماز سے پہلے ادا کر دینا بہت زیادہ ثواب کا باعث ہے۔ جس نے کسی عذر سے یا غفلت سے روزہ نہیں رکھا اس پر بھی صدقۃ الفطر واجب ہے بشرطیکہ مذکورہ بالا مقدار مال رکھتا ہو۔ صدقہ فطر موذن یا امام وغیرہ کو اجرت میں دینا جائز نہیں اور مسجد کی تعمیر میں اور اس کے مصارف میں لگانا بھی درست نہیں۔

اگر مطلع صاف ہو تو رمضان کے اور عید کے چاند میں بہت سے لوگوں کا دیکھنا معتبر ہوگا ایک دو کے قول کی سند نہیں اور اگر مطلع صاف نہیں تو رمضان کے چاند میں ایک مسلمان کا خبر دینا کافی ہے۔ خواہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ فاسق نہ ہو۔ اور عید کے دو مرد ہوں۔ یا ایک مرد دو عورتیں اور یہ کہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ چاند دیکھا ہے اور شرط یہ بھی ہے کہ فاسق و بدکار نہ ہوں۔

یہ سب مسائل حدیث و فقہ کی معتبر کتابوں سے لکھے گئے ہیں۔

اس وقت تقریر توجیہ یہ ہوگی کہ جس کی امید رے میں بھی ہو یعنی متعسر الحصول ہو تو ناگاہ قضا و قدر اس کیلئے اسی میں دروازہ کھولدیتے ہیں الی آخر ما مر۔

(۳) لفظ امیدے میں یا سہو کاتب ہے اور لفظ امید لفظ برے کی طرف مضاف ہے اور باز دربستندش بحذف عاطف کشادندش پر معطوف ہے اور معطوف و معطوف علیہ دونوں لفظ برے کی صفتیں ہیں۔ اسوقت تقریر توجیہ یہ ہوگی کہ ہر شخص کے لئے ایک ایسے ثمرہ یعنی نتیجہ کی امید ہوتی ہے۔ جس کیلئے قضا و قدر نے اولاً رستہ کھولدیا تھا جس سے امید بندھ ہے مگر پھر بند کردیا جس سے گونہ مایوسی ہوئی مگر وہ مایوسی قائم نہ رہی۔ اور وہ درپرست ہنوز اسی امید سابق پر برقرار ہے۔

(۴) توجیہ تین کو بحالہٖ باقی رکھا جاوے مگر اس میں اتنا تغیر کردیا جاوے کہ باز دربستندش کو ہر کسے راست الخ پر معطوف کہا جاوے۔ اسوقت تقریر مطلب یوں ہوگی کہ ہر شخص کو ایک ایسے نتیجہ کی امید ہوتی ہے جس کیلئے قضا و قدر نے ایک وقت میں دروازہ کھولدیا تھا۔ جو کہ منشا ہوگیا تھا اس امید کا لیکن اس کے بعد وہ دروازہ بند کردیا گیا جس سے اسکو قدرے ناامیدی ہوئی مگر وہ ناامیدی قائم نہ رہی اور ہنوز وہ درپرست اسی امید سابق پر برقرار ہے اور سمجھتا ہے کہ پھر دروازہ کھلیگا۔

(۵) لفظ برے کو لفظ امیدے سے بدل کہا جاوے۔ اور بر کو بمعنی ثمرہ کہا جاوے۔ اسوقت تقریر مطلب یوں ہوگی کہ ہر شخص کے لئے ایک امید ہے جو کہ ایک پھل ہے جس کے لئے ایک وقت میں قضا و قدر نے دروازہ کھولدیا تھا جس سے مطلب حاصل ہوتا معلوم ہوتا تھا، مگر پھر وہ دروازہ بند کردیا گیا جس سے اسکو حصول مطلوب سے گونہ مایوسی ہوگئی مگر یہ مایوسی دیرپا نہ رہی۔ اور وہ درپرست ہنوز اسی امید سابق پر برقرار ہے۔ (ف) اس توجیہ میں دو احتمال ہیں یا تو امید اپنی حقیقی معنی میں مستعمل ہو یا مجازاً بمعنی مطلوب ہو جس سے وہ امید وابستہ ہے۔ فتدبر۔

چوں درآمد خوش دراں باغ آں جواں — خود فرو شد پا بگنجش ناگہاں

مر عسس را ساختہ یزداں سبب — تا ز بیم او رود در باغ شب

بیند آں معشوقہ را او با چراغ — طالب انگشتری در جوئے باغ

پس قریں میکرد از ذوق آں نفس ۔ با ثنائے حق دعائے آں عسس
گر زیاں کردم عسس را از گریز ۔ بیست چنداں سیم و زر بر وے بریز
از عوانے مرد را آزاد کن ۔ آں چنانکہ شادم او را شاد کن
سعد دارش ایں جہان و آنجہان ۔ از عوانے و سگی اش وا رہاں
گرچہ خوئے آں عوانست اے خدا ۔ کہ ہمارہ خلق را خواہد بلا
گر خبر آید کہ شہ جرمے نہاد ۔ بر مسلمانان شود او زفت و شاد
ور خبر آید کہ شہ رحمت نمود ۔ از مسلمانان فگند او را بجود
ماتمے در جاں او افتد ازاں ۔ گیر دستش تو بیچ ازیں غم در زماں
صد چنیں ادبارہا دارد عواں ۔ زیں بلا فریاد رس اے مستعاں
او عواں را در دعا در میکشد ۔ کز عواں او را چناں راحت رسد
بر ہمہ زہر و برو تریاق بود ۔ آں عواں پیوند آں مشتاق بود

جبکہ وہ جوان خوش خوش باغ میں آیا تو پھر کیا تھا اس کے پاؤں گویا کہ دفعۃً خزانہ میں اتر گئے اور وہ نہال ہوگیا، دیکھو خدا نے کوتوال کو سبب بنا دیا کہ وہ اس سے ڈر کر رات کو باغ میں جاوے اور اپنی معشوقہ کو چراغ لئے ہوئے باغ کی نہر میں انگشتری ڈھونڈھتے دیکھو۔ جبکہ ایسا ہوا تو اس نے فوراً مزہ میں آکر خدا کی تعریف کی اور اسکے ساتھ کوتوال کو بھی دعائیں دیں اور کہا کہ اگر میں نے بھاگ کر اس کا نقصان کیا ہے کہ اُسے انعام اور ترقی سے محروم کیا ہے۔ جو میرے گرفتار کرنے کی صورت میں اسکو حاصل ہوتا تو اے اللہ جسقدر اس کا نقصان ہوا ہے تو اس کا بیس گنا چاندی سونا اس پر برسا اور پولیس کی ملازمت سے اُسے رہائی دے۔ اور جیسا کہ میں خوش ہوا ہوں ویسا ہی تو اُسے خوش کر۔ تو اس جہان میں بھی اسے خوش نصیب رکھ اور اس جہان میں بھی اور پولیس کی ملازمت اور کتے پن سے اسے نجات دے۔ اگرچہ ملازم پولیس کی یہ عادت ہوتی ہے کہ ہمیشہ مخلوق خدا کے لئے مصیبت چاہتا ہے چنانچہ اگر یہ خبر آوے کہ مجسٹریٹ نے مسلمانوں کو سزا کر دی تو پھولکر کپّا ہو جاتا ہے، اور اگر یہ خبر آوے

کہ مجسٹریٹ نے مسلمانوں پر رحم کیا اور اپنے کرم سے ان کا قصور معاف کرکے انھیں بری کردیا تو اس سے اس کی جان کے اندر شدت غم سے ماتم برپا ہوجاتا ہے۔ اور اس غم سے وہ فوراً درد قولنج میں مبتلا ہوجاتا ہے۔ نیز اسی قسم کی وہ اور سیکڑوں بدبختیاں رکھتا ہے لیکن اے اللہ تو ان سب کو معاف کردے۔ اور اس مصیبت سے اس کی فریاد سن، اور اسے چھڑا۔ دیکھو یہ شخص کوتوال کے لئے دعا کرتا ہے کیونکہ کوتوال سے اس کو بقدر راحت پہنچی ہے۔ اور کوتوال اور سب کے لئے زہر تھا مگر اس کے لئے تریاق ہوگیا کیونکہ وہ اس عاشق کے وصال کا سبب ہوگیا۔

پس بد مطلق نباشد در جہاں　　بد بہ نسبت باشد ایں را ہم بداں

در زمانہ ہیچ زہر و قند نیست　　کاں یکے را پا گر را بند نیست

مر یکے را پا دگر را پائے بند　　مر یکے را زہر دیگر را چو قند

زہر ماراں مار را باشد حیات　　نسبتش با آدمی آمد ممات

خلق آبی را بود دریا چو باغ　　خلق خاکی را بود آں درد و داغ

ہمچنیں برمے شمر اے مرد کار　　نسبت ایں از یکے تا صد ہزار

زید اندر حق آں شیطان بود　　در حق آں دیگرے انسان بود

ایں بگوید زید صدیق و نبی است　　واں بگوید زید گبر و کشتنی است

زید یک ذات است برآن یک جناں　　او برین دیگر ہمہ رنج و زیاں

گر بخواہی کو ترا باشد شکر　　پس ورا از چشم عشاقش نگر

منگر از چشم خودت آن خوب را　　بین بچشم طالباں مطلوب را

چشم خود بر بند زاں خوش چشم تو　　عاریت کن چشم از عشاق او

بلکہ زو کن عاریت چشم و نظر　　پس ز چشم او بروئے او نگر

تا شوی ایمن ز سیرے و ملال　　گفت کان اللہ لہٗ زاں ذوالجلال

چشم او من باشم و دست و دلش　　تا رہد از مدبریہا مقبلش

پس قرین میکرد از ذوق آن نفس — باثنائے حق دعائے آن عسس
گرزیاں کردم عسس را از گریز — بیست چندان سیم و زر بروے بریز
از عوانے مرد را آزاد کن — آنچنانکه شادم او را شاد کن
سعد دارش این جہان و آنجہان — از عوانے و سگی اش وارہان
گرچه خوئے آن عوانست اے خدا — که ہماره خلق را خواہد بلا
گر خبر آید که شه جرمے ہناد — بر مسلمانان شود او زفت و شاد
ور خبر آید که شه رحمت نمود — از مسلمانان فنگند او را بجود
ماتمے در جان او افتد ازان — گیر دستش تو بنج ازیں غم در زمان
صد چنین ادبارہا دارد عوان — زین بلا فریادرس اے مستعان
او عوان را در دعا در میکشد — کز عوان او را چنان راحت رسد
بر ہمه زہر او بر او تریاق بود — آن عوان پیوند آن مشتاق بود

جبکہ وہ جوان خوش خوش باغ میں آیا تو پھر کیا تھا اس کے پاؤں گویا کہ دفعۃً خزانہ میں اتر گئے اور وہ نہال ہوگیا، دیکھو خدا نے کوتوال کو سبب بنادیا کہ وہ اس سے ڈر کر رات کو باغ میں جاوے اور اپنی معشوقہ کو چراغ لئے ہوئے باغ کی نہر میں انگشتری ڈھونڈھتے دیکھے۔ جبکہ ایسا ہوا تو اس نے فوراً مزہ میں آکر خدا کی تعریف کی اور اسکے ساتھ کوتوال کو بھی دعائیں دیں اور کہا کہ اگر میں نے بھاگ کر اس کا نقصان کیا ہے کہ اُسے انعام اور ترقی سے محروم کیا ہے۔ جو میرے گرفتار کرنے کی صورت میں اسکو حاصل ہوتا تو اے اللہ جسقدر اس کا نقصان ہوا ہے تو اس کا بیس گنا چاندی سونا اس پر برسا اور پولیس کی ملازمت سے اُسے رہائی دے۔ اور جیسا کہ میں خوش ہوا ہوں ویسا ہی تو اُسے خوش کر۔ تو اس جہان میں بھی اسے خوش نصیب رکھ اور اس جہان میں بھی اور پولیس کی ملازمت اور کتّے پن سے اسے نجات دے۔ اگرچہ ملازم پولیس کی یہ عادت ہوتی ہے کہ ہمیشہ مخلوق خدا کے لئے مصیبت چاہتا ہے چنانچہ اگر یہ خبر آوے کہ مجسٹریٹ نے مسلمانوں کو سزا کردی تو پھولکر کپّا ہوجاتا ہے، اور اگر یہ خبر آوے

مجسٹریٹ نے مسلمانوں پر رحم کیا اور اپنے کرم سے ان کا قصور معاف کرکے انھیں بری کر دیا تو اس سے اس کی جان
ے اندر شدت غم سے ماتم برپا ہو جاتا ہے۔ اور اس غم سے وہ فوراً درد قولنج میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ نیز اسی
ہم کی وہ اور سینکڑوں بدبختیاں رکھتا ہے لیکن اے اللہ تو ان سب کو معاف کر دے۔ اور اس مصیبت سے
ں کی فریاد سن، اور اسے چھڑا۔ دیکھو یہ شخص کوتوال کے لئے دعا کرتا ہے کیونکہ کوتوال سے اس کو اس قدر
حت پہنچی ہے۔ اور کوتوال اور سب کے لئے زہر تھا مگر اس کے لئے تریاق ہو گیا کیونکہ وہ اس عاشق
ے وصال کا سبب ہو گیا۔

پس بد مطلق نباشد در جہاں	بد بہ نسبت باشد ایں راہم بداں
در زمانہ ہیچ زہر و قند نیست	کاں یکے را پا دگر را بند نیست
ہر یکے را پا دگر را پائے بند	ہر یکے را زہر دیگر را چو قند
زہر ماراں مار را باشد حیات	نسبتش با آدمی آمد ممات
خلق آبی را بود دریا چو باغ	خلق خاکی را بود آں درد و داغ
ہمچنیں برمے شمر اے مرد کار	نسبت ایں از یکے تا صد ہزار
زید اندر حق آں شیطان بود	در حق آں دیگرے انساں بود
ایں بگوید زید صدیق و نبی است	واں بگوید زید گبر و کشتنی است
زید یک ذات است بر آں یک جناں	او بریں دیگر ہمہ رنج و زیاں
گر بخواہی کو ترا باشد شکر	پس ورا از چشم عشاقش نگر
منگر از چشم خودت آں خوب را	بیں بچشم طالباں مطلوب را
چشم خود بر بند زاں خوش چشم تو	عاریت کن چشم از عشاق او
بلکہ زو کن عاریت چشم و نظر	پس ز چشم او بروئے او نگر
تا شوی ایمن ز سیری و ملال	گفت کان اللہ لہ زاں ذوالجلال
چشم او من باشم و دست و دلش	تا رہد از مدبریہا مقبلش

ہرچہ مکروہ است چوں اوست ذلیل	پیش محبوب حبیب است و جلیل

بیان بالا سے یہ نتیجہ نکلا کہ دنیا میں کوئی ایسی چیز نہیں جسمیں کوئی خوبی نہو بلکہ خوب جان لینا چاہئے کہ جو چیز بری ہے اُس کی برائی اضافی اور بعض اعتبارات سے ہے۔ پس زمانہ میں کوئی زہر اور کوئی قند نہیں ہے جو کہ ایک کے لئے پاؤں یعنی موجب نفع اور دوسرے کے لئے بیڑی یعنی باعث ضرر نہو بلکہ ضرور ایک کے لئے نافع اور دوسرے کے لئے مضر ہوگی۔ اور ایک کے لئے مثل زہر کے اور دوسری کیلئے مانند قند کے ہوگی۔ چنانچہ دیکھو سانپوں کا زہر خود ان کے لئے مایۂ حیات ہوتا ہے۔ اور آدمی کے لحاظ سے موجب موت ہے۔ نیز پانی کی مخلوق کے لئے دریا باغ کی طرح دلچسپی اور فرحت کا مقام ہے۔ اور خشکی کی مخلوق کے لئے رنج اور تکلیف کا سبب ہے۔ پس تم اسی طرح ایک سے لاکھہ تک اسی نسبت سے گن لو۔ دیکھو زید مثلاً ایک شخص کے اعتبار سے شیطان ہے اور دوسرے کے اعتبار سے انسان پس یہ کہتا ہے کہ زید صدیق اور رفیع المرتبہ شخص ہے۔ دوسرا کہتا ہے کہ کافر اور گردن زدنی ہے تو دیکھو زید ایک ذات ہے مگر ایک کیلئے جنت کی طرح مرغوب اور راحت رساں ہے اور دوسرے کے لئے تکلیف اور نقصان کا سبب ہے۔ پس اگر تم یہ چاہو کہ وہ تمھارے اعتبار سے شکر کی طرح مرغوب ہو تو اس کو اس کے عاشقوں کی آنکھ سے دیکھ لو۔ اور اُس پسندیدہ شخص کو اپنی آنکھ سے نہ دیکھو بلکہ مطلوب کو اُس کے طالبوں کی نظر سے دیکھو اور اس خوش چشم کو اپنی آنکھ سے نہ دیکھو بلکہ اُس کے عاشقوں سے آنکھ مانگ لو۔ بلکہ خود اسی سے آنکھ اور نظر مانگ لو۔ اس کے بعد اس کی آنکھ سے اُسے دیکھو۔ تاکہ تم کو جی بھر جانے اور طبیعت کے اکتا جانے کا کھٹکا نہ رہے۔ کیونکہ کوئی شخص اپنے سے نہ سیر ہوتا ہے نہ اکتاتا ہے اسیلئے حق سبحانہ نے کان اللہ لہ فرمایا ہے۔ یعنی جبکہ کوئی ہمارا ہوجاتا ہے تو اس کے بعد ہم اس کے ہوجاتے ہیں یعنی اس کی آنکھ بھی ہم ہی ہوجاتے ہیں اس کا ہاتھ بھی ہم ہوجاتے ہیں اس کا دل بھی ہم ہی ہوجاتے ہیں۔ اور یہ وہ اس لئے کرتے ہیں تاکہ اس کا خوش قسمت بندہ بدبختیوں سے چھوٹ جاوے۔ کیونکہ جب اسکو حق سبحانہ سے وہ تعلق ہوگیا جو اس کو اس سے قبل اپنی جان اور اپنے اعضاء سے تھا تو اب کونسی خوش قسمتی ہے جو اس کو حاصل نہیں اور کون سی

بدبختی ہے جو باقی ہے۔ کوئی بدبختی باقی نہیں رہی اور تمام خوش نصیبیاں حاصل ہوگئیں خیر یہ تو استطرادی مضمون تھا اب سمجھو کہ اس بیان سے معلوم ہوا کہ جب کوئی ناپسندیدہ شخص ناچیز مطلوب تک پہنچا دیتی ہے تو وہ محبوب اور دوست ہو جاتی ہے اور کراہت الفت سے بدل ہو جاتی ہے۔ اسکے مناسب ایک حکایت یاد آگئی۔ سنو!

شرح شبّیری

اُس عاشق کی حکایت کا تتمہ جو کہ کوتوال سے بھاگ کر ایک غیر معلوم باغ میں چلا گیا تھا اور اپنی معشوقہ کو اس باغ میں پایا تو کوتوال کو خوشی کے مارے دعائیں دے رہا تھا۔ اور کہہ رہا تھا کہ عسیٰ ان تکرھوا شیئاً وھو خیر لکم،

اندریں بودیم کاں شخص از عسس ۔۔۔ راند اندر باغ از خوف او فرس

یعنی ہم اسی میں تھے کہ اس شخص نے کوتوال کے خوف کی وجہ سے باغ میں اپنا گھوڑا چلایا۔ یعنی ہم بھی بیان کر رہے تھے کہ وہ کوتوال کے خوف سے ایک باغ میں گھس گیا۔

بود اندر باغ آں صاحب جمال ۔۔۔ کز غمش ایں در عنا بد ہشت سال

یعنی باغ کے اندر وہ صاحب جمال موجود تھی جس کے غم میں کہ آٹھ برس تک مصیبت میں رہا تھا۔

سایۂ اورا نبود امکان دید ۔۔۔ ہمچو عنقا وصف اورا می شنید

یعنی اسکے سایہ کو دیکھی، دیکھنا ممکن نہ تھا اور عنقا کی طرح اس کے اوصاف سنا کرتا تھا۔

جز یکے لقیہ کہ اول از قضا ۔۔۔ بر وے افتاد و شد اورا دلربا

یعنی سوائے اس ملاقات کے کہ اول بار قضا کی وجہ سے اس پر پڑ گئی تھی اور وہ دنگاہ، اس کیلئے دلربا ہوگئی تھی۔ مطلب یہ کہ بس اول بار صرف ایک مرتبہ ملاقات ہوگئی تھی اس کے بعد تو سایہ

بھی دیکھنے کو نہ ملتا تھا۔

بعد ازاں چندانکہ می کوشید او	خود مجالش می نداد آں تند خو

یعنی اس کے بعد جس قدر کہ وہ کوشش کرتا تھا خود وہ تند خو اسکو مجال (ملاقات) نہ دیتی تھی۔

نے [illegible] [redacted]	وبے طمع بود آں نہال [redacted]

یعنی نہ تو اس کا علاج خوشامد سے تھا اور نہ مال سے (اسلئے کہ) وہ نہال سیر چشم اور بے طمع تھی مطلب یہ کہ اسکی حالت یہ تھی کہ نہ بزر و نہ بزاری نہ بزر می آید۔ آگے مولانا ایک قاعدۂ کلیہ کے طور پر ہر عاشق اور طالب کی جو حالت ہوا کرتی ہے اسکو بیان فرماتے ہیں کہ۔

عاشق ہر پیشۂ وہر مطلبے	حق بیالود اول کارش لبے

یعنی ہر پیشہ اور ہر مطلب کا حق تعالے نے اسکے اول کار میں ایک لب آلودہ کر دیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جو شخص کسی شئے کا طالب ہوتا ہے تو اول حق تعالے اسکو اس شئے کا ایک مزہ چکھا دیتے ہیں کہ جس سے اسکی چیٹی پڑ جاتی ہے۔

چوں بداں آسیب درجست آمدند	پیش پاشاں می نہد ہر روز بند

یعنی جب وہ لوگ اس اثر کی وجہ سے تلاش میں آگئے۔ تو ان کے پاؤں کے آگے ہر روز بند رکھتا ہے مطلب یہ کہ جب وہ لوگ اس چیٹی کی وجہ سے جستجو میں لگ جاتے ہیں تو اب رکاوٹیں پیدا ہونا شروع ہوتی ہیں۔

چوں درافتادند اندر جستجو	بعد ازاں دربست کابین جست او

یعنی جب وہ لوگ جستجو میں پڑ گئے تو اس کے بعد دروازہ بند ہو گیا۔ اور اس نے مہر ڈھونڈھا۔ مطلب یہ کہ جب جستجو شروع کی تو ملنے کے در بند ہوئے اور مشقتیں اور مجاہدات کی ضرورت ہوئی جو کہ اس شئے کیلئے مثل مہر کے تھے کہ جب مہر ادا کرو تو وہ زوجہ ملے اسیطرح جب مشقتیں کرو تو مطلوب ملے۔

چوں درافگندش بجست وجوی کار	بعد ازاں دربست کہ کابین بیار

یعنی جب اس شخص کو کام کی جستجو میں ڈالدیا اس کے بعد دروازہ بند کر دیا۔ کہ مہر لاؤ۔ یعنی اول

چاشنی چکھاکر اسے کام میں لگادیا اور پھر اسکے ملنے میں سیکڑوں موانع پیدا ہوگئے۔

ہم براں بو می تنند و می روند		ہر دمے راجی و آیس می شوند	

یعنی اسی بو پر تنتے ہیں اور چلتے ہیں اور ہر گھڑی امیدوار اور ناامید ہوتے ہیں یعنی وہ جو چاشنی لگ گئی ہے اسی کی بنا پر پھر رہے ہیں اور تلاش کر رہے ہیں اور کبھی امیدوار ہوتے ہیں اور کبھی ناامید ہوتے ہیں۔

ہر کسے را ہست امید برے		کہ کشادندش دراں روزے درے	

یعنی ہر شخص کو ایک پھل کی امید ہے کہ قضا و قدر نے اس کا اس روز میں ایک دروازہ کھولدیا ہے۔

باز در بستند ش و آن درپرست		بر ہماں امید آتشش پا شد است	

یعنی پھر اس کا دروازہ بند کردیا اور وہ درپرست اسی امید پر بے قرار ہو رہا ہے۔ مطلب یہ کہ ہر شخص ایک امید پر تلا ہوا ہے۔ اور اس کا شائق ہے۔ مگر اول چاشنی کے بعد قضا و قدر اس کا دروازہ ملاقات بند کردیتے ہیں اب وہ طالب بیقرار اور بے چین پھرتا ہے۔ پس یہاں تک اس قاعدہ کو بیان فرماکر آگے پھر وہی حکایت بیان فرماتے ہیں۔

چوں در آمد خوش دراں باغ آں جوان		خود فروشد پا بگنجش ناگہاں	

یعنی جب وہ جوان اس باغ میں خوش خوش آگیا تو ناگہاں اس کا پاؤں خود بخود خزانہ میں اتر گیا۔ یعنی بس وہاں پہنچتے ہی اسکو گویا کہ خزانہ ملگیا۔ یعنی معشوقہ ملگئی۔

مر عسس را ساختہ یزداں سبب		تا زبیم او دود در باغ شب	

یعنی حق تعالےٰ نے کوتوال کو سبب بنادیا یہاں تک کہ اس کے خوف سے وہ رات کو باغ میں بھاگے

بیند آں معشوقہ را او با چراغ		طالب انگشتری در جوئے باغ	

یعنی وہ اس معشوقہ کو مع ایک چراغ کے انگشتری کا طالب باغ کی ندی میں دیکھے۔ مطلب یہ کہ خدا نے اس کو کوتوال کو اس کا سبب بنایا تھا کہ وہ رات کو اس سے ڈر کر باغ میں جاوے۔ اور پھر وہاں اپنی معشوقہ کو انگوٹھی تلاش کرتے ہوئے دیکھے۔

پس قریں میکرد از ذوق آں نفس | با ثنائے حق دعائے آں عسس

یعنی پس وہ مزہ کی وجہ سے اسوقت خدا تعالےٰ کی حمد کیساتھہ اس کوتوال کی دعا کررہا تھا یعنی چونکہ اس کوتوال کی وجہ سے اسکو یہ لذت حاصل ہوئی تھی تو وہ خدا کا شکر بھی کررہا تھا اور ساتھ ہی ساتھ اس کوتوال کو بھی دعائیں دیرہا تھا اور وہ دعائیں یہ تھیں کہ۔

گر زیاں کردم عسس را از گریز | بیست چنداں سیم و زر بروے بریز

یعنی اگر میں نے کوتوال کا بھاگنے کی وجہ سے نقصان کردیا ہے۔ تو بیس گنا سونا چاندی تو اس پر ڈال مطلب یہ کہ وہ کہہ رہا تھا کہ اے اللہ اگر میں نے کوتوال کا نقصان بھاگنے سے کیا ہے کہ وہ مجھے پکڑتا تو اسے کچھ مل رہتا تو اس کے بدلے میں اُسے اس سے بیس گنا زیادہ دے اور یہ دعا کررہا تھا کہ

از عوانی مر ورا آزاد کن | آنچناں کہ شادم اورا شاد کن

یعنی کوتوالی سے اس کو آزاد کر اور جس طرح کہ میں خوش ہوں اسکو بھی خوش کر۔ چونکہ کوتوالی ایک ظلم کی جگہ ہے اسلئے کہتا ہے کہ اے اللہ اسکو اس عہدہ سے نجات دے اور اسکو ہمیشہ خوش خرم رکھہ۔

سعد دارش ایں جہان و آں جہاں | از عوانی و سگی اش وار ہاں

یعنی اس کو اس جہان اور اُس جہان میں نیکبخت رکھہ۔ اور کوتوالی اور کتے پن سے اسکو چھڑا دے۔

گرچہ خوئے آں عواں ہست اے خدا | کہ ہمارہ خلق را خواہد بلا

یعنی اگرچہ اے اللہ اس کوتوال کی تو یہ خصلت ہے کہ تمام خلق کے لئے بلا کو چاہتا ہے۔

گر خبر آید کہ شہ جرمے نہاد | بر مسلمانان شود او زفت و شاد

یعنی اگر خبر آتی ہے کہ بادشاہ نے مسلمانوں پر کوئی زکھاہے تو وہ خوب موٹا اور خوش ہوتا ہے۔

ور خبر آید کہ شہ رحمت نمود | از مسلمانان فگند او را بجود

یعنی اور اگر خبر آتی ہے کہ بادشاہ نے رحم فرمایا اور مسلمانوں میں سے فلاں کو جود کی وجہ سے چھوڑ دیا۔

(باقی آئندہ)

اَلتَّاَدُّبُ وَالتَّزَوُّجُ

یعنی

تہذیب اخلاق و نکاح

قصہ ازل پر ایک نظر | کالبد آدم (علیہ و علی نبینا الصلوٰۃ والسلام) کی سرشت کی گئی۔ اور بحکم فَاِذَا سَوَّیْتُہٗ وَ نَفَخْتُ فِیْہِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَہٗ سٰجِدِیْنَ (۲۹ ۱۴ سورہ حجرات ۳۶) [ᵃ] ایک مخصوص روح سے اس کی نشاۃ حیات کرکے اس کے سر کو خلافت کا تاج پہنایا گیا۔ تمام ملائکہ کو اس کے سامنے تعظیماً سر جھکانے کا حکم کیا گیا۔ تمام پرستاروں کا معبود حقیقی تو خدا ہے۔ جس کا نہ کوئی شریک ہے نہ کوئی رفیق۔ نہ کوئی معاون ہو سکتا ہے نہ ہمسر۔ مگر تاہم جہت سجدہ ہونی چاہیے۔ کوئی ایسی سمت درکار ہے جس طرف اپنے سروں کو رکھیں۔ مسجود سمجھکر نہیں۔ ذاتی طور پر معظم مان کر نہیں۔ یہ تو شرک ہے۔ بلکہ مسجود حقیقی اور معظم واقعی کا حکم سمجھکر۔ ہم اس کے۔ وجود اس کا۔ ذات اس کی۔ سر اس کا۔ جہت اس کی۔ جہاں چاہا سر رکھوا دیا۔

جیسا کہ خلیل الٰہی پیرو کاروں کو حکم ہوا۔ فَوَلُّوْا وُجُوْھَکُمْ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ۔ سورہ بقرہ ۱۷، جلد ۲ [ᵇ] اگرچہ حقیقت یہ تھی کہ لِلّٰہِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ اَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْہُ اللّٰہِ۔ سورہ بقرہ ۱۴۶، ۱۶ = [ᶜ]

اُسْجُدُوْا لِاٰدَمَ "آدم (علیہ السلام) کو سجدہ کرو"۔ بہرحال آدم کو مسجود نہ سہی۔ سمت سجدہ۔ جہت جبہ فرسائی ضرور بنایا گیا۔ یہ ہوا اور یقیناً ہوا۔ خدا کا ارشاد ہے کہ ہوا۔ مگر سوال یہ ہے کہ ایسا کیوں ہوا۔؟ آخر کیا وجہ تھی؟ کیا سبب تھا؟ رحمت حق کے لئے کوئی علت نہ سہی۔ مگر بہانہ تو ضرور ہوگا۔ ؎

رحمت حق بہانے جوید		رحمت حق بہانہ مے جوید	

آخر وہ بہانہ یا حکمت کیا تھی؟

کیا صرف ولقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم" (انسان کو ہم نے بہت اچھی صورت میں پیدا کیا)۔

[ᵃ] جبکہ میں اس کو درست کروں اور میں اسمیں اپنی روح پھونکدوں تو گر پڑو اسکے سامنے سجدے میں ۱۲ [ᵇ] اپنے چہروں کو اپنے خونکو مسجد حرام (یعنی خانہ کعبہ کیطرف پھیرو) ۱۲ [ᶜ] اللہ کی ہیں پورب پچھم جدھر بھی منہ پھیرو اسی طرف اللہ ہے ۱۲ منہ

اس کا باعث تھا؟۔ مگر اس کے بعد تو یہ بھی حکم ہے ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سَافِلِيْنَ (سورہ ذکور) (پھر ہم نے اسکو پھینکدیا نیچوں سے نیچے۔ یعنی طبقات اسفل اور فرومائگی میں سب سے نیچے۔) یہ ضرور ہے کہ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ" کے استثناء سے اصحاب خیر کو اسفل سافلین کے بجائے غیر قابل شکر یہ اجرا و غیر منت نہادہ جزا۔ جنات عالیہ ؛ فردوس نعیم وغیرہ عنایت فرمائے گئے ہیں۔

لیکن اول تو ایمان اور اعمال صالحہ میں فرشتے انسان سے بہت بڑھے ہوئے ہیں۔ سریر خلافت پر حضرت انسان کو جلوہ آرائی کا کیا حق تھا۔

دوم اس اصل و منبع اور معدن کے مسجود ملائکہ ہونے کی کیا وجہ۔ جس کے فرع اور نسل میں ایسی مخلوق بھی ہو جس کا ٹھکانا اسفل السافلین ہو۔ اور زیادہ تر ایسی ہی نسل ہو۔

کہا جاسکتا ہے کہ یہ بعد کا فعل ہے آدم یا ابن آدم کی اصل تو وہی نیک نہادی اور عصمت ہے۔ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ (خدا کی ایک مخصوص تراش ہے یعنی اسکے پیدا کرنے کا ایک مخصوص طریقہ ہے۔ جس پر لوگوں کو پیدا کیا۔ اللہ کے پیدا کرنے میں کوئی تبدیل نہیں)۔ مگر بحث تو نتائج سے ہے اور یہ کہ ابن آدم کیسا ہونے والا تھا۔ اور اس صورت میں یہ ارشاد ہے "اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ" (تم لوگوں میں سب سے زیادہ صاحب عزت اللہ کے نزدیک وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہے) بہر حال جب حسن صورت کا اعتبار نہیں تو یہ سوال بحالہ باقی رہا کہ "آدم کو مسجود ملائکہ کیوں بنایا گیا؟"۔ واللہ اعلم بالصواب۔

ہم کو تفکر اور تدبر۔ سوچنے اور غور کرنے کی (باتباع اصول اسلام وسنن ہدی سنت خیر الانام (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وسنت اصحاب القرون الثلاثہ) اجازت دی گئی ہے۔ ہمیں چاہیے کہ ہم دوبارہ غور کریں۔ سوچنے کے لئے سر جھکائیں۔ گردن جھکائیں۔

قرآن پاک چشمہ علوم ہے۔ منبع حیات ہے۔ عین حیات ہے۔ ہر چیز کی حقیقت قرآن سے تلاش کیجئے آپ کا دست طلب گوہر مراد سے خالی نہیں رہے گا۔ نہ سمجھیں تو ہماری کورچشمی ہے

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم	چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

قرآن پاک میں دورِ ازل کے اس عجیب و غریب سانحہ کو ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ
خَلِیْفَةً ؕ قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَیَسْفِكُ
الدِّمَآءَ ۚ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ؕ
قَالَ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۔ وَعَلَّمَ اٰدَمَ
الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ فَقَالَ
اَنْۢبِئُوْنِیْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ
قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ؕ اِنَّكَ
اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَكِیْمُ ۔ قَالَ یٰٓاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ
بِاَسْمَآئِهِمْ ۚ فَلَمَّآ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ۙ قَالَ
اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ غَیْبَ السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضِ ۙ وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا كُنْتُمْ
تَكْتُمُوْنَ ۔ سورہ بقر ع ۴ ج ۱

(اور یاد کیجئے کہ) جب آپ کے رب نے فرشتوں سے کہا کہ مجھکو زمین میں ایک نائب بنانا ہے (فرشتوں نے) عرض کیا کہ (الٰہ العالمین) کیا آپ زمین میں ایک ایسی ذات کو خلیفہ بنائیں گے جو زمین میں فساد کرے اور خون بہائے۔ اور ہم تیری حمد کی تسبیح کرتے ہیں۔ تیری خوبیاں پڑھتے ہیں اور تیری پاک ذات کو یاد کرتے ہیں (خداوند عالم) نے ارشاد فرمایا مجھے وہ چیزیں معلوم ہیں جو تم نہیں جانتے۔
اور آدم علیہ السلام کو وہ تمام نام سکھا دیئے (عسه)۔ پھر ان چیزوں (عسه) کو فرشتوں کے سامنے پیش کیا (پھر خداوند عالم نے) ارشاد فرمایا کہ ان چیزوں کے نام بتاؤ اگر تم سچے ہو (فرشتوں نے) عرض کیا تیری ذات پاک ہے تیری شان سب سے نرالی ہے۔ ہم تو وہی جانتے ہیں جو تونے ہمیں سکھایا اصل دانا، صاحبِ حکمت تو ہی ہے (ارشاد خداوندی ہوا) کہ اے آدم انکو بتاؤ ان چیزوں کے نام جب (آدم علیہ السلام) نے انکو ان چیزوں کے نام بتائے (تو ارشاد خداوندی ہوا) کہ کیا میں نے نہیں کہا تھا کہ میں آسمانوں اور زمین کے غیب کو جانتا ہوں اور جانتا ہوں ان تمام امور کو کہ تم ظاہر کرتے ہو۔ اور ان تمام باتوں کو کہ تم چھپاتے ہو، واللہ اعلم بالصواب۔

مگر اس حصے کو پڑھنے کے بعد تو (ہماری ظاہری اور ناقص سمجھ کے مطابق) ممکن ہے سینہ ہو کہ جب سوالات سکھا دیئے گئے تو امتحان میں کامیابی یقیناً ہے۔

مگر نہیں خداوند عالم کی اوصاف غیر منفکہ میں سے عدل بھی ہے۔ وہ قادر ہے۔ مگر ظالم نہیں۔ ظلم تو کیا کرتا ظلم کا ارادہ بھی نہیں کرتا۔ وَمَا اللّٰہُ یُرِیْدُ ظُلْمًا لِّلْعٰلَمِیْنَ۔ (سورہ آل عمران ع ۱۱) یعنی جتنے بھی جہان

عسه جو فرشتوں کو پہلے سکھائے جا چکے تھے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ وَمَآ اُوْتِیْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا ۔ ۱۲ منہ عسه یعنی جن کے نام سکھا دیئے گئے تھے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ وما علمنا الا قلیل ۔ منہ

اس کا باعث تھا؟ مگر اس کے بعد تو یہ بھی حکم ہے ثُمَّ رَدَدْنَاهُ أَسْفَلَ سَافِلِينَ (سورہ تین) (پھر ہم نے اسکو پھینکدیا نیچوں سے نیچے - یعنی طبقات اسفل اور فرومائگی میں سب سے نیچے -) یہ ضرور ہے کہ اِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ کے استثنا سے اصحاب خیر کو اسفل سافلین کے بجائے غیر قابل شکر یہ اجرا و غیر منت نہادہ جزا - جنات عالیہ ؛ فردوس نعیم وغیرہ عنایت فرمائے گئے ہیں۔

لیکن اول تو ایمان اور اعمال صالحہ میں فرشتے انسان سے بہت بڑھے ہوئے ہیں۔ سریر خلافت پر حضرت انسان کو جلوہ آرائی کا کیا حق تھا۔

دوم اس اصل و منبع اور معدن کے مسجود ملائکہ ہونے کی کیا وجہ۔ جس کے فروع اور نسل میں ایسی مخلوق بھی ہو جس کا ٹھکانا اسفل السافلین ہو۔ اور زیادہ تر ایسی ہی نسل ہو۔

کہا جاسکتا ہے کہ یہ بعد کا فعل ہے آدم یا ابن آدم کی اصل تو وہی نیک نہادی اور عصمت ہے۔ فِطْرَةَ اللَّهِ الَّتِي فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللَّهِ (خدا کی ایک مخصوص تراش ہے یعنی اسکے پیدا کرنے کا ایک مخصوص طریقہ ہے۔ جس پر لوگوں کو پیدا کیا۔ اللہ کے پیدا کرنے میں کوئی تبدیل نہیں)۔ مگر بحث تو نتائج سے ہے اور یہ کہ ابن آدم کیسا ہونے والا تھا۔ اور اس صورت میں یہ ارشاد ہے إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ (تم لوگوں میں سب سے زیادہ صاحب عزت اللہ کے نزدیک وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا ہے)۔ بہرحال جب حسن صورت کا اعتبار نہیں تو یہ سوال بحالہ باقی رہا کہ "آدم کو مسجود ملائکہ کیوں بنایا گیا؟"۔ واللہ اعلم بالصواب۔

ہم کو تفکر اور تدبر۔ سوچنے اور غور کرنے کی (باتباع اصول اسلام و سنن ہدی سنت خیر الانام (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و سنت اصحاب القرون الثلاثہ) اجازت دی گئی ہے۔ ہمیں چاہیے کہ ہم دوبارہ غور کریں۔ سوچنے کے لئے سر جھکائیں۔ گردن جھکائیں۔

قرآن پاک سرچشمہ علوم ہے۔ منبع حیات ہے۔ عین حیات ہے۔ ہر چیز کی حقیقت قرآن سے تلاش کیجئے آپ کا دست طلب گوہر مراد سے خالی نہیں رہے گا۔ نہ سمجھیں تو ہماری کور چشمی سے

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم	چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

قرآن پاک میں دور ازل کے اس عجیب وغریب سانحہ کو ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے۔

وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً ۖ قَالُوا أَتَجْعَلُ فِيهَا مَنْ يُفْسِدُ فِيهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَاءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ۖ قَالَ إِنِّي أَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُونَ ۔ وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلَائِكَةِ فَقَالَ أَنْبِئُونِي بِأَسْمَاءِ هَٰؤُلَاءِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۔ قَالُوا سُبْحَانَكَ لَا عِلْمَ لَنَا إِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ۖ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ ۔ قَالَ يَا آدَمُ أَنْبِئْهُمْ بِأَسْمَائِهِمْ ۖ فَلَمَّا أَنْبَأَهُمْ بِأَسْمَائِهِمْ قَالَ أَلَمْ أَقُلْ لَكُمْ إِنِّي أَعْلَمُ غَيْبَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَأَعْلَمُ مَا تُبْدُونَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُونَ ۔ سورہ بقر ع ۴ ج ۱

(اور یاد کیجئے کہ) جب آپ کے رب نے فرشتوں سے کہا کہ مجھکو زمین میں ایک نائب بنانا ہے (فرشتوں نے) عرض کیا کہ (الٰہ العالمین) کیا آپ زمین میں ایک ایسی ذات کو خلیفہ بنائیں گے جو زمین میں فساد کرے اور خون بہائے۔ اور ہم تیری حمد کی تسبیح کرتے ہیں۔ تیری خوبیاں پڑھتے ہیں اور تیری پاک ذات کو یاد کرتے ہیں (خداوند عالم) نے ارشاد فرمایا مجھے وہ چیزیں معلوم ہیں جو تم نہیں جانتے۔ اور آدم علیہ السلام کو وہ تمام نام سکھا دیئے۔ پھر ان چیزوں کو فرشتوں کے سامنے پیش کیا (پھر خداوند عالم نے) ارشاد فرمایا کہ ان چیزوں کے نام بتاؤ اگر تم سچے ہو (فرشتوں نے) عرض کیا تیری ذات پاک ہے تیری شان سب سے نرالی ہے۔ ہم تو وہی جانتے ہیں جو تو نے ہمیں سکھایا اصل دانا، صاحب حکمت تو ہی ہے (ارشاد خداوندی ہوا) کہ اے آدم انکو بتاؤ ان چیزوں کے نام جب (آدم علیہ السلام) نے انکو ان چیزوں کے نام بتائے (تو ارشاد خداوندی ہوا) کہ کیا میں نے نہیں کہا تھا کہ میں آسمانوں اور زمین کے غیب کو جانتا ہوں اور جانتا ہوں ان تمام امور کو کہ تم ظاہر کرتے ہو۔ اور ان تمام باتوں کو کہ تم چھپاتے ہو، واللہ اعلم بالصواب۔

مگر اس حصے کو پڑھنے کے بعد تو (ہماری ظاہری اور ناقص سمجھ کے مطابق) ممکن ہے سینہ ہو کہ جب سوالات سکھا دیئے گئے تو امتحان میں کامیابی یقینًا ہے۔

مگر نہیں خداوند عالم کی اوصاف غیر منفکہ میں سے عدل بھی ہے۔ وہ قادر ہے۔ مگر ظالم نہیں۔ ظلم تو کیا کرتا ظلم کا ارادہ بھی نہیں کرتا۔ وَمَا اللّٰهُ يُرِيدُ ظُلْمًا لِلْعَالَمِينَ ۔ (سورہ آل عمران ع ۱۱) یعنی جتنے بھی جہان

ع جو فرشتوں کو پہلے سکھائے جا چکے تھے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ وَمَا أُوتِيتُمْ مِنَ الْعِلْمِ إِلَّا قَلِيلًا ۔ ۱۲ منہ ع یعنی جن کے نام سکھا دیئے گئے تھے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ وما علمنا الا قلیل ۔ منہ

فرض کئے جائیں اللہ تعالیٰ ان میں سے کسی کے لئے بھی ظلم کا ارادہ تک نہیں کرتا۔

پھر فرشتوں اور آدم (علیہ السلام) کے اس واقعہ میں کیا ہوا؟ کیا حق تلفی نہیں؟ نہیں، ہرگز نہیں اگر ہوتی تو خود فرشتے التجا کرتے۔ وہ تو اسوقت نوازشں رحمت ایزدی پر اتنے اترائے ہوئے تھے، کہ پہلے ہی کہدیا تھا کہ اَتجعل فیہا من یفسد فیہا الآیۃ "بار الٰہا کیا آپ زمین میں ایسے شخص کو خلیفہ بنائینگے" اسوقت وہ طارم نشیناں ایوان رضا و رحمت تھے۔ رحمت الٰہی کی مسرت میں مخمور تھے۔ التفات ایزدی کی عطا پر نازاں تھے۔ بھلا کیونکر خاموش رہتے۔ ان کی نازش ناقص تھی اگر خاموش رہتے۔ ان کی مسرت ہلکی تھی اگر چپ رہتے مگر بات ایک اور تھی۔ (اگر ناظرین اسکو معلوم کرنا چاہتے ہیں تو ہم آیات کریمہ معہ ترجمہ و حاشیہ کے مطالعہ کی دوبارہ تکلیف دیں گے۔

پہلا استفسار فرشتوں نے یہ کیا تھا اتجعل فیہا من یفسد فیہا ویسفک الدماء ("الٰہ العالمین کیا آپ زمین میں ایک ایسی ذات کو خلیفہ بنائیں گے جو فساد اور خونریزی کرے)" سرشت آدم کا یہ عیب۔ نوع۔ بنی آدم کا یہ نقص انکو کہاں سے اور کیسے معلوم ہوا تھا؟ انھوں نے کیسے سمجھا کہ اس کالبد کی صنف میں یہ خرابی ہے؟۔

کیا لوح محفوظ میں دیکھا تھا؟ تو پھر علّم آدم الاسماء "(آدم کو تمام نام سکھا دیئے)" والا قصہ کیوں نہیں دیکھ لیا تھا۔ اور استفسار سے پہلے ہی کیوں نہ رک گئے تھے۔ یہ ہی خیال ہوتا ہے (واللہ اعلم بالصواب وعندہ العلم الصحیح) کہ انہوں نے حضرت آدم کی سرشت پر ایک غائر نظر ڈالی تھی۔ چنانچہ ابلیس نے کہہ ہی دیا۔ خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِیْنٍ۔ "(تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا اسکو مٹی سے)" لیکن ترتیب مقدمات سے نتائج پر پہنچنے کی منطق سے تو شاید وہ واقف نہیں تھے۔ ابلیس نے بھی یہ تو کہدیا کہ اسکو مٹی سے پیدا کیا مگر اسکو یہ نہ سوجھا تھا کہ اسمیں آگ پانی۔ ہوا کا بھی جزو ہے۔ اور ان چاروں کے ملانے سے اگر یورپ کے کاریگر۔ ریل۔ ہوائی جہاز۔ تار برقی۔ بجلی وغیرہ وغیرہ بنا لیتے ہیں تو اللہ میاں کیا کیا نہیں کر سکینگے۔ وھو علیٰ کل شیٔ قدیر "(حالانکہ وہ ہر چیز پر قادر ہے)" "یہ ہی نقصان تھا" بہرحال حضرت انسان کی سرشت کو دیکھکر اول وہ یہ ہی سمجھے تھے کہ اُن کے پاس سفک دما،

فساد۔ یعنی خونریزی اور جھگڑا ٹنٹا کے علاوہ اور کچھ آتا ہی نہیں۔

مگر بہت جلد ہی امتحان کا وقت آگیا۔ اور اس لطیف صنف اور اس کثیف صنف کی آزمائش ہونے لگی۔ اسمار (ناموں) کی تعلیم تو فرشتوں کو بھی کی گئی تھی۔ امتحان میں کامیاب ہونے کے لئے ان اسمار کو انھوں نے بھی خوب رٹا تھا۔ مگر اس کا انھیں خیال بھی نہ تھا کہ یہ ہے کیا چیز۔ لیکن حضرت آدم علیہ السلام کو سب سے پہلا خیال یہ تھا کہ اگر یہ اسما ہیں تو ان کے کچھ مسمی بھی ہونگے۔ اگر یہ نام ہیں تو کچھ ایسی چیزیں بھی ہونگی جن کے یہ نام ہیں۔ انھوں نے اپنا زیادہ وقت اسی غور و فکر میں خرچ کیا کہ یہ کس چیز کے نام ہیں۔

استعداد تو "واہب العطایا" کی جانب سے مرحمت ہوتی ہے۔ مگر ایک قابلیت اور اختیار بندہ کو بھی دیا گیا ہے۔ انہوں نے اس ہی قابلیت کی بنا پر بہت جلد ان ناموں کی چیزیں بھی دریافت کرلیں۔ امتحان کا وقت آیا ممتحن کو امتحان لینا تھا۔ اور امتحان بھی قابلیت کا تھا۔ صرف حفظ اور رٹنت کا امتحان نہیں تھا۔ چنانچہ کچھ چیزیں سامنے کر دی گئیں۔

فرشتوں سے پوچھا گیا کہ انبئونی باسماء ھؤلاء مجھے ان چیزوں کے نام بتاؤ۔ دوسرے الفاظ میں اس واقعہ کی تشکیل یہ ہے کہ معلم نے۔ الف۔ با۔ تا۔ ثا بتا دیے تھے۔ ممتحن نے حروف ہجا نہیں سنے۔ بلکہ ان ہی حروف کی شکلیں لکھدیں۔ اور پوچھا کہ بتاؤ الف کونسا ہے۔ با کونسا۔ لیکن وہاں تو رٹا گیا تھا۔ سوچنے کا خیال بھی نہیں تھا۔ فوراً بولے۔ مگر مجبوراً بولے۔ کوئی چارہ ہی نہیں تھا۔ صاف صاف کہدیا۔ لا علم لنا الا ما علمتنا۔ (جو کچھ آپنے ہمیں بتادیا ہے اسکے علاوہ ہم کچھ جانتے ہی نہیں)"۔

مگر اسی خاکی پتلے کی جس پر فرشتوں نے خونریزی۔ فساد۔ جھگڑا ٹنٹا بلوہ وغیرہ کے الزامات لگائے تھے، لیاقت پر عالم الغیب ممتحن کو بھی ایسا اعتبار تھا کہ اس کے بجائے کہ انبئنی کا خطاب ہو یعنی

---

۵ جیسا کہ "انبئونی باسماء ھؤلاء" سے معلوم ہوتا ہے یعنی سوال کے وقت انسے نام نہیں پوچھے گئے بلکہ یہ دریافت کیا گیا کہ ان چیزوں کے نام کیا ہیں۔ اگر نام نہ بتائے گئے ہوتے تو چیزوں کے نام پوچھنے کے کیا معنی تھے۔ اور فرشتوں نے بھی یہ نہیں کہا کہ جب ہم کو کچھ نہیں بتایا گیا تو ہم کیا بتائیں۔ "بلکہ یہ عرض کیا کہ "خداوندا" جتنا آپنے سکھایا ہے ہم اتنا ہی جانتے ہیں۔ ۱۲ ۵ جیسا کہ لا علم لنا"

مجھکو بتا دو۔ ارشاد باری عز اسمہٗ یہ ہوا انبئھم الخ یعنی ان فرشتوں کو ان چیزوں کے نام بتا دو۔ اس جامع کمالات مجسمہ کو تو فقط حکم کا انتظار تھا۔ اجازت پاتے ہی فوراً نام بتانے شروع کر دیئے۔

یہ تھی آدم کی ذکاوت اور اس کا تفنن۔ علیہ وعلی نبینا الصلوٰۃ والسلام۔ مجمع پر بھی عجیب کیفیت طاری ہو گی۔ فرشتے حیران ہو گئے دم بخود ہو گئے۔ کہ ابھی تو ہم اسکو خونریزی اور فساد کا ملزم کہہ رہے تھے۔ یا ابھی وہ الٹا ہمیں تعلیم دینے لگا۔ کہاں وہ حضیض کہاں یہ ارتفاع۔ کہاں وہ ذلت۔ کہاں یہ عظمت کہاں وہ پستی اور کہاں یہ بلندی۔

اس طویل قصہ کے بیان کرنے سے یہ مراد تھی کہ انسان گو ظلوم و جہول ہے مگر عادل و عالم بننے کی صلاحیت فطری طور سے اسکو عطا کی گئی ہے۔ اسی صلاحیت کی بنا پر اسکو مکلف کیا گیا ہے۔ جس کی توضیح دوسری الفاظ میں یہ ہے کہ انسان فطرۃً گناہوں سے پاک پیدا کیا گیا ہے وہ ابتدا ئے نشو میں ایک ایسے میدان میں کھڑا کر دیا گیا ہے جہاں سے دو راستوں کا آغاز ہے۔ ایک کو اخلاق خبیثہ۔ خصائل رذیلہ کے سلسلے سے تعلق ہے۔ دوسرے کو اخلاق حسنہ سے بسلسلہ اخلاق حمیدہ سے ابتدا ئے آفرینش میں جبکہ

---

۵۷ آدم علیہ السلام کی یہ ہی ذکاوت تھی کہ خلافت کا مستحق ہونے کے علاوہ فرشتوں کی تعظیم کے بھی مستحق بنے۔ جب اس مضمون کو بیان کیا گیا تو ایک اور نکتہ بھی قابل لحاظ ہے کہ آدم علیہ السلام کیطرف سجدہ کئے جانے اور انکی تعظیم کا باعث یہ تھا کہ سرور عالم رحمۃ للعالمین کا نور مبارک انکی پیشانی میں تاباں تھا۔ اب گویا آدم کو سجدہ نہیں بلکہ نور محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کیجانب سجدہ تعظیم کیا گیا یعنی ان کا آداب بجالایا گیا۔ بالکل درست ہے۔ حق ہے۔ مگر حضرت خاتم رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم کا کیا باعث ہے؟ کیا ہمیں اس موقعہ پر اس حقیقت کے اظہار کی مہلت نہ دی جائیگی کہ اس مقدس نور کو بھی قبلہ سجدہ۔ اور سمت تعظیم اس ہی وجہ سے بنایا گیا کہ وہ نوع بنی آدم کا اعلیٰ اور سب سے بالا فرد تھا (فداہ ابی وامی نفسی وروحی) یعنی ایک خاص سلسلہ کرامت و شرافت کی ابتدا حضرت آدم علیہ السلام سے تھی انکی انتہا حضرت خاتم الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم پر۔ دین متین شریعۃ حقہ یعنی دستور اخلاق حسنہ اور خصائل حمیدہ کی ابتدا ء آدم سے تھی اور انتہا ابناء آدم کے اعلیٰ اور اکمل فرد یعنی جلالت محمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر۔ وہ خلافت کو لیکر آسمان سے زمین پر آئے تھے اور ملی رسول (فداہ روحی) صلی اللہ علیہ وسلم اسی خلافت کو۔ اسی عہد الست کو ابناء آدم کے اسی میثاق کو انبیاء علیہم السلام کے اسی معاہدہ کو (بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۳)

آدم کے پتلے کو روح بخشی گئی تھی تب ہی یہ بتا دیا کہ ایک قسم کے اخلاق اسکو اسفل السافلین میں دھنس کی آخری گہرائی میں دھکیل دیتے ہیں اور دوسرے قسم کے اخلاق اور اعمال اس کو جنت عرش کرسی کی سیر کراتے ہیں حتیٰ کہ فرشتے اس کے سامنے جبیں آداب خم کرتے ہیں۔ فطرۃ الٰہی نے ہر ابن آدم کی ساتھ یہی معاملہ کیا۔ اس کو ایک معتدل حالت پر پیدا کیا۔ مگر بد قسمتی سے وہ بہت جلد دھ گھاٹوں کے درمیان اپنے آپ کو پانے لگا۔

کسی جانور کا کوئی بچہ لے لیجئے۔ پیدائش کے وقت اسکو دیکھئے۔ وہ صحیح اور تندرست ہوگا۔ نہ وہ لنگڑا ہوگا، نہ اندھا، نہ کانا۔ نہ لنجا۔ الا ماشاء اللہ، شاذونادر جو قابل اعتبار نہیں۔

صداقت پناہ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اسی طرح ہر انسانی بچہ بھی روحانی اعتدال پر جسمانی صحت کی طرح روحانی صحت کی حالت پر پیدا ہوتا ہے۔ وہ یہودی باپ کا بیٹا ہو۔ یا نصرانی باپ کا۔ اس کی سرشت ہندو ماں کے بطن میں ہوئی ہو، یا مجوسی ماں کے بطن میں اس کے ماں باپ اگر اعتدال سے بھٹک گئے ہیں، صراط مستقیم کو چھوڑ دیا ہے تو اس بچہ کو فطرۃ سلیمہ اعتدال اور استقامہ کی جواہر سے محروم نہیں کیا جاتا۔

ہاں اس کے ماں باپ اس کی صحبت اور اس کی سوسائٹی اس کو گمراہی یا ضلالت کی گھاٹی میں دھکیل دیتی ہے۔ مگر خداوندی تخلیق و تکوین نے اس کیساتھ ایسا نہیں کیا تھا۔ اور پھر رحمت خداوندی نے اسی پر بس نہیں کی۔ بلکہ اسکو عقل، وشعور، و دانش کے روشن چراغ بھی عنایت فرمائے اسکو معذور یا مجبور نہیں کیا۔ بلکہ ایک اختیار بھی عنایت فرمایا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۲) مکمل کرکے عرش رحمٰن کی سیر کو گئے۔ آدم (علیہ السلام) کی روانگی سے پہلے ایک خاص مجلس میں جشن نیابت منایا گیا تھا۔ فرشتوں کو آداب نیابت بجالانے کا حکم ہوا تھا جس کو ہم نے بار بار لفظ سجدہ سے تعبیر کیا ہے، اور پھر آئین خلافت کی تکمیل کے وقت مقنن اعظم کو دعوت دی گئی۔ فرشتوں کے سرداروں کو خدمت کے لئے بھیجا گیا اور پھر اس نائب اعظم۔ خلیفہ اکبر (صلی اللہ علیہ وسلم) کی دعوت کے لئے ایک ایسی جگہ تجویز کی گئی تھی کہ جہاں فرشتوں کا گذر بھی محال تھا ۱۲ منہ ؎

اسی اختیار کی بنا پر اسکو حکم کیا گیا کہ وہ بری عادتوں کو۔ بری باتوں کو۔ گمراہی کے راستوں کو چھوڑ دے سیدھی راہ اچھی عادتیں اختیار کرے۔

ظلم وجہل یا بری باتوں کے باعث اس کا ٹھکانا اسفل اسافلین اور قعر جہنم کا سب سے نیچا طبقہ ہوگا اور ثُمَّ رَدَدْنَاهُ اَسْفَلَ سَافِلِیْنَ (پھر ہم نے اسکو اسفل سافلین لوٹا دیا) اس پر صادق آئیگا۔

اچھے کاموں، نیک عادتوں۔ شریف اخلاق عدل وعلم کے باعث اس کا مرتبہ فرشتوں سے بڑھ جائیگا۔ اس کی سیر گاہ عرش وکرسی ہوگی۔ اس کی تفریح گاہ حظیرۃ القدس اور ملائکہ مقربین کی پاکیزہ تر اور بلند تر مجلسیں ہوں گی اور اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کے استثنا میں وہ داخل ہوگا۔

دارتقا کا مسئلہ چلتا ہے مگر ڈارون کی تشریح کے مطابق نہیں اسلام کی تعلیم کی مطابق۔ اسکی تفہیم وتفسیر کے لئے ناظرین کرام کسی دوسری مجلس کا انتظار گوارا فرمائیں "بشرط حیات"۔

بہرحال جب اخلاق رذائل یعنی بری عادتوں سے بچنا ضروری ہوا۔ اور اخلاق حمیدہ خصائل جمیلہ یعنی اچھی عادتوں کا اختیار کرنا لازمی ہوا تو ہمارا فرض ہے کہ ہم ان دونوں قسموں کے اخلاق کو معلوم کریں۔ اور ان طریقوں اور صورتوں کو دریافت کریں جن کے ذریعہ ایک سے نجات ہوسکے دوسری کا حصول۔

اخلاق حمیدہ۔ خصائل شریفہ میں رحم، شکر، ایثار، کرم، عدل وغیرہ داخل ہیں۔ اور ان کے برخلاف۔ غصہ۔ کفران نعمت۔ خودغرضی۔ بخل ظلم وغیرہ کا تعلق اخلاق رذیلہ اور بری عادتوں سے ہے۔ (باقی آئندہ)

۵ اور یہی قوتیں تھیں جنھوں نے اس کو "انا عرضنا الامانة" والی امانت کے برداشت کرنے کی ہمت دی ورنہ وہ پہاڑ سے زیادہ مضبوط نہیں تھا۔ آسمان سے زیادہ وسیع نہیں تھا۔ زمین سے زیادہ ٹھوس نہیں۔ پہاڑ زمین۔ آسمان میں نہ یہ قوتیں تھیں نہ وہ اس امانت کو برداشت کرسکے۔ آدم اور آدم کی اولاد نے برداشت توکرلیا۔ مگر ۔۔۔

الا یا ایها الساقی ادر کاسا وناولها	کہ عشق آساں نمود اول ولے افتاد مشکلہا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دارالعلوم دیوبند

کے

اطمینان بخش حالات

منجانب مہتمم دارالعلوم دیوبند

سال بھر کے بعد تعلیمی سال ختم ہونے پر ہم دارالعلوم کے صحیح حالات مسلمانوں کی خدمت میں گوشگذار کرنے کیلئے حاضر ہوئے ہیں۔ مسلمانوں کو دارالعلوم کے متعلق متوحش خبروں نے پریشان کر رکھا ہے۔ کہیں یہ خبر پہونچی ہے کہ دارالعلوم اُجاڑ پڑا ہے چند معمولی طلبہ اور چند کم حیثیت اُستاد کام کر رہے ہیں۔ کہیں یہ خبر پہونچی ہے کہ دارالعلوم بالکل ہی ٹوٹ گیا۔ خالی پڑا ہوا ہے وہاں کچھ بھی نہیں رہا۔

جماعتِ دیوبند کا اتفاق و اتحاد، یگانگت و محبت، ہمدردی و دلسوزی، اخلاص و ایثار ضرب المثل تھے۔ عالم پر علمائے دیوبند کا سکہ بیٹھا ہوا تھا۔ جہاں وہ جاتے تھے اُنہیں کی جماعت کی اکثریت ہوتی اور اُنہیں کا غلبہ ہوتا تھا۔ باہمی اتحاد کی وجہ سے سب ایک زبان ہو بولتے تھے۔ اُنکی اس حالت کو دیکھکر مخالف و معاند تو حسد کرتے تھے اور جو مخالف و معاند نہ تھے وہ بھی غبط کی نظر سے دیکھتے تھے مگر تقدیر الٰہی کہ دو تین سال کے اندر اُن میں فتنۂ اختلاف شدید پیدا ہوا اور وہ بھی ایسی بُری طرح کہ تمام منتسبین دیوبند اور تمام وہ لوگ جو جماعت دیوبند سے تعلق یا حسنِ ظن رکھتے تھے انگشت بدندان رہ گئے ایسی حالتمیں اسباب و علل کی تہ تک پہنچنا اور حق و باطل کا فیصلہ کرنا مشکل ہوتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جماعت دیوبند کی تفریق کیساتھ ملک کے بھی دو حصے ہوگئے۔ بجز اُن لوگوں کے جو بوجہ اپنی قدیمی عناد کے اس اختلاف سے فائدہ اُٹھانا چاہتے تھے۔ تمام وہ نیک نیت حضرات جنکی طبائع میں کسیوجہ سے کسی ایک جانب میلان بھی ہے اس اختلاف سے بیحد متألم اور متاسف ہیں۔ اسمیں شک نہیں ہے کہ یہ اختلاف ایسا ہی ہے جسکا جسقدر بھی تاسف کیا جائے کم ہے اگر اس اختلاف کے ظہور سے پہلے دیوبند کی حالت دیکھی جاتی تو اس قسم کے اختلافات کا پیدا ہونا ناممکن معلوم ہوتا تھا مگر تقدیر الٰہی جاری ہوکر رہی اور اُس کے آگے سر تسلیم و رضا خم کرنا پڑا۔ مسلمانوں کا تاسف و تألم حق بجانب ہے لیکن یہ کوئی تعجب کی بات نہیں ہے اور نہ نیا واقعہ ہے۔ اس بہترین امت میں اس سے پہلے بھی اس قسم کے واقعات ظہور پذیر ہوچکے ہیں۔

صحابہ رضوان اللہ علیہم کا قرن جو اولین و آخرین میں بہترین قرن ہے اُسکے اکابر افراد میں بھی اس قسم کے اختلاف رونما ہوئے تنقیحِ اختلافات تو مشکل امر تھا۔ اکابر صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اصولِ شریعت کو پیشِ نظر رکھکر عملدرآمد کیا

ہماری کسی کی کیا مجال ہے کہ کسی ایک فرد کی نسبت بھی لب کشائی کر سکیں لیکن اختلافات ہوئے اور خوب ہوئے جن کے آثار اب تک عالم میں باقی ہیں۔ اگرچہ ہم کچھ لکھ سکتے ہیں مگر نہیں چاہتے کہ اس موقع پر اس اختلاف کی اسباب وعلل یا اختلاف کرنیوالوں کے مقاصد و نیات سے بحث کریں۔ ہم صرف یہ بیان کر دینا چاہتے ہیں کہ اختلاف کے رونما ہونے اور اختلاف کرنیوالوں کے جدا ہونیکے بعد دار العلوم کی کیا حالت رہی اور اب کیا حالت ہے۔ ہماری غرض اس تحریر سے اُن نیک نیت حضرات تک اُن حالات کا پہونچانا ہے جو اُس کے صحیح حالات معلوم کرنیکا انتظار کرتے ہیں۔ ہم پُر زور اقرار کرتے ہیں کہ اس تحریر میں کوئی امر خلاف واقع نہ لکھا جائیگا اور نہ اُسمیں کسی قسم کی دھوکہ دہی اور ملمع سازی یا مبالغہ اور رنگ آمیزی سے کام لیا جائیگا۔ ہمارے اس دعوے کی تصدیق کے لئے دار العلوم کے حالات موجود ہیں۔ ہمارے بیان کو حالات سے منطبق کر لیا جائے اور بڑی بات یہ ہے کہ ہم اپنے اس اقرار پر خداوند عالم جل مجدہٗ کو گواہ کرتے ہیں۔ وکفی باللہ شہیدا۔

کسی درسگاہ کی کامیابی اور رونق کا معیار

کسی درسگاہ کی کامیابی کا معیار چند امور ہیں جنکو جانچنے کے بعد اُس درسگاہ کی کامیابی اور عدم کامیابی کا فیصلہ کیا جا سکتا ہے۔

(۱) اساتذۂ کامل الفن کا اجتماع۔ (۲) محنتی اور شوقین طلبہ کا اجتماع۔

(۳) عام انتظامات کی خوبی۔ (۴) نتیجہ (۵) آمد چندہ

ہم انمیں سے ہر ایک جزو کو علیحدہ علیحدہ بیان کرنا چاہتے ہیں۔

اساتذہ خداوند عالم کا شکر ہے کہ اس وقت دار العلوم میں ایسے کامل الفن اساتذہ جمع ہیں جنکی نظیر ملنا دشوار ہے اور دعوے سے کہا جا سکتا ہے کہ ہندوستان کی کسی بڑی چھوٹی درسگاہ میں اس تعداد میں کامل الفن اُستاد جمع نہیں ہیں، کون نہیں جانتا کہ مولانا **حسین احمد** صاحب مدنی کس پایہ کے شخص ہیں۔ یہ وہ کامل الفن اُستاد ہیں جنہوں نے تقریبًا اٹھارہ بیس سال تک حرم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں درس دیا ہے اور جن کے حلقۂ درس میں مراکش مصر و سوڈان۔ عراق و شام۔ حجاز و یمن کے علما و طلبہ حاضر ہوتے تھے۔ مولانا حسین احمد صاحب علاوہ علوم ظاہری کے علم باطنی میں بھی صاحب کمال ہیں قطب عالم حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی کے خلیفہ مجاز اور حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب رحمہ اللہ کے جانشین ہیں۔ مولانا سید اصغر حسین صاحب کی مقدس ذات سے کون ناواقف ہے۔ علاوہ دیگر علوم کے علم حدیث میں آپکو بڑا ملکہ حاصل ہے۔ آپ صاحب نسبت اور صاحب حالات سنیہ ہیں آپکے بابرکت انفاس سے مخلوق استفادہ حاصل کرتی ہے۔

رئیس المناظرین مولانا سید مرتضیٰ حسن صاحب ناظم تعلیم و مدرس دار العلوم۔ مولانا محمد ابراہیم صاحب۔ مولانا رسول خاں صاحب مولانا محمد اعزاز علی صاحب۔ مدرسان دار العلوم۔ یہ وہ بزرگ اور برتر ہستیاں ہیں جنکے علمی کمالات

طلبہ میں مسلّم ہیں اور یہ حضرات معقول و منقول اور تمام فنون میں باکمال تسلیم کر لئے گئے ہیں۔ اسی طرح ہر درجہ کے مدرس اپنے اپنے درجہ میں نہایت صاحب استعداد ہیں۔ الغرض اساتذہ کے بارہ میں دار العلوم کو جو فوقیت حاصل ہے وہ مسلّمات میں سے ہے۔

طلبہ کا اجتماع | اگرچہ گذشتہ دو سال کے اندر ناگفتہ بہ واقعات کے پیش آنے اور بار بار اسٹرائیک ہونے سے طلبہ کی تعداد میں کمی ہونا لازمی امر تھا۔ اوّل تو پنڈت آسا رام کے باغ کے واقعہ میں بہت سے طلبہ خائف ہو کر از خود چلے گئے۔ دوسرے یہ کہ دو مرتبہ اسٹرائیک ہونے سے بہت سے طلبہ تو دل برداشتہ ہو کر چلے گئے اور بہتوں کو مدرسہ سے خارج کیا گیا۔ اس بنا پر تعداد طلبہ میں کمی ہو جانا لازمی امر تھا۔ پھر جب اسکو دیکھا جاتا ہے کہ جدید داخلہ کے وقت طلبہ کو دار العلوم میں داخل ہونے سے روکا گیا۔ اِدھر ملک میں دار العلوم کے متعلق متوحش خبریں پھیل جانے سے طلبہ کا رُک جانا فطری امر تھا تو طلبہ کی تعداد میں جسقدر بھی کمی ہوتی خلاف قیاس نہ تھی مگر باوجود ان سب موانع کے دار العلوم کی حقیقی مقبولیت سب پر غالب آگئی۔ ابتدائے سال تعلیم یعنی شوال ۱۳۴۶ھ میں جدید طلبہ کی اسقدر آمد ہوئی کہ اس سے پہلے سالوں میں نہیں ہوئی تھی۔ موازنہ کیلئے ۱۳۴۵ھ کا رجسٹر داخلہ دیکھ لیا جائے ۱۳۴۵ھ و ۱۳۴۶ھ میں کل (۲۷۵) طلبہ نے رجسٹر داخلہ جدید میں نام لکھوایا۔ اور ۱۳۴۶ھ و ۱۳۴۷ھ میں (۳۴۱) طلبہ یعنی (۶۶) طلبہ کی تعداد بڑھی رہی۔ اگرچہ ۱۳۴۶ھ و ۱۳۴۷ھ میں مجموعی طور پر بہ نسبت سابق کے تعداد طلبہ کم ہے لیکن فی حد ذاتہ کم نہیں ہے۔ بہت سے طلبہ درمیانِ سال میں سند لیکر چلے جاتے ہیں یا کسی وجہ سے مدرسہ چھوڑ دیتے ہیں اسلئے ختم سالِ تعلیمی پر نسبۃً طلبہ کی تعداد گھٹ جاتی ہے۔ امسال بھی ایسا ہی ہوا ختم سالِ تعلیمی پر طلبہ کی تعداد گھٹ کر (۴۲۵) درجہ عربی میں رہگئی۔

انشاء اللہ تعالیٰ سالِ آیندہ طلبہ کی تعداد اس سے بھی بڑھ جائیگی۔ ختم سالِ تعلیمی پر صرف درجہ عربی کے طلبہ کی تعداد (۴۲۵) تھی اگر درجہ عربی کے طلبہ کے ساتھ درجہ فارسی و ریاضی و درجہ قراءۃ و تجوید کے طلبہ بھی شامل کر لئے جائیں تو ساڑھے چھ سو اور سات سو کے درمیان ہوتی ہے۔ یہ تعداد ایک بڑی اور مقبول درسگاہ کیلئے ایسے حالات میں جو یہاں پیش ہے کم نہیں ہے۔

طلبہ کا شوقِ تعلّم | امسال طلبہ نہایت امن و سکون کے ساتھ محنت و مطالعہ اور حاضری اسباق میں مشغول رہے۔ امتحانِ سالانہ کے موقع پر ایک ایک لالٹین کے گرد کئی کئی طلبہ رات کے اکثر حصہ میں حلقہ کئے نظر آتے تھے شورش و فتنہ کے زمانہ میں کئی سال تک یہ نظارہ آنکھوں سے غائب رہا۔ خدا تعالیٰ کا شکر ہے کہ کئی سال کے بعد پھر یہ نظارہ دیکھنے میں آیا۔ تمام درجات کی تعلیم وقت مقررہ پر نہایت امن و سکون کیساتھ ختم ہوئی۔ اور بخاری شریف کا ختم دار الحدیث کے سب سے بڑے کمرہ میں جو ابھی مرتب ہوا ہے بہت شاندار طریقہ پر ہوا۔ وَالحمدُ للہ علیٰ ذٰلک۔

عام انتظام | دار العلوم کے تمام انتظامات اعلیٰ پیمانہ پر جاری رہے۔ ہر شعبہ کی نگرانی کی گئی اور جس شعبہ میں جسقدر

ہماری کسی کی کیا مجال ہے کہ کسی ایک فرد کی نسبت بھی لب کشائی کر سکیں لیکن اختلافات ہوئے اور خوب ہوئے جن کے آثار ابتک عالم میں باقی ہیں۔ اگرچہ ہم کچھ لکھ سکتے ہیں مگر نہیں چاہتے کہ اس موقع پر اس اختلاف کے اسباب وعلل یا اختلاف کرنیوالوں کے مقاصد و نیات سے بحث کریں ہم صرف یہ بیان کر دینا چاہتے ہیں کہ اختلاف کے رونما ہونے اور اختلاف کرنیوالوں کے جدا ہونیکے بعد دار العلوم کی کیا حالت رہی اور اب کیا حالت ہے۔ ہماری غرض اس تحریر سے اُن نیک نیت حضرات تک اُن حالات کا پہونچانا ہے جو اُس کے صحیح حالات معلوم کرنیکا انتظار کرتے ہیں ہم پُر زور اقرار کرتے ہیں کہ اس تحریر میں کوئی امر خلاف واقع نہ لکھا جائیگا اور نہ اسمیں کسی قسم کی دھوکہ دہی اور ملمع سازی یا مبالغہ اور رنگ آمیزی سے کام لیا جائیگا۔ ہمارے اس دعوے کی تصدیق کے لئے دار العلوم کے حالات موجود ہیں۔ ہمارے بیان کو حالات سے منطبق کر لیا جائے اور بڑی بات یہ ہے کہ ہم اپنے اس اقرار پر خداوند عالم جل مجدہٗ کو گواہ کرتے ہیں۔ وکفی باللہ شہیدا۔

کسی درسگاہ کی کامیابی اور رونق کا معیار

کسی درسگاہ کی کامیابی کا معیار چند امور ہیں جنکو جانچنے کے بعد اُس درسگاہ کی کامیابی اور عدم کامیابی کا فیصلہ کیا جا سکتا ہے۔

(۱) اساتذۂ کامل الفن کا اجتماع۔ (۲) محنتی اور شوقین طلبہ کا اجتماع۔

(۳) عام انتظامات کی خوبی۔ (۴) نتیجہ (۵) آمد چندہ

ہم انمیں سے ہر ایک جزو کو علیحدہ علیحدہ بیان کرنا چاہتے ہیں۔

اساتذہ خداوند عالم کا شکر ہے کہ اس وقت دار العلوم میں ایسی کامل الفن اساتذہ جمع ہیں جنکی نظیر ملنا دشوار ہے اور دعوے سے کہا جا سکتا ہے کہ ہندوستان کی کسی بڑی چھوٹی درسگاہ میں اس تعداد میں کامل الفن اُستاد جمع نہیں ہیں، کون نہیں جانتا کہ مولانا حسین احمد صاحب مدنی کس پایہ کے شخص ہیں۔ یہ وہ کامل الفن اُستاد ہیں جنہوں نے تقریباً اٹھارہ بیس سال تک حرم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں درس دیا ہے اور جن کے حلقۂ درس میں مراکش مصر و سوڈان۔ عراق و شام۔ حجاز و یمن کے علما و طلبہ حاضر ہوتے تھے۔ مولانا حسین احمد صاحب علاوہ علوم ظاہری کے علم باطنی میں بھی صاحب کمال ہیں قطب عالم حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی کے خلیفہ مجاز اور حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب رحمۃ اللہ کے جانشین ہیں مولانا سید اصغر حسین صاحب کی مقدس ذات سے کون ناواقف ہے۔ علاوہ دیگر علوم کے علم حدیث میں آپکو بڑا ملکہ حاصل ہے۔ آپ صاحب نسبت اور صاحب حالات سنیہ ہیں آپکے بابرکت انفاس سے مخلوق استفادہ حاصل کرتی ہے۔

رئیس المناظرین مولانا سید مرتضیٰ حسن صاحب ناظم تعلیم و مدرس دار العلوم۔ مولانا محمد ابراہیم صاحب۔ مولانا رسول خاں صاحب مولانا محمد اعزاز علی صاحب۔ مدرسان دار العلوم۔ یہ وہ بزرگ اور برتر ہستیاں ہیں جنکے علمی کمالات

طلبہ میں مسلم ہیں اور یہ حضرات معقول و منقول اور تمام فنون میں باکمال تسلیم کرلئے گئے ہیں۔ اسی طرح ہر درجہ کے مدرس اپنے اپنے درجہ میں نہایت صاحب استعداد ہیں۔ الغرض اساتذہ کے بارہ میں دار العلوم کو جو فوقیت حاصل ہے وہ مسلمات میں سے ہے۔

طلبہ کا اجتماع اگرچہ گذشتہ دو سال کے اندر ناگفتہ بہ واقعات کے پیش آنے اور بار بار اسٹرائیک ہونے سے طلبہ کی تعداد میں کمی ہونا لازمی امر تھا۔ اول تو پنڈت آسارام کے باغ کے واقعہ میں بہت سے طلبہ خائف ہو کر از خود چلے گئے۔ دوسرے یہ کہ دومرتبہ اسٹرائیک ہونے سے بہت سے طلبہ تو دل برداشتہ ہو کر چلے گئے اور بہتوں کو مدرسہ سے خارج کیا گیا۔ اس بناء پر تعداد طلبہ میں کمی ہوجانا لازمی امر تھا۔ پھر جب اسکو دیکھا جاتا ہے کہ جدید داخلہ کے وقت طلبہ کو دار العلوم میں داخل ہونے سے روکا گیا۔ ادھر ملک میں دار العلوم کے متعلق متوحش خبریں پھیل جانے سے طلبہ کا رک جانا فطری امر تھا تو طلبہ کی تعداد میں جسقدر بھی کمی ہوتی خلاف قیاس نہ تھی مگر باوجود ان سب موانع کے دار العلوم کی حقیقی مقبولیت سب پر غالب آگئی۔ ابتدائے سال تعلیم یعنی شوال ۱۳۴۶ھ میں جدید طلبہ کی اسقدر آمد ہوئی کہ اس سے پہلے سالوں میں نہیں ہوئی تھی۔ موازنہ کیلئے ۱۳۴۵ھ کا رجسٹر داخلہ دیکھ لیا جائے ۱۳۴۵ھ و ۱۳۴۶ھ میں کل (۲۷۵) طلبہ نے رجسٹر داخلہ جدید میں نام لکھوایا۔ اور ۱۳۴۶ھ و ۱۳۴۷ھ میں (۳۴۱) طلبہ یعنی (۶۶) طلبہ کی تعداد بڑھی رہی۔ اگرچہ ۱۳۴۶ھ و ۱۳۴۷ھ میں مجموعی طور پر بہ نسبت سابق کے تعداد طلبہ کم ہے لیکن فی حد ذاتہ کم نہیں ہے۔ بہت سے طلبہ درمیان سال میں سند لیکر چلے جاتے ہیں یا کسی وجہ سے مدرسہ چھوڑ دیتے ہیں اسلئے ختم سال تعلیمی پر نسبۃً طلبہ کی تعداد گھٹ جاتی ہے۔ امسال بھی ایسا ہی ہوا ختم سال تعلیمی پر طلبہ کی تعداد گھٹ کر (۴۲۵) درجہ عربی میں رہگئی۔

انشاء اللہ تعالیٰ سال آیندہ طلبہ کی تعداد اس سے بھی بڑھ جائیگی۔ ختم سال تعلیمی پر صرف درجہ عربی کے طلبہ کی تعداد (۴۲۵) تھی اگر درجہ عربی کے طلبہ کے ساتھ درجہ فارسی و ریاضی و درجہ قراءۃ و تجوید کے طلبہ بھی شامل کرلئے جائیں تو ساڑھے چھ سو اور سات سو کے درمیان ہوتی ہے۔ یہ تعداد ایک بڑی اور مقبول درسگاہ کیلئے ایسے حالات میں جو یہاں پیش ہے کم نہیں ہے۔

طلبہ کا شوقِ تعلّم امسال طلبہ نہایت امن و سکون کے ساتھ محنت و مطالعہ اور حاضری اسباق میں مشغول رہے۔ امتحان سالانہ کے موقع پر ایک ایک لالٹین کے گرد کئی کئی طلبہ رات کے اکثر حصہ میں حلقہ کئے نظر آتے تھے شورش و فتنہ کے زمانہ میں کئی سال تک یہ نظارہ آنکھوں سے غائب رہا۔ خدا تعالیٰ کا شکر ہے کہ کئی سال کے بعد پھر یہ نظارہ دیکھنے میں آیا۔ تمام درجات کی تعلیم وقت مقررہ پر نہایت امن و سکون کیساتھ ختم ہوئی۔ اور بخاری شریف کا ختم دار الحدیث کے سب سے بڑے کمرہ میں جو ابھی مرتب ہوا ہے بہت شاندار طریقہ پر ہوا۔ والحمد للہ علیٰ ذلک۔

عام انتظام دار العلوم کے تمام انتظامات اعلیٰ پیمانہ پر جاری رہے۔ ہر شعبہ کی نگرانی کیگئی اور جس شعبہ میں جسقدر

ترمیم یا اضافہ کی ضرورت تھی اُس کا انتظام کیا گیا۔

مجلسِ منتظمہ اعلیٰ درجہ کے مدرسین اور تمام شعبوں کے منتظم سب کو ملا کر ایک مجلسِ منتظمہ قائم کر دی گئی۔ مجلسِ منتظمہ کے سپرد تمام شعبوں کی نگرانی اور تجاویزِ مفیدہ کا سوچنا اور بعد منظوری مہتمم مدرسہ عملدرآمد کرنا وغیرہ امور کئے گئے۔ مجلسِ منتظمہ نے نہایت مستعدی سے اپنی خدمات کو انجام دیا۔ اسی حسنِ انتظام کا یہ ثمرہ ہوا کہ طلبہ میں اس قسم کے واقعات پیش نہیں آئے جس قسم کے گذشتہ سنین میں پیش آتے رہتے تھے۔

نتیجہ سال بھر کی تعلیم کا نتیجہ امتحانِ سالانہ کے موقع پر ظاہر ہوتا ہے۔ گذشتہ تین سال میں امتحانِ سالانہ ہی کے موقع پر اختلافات و فسادات رونما ہوتے رہے۔ اس سال امتحاناتِ سالانہ دارالعلوم و دیگر مدارسِ اسلامیہ کے جملہ انتظامی امور مجلسِ منتظمہ کے سپرد کر دئے گئے تھے۔ مجلسِ منتظمہ نے امتحانات کے دونوں شعبوں یعنی دارالعلوم کے امتحانات اور دیگر مدارسِ اسلامیہ کے امتحانات کا انتظام نہایت مستعدی سے کیا۔ دارالعلوم کے سالانہ امتحانات ایسے شاندار اور منظم طریقہ پر لئے گئے کہ اسکی نظیر تاریخِ مدرسہ میں کم ملیگی۔ آٹھ بجے سے ایک بجے تک وقتِ امتحان تھا۔ برخلاف طریقہ سابق اس سال تمام مدرسین۔ صدر مدرس سے لیکر معین المدرسین تک موقعِ امتحان پر پورے وقت میں موجود رہتے تھے۔ اور ظہر کے بعد سے رات کے دس گیارہ بجے تک جوابات دیکھکر نمبر لگاتے تھے۔ اس طرح پر ۱۵ شعبان کو دارالعلوم کا امتحان تحریری ختم کر کے دوسرے مدارسِ اسلامیہ کے امتحان کیلئے مدرسین بھیجے گئے۔ ہر مدرسہ کو تاریخ امتحان اور ممتحنین کے اسماءِ گرامی سے مطلع کر دیا گیا تھا۔ خدا تعالیٰ کا شکر ہے کہ جس خوبی کیساتھ سالِ تعلیمی شروع ہوا تھا۔ اُسی خوبی اور حُسنِ انتظام سے بہترین ثمرات و نتائج کو ساتھ لئے ہوئے ختم ہوا اور یہ جملہ امور جو کہ ہم نے بیان کئے ایک مرکزی درسگاہ کی کامیابی کے اعلیٰ معیار ہیں۔

چندہ دارالعلوم کے تمام انتظامات کا بسہولت جاری رہنا اور اُسکی رونق، سرسبزی و شادابی کا باقی رہنا چندہ کی آمدنی پر موقوف ہے۔ دارالعلوم کیلئے کوئی مستقل سرمایہ نہیں ہے اُسکا مدار عام چندوں پر ہے جنمیں امراء اور والیانِ ملک کے چندے بھی داخل ہیں۔ دارالعلوم کے متعلق جو موحش اور پریشان کن خبریں ملک میں پھیلیں اُن کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ چندہ میں کمی ہوتی۔ چنانچہ ہوئی لیکن ہم نے گذشتہ سال ۱۱ھ شعبان میں دارالعلوم کے اصلی حالات شائع کر کے مسلمانوں کو مطمئن کیا تو اہلِ خیر متوجہ ہوئے۔ اور گو اُس نقصان کی تلافی نہ ہو سکی جو پہونچ چکا تھا مگر تاہم اسقدر چندہ آ گیا کہ یہ سال تمام انتظامات کو برقرار رکھتے ہوئے خیر و خوبی کیساتھ پورا ہو گیا۔ رمضان المبارک کا مہینہ اہلِ خیر کی توجہ اور فیض رسانی کا مہینہ ہے اور اسی مہینہ کی آمدنی کو دیکھکر دارالعلوم میں سالِ آئندہ کے انتظامات کئے جاتے ہیں۔

اسلئے ہمیں اُمید ہے

کہ حضرات اہلِ اسلام دارالعلوم کے حالاتِ واقعیہ کو معلوم کر کے اور اطمینان حاصل کر کے دارالعلوم کی امداد کیطرف پوری توجہ فرمائینگے۔ خدامِ دارالعلوم نے اپنی تمام تر مساعی دارالعلوم کے انتظامات اور اُسکی سرسبزی و شادابی کو برقرار رکھنے میں صرف کیں جسکے نتائج اوپر ظاہر کئے گئے

اور اب یہ کام اہلِ خیر کا ہے کہ کشادہ دلی سے امداد فرما کر خدامِ دارالعلوم کو اس سے زیادہ موقع دارالعلوم کو ترقی دینے کا عطا فرمادیں۔

دارالعلوم کا شاندار مستقبل

دارالعلوم کی موجودہ فضا اُسکے انتظامات اور کارکنوں کی مستعدی دلچسپی، اخلاص و ہمدردی کو دیکھتے ہوئے یہ یقین کرلینا بظاہر صحیح ہے کہ دارالعلوم بہت جلد ترقی کے مدارج طے کریگا اور جو شعبے ابھی غیر مکمل اور ناتمام ہیں وہ سب مکمل ہوجائینگے۔ اور دارالعلوم کا مستقبل نہایت شاندار ہوگا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

چند معاینوں کا ضروری اقتباس

دارالعلوم میں معتبر اور معزز حضرات کی آمد کا سلسلہ برابر جاری رہتا ہے۔ انمیں سے بعض بعض حضرات معائنہ بھی لکھ جاتے ہیں۔ ان معاینوں میں سے بیانات مذکورۂ بالا کی تصدیق کے لئے شوال سے شعبان تک کے بعض معاینوں کا ضروری اقتباس درج کردینا مناسب سمجھتے ہیں۔

منشی محمد احسان خان صاحب رئیس بلاسپور کا معاینہ

منشی محمد اکبر خاں صاحب رئیس بلاسپور (سی پی) عرصۂ دراز سے دارالعلوم کی سالانہ معقول امداد فرماتے ہیں۔ آپکو یہ خبر پہونچائی گئی کہ دارالعلوم دیوبند ٹوٹ گیا آپ کے برادرزادہ منشی محمد احسان خان صاحب تحقیقِ حالات کے لئے دیوبند تشریف لائے اور کتابِ معاینہ پر عبارت ذیل تحریر فرمائی۔ (" میں بتاریخ ۱۲ مئی ۱۹۳۷ء بغرض دیکھنے مدرسہ دیوبند پہونچا۔ عالیجناب مہتمم صاحب مدرسہ مذکور سے ملاقات کی۔ حسابات دیکھے۔ مدرسہ کو طلباء سے پُر پایا۔ حسابات بالکل پاک صاف ہیں۔ الحمد للہ کہ میری بالکل خاطر جمعی ہوگئی۔ خدا مخالفین کو راہِ راست پر لائے ") +

مولوی احمد واحد کشوری سورتی اور مولوی محمد سلیمان بارڈولوی سورتی کا معاینہ

ہم بتاریخ ۱۰ ستمبر ۱۹۳۷ء مدرسہ ہذا میں آئے اور تمام درسگاہیں دیکھیں۔ اور مدرسین سے ملاقات کی۔ تمام طلبہ کو دیکھے کہ شوق اور محنت سے اپنے کام میں مصروف پائے۔ تمام قیامگاہ طلبہ کو پُر پائے۔ جو افواہیں آجکل مشہور ہورہی ہیں اور جو واقعات اخباروں میں شائع ہورہی ہیں تمام کو ہم نے معاینہ کے بعد غلط پائی اور فقط ہم یہی دیکھنے کے واسطے دیوبند حاضر ہوئے تھے۔ سو بحمد اللہ تمام کارروائی بدستور سابق جاری دیکھکر ہم بہت خوش ہوئے اور دعا کرتے ہیں کہ خدا تعالیٰ اسی طرح ہمیشہ قائم رکھے +

معاینہ مولانا حبیب الرحمن خانصاحب شیروانی صدر الصدور امور مذہبی سلطنت آصفیہ حیدرآباد دکن

آج مدرسہ عالیہ دارالعلوم میں حاضری کا شرف مجھکو حاصل ہوا حضرات مدرسین سے ملاقات ہوئی۔ طلبہ کو دیکھا۔ جناب مولانا حسین احمد صاحب محدث کی پہلی مرتبہ زیارت باسعادت نصیب ہوئی۔ جناب مولانا حبیب الرحمن صاحب مہتمم باوجود پیرانہ سالی وضعف علالت کے جوانان ہمت سے سرگرمِ خدمت ہیں۔ گذشتہ مرتبہ کی حاضری میں جو حالت میں نے دیکھی تھی اُسکے لحاظ سے [illegible] میں بھی بہت اضافہ ہوا ہے۔ دارالحدیث کی شاندار عمارت قریب تکمیل پہونچ چکی ہے۔ دارالاقامہ کا ایک حصہ تیار ہوچکا ہے جو بہت ہوادار، روشن اور طلبہ کی پوری آسایش کا ضامن ہے۔ انتظام میں بھی اصلاحیں کیگئی ہیں اور انتظام کو زیادہ مضبوط اور مربوط کرنیکے خیال سے جدید ضوابط نافذ کئے گئے ہیں۔ اس سال طلبہ تین سو سے زیادہ داخل ہوئے ہیں (یعنی تین سو [illegible]

زائد جدید طلبہ نے داخلہ میں نام لکھوایا ہے) حالانکہ سال گذشتہ کا داخلہ تین سو سے کم تھا۔ اس سے واضح ہے کہ ملک کا اعتماد اس درسگاہ معارف پناہ کی جانب بدستور قائم ہے۔ خلاصہ اہل اہتمام۔ حضرات مدرسین اور طلبہ سرگرمی کے ساتھ خدمت علم میں باطمینان مصروف ہیں۔ وَالحمد للہ علیٰ ذٰلک۔ ۲۵ ربیع الآخر ۱۳۵۴ھ

مولانا حبیب الرحمٰن خانصاحب شیروانی کی تقریر

کتاب معاینہ پر اپنی رائے لکھنے کے علاوہ مولانا موصوف نے عصر کی نماز کے بعد مسجد مدرسہ میں ایک مبسوط تقریر بھی فرمائی تھی۔ جو طبع ہو کر شائع ہو چکی ہے۔ اُسکے بعض اہم اجزا کا اقتباس بھی اس جگہ درج کرنا مناسب ہے۔

آپنے فرمایا ("یہ بات نہ میں صرف اپنے ہی متعلق عرض کر رہا ہوں بلکہ ملک کے مختلف حصّوں میں جہانتک سفر کئے اور اقطار ملک میں جہاں جہاں بھی سنجیدہ و ذی فہم حضرات سے ملنے اور اُن سے تبادلۂ خیالات کا موقعہ ملا ہے مولانا حبیب الرحمٰن صاحب کی ذاتِ گرامی اور اُن کے صدق و دیانت کے متعلق کسی کو بھی بدظن نہیں پایا بلکہ سب اُنپر اعتماد رکھتے ہیں اور اُن پر موجودہ لا اُبالی پروپگینڈہ کا کوئی اثر نہیں ہے")

آپنے فرمایا ("طلبہ کا امسال جدید داخلہ جیسا کہ رجسٹر داخلہ سے واضح ہے بہ نسبت سال گذشتہ کے بڑھا ہوا ہے جس سے اسکا کافی اندازہ ہوتا ہے کہ ملک میں اہتمام کا اعتماد بدستور قائم ہے")

آپنے فرمایا ("مجلس منتظمہ کی اصلاحی تجاویز کو بھی میں نے پڑھا جو اُنہوں نے حال ہی میں طلبہ کی تعلیمی و اخلاقی نگرانی و تربیت وغیرہ کے لئے مرتب کی ہیں۔ یہ سب اصلاحی تجاویز تجربہ پر مبنی ہیں اور کافی ہیں لیکن اصل عمل ہے جسکی بابت مجلس منتظمہ نے عملی کارروائی شروع کر دی ہے اور مہتمم صاحب نے عملی صورتیں لانیکا تہیہ فرمایا ہے")

آپنے فرمایا ("حضرات! موجودہ فتنے اور مدرسہ کا اختلاف موجب افسوس ضرور ہے مگر بہی خواہِ دارالعلوم کا خیال ہے کہ ایسے واقعات پیش نہ آتے تو اچھا تھا لیکن جسقدر جا ایسے فتن سے تکالیف و مصائب کا دروازہ کھلتا ہے اُس سے کہیں زیادہ ترقی و عروج کا پیش خیمہ بھی بنتے ہیں")

آپنے فرمایا ہے ("دارالعلوم کے یہ فتنے بیشک اپنی ساتھ حوادث و آلام کی گھٹائیں لائے تھے لیکن میں سمجھتا ہوں کہ دارالعلوم کے لئے ان میں ترقی مضمر ہے۔ دارالعلوم کی راہ میں ان فتنوں کا رُکاوٹیں پیدا کرنا ایسا ہی تھا جیسا کہ سونے اور چاندی کو صاف کرنے کیلئے اُنکو بھٹی میں تپایا جاتا ہے۔ دارالعلوم بھی فتن کی بھٹیوں میں تپایا گیا اور خدا کا شکر ہے کہ خالص سونا ثابت ہوا")

آپنے فرمایا ہے ("آئندہ نظم و نسق کے لئے ایسے فتن کا پیش آنا جہاں عبرت و موعظت کا سبب ہے، وہاں نافع بھی ہے مگر آپ حضرات ایک دو سال اسی طرح پورے انہماک و مستعدی کے ساتھ اپنے کام میں لگے رہے تو میں یقین سے کہتا ہوں کہ جو نقصان پہونچا ہے نہ صرف اُسکی تلافی ہو جائیگی بلکہ پہلے سے زیادہ دارالعلوم کو ترقی ہوگی۔ کیونکہ ایک بہتے ہوئے دریا میں جبکہ بیچ میں زبردست بند لگ جاتا ہے تو اُسکے ٹوٹنے کے بعد وہ پہلے سے زیادہ زور کیساتھ بہنے لگتا ہے")

آپکی تقریر میں اور بھی بہت سے مفید اجزا ہیں مگر ہم اتنے ہی اجزا کے نقل کر دینے کو کافی سمجھتے ہیں۔

علامہ نبی صاحب لوکھات ساکن قصبہ کٹھور ضلع سورت کا معاینہ

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم۔ اَمّا بعد۔ ۵ ستمبر ۱۹۳۵ء کو احقر دارالعلوم میں حاضر ہوا اور جمیع اکابرین ملت سے شرف

حاصل کیا۔ طلبا اور درسگاہوں کو دیکھا جو کہ تمام پُر تھیں۔ **دار الحدیث** کی **تعمیر** قریب تکمیل کے ہے امسال داخلہ طلبہ نسبۃً گذشتہ سال کے کثیر تعداد میں ہے۔ **دار الاقامہ** کا ایک حصہ تعمیر ہو چکا ہے جسمیں طلبہ نے اقامت شروع کر دی ہے اور دوسرا حصہ ابتک بسبب ہمت نا تمام ہے لہذا جمیع حضرات خصوصاً اہالیانِ ضلع سورت کو اس درسگاہِ عظیم کی طرف توجہ کرنی چاہیئے۔

ضلع سورت کے چند مقتدر حضرات کا معاینہ

ہم دستخط کنندگانِ ذیل ۱۵ جنوری سنہ ۱۹۲۹ء کو دار العلوم دیوبند پہونچے اوّلاً حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب مہتمم دار العلوم سے شرف ملاقات حاصل کیا۔ آپ ہم لوگوں کیساتھ نہایت اخلاق کے ساتھ پیش آئے اور ہمارے قیام وغیرہ کا کافی طور پر انتظام فرما دیا۔ بعدہٗ ہم نے تمام دار العلوم کا گشت کیا جسکو دیکھکر ہمیں نہایت ہی مسرت حاصل ہوئی۔ آخر میں حضرت مولانا حسین احمد صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے جو دار الحدیث میں بخاری شریف کا درس دے رہے تھے۔ اور نہایت ہی اطمینان سے بیٹھکر ہمنے سماعت کی۔ درسگاہِ قرارت میں بھی گئے جسکو سنکر نہایت محظوظ ہوئے۔ دار العلوم کا **کتبخانہ** ہمارے علم میں اسکا ثانی ہندوستان میں مشکل ہی ملیگا۔ حاصل کلام جملہ کارروائی قابلِ تحسین ہے۔ جملہ مسلمانانِ ہند خصوصاً سورتی حضرات اسکی طرف **توجہ فرمائیں اور امداد کی کوشش کریں۔**

علاوہ بریں دار العلوم کی مکانیت کے لحاظ سے اسمیں ایک برقی انجن جو کہ تمام احاطوں میں روشنی دیسکے لگانیکی ضرورت ہے خداوند کریم سے دعا کرتے ہیں کہ جملہ کارکنانِ دار العلوم خصوصاً حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب کو پائے مردی اور استقلال عطا فرمائے۔ اور ہر مسلمان بھائی کو اس کار خیر میں حصہ لینے کی توفیق عطا فرمائے۔

العبــــــــد

موسیٰ بھائی فقیر بھائی گلہانیہ ساکن قصبہ جلالپور ضلع سورت — قاسم بھائی فقیر بھائی یعقوب قلم خوسا کوتہ یاد سپین ہو ضلع سورت

کتاب معاینہ میں اور بھی اردو، انگریزی کے مفید معاینے درج ہیں مگر ہم ان کی نقل کی ضرورت نہیں سمجھتے۔

بعض حضرات سالانہ امتحان کے موقع پر تشریف لائے اور شاندار طریقۂ امتحان کو دیکھکر بہت متاثر ہوئے انہوں نے جو اس بارہ میں تحریر لکھی ہے وہ کتاب معاینہ میں درج نہیں کی ہے بلکہ اخبارات میں بھیجدی ہے۔ جو انشاء اللہ تعالیٰ ملاحظہ سے گذریگی۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ

حضرت قاسم العلوم والخیرات مولانا محمد قاسم صاحب بانی دار العلوم دیوبند قدس اللہ سرہ العزیز کی ذات گرامی کی طرف مسلمانانِ عالم کا عام میلان و رجحان اور خاندانِ قاسمیہ کی حق شناسی وغیرہ امور کو ملحوظ رکھکر چندسال ہوئے ممبرانِ دار العلوم نے یہ تجویز کیا تھا کہ اہتمام دار العلوم کے لئے خاندانِ مولانا محمد قاسم صاحب قدس اللہ سرہٗ کا کوئی فرد جو اسکی اہلیت رکھتا ہو مرجح سمجھا جائیگا۔ اس تجویز سے ممبرانِ مجلس شوریٰ کی ہرگز یہ غرض نہ تھی کہ خاندانِ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب میں اہتمام دار العلوم کو بطور وراثت قائم کردیں۔ بلکہ انہوں نے بخیال حق شناسی و عام میلان و رجحانِ اہلِ اسلام خاندانِ قاسمیہ کے افراد کو دار العلوم کے

اہتمام کیلئے ترجیح دی تھی لیکن انکی اس تجویز کو غلط فہمی کا ایک ذریعہ بنا کر عام طور پر شہرت دیگئی کہ دارالعلوم کے اہتمام میں وراثت قائم کر دی گئی ہے اس خبر سے عام طور پر توحش پیدا ہو گیا۔ ممبران کو جب اسکا علم ہوا کہ ان کی نسبت ایسا غلط خیال پھیلایا گیا ہے تو انہوں نے اپنی اس تجویز کی تشریح روداد جلسہ ممبران منعقدہ شوال و ذیقعدہ سنہ ۔۔ میں بدیں الفاظ کر دی :۔

"مجلس شوریٰ کی یہ تجویز چند سال کی طے شدہ ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حتی الوسع بشرط اہلیت اسی خاندان میں اہتمام کو مرجح رکھا جائے۔ اس خصوصیت میں مجلس شوریٰ نے کوئی فیصلہ خلاف شرع طے نہیں کیا بلکہ بالاجمال شرعی دلائل سے اخذ کیا گیا ہے اور بلحاظ انتظام اسلئے مناسب ہے کہ حضرت ممدوح رحمۃ اللہ علیہ کے نام نامی سے عموماً قلب میں رجحان پیدا ہوتا ہے۔ چنانچہ جب سے حضرت مولانا مولوی محمد احمد صاحب کے سپرد اہتمام ہوا اسقدر ترقیات دارالعلوم کے ہر ایک شعبہ میں ہوئیں اور ہو رہی ہیں سب انہیں کی مساعی جمیلہ کا ثمرہ ہے۔ اگر اس تجویز کے ساتھ کسی جماعت یا شخص کو اتفاق نہ ہو تو یہ اسکا ذاتی فعل ہے۔ ورنہ اصولاً مجلس شوریٰ کی تجویز بلحاظ شرع اور بلحاظ انتظام قابل اعتراض نہیں ہے بلکہ حق شناسی پر مبنی ہے"۔

لیکن غلط الزام لگانیوالوں نے اسپر بھی قناعت نہ کی بلکہ وہ اپنے اس غلط الزام کو عام طور پر ذہن نشین کرنیکی کوشش میں سرگرم رہے جب نوبت یہانتک پہونچگئی تو ضرورت اسکی محسوس ہوئی کہ ایک مستقل اعلان کے ذریعہ اس غلط خیال کا قلع قمع کر دیا جائے چنانچہ حضرت مولانا اشرف علی صاحب مدظلہم العالی سرپرست دارالعلوم نے ایک اعلان اپنے نام نامی سے شائع کر دیا ہے جو علیحدہ طبع ہو چکا ہے۔ حضرت مولانا نے اس بارہ میں ایک مبسوط تحریر لکھی ہے اس اعلان کے آخری الفاظ ہم اس جگہ نقل کر دینا چاہتے ہیں تاکہ مسلمانوں کا کلی اطمینان ہو جائے اس کے بعد بھی کوئی غلط فہمی پھیلائے تو اسکا ذمہ دار وہ خود ہے۔

اعلان

کیا جاتا ہے کہ دارالعلوم کسی کا مملوک نہیں ہے اور نہ اسکے اہتمام میں وراثت جاری ہو سکتی ہے۔ خاندان مولانا محمد قاسم صاحب کو دارالعلوم کے ساتھ خصوصیت بیشک حاصل ہے مگر اس کا یہ ثمرہ نہیں ہو سکتا کہ اہتمام دارالعلوم بطور وراثت اس خاندان میں قائم رہے۔ اگر ہر زمانہ کی مجلس شوریٰ بطور حق شناسی و بخیال حسن انتظام و مصالح دارالعلوم اس خاندان کے اہل افراد کا انتخاب کریں تو مستحسن ہے، اور اگر باوجود مذکورین کی اہلیت کے کسی دوسرے شخص کا انتخاب کریں یہ بھی ان کو اختیار ہے۔

یہ بھی اعلان کیا جاتا ہے کہ مولوی حافظ قاری محمد طیب صاحب دارالعلوم کی مدرسی کے ساتھ نیابت اہتمام کے لئے بھی نامزد کئے گئے ہیں لیکن یہ ضروری نہیں کہ وہ مہتمم بھی بنا جائیں یا ہمیشہ کیلئے وہ نائب مہتمم رہیں۔ مجلس شوریٰ کو ہر وقت تغیر و تبدیل کا اختیار ہے فقط۔ امید ہے کہ اب اس معاملہ میں کسی کو کوئی شبہ نہ رہا ہوگا حالت ان ارید الا الاصلاح ما استطعت وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب +

کتبہ اشرف علی تھانوی
۶ شعبان سنہ ۱۳۴۷ھ

المعلن
احقر حبیب الرحمٰن مہتمم دارالعلوم دیوبند
۱۸ شعبان ۱۳۴۷ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اعلان

منجانب حضرت مولانا مولوی محمد اشرف علی صاحب

سرپرست دارالعلوم دیوبند ضلع سہارنپور

الکلم الطیب

بگذر از ظن خطا اے بدگماں ان بعض الظن اثم را بخواں

بعد الحمد والصلوٰۃ کارکنان مدرسہ دارالعلوم دیوبند پر منجملہ دیگر اعتراضات کے مدرسہ کے ایک دفعہ کے متعلق جس کا تعلق اہتمام سے ہے ایک یہ بھی اعتراض کیا جارہا ہے کہ انہوں نے اہتمام کو حضرت مولانا محمد قاسم صاحب کے خاندان کی میراث بنا دی اور اہتمام محل میراث نہیں لہذا یہ تجویز خلاف شرع ہے چونکہ اس سے عام ناظرین سامعین کو توحش بڑھتا ہے اس لئے ضرورت داعی ہے کہ اس کی حقیقت کو جو کہ ایک مختصر تاریخ ہے منکشف کردیا جاوے تاکہ حقیقت سمجھنے کے بعد سوء ظن کا موقع نہ رہے جو کہ شرعاً ممنوع ہے۔ سو حقیقت اس کی یہ ہے کہ یہ دفعہ چند سال قبل طے ہوئی تھی۔ معلوم ہوا کہ اسی وقت سے اس کے متعلق اس قسم کے شبہات پیدا ہوئے اس لئے مجلس شوریٰ نے یہ خیال کرکے کہ شاید بعض الفاظ کا اجمال ایسے شبہات کا منشاء ہوا ہو جلسہ ممبران منعقدہ شعبان ۱۳۴۵ھ میں اس کی اس طرح شرح کرکے شائع کردی تھی۔ "مجلس شوریٰ کی یہ تجویز چند سال کی طے شدہ ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حتی الوسع بشرط اہلیت اس خاندان میں اہتمام کو مرجح رکھا جائے اس خصوصیت میں مجلس شوریٰ نے کوئی فیصلہ خلاف شرع نہیں کیا بلکہ بالاجمال شرعی دلائل سے اخذ کیا گیا ہے اور بلحاظ انتظام اسلئے کہ حضرت ممدوح رحمۃ اللہ علیہ کے نام نامی سے عموماً قلب میں رجحان پیدا ہوتا ہے۔ چنانچہ جب سے حضرت مولانا مولوی محمد احمد صاحب کے سپرد اہتمام ہوا کسقدر ترقیات دارالعلوم کے ہر ایک شعبہ میں ہوئیں۔ یہ سب انہی کی مساعی جمیلہ کا ثمرہ ہے۔ اگر اس تجویز کے ساتھ کسی جماعت یا شخص کو اتفاق نہ ہو تو یہ اُن کا ذاتی فعل ہے ورنہ اصولاً مجلس شوریٰ کی تجویز بلحاظ شرع اور بلحاظ انتظام قابل اعتراض نہیں ہے۔

بلکہ حق شناسی پر مبنی ہے۔ اھ اس عبارت سے چند امور مستفاد ہوتے ہیں۔

اوّل مبنی اس تجویز کا توریث اہتمام نہیں بلکہ مصلحتِ انتظامی ہے۔ دوم اُس مصلحت کی تصریح بھی ہے کہ چونکہ حضرت بانی مدرسہ قاسم العلوم والخیرات رحمۃ اللہ علیہ کا قبول عام اللہ تعالیٰ نے قلوب میں القاء فرمایا ہے تو حضرت مرحوم کی اولاد کے منتظم ہونے سے عام طور پر مدرسہ کی طرف طبعاً رجحان ہوگا اور یہ امر مشاہد ہے اور اسکا مصلحتِ انتظامیہ ہونا ظاہر ہے۔ سوم اسکو مرجح قرار دینے میں توریث کی صاف نفی ہے کیونکہ توریث میں وارث کا استحقاق متعین ہوتا ہے اور غیر وارث کا استحقاق منفی محض نہ کہ نفسِ استحقاق میں اشتراک اور وارث کو ترجیح حتی کہ محجوب پر حاجب کو ترجیح دینے میں بھی نفسِ قرابت میں کہ مبنی توریث کا ہے اشتراک لازم ہے پس یہاں بھی حضرت کی اولاد کو مرجح کہنا صاف بتلا رہا ہے کہ استحقاق غیر اولاد کو بھی ہے تو پھر توریث کہاں ہوئی۔ چہارم۔ اسمیں اہلیت کی شرط لگائی گئی جو کہ امر اجتہادی ہے اور اس وجہ سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے حضرت کی اولاد پر غیر اولاد کو ترجیح دینا کارکنانِ مدرسہ کے اختیار میں ہے کہ غیر اولاد کیلئے اہلیت کو ثابت اور اولاد سے اہلیت کی نفی کر سکتے ہیں۔ کیا توریث کی یہی شان ہوتی ہے۔ کہ کوئی شخص اپنی رائے سے غیر وارث کو مستحق اور وارث کو محروم قرار دیدے۔ پنجم مصلحتِ انتظامیہ کے ساتھ ایک دوسرے وصف کا بھی لحاظ رکھا گیا جس سے اُس مصلحت میں ایک گونہ قوتِ عملی یعنی حق شناسی جیسا کہ شریعت میں اہلِ حقوق سے کسی کا خاص تعلق ہونیکا اُسکی رعایت کے لئے موجب ہونا وارد ہے مثلاً حدیث میں مصرح ہے کہ والدین کے حقوق کا تتمہ اُنکی وفات کے بعد یہ ہے کہ اُن کے دوستوں کی خدمت کیجائے۔ اسکا حاصل یہی ہے کہ اصل مستحقِ خدمت تو والدین تھے اور اُن کے دوستوں کو اُن کیساتھ خاص تعلق ہے اسلئے وہ اوروں سے زیادہ مستحقِ خدمت ہیں اسی طرح اصل مستحق اہتمام کے بانی تھے اور اُنکی اولاد کا اُن کیساتھ خاص تعلق ہے اسلئے وہ اوروں سے زیادہ مستحق اہتمام کے ہیں۔ اسیطرح شرع میں اسکے بہت سے شواہد ہیں۔ تجویز مذکور کی تقریر میں اسی کو حق شناسی کہا گیا ہے۔

ان امور کی تصریح کے بعد ایسے شبہات کی اصلاً گنجائش نہیں رہی اور اسی بنا پر مجلس شوریٰ نے نیابتِ اہتمام کا عہدہ مولوی محمد طیب صاحب کے سپرد کیا جو ماشاء اللہ ہر طرح اسکے اہل ہیں اور اہلیت مشاہدہ ہی میں کوئی کلام کرنے لگے تو اسکا تو کوئی انسداد ہی نہیں بعض فرقوں نے خلفائے راشدین کی اہلیتِ خلافت تک میں کلام کیا ہے۔ بعض فرقوں نے امام ابو حنیفہ کی اہلیتِ اجتہاد میں کلام کیا ہے بعض لوگوں نے جنید اور شبلی اور شیخ اکبر کے ایمان تک میں کلام کیا ہے۔ اسکے ذمہ دار تو ہر زمانہ میں وہ لوگ ہیں جنکے ہاتھ میں انتظام ہے اور بعد سپردگی اس عہدہ کے وہ کئی سال تک اس کام کو نہایت حسن و خوبی سے انجام دیتے رہے لیکن چونکہ اُن کو درس و تدریس کے

اشتغال سے زیادہ دلچسپی تھی اور اہتمام میں اُن کو اسکا وقت کم ملتا تھا۔ دوسرے اللہ تعالیٰ نے اُن کی طبیعت میں یکسوئی و تواضع کی ایک خاص شان رکھی ہے جو واقعی حقیقی اور وہبی میراث ہے اپنے جدّ امجد کی۔ اسلئے اُنہوں نے ۱۳۴۸ھ کے جلسۂ شوریٰ میں اپنے اس عہدہ سے استعفا دیدیا جس سے اُنہوں نے احتمال توریث کا قلع قمع کردیا اور اُنکی اہلیت اور مدرسہ کی مصالح پر نظر کرکے کسی کا دل اس استعفا کی منظوری کو گوارا نکرتا تھا لیکن اُن کا اصرار اور اس احقر کی سعی سے (کہ احقر ہر شخص کے مذاقِ باطن کی بیحد رعایت رکھتا ہے) وہ استعفا بعبارتِ ذیل منظور کیا گیا۔ (”مجلسِ شوریٰ نے قبل ازیں چند سال ہوئے یہ تجویز کیا تھا کہ خاندانِ حضرت مولانا محمد قاسم رحمۃ اللہ علیہ میں بشرط اہلیت اہتمامِ دار العلوم کو قائم رکھا جائے اس سے یہ مطلب مجلسِ شوریٰ کا نہیں ہے کہ خاندانِ موصوفہ کے کسی ممبر سے اہتمام کو نہ نکالا جائیگا۔ یا یہ کہ اس خاندان کے علاوہ کسی دوسرے کے سپردِ اہتمام نکیا جائیگا بلکہ منشا یہ تھا کہ بشرطِ اہلیت خیالِ ترجیح رہیگا لہذا مجلسِ شوریٰ کی تجویز ہے کہ مولوی طیب صاحب کو حسب استدعا اُن کی دائرہ اہتمام سے سبکدوش کرکے سلسلۂ تعلیم میں لیلیا جائے اھ)“

اس عبارت سے تو نفی توریث اور اس تجویز کی حقیقت کی تصریح در تصریح و توضیح در توضیح ہوگئی۔ احقر چونکہ اس منظوری میں خود ساعی تھا اسلئے احقر نے اس منظوری سے اتفاق کرکے مدرسہ کی مصالح مستقبلہ پر نظر کرتے ہوئے یہ عبارت لکھی (”اُسپر اتفاق کرنیکے ساتھ اشرف علی یہ بھی عرض کرتا ہے کہ اسکی منظوری کے یہ معنی نہیں ہیں کہ اُن کو اہتمام کی خدمت کبھی سپرد نکیجاویگی بلکہ معنی یہ ہیں کہ اسوقت تو تدریس کی خدمت اُن کے سپرد کیجائیگی پھر اگر کسی وقت خدمتِ اہتمام لینے کی ضرورت محسوس ہو تو اُن سے پھر درخواست کیجاویگی اور جو تجویز نسبت قائم رہنے خدمتِ اہتمام کے حضرت مولانا کے خاندان میں طے ہوئی تھی اُسکی عبارت حسب تجویز ہذا بدل دیجائے اھ“) اس موقع پر پہونچکر یہ معاملہ ختم ہوچکا تھا اور اذہان خالی ہوچکے تھے لیکن اس واقعہ سے بہت ہی نزدیک وقت میں خود احقر کے قلب میں یہ امر وارد ہوا کہ مستقبل کیلئے ابھی سے کوئی مہتمم تجویز ہوجانا ضروری ہے کہ اسوقت نیابت پر مقرر ہو پھر موقع پر مہتمم بنادیا جائے تاکہ عین وقتِ ضرورت پر پریشانی نہو اور اس وارد کو میں نے حضراتِ ارکان کی خدمت میں سفارش کے ساتھ پیش کرکے منظور کرایا۔ پھر خلوِّ ذہن کے ساتھ یعنی قطع نظر اس قانونِ اہتمام سے اس شخص کی تعیین کیلئے سوچ ہوئی تو بجز مولوی طیب صاحب کے کوئی شخص موزوں معلوم نہ ہوا۔ جسکی بہت سی قوی وجوہ میں سے ایک وجہ یہ بھی تھی کہ اُنکی کراہت اس عہدہ سے مشاہد ہوچکی تھی اور شریعت میں یہ کراہت اقوی مرجحات سے ہے اس بناء پر دوبارہ اُنکو نائب مہتمم بنایا گیا۔ پس اس مکرر تقرر میں اُس قانونِ مذکورہ بالا کو کچھ دخل نہیں

کہ اس تقریر کے بقا میں دخل ہو چنانچہ بفضلہ تعالیٰ اسوقت وہ نیابتِ اہتمام کی حیثیت سے کام کر رہے ہیں اور جنکو اُن کے اُن اوصاف کا دیکھنا ہو جنکی ضرورت اس عہدہ کے لئے ہے وہ خود دیکھ لے مگر نظرِ انتقاد سے نہ دیکھے گو نظرِ اعتقاد سے بھی نہ دیکھے۔ دونوں احتمالوں کو برابر کے درجہ میں پیش نظر رکھکر آزادی سے دیکھے۔ یہ ہے حقیقت اس واقعہ کی جو بالکل واضح ہے لیکن چونکہ باوجود اسقدر واضح ہونیکے پھر بھی اس تجویز کا غلط مفہوم لیکر اور غلط نتیجہ نکالکر مسلمانوں میں بدظنی پھیلانے کی کوشش کیجاتی ہے۔ اس لئے ضرورت ہے، کہ احتیاطاً اس بارہ میں ایک اعلان شائع کرایا جائے جسمیں توریث کی صحیح نفی اور تجویز مہتمم میں کسی وقت ارکانِ مدرسہ کا مجبور نہ ہونا صاف مذکور ہے۔ و ہو ھذا۔

اعلانِ عام

کہا جاتا ہے کہ دارالعلوم کسی کا مملوک نہیں ہے نہ اُس کے اہتمام میں وراثت جاری ہوسکتی ہے خاندان مولانا محمد قاسم صاحب کو دارالعلوم کے ساتھ خصوصیت بے شک حاصل ہے مگر اُس کا یہ ثمرہ نہیں ہوسکتا کہ اہتمام دارالعلوم بطور وراثت اُسی خاندان میں قائم رہے۔ اگر ہر زمانہ کی مجلس شوریٰ بطور حق شناسی و بخیال محسن انتظام و مصالح دارالعلوم اس خاندان کے اہلِ افراد کا انتخاب کریں تو مستحسن ہے اور اگر باوجود مذکورین کی اہلیت کے کسی دوسرے شخص کا انتخاب کریں یہ بھی اُن کو اختیار ہے۔

یہ بھی اعلان کیا جاتا ہے کہ مولوی حافظ قاری محمد طیب صاحب دارالعلوم کی مدرسی کے ساتھ نیابت اہتمام کیلئے بھی نامزد کئے گئے ہیں لیکن یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ مہتمم ہی بنائے جائیں یا ہمیشہ کیلئے وہ نائب مہتمم رہیں۔ مجلس شوریٰ کو ہر وقت تغیر و تبدیل کا اختیار ہے۔ فقط

اُمید ہے کہ اب اس معاملہ میں کسی کو کوئی شبہ نہ رہا ہوگا۔ وان ارید الا الاصلاح ما استطعت وما توفیقی الا باللّٰہ علیہ توکلت والیہ اُنیب۔

کتبہ اشرف علی تھانوی
سادس شعبان سنہ ۱۳۴۷ھ



کتب خانہ مطبع قاسمی دیوبند کی سالانہ رعایت

ہم نے بتقریب ماہ رمضان المبارک یکم رمضان سنہ [illegible]ھ سے ۱۵ ر شوال سنہ [illegible]ھ تک علم دوست حضرات کیلئے ہر قسم کی کتب میں خاص رعایت کر دی ہے۔ مختصر رعایتی فہرست علیحدہ طبع ہوئی ہے جو عند الطلب ارسال ہو سکتی ہے۔ آپ کو جس کتاب کی ضرورت ہو اس وقت رعایتی قیمت سے فائدہ اٹھائیے۔ پھر ایک سال تک ایسا موقع نہیں ملیگا۔

منیجر کتب خانہ مطبع قاسمی دیوبند ضلع سہارنپور

قواعد وضوابط رسالہ القاسم

(۱) تاریخ روانگی رسالہ ہر قمری مہینہ کی ۱۵ ہے۔ نیا سال محرم سے شروع ہوتا ہے۔

(۲) حجم کم سے کم ۳۲ صفحہ کا ہوتا ہے اور سائز ۲۰×۲۶/۸ ۔

(۳) عام قیمت سالانہ ڈھائی روپیہ ہے۔ امراء و والیان ریاست سے حسب حیثیت۔ قیمت فی پرچہ ۴/ ہے۔

(۴) سالانہ چندہ پیشگی بذریعہ منی آرڈر یا وی پی وصول ہوتا ہے۔ محصولڈاک۔ روانگی رسالہ و پیکنگ کا صرفہ بذمہ دفتر ہے فیس رجسٹری و فیس منی آرڈر کا صرفہ بذمہ خریدار ہے۔

(۵) سالانہ چندہ جہانتک ممکن ہو منی آرڈر سے روانہ کرنا چاہئے اسمین منگانیوالیکو کفایت اور بھیجنے والونکو سہولت رہتی ہے۔

(۶) جو صاحب درمیان سال میں رسالہ کے خریدار بنتے ہیں ان کو شروع سال ہی سے خریدار سمجھا جاتا ہے۔ چنانچہ کل پرچے بشرط موجودگی اس سال کے بھیجے جاتے ہیں تاکہ سلسلہ مضامین نہ ٹوٹے۔

(۷) جو حضرات القاسم کے حلقہ اشاعت و فیض کے وسیع اور عام کرنے کیلئے غیر مستطیع شائقین کے نام کم قیمت میں رسالہ جاری کرانیکیلئے امداد قوم مرحمت فرماتے ہیں وہ القاسم کے معاونین و محسنین خاص شمار ہوتے ہیں اور ایسے مخیر حضرات کے اسماء گرامی وقتاً فوقتاً القاسم میں شائع کئے جاتے ہیں۔

(۸) جو پرچہ ڈاکخانہ یا دفتر کی غلطی سے وصول نہ ہوا ہو اس کیلئے تاریخ اشاعت سے دس روز کے اندر اندر دفتر کو اطلاع کردینی چاہئے تاکہ دوبارہ رسالہ بھیجدیا جائے اس کے بعد قیمتاً بشرط موجودگی ارسال ہوگا۔

(۹) جواب طلب امور کے لئے جوابی کارڈ یا ٹکٹ آنا چاہئے۔

(۱۰) خط و کتابت و ترسیل زر کے وقت پتہ صاف و خوشخط ہونا چاہئے خریداری کا نمبر کا حوالہ کوپن و سرنامہ پر ضرور ہونا چاہئے ورنہ عدم تعمیل کی شکایت نہ کیجائے۔

نرخ و شرح اجرت اشتہارات

(۱۱) مہذب اشتہارات کے چربے موافق سائز رسالہ لئے جاسکتے ہیں بشرطیکہ فی صفحہ ۱۰/ نصف صفحہ ۵/ چہارم صفحہ کیلئے ۳/ پیشگی بھیجدیے جائیں دوامی اشتہارات میں اور بھی رعایت ممکن ہے۔

(۱۲) کوئی مضمون مخالف مسلک علمائے دیوبند شائع نہ ہوگا۔ نیز جو مضمون انتخاب میں آکر طبع ہو جائیگا بشرط طلب اسکا معاوضہ حسب حیثیت مضمون ادا کیا جائے گا۔

(۱۳) عدم انتخاب کی صورت میں مضمون بیرنگ واپس ہو سکیگا۔

(۱۴) جملہ خط و کتابت و ترسیل زر بنام معتمد المدیر القاسم دارالعلوم دیوبند ہونی چاہئے۔

(مینیجر)

یادگار حضرت مولانا محمد قاسم صاحب النانوتوی بانی دار العلوم دیوبند

القاسم

دورِ جدید

جلد ۴ نمبر ۱۰

شوال المکرم ۱۳۴۷ھ

دار العلوم دیوبند کا علمی، مذہبی، اخلاقی، تمدنی، تاریخی، ماہوار رسالہ

(زیرِ ادارت)

فخر الہند حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب ناظم دار العلوم دیوبند

(باہتمام)

خاکسار طاہر بن احمد القاسمی نائب المدیر عفی عنہ

مطبع قاسمی دیوبند میں طبع ہو کر

دفتر القاسم دار العلوم دیوبند سے شائع ہوا

قیمت سالانہ دو روپیہ آٹھ آنہ (عہ؍) مع محصول ڈاک

فی پرچہ ——— ۴؍

فہرست مضامین رسالۂ "القاسم" بابتہ ماہ شوال المکرم ۱۳۴۷ھ

جو

بیادگار حجۃ الاسلام

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب قدس اللہ سرہٗ

بانیٔ دارالعلوم دیوبند

بسرپرستی

قدوۃ الانام حضرت مولانا الشاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی و حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی و دیگر مقدس و مقتدر علماء دیوبند

سے

شائع ہوتا ہے؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مرثیہ

وفات حسرت آیات حضرت مولانا الحافظ محمد احمد صاحب

بفقدك قد فقدنا الآن صبرا

آپ کو کھو کر صبر ہی کھو دیا

مندرجہ ذیل مرثیہ حضرت مولانا … اعزاز علی صاحب شیخ الادب دارالعلوم دیوبند نے جلسہ میں سنا کر شائقین کو تصویر غم بنا دیا تھا۔ اس کا ترجمہ مولانا سید محمد میاں صاحب ادیب مدرسہ حنفیہ آرہ نے کیا ہے جسکو اہل ذوق کی دلچسپی کے لیے شائع کیا جاتا ہے۔

نعى الناعون شيخا ذا … ۔۔۔ جليلا ماجدا بالفضل أحرى

خبر دینے والوں نے … وفات کی خبر پہونچائی جو فضیلت کا اعلیٰ مستحق تھا

نبيلا فاضلا … ۔۔۔ مطيعا ربه نهيا وأمرا

… پروردگار کی امر و نہی کی کامل اطاعت کرنے والا تھا

سلالة قاسم الخيرات … ۔۔۔ وفيا حائزا أجرا وذخرا

… قاسم خیرات یعنی جناب حضرت مولانا محمد قاسم صاحب کے خلف صادق … اجر کو پوری طرح حاصل کرنے والا …

صبورا في المصائب والرزايا ۔۔۔ وفي السراء كان يزيد شكرا

وہ مصیبتوں اور حوادثات کے وقت صبر و استقلال سے کام لیتا تھا اور خوشی کے وقت وہ بیشتر شکر ادا کیا کرتا تھا

لعطشى العلم كالعسل المصفى ۔۔۔ وللعلماء كان أجل بحرا

تشنگان علوم کے حق میں خالص اور صاف شہد تھا۔ اور علماء کے واسطے ایک بہت بڑا دریا

وأعتق علمه أسراء جهل ۔۔۔ … إحسانه عبدا وحرا

اسکے پاکیزہ علم نے اسیران جہل کی بیڑیاں کاٹ دیں اسکے احسان نے جملہ عبید اور احرار کو مسخر کر لیا

شهيدا مات مغتربا غريبا ۔۔۔ فكلهم بجود الدمع أجرى

ایک شہید تھے جس نے حالت سفر میں پردیس میں وفات پائی۔ اس واسطے ہم سب آنسوؤں کے دریا بہا رہے ہیں

فکم من أعین قد بیضتها ۔۔۔ دموع قد جرت بیضا و حمرا

بہت سی خون کے سرخ آنسوؤں نے اور (راد) پیپ کے سفید آنسوؤں نے جاری ہو کر کتنی ہی آنکھوں کو سفید کرڈالا (آنکھوں کو نابینا کر دیا)

فقدنا قاسم الخیرات علما ۔۔۔ وزهدا ثم تقوی ثم فقرا

قاسم الخیرات (رحمۃ اللہ علیہ) کے علم اور زہد تقوی اور فقر کو ہم نے آج گم کیا ہے

وکنا آملین بان نراه ۔۔۔ تجلی وجهه شمسا و بدرا

اور ہم تو امید لگائے ہوئے تھے کہ عنقریب ایک ایسی ذات کی زیارت کرینگے جس کا مبارک چہرہ آفتاب و چاند کو شرما رہا ہے

ونسمعنا ورود نقابه منا ۔۔۔ سری حلیقة بین اخناء دهرا

اور ہم یاد رکھتے ہیں کہ ... خلافت کے حضور نظام حیدرآباد ... دولت کے ... محمود کی ... بلند تخت و عالی اقبال کے

تاجدار ہیں ... سلطان ... خلفاء راشدین میں حضرت عثمان ... کے نام ... کو اپنی انوار فیض سے جگمگا دیا

مهاب عادل یقظ ابی ۔۔۔ حبقنة شجیع فاق عصرا

جو عادل، بیدار، قوی، اولی العزم، صاحب حزم و استقلال، معدن شجاعت بادشاہ ہے۔ تمام زمانہ میں خاص فوقیت اور امتیاز کا مالک ہو

له جود حکاه الغیث طورا ۔۔۔ اذا استمطرته والبحر اخری

اور وہ ایسی سخاوت کا مالک ہو کہ اس کی بخشش کی کبھی بادل نقل اتارتا ہو جبکہ اس سے بارش کا مطالبہ ہو اور کبھی دریا اسکی حکایت کرتا ہے

یحب الناس ما شاؤوا ولکن ۔۔۔ له قلب ببیض المجد مغری

تمام دنیا کے آدمی تو جو چاہتے ہیں اسکو محبوب بنا لیتے ہیں لیکن اس شہریار کو ایسا قلب عطا کیا گیا ہے جو عظمت و مجد کے روشن لباس کا مفتون ہے

ولکنا سمعنا ان قدرا ۔۔۔ من الله العظیم لسد مجری

مگر افسوس ہم نے سنا کہ خداوند برتر و بالا کی قضا و قدر نے تدبیر کا راستہ ہی بند کر دیا

ولبی داعی الله الذی لا ۔۔۔ مرد له وان خدعا و مکرا

اور ہمارے شیخ نے اس داعی اجل کو لبیک کہا جس کو کوئی رد نہیں کرسکتا اگرچہ ہزار حیلے اور تدبیر کرتے

أ خلد و نحن ام حزن ۔۔۔ نرانا سوته خیرا و شرا

آہ! شیخ مخدوم خلد بریں کے حصہ میں تو خلد ہے اور خدام کو حزن و الم حصہ میں ملا (تعجب ہے) کہ ایک ہی موت خیر و شر کے دو منظر ہم کو دکھا رہی ہے

فيا من همه دار العلوم التي اجريتها بحرا و نهرا

پس اے آقائے اولی العزم آپ کا مقصد اعظم دار العلوم (ادام اللہ شرفہا) تھا جسکو آپ نے سمندر اور دریا بنا دیا ہے

سعيت لما شاده ابوك سعيا — فحزت الاجر ثم حويت برا

آپ نے یقیناً اس تعمیر کی تکمیل میں کامیاب کوشش فرمائی جسکی بنیاد آپکے والد ماجد نے ڈالی تھی پس آپنے اجر عظیم اور نیکنامی کو خوب خوب جمع کر لیا

ولكن ما دفناك كلا بل دفنا — علوم هدى فذلك ما قبرا

اور آج ہم نے محض آپکے جسم کو ہرگز دفن نہیں کیا۔ بلکہ علوم ہدی کو مٹی میں دبا دیا۔ آہ یہ آپکی تدفین کسقدر تکلیف دہ ہوئی ہے

حييت مجددا وبقيت فردا — وقد تربت شركا ثم نثرا

آپنے مجدد بنکر زندگی بسر کی۔ اور آپ ہمیشہ یکتا رہے آپنے شرک و دہر کفر کو مٹی میں گاڑ دیا ...

بعدت عن الذي ما قيد شبر — وما جاء من فارقت شبرا

آپ ان بدعات سے ہمیشہ بعید رہے جنکی کوئی حد نہ تھی۔ اور مقابل پہ سنت سے ایک بالشت بھی کبھی نہیں ہٹے ...

وقد اجريت بحر الدمع منا — وقد اودعت في الاكباد جمرا

آپنے اپنی مفارقت کے باعث ہماری آنکھوں سے آنسوؤں کے دریا بہا دئے اور ہمارے جگروں اور سینوں میں غم و اندوہ کی چنگاریاں بھر دی ہیں

بقينا هائمين بلا انيس — كانا لم نجد خلا وخمرا

آج ہم پریشان حال بے مونس و بے غمگسار کھڑے ہیں۔ گویا ہمیں مخلص غمخوار عقلمند محبت کا کام دینے والا کوئی شخص کبھی میسر ہی نہیں ہوا تھا

تعزينا اذا خطب دهانا — بفقدك قد فقدنا الآن صبرا

جب ہم پر کوئی بلا اچانک آپڑتی تھی تو آپ ہم کو صبر کی تلقین کیا کرتے تھے مگر افسوس ہم نے آج آپ کو کھویا کہ صبر ہی گم ہوگیا

تداوينا اذا جئناك مرضى — حيارى في المسائل مثل سكرى

جب ہم بیمار ہوکر مسائل اور مشکل معاملات میں بدمستوں کی طرح حیران و سرگردان آپکے پاس جاتے تھے تو آپ ہمارا علاج و تیمارداری کیا کرتے تھے

فيعطي ربنا جنات عدن — لاحمد فائق الاقران طرا

ہمارا پروردگار جنات عدن عنایت فرمائے حضرت مولانا حافظ محمد احمد کو جو تمام ہمعصروں پر فائق تھے۔

~~~
~~~

وَقُدِّسَ سِرُّهُ مِن فضل رب	[illegible]

[illegible] کے فضل و کرم سے جو بندہ پر مغفرت اور رحمت کے پردوں کو [illegible] دیتا ہے۔

إلٰهي فاسق من انهار خُلدٍ	دفين الحمد احمد حاز قدرا

خداوندا جنت خلد کی نہروں سے سیراب فرما اس دفین محمد کو جسکا نام مبارک احمد ہے جس نے علو مرتب کو حاصل کیا

وَعفوا عن ذنوبٍ قد جناها	وصفحا عنه جاهرا او سرا

اور انکی تمام لغزشوں کو معاف فرما اگر ان سے ہوئی ہوں۔ اور انکی تمام ظاہر اور مخفی لغزشوں پر [illegible] چشم پوشی [illegible]

وَابقِ حبيب رحمانٍ قرونا	وقرنا بعد قرن وهلم جرا

خداوندا حضرت مولانا حبیب الرحمن کے ظل ہمایوں کو مدتوں اور قرنوں اور پھر قرنوں قائم رکھ اور پھر اسی طرح قرنہا قرن۔

دُنیا کو اِسلام سے کِس طرح روکا گیا؟

اپنی علمی بے بضاعتی کے باوجود عنوان بالا پر کچھ لکھنے کا ارادہ کر چکا ہوں۔ اور قطب العالم حضرت مولانا الحاج المولوی اشرف علی صاحب متع اللہ بعموم فیوضہ کی تحریری تحسین نے (جو حضرت مولانا مولوی حبیب الرحمن صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند مدظلہ کی مشہور عالم کتاب "اشاعت اسلام" کی تقریظ کے سلسلے میں کیگئی ہے) میرے اس ارادہ میں اور بھی زیادہ استحکام کر دیا تہا۔ اور مجکو یقین ہے کہ حضرت قطب العالم ممدوح کی رضا جوئی کی برکت سے منجانب موفق حقیقی میری اعانت ہوگی۔

اسلئے ناظرین "القاسم" سے گذارش ہے کہ آئندہ ذی قعدہ ۱۳۴۲ھ کے پرچے سے میرے اس مضمون کی ابتدا ہوگی اور اگر کثرت مضامین کیوجہ سے ذیقعدہ میں شائع نہو سکا تو انشاء اللہ ذی الحجہ میں ضرور شائع ہوگا۔ ناظرین القاسم سے بھی امید ہے کہ وہ دعا سے میری امداد فرمادیں۔

محمد اعزاز علی غفرلہ

۲۰ رشوال ۴۲ھ

ہندوستان کی اسلامی مرکزی درسگاہ دیوبند اور مسلمان

دار العلوم دیوبند کی بقا، کیلئے سنجیدہ مسلمانوں سے پر درد گذارش

جس شخص کے قلب میں بصیرت اور آنکھوں میں بصارت ہے وہ کبھی اس امر سے انکار نہیں کر سکتا کہ ہندوستان میں اب تک اسلامی حقانیت، اسلامی تہذیب اور اسلامی خصوصیات کی بقا و استحکام کیلئے جو سرفروشانہ اور مخلصانہ جد و جہد دار العلوم دیوبند نے انجام دی ہے اسکی نظیر تمام ہندوستان میں نہیں ملتی اور نہ اس دور انحطاط و تنزل میں اس پیمانہ پر اس طرز تعلیم سے قیام کی کوئی امید کی جاسکتی ہے، ہندوستان سے باہر مصر کی قدیم اور مشہور درسگاہ جامع ازہر اپنی جامعیت کے اعتبار سے مسلمانان عالم کی مذہبی عقیدت کی تکیہ گاہ کہی جاسکتی ہے اور اسکو یہ شرف حاصل ہے کہ وہ شریعت اسلامی کے تحفظ کا دعوی کرسکے مگر زمانہ حاضرہ کی تجدد پروری اور اتحاد پسندی کے بے پناہ سیلاب نے اسکی قدامت اور غیر مزوج روح اسلامی پر گہرا اور افسوسناک اثر کیا ہے اور مغربی اثرات برقی رو کی طرح جامع ازہر کے نظام میں داخل ہورہے ہیں جس کیوجہ سے اسلام کی یہ واحد یونیورسٹی اپنے جوہر طبیعت سے محروم ہوتی جارہی ہے اور اسکی خصوصیات ایک ایک کر کے رخصت ہورہی ہیں چنانچہ حال کے عربی اخبارات و رسائل سے معلوم ہوا ہے کہ آجکل مصر کا تجدد پرور طبقہ نام نہاد اصلاحات کی آڑ میں مغربی روح اور افرنگی طرز تعلیم کو بزور داخل کرنا چاہتا ہے اور اس خالص اسلامی درسگاہ کو ڈاکٹری، علم کیمیا، فوجی اور کارہی تربیت کے لوازم سے ملوث کرنا چاہتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر آزاد طبقہ اپنے عزائم اور اصلاحات میں کامیاب ہوگیا اور اسلامی تعلیم کو مغربی سانچے میں ڈھالدیا گیا تو پھر اس کی وہ تمام خصوصیات زائل ہو جائینگی جن کی بنا پر وہ ابتک دستبرد روزگار سے محفوظ و مصئون رہا ہے۔ اور جس کیوجہ سے عالم اسلامی میں اسکو یہ شہرت و ندرت حاصل ہے۔ وہاں کے طلباء درک شریعت کے بجائے اچھے خاصے ڈاکٹر طبیب اور انجینیر بنکر نکلیں گے اور ان کا ہر قدم بصرہ و بغداد سے ہٹکر انگلستان و پیرس کی جانب بڑھیگا اور انکا مسکن قصر یلدیز کے بجائے قصر بکنگم قرار پائیگا ان تمام حالات اور واقعات پر ایک غائرانہ نگاہ ڈالتے ہوئے اس امر کا اقرار کرنا پڑتا ہے کہ محض خدا کے افضال و اکرام کیوجہ سے دار العلوم

وقدّس سرّہ من فضل رب	رؤوف واسع للعیوب سترا

اور اسکے اسرار مقدس مطہر ہوجیو۔ اس رب رؤف کے فضل وکرم سے جو بندوں پر مغفرت اور رحمت کے پردوں کو پھیلا دیتا ہے۔

الٰہی فاسق من انہار خلد	رفیق اللہ احمد حاز قدرا

خداوندا جنت خلد کی نہروں سے سیراب فرما۔ اس رفیق محمد کو جسکا نام مبارک احمد ہے جس نے اعلیٰ مراتب کو حاصل کیا

وعفوا عن ذنوب قد جناہا	ومنتھجا عنہ جاھرا او سرا

اور انکی تمام لغزشوں کو معاف فرما اگر ان سے ہوئی ہوں۔ اور انکی تمام ظاہر اور مخفی فروگذاشتوں پر قلم عفو کھینچ دے۔

وابق حبیب رحمان قرونا	وقرنا بعدھا وھلم جرا

خداوندا حضرت مولانا حبیب الرحمن کے ظل ہمایوں کو مدتوں اور قرنوں اور پھر قرنوں قائم رکھ اور پھر اسی طرح قرنہا قرن۔

دنیا کو اسلام سے کس طرح روکا گیا؟

اپنی علمی بے بضاعتی کے باوجود عنوان بالا پر کچھ لکھنے کا ارادہ کرچکا ہوں۔ اور قطب العالم حضرت مولانا الحاج المولوی اشرف علی صاحب متع اللہ بعموم فیوضہ کی تحریری تحسین نے (جو حضرت مولانا مولوی حبیب الرحمن صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند مدظلہ کی مشہور عالم کتاب "اشاعت اسلام" کی تقریظ کے سلسلے میں کیگئی ہے) میرے اس ارادہ میں اور بھی زیادہ استحکام کردیا تھا۔ اور مجکو یقین ہے کہ حضرت قطب العالم ممدوح کی رضا جوئی کی برکت سے منجانب موفق حقیقی میری اعانت ہوگی۔

اسلئے ناظرین "القاسم" سے گذارش ہے کہ آئندہ ذی قعدہ ۱۳۴۳ھ کے پرچے میرے اس مضمون کی ابتدا ہوگی اور اگر کثرت مضامین کیوجہ سے ذیقعدہ میں شایع نہو سکا تو انشاء اللہ ذی الحجہ میں ضرور شایع ہوگا۔ ناظرین القاسم سے بھی امید ہے کہ وہ دعا سے میری امداد فرماوینگے

محمد اعزاز علی غفرلہ
۲۰ شوال ۴۳ھ

ہندوستان کی اسلامی مرکزی درسگاہ دیوبند اور مسلمان

دارالعلوم دیوبند کی بقا کیلئے سنجیدہ مسلمانوں سے پردرد گذارش

جس شخص کے قلب میں بصیرت اور آنکھوں میں بصارت ہے وہ کبھی اس امر سے انکار نہیں کرسکتا کہ ہندوستان میں اب تک اسلامی عقائد، اسلامی تعلیم اور اسلامی خصوصیات کے بقا و استحکام کیلئے جو سرفروشانہ اور مخلصانہ جدوجہد دارالعلوم دیوبند نے انجام دی ہے اسکی نظیر تمام ہندوستان میں کہیں نہیں ملتی اور نہ اس دور انحطاط و تنزل میں اس پیمانہ پر نظام تعلیم کے قیام کی کوئی امید کیجا سکتی ہے۔ ہندوستان سے باہر مصر کی قدیم اور مشہور درسگاہ جامع ازہر اپنی جامعیت کے اعتبار سے مسلمانان عالم کی مذہبی عقیدت کی تکیہ گاہ کہی جاسکتی ہے اور اسکو یہ شرف حاصل ہے کہ وہ شریعت اسلامی کے تحفظ کا دعویٰ کرسکے مگر زمانہ حاضرہ کی تجدد پروری اور الحاد پسندی کے بے پناہ سیلاب نے اسکی قدامت اور غیر ممزوج روح اسلامی پر گہرا اور افسوسناک اثر کیا ہے اور مغربی اثرات برقی رو کی طرح جامع ازہر کے نظام میں داخل ہو رہے ہیں جس کیوجہ سے اسلام کی یہ واحد یونیورسٹی اپنے جوہر طبیعت سے محروم ہوتی جارہی ہے اور اسکی خصوصیات ایک ایک کرکے رخصت ہو رہی ہیں چنانچہ حال کے عربی اخبارات و رسائل سے معلوم ہوا ہے کہ آجکل مصر کا تجدد پرور طبقہ نام نہاد اصلاحات کی آڑ میں مغربی روح اور افرنگی طرز تعلیم کو بزور داخل کرنا چاہتا ہے اور اس خالص اسلامی درسگاہ کو ڈاکٹری، علم کیمیا، فوجی و عسکری تربیت کے لوازم سے ملوث کرنا چاہتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر آزاد طبقہ اپنے عزائم اور "اصلاحات" میں کامیاب ہوگیا اور اسلامی تعلیم کو مغربی سانچے میں ڈھال دیا گیا تو پھر اس کی وہ تمام خصوصیات زائل ہو جائیں گی جن کی بنا پر وہ ابتک دستبرد روزگار سے محفوظ و مصئون رہا ہے۔ اور جس کیوجہ سے عالم اسلامی میں اسکو یہ شہرت و ندرت حاصل ہے۔ وہاں کے طلباء درک شریعت کے بجائے اچھے خاصے ڈاکٹر طبیب اور انجینیر بنکر نکلیں گے اور ان کا ہر قدم بصرہ و بغداد سے ہٹ کر انگلستان و پیرس کی جانب بڑھیگا اور انکا مسکن قصر یلدیز کے بجائے قصر بکنگھم قرار پائیگا ان تمام حالات اور واقعات پر ایک غائرانہ نگاہ ڈالتے ہوئے اس امر کا اقرار کرنا پڑتا ہے کہ محض خدا کے افضال و اکرام کیوجہ سے دارالعلوم

یوبند اپنی خدمات، اپنی تعلیم اور قدامت کے تحفظ میں آسمان شہرت پر بے داغ شہرت کا سرمایہ دار ہے
ور اسی کو یہ فخر حاصل ہے کہ وہ بلا شرکت غیرے اور بلا مساہمت احدے از اول تا ایندم ایک ہی رفتار
سے اپنا سفر طے کر رہا ہے اور ابتک اس کے استقلال اور داخلی نظام میں کوئی ایسی چیز داخل نہیں کیگئی ہے
جو اسکی نمایاں خصوصیات کو مستور یا زائل کردے اور دنیا اسکے مضبوط کیرکٹر اور نظام عمل سے ناامید ہوجائے
ذالك فضل الله يؤتيه من يشاء =

ہم اس امر کے اظہار میں کوئی پس وپیش نہیں کرنا چاہتے کہ دارالعلوم دیوبند ہی کے قیام سے اسلامی
ہند کا چراغ روشن ہے اور اسکی ترقی سے مذہب وملت کی ترقی وابستہ ہے۔ جس روز بھی خدانخواستہ
اسکے سر بفلک قصر کوئی ایک اینٹ بھی ہلگئی اسی روز تحفظ عقائد کی شہ رگ میں استرخار اور مسلمانوں
کا مذہبی عنصر مرکز سے ہٹ جائیگا۔

دارالعلوم کا وجود درحقیقت ان مخلصین اور بے ریا مقدس ہستیوں کا رہین منت ہے جنہوں
نے تکلیفیں اٹھا اٹھاکر زہد واتقا کی بنیادوں پر اس کی تعمیر کی، اسکے لئے اپنی زندگی کا ایک ایک وقف کردیا
اور بالآخر اسکی خدمت کرتے کرتے ملاء اعلیٰ سے جاملے۔ اما الزبد فیذهب جفاء واما ما ینفع الناس
فیمکث فی الارض !=

اگر ایک طرف دارالعلوم دیوبند کا یہ پہلو ہر ایک مسلم کیلئے قلبی راحت انبساط کا موجب ہے، تو دوسری جانب
اس کا مالی پہلو انتہائی یاس انگیز نہایت رنجدہ اور کلفت زا ہے اور ہر ملت پرور کے لئے ایک سامان
رنج وتعب رکھتا ہے۔ جہاں مسلمان انگریزی تعلیم اور انگریزی مدارس کے لئے لاکھوں روپیہ کے عطیات
سے کارکنان تعلیم کی حوصلہ افزائی کرتے رہتے ہیں جو بجائے خود انتہائی خوشی اور مسرت کا باعث ہیں
وہاں ان کی جانب سے مذہبی تعلیم اور مذہبی درسگاہوں کے لئے کوئی ادنیٰ توجہ بھی نہیں کیجاتی اور نہ
ان کی ترقی کے لئے کوئی عملی اور موثر قدم اٹھایا جاتا ہے امسال دارالعلوم دیوبند کی آمدنی اس کے
مصارف سالانہ کے لحاظ سے بہت کم رہی ہے اور خوف ہے کہ آئندہ اس مقدار میں اور مزید کمی واقع
نہ ہوجائے۔ اگر خدانخواستہ دارالعلوم میں ترقی کے بجائے انحطاط وتنزل نے جڑ پکڑ لی تو ہندوستان کے

اس آفتاب میں گہن لگ جانے کا اندیشہ اور تحفظ اسلام کے ایک مستقل نظام میں خلل پڑ جانے کا خطرہ ہے۔ اگر آج سے پچاس، ساٹھ برس پیشتر اس دارالعلوم کے قیام کی ضرورت تھی اور اسکے بانیوں نے بروقت شجر اسلام کی آبیاری کی تھی تو موجودہ زمانہ میں اسکی ضرورت ہزار گنی زائد بڑھی ہوئی ہے اور اسوقت اس کا وجود ہندوستان میں اسلام کا کفیل و ضامن ہے۔ یہ تو ہمیں خدا کے فضل و کرم سے قوی امید ہے کہ خدا اس نظام دینی کو برباد نہیں کرے گا اور نہ اسکو کمزور کرکے مخالفوں کو خوشی کا موقع دیگا لیکن جب تک اسکو چلانے کے لئے اسکی حیثیت کے مطابق اخراجات پورے نہوں اسوقت تک اطمینان کا کوئی سانس نہیں لیا جا سکتا۔

ایک طرف مسلمانوں کی عدم توجہی اور دوسری جانب خود مسلمانوں کے ایک گروہ کی مخالفت یہ دونوں چیزیں کچھ اس طرح اکٹھی ہوگئی ہیں جنکا اگر ازالہ نہ کیا گیا تو بہت ممکن ہے کہ اس اسلامی درسگاہ کو کوئی ناقابل تلافی نقصان پہونچ جائے یا اس کی رفتار میں کوئی کمی واقع ہو جائے بہرحال مسلمانوں کو دارالعلوم کی پیچیدہ اور مالی مشکلات کے حل کی جانب فوراً متوجہ ہونا چاہئے۔ اور فراخدلی کے ساتھ پچیس (۲۵) پچیس (۲۵) ہزار روپیہ ماہ شوال کے اندر اندر دارالعلوم کے لئے فراہم کر دینا چاہئے، مسلمانان ہندیہ سنکر بیحد محظوظ ہونگے کہ امسال باوجود مخالفین دارالعلوم کی پیہم تخریبی مساعی کے طلبا اس کثرت سے دارالعلوم میں آئے ہیں کہ جس کی نظیر کسی سال ماسبق میں نہیں پائی جاتی ہے۔ گذشتہ سال جدید طلبہ کے داخلہ کا نمبر ۹ رشوال تک صرف ۵۶ تھا امسال ۹ رشوال تک ۱۰۶ طلبا رجسٹرڈ داخلہ جدید میں اپنا نام لکھوا چکے ہیں۔ قدیم اسکے علاوہ ہیں کیا مسلمانان ہندوستان اسکو گوارا کرنے کیلئے تیار ہیں کہ طالبان علوم نبویہ کو یہ کہکر بادل ناخواستہ واپس کیا جائے کہ چونکہ امسال گنجایش کم ہے لہذا وہ کسی دوسری جگہ بندوبست کریں دارالعلوم کے متعلق جن شرمناک اور نامحمود طریقوں سے پروپیگنڈا کیا جا رہا ہے ایک طرف تو اسکو رکھا جائے اور ایک طرف رحمت ربانی و مقبولیت دارالعلوم کو پیش نظر رکھا جائے تو نتیجہ صاف طور سے ہر مبصر کے لئے یہی نکلتا ہے کہ حق اسی جماعت کے ساتھ ہے جو دارالعلوم کی خدمت و حفاظت میں لگی ہوئی ہے اور مسلمانوں کو ایسے وقت میں بہت زیادہ سمجھ سے دارالعلوم

دیوبند کی فوری اعانت کی طرف متوجہ ہو جانا چاہئے اور دامے درمے قدمے سخنے ہر طرح سے دارالعلوم کی اعانت کے لئے تیار ہو جانا چاہئے۔ اب ہم منتظر ہیں کہ مسلمان اس محافظ اسلام درسگاہ کے لئے کس قدر فراخدلی سے کام لیتے ہیں اور غیر معمولی اعانت کے سلسلہ کو شروع کر کے سنت حنیفہ کا کس کس طرح سے احیاء کرتے ہیں؟

اطلاعات

"دولتِ کونین" یہ ایک ماہواری رسالہ ہے جو حال ہی میں ملتان سے زیر ادارت مولانا مفتی محمد نعیم صاحب فاضل دیوبند جاری ہوا ہے اسکے چند نمبر اب تک شائع ہو چکے ہیں۔ مضامین قدرے بہتر ہیں کتابت و طباعت بھی نہایت عمدہ ہے مولانا مفتی محمد نعیم صاحب ہماری کسی تعریف کے محتاج نہیں۔ انکی پرجوش سیاسی و اسلامی خدمات اخوان کیلئے کافی معروف ہیں ہماری دعا ہے کہ مفتی محمد نعیم صاحب کو اس جدید مشغلہ میں خداوند کریم استقلال بخشے اور جو کچھ مقاصد انہیں "دولت کونین" کی وجہ سے [illegible] ان کیلئے وہ ثابت قدم رہیں۔ **قیمت سالانہ** دو روپیہ آٹھ آنے ہے۔ [illegible]

"مبصر" یہ بھی ماہواری صحافتی دنیا میں ایک چمکیلا روشن ستارہ ہے۔ لکھنؤ سے حال ہی میں نمودار ہوا ہے۔ ایکطرف رسالوں کی کثرت دوسری طرف [illegible] رسالوں کی مختلف مذاق طبائع اور شکایات یہ ایک ایسا پُر پیچ مسئلہ ہے کہ بسا اوقات تنقید سے دل گھبرا [illegible] ہم کیا اور ہماری تنقید کیا، لیکن محض اس خیال سے کہ معاصرانہ تنگ نظری پر محمول نہ سمجھی جائے تنقید کیطرف طبیعت متوجہ ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالےٰ اہل بصیرت کے حلقوں میں "مبصر" کو قبول عام بخشے اور اسکے کارکنوں کو اسکی توفیق دے کہ وہ امت مرحومہ میں ذوق ادب پیدا کرنے کے بجائے ذوق مذہب پیدا کرنے کی طرف متوجہ ہو جائیں۔ ضخامت ۳ جزو

قیمت سالانہ چار روپیہ - [illegible]

ماتمے در جاں او افتد ازاں ۔۔۔ گیردش قولنج زیں غم در زماں

یعنی اس خبر کی وجہ سے اس کی جان میں ایک ماتم پڑجاتا ہے اور اس غم کی وجہ سے اسی وقت اُسے قولنج پکڑلیتا ہے۔

صد چنیں ادبارہا دارد عواں ۔۔۔ زیں بلا فریادرس اے مستعاں

یعنی کوتوال ایسے سیکڑوں ادبار رکھتے ہیں تو اے اللہ اس بلا سے اس کی فریاد کو پہونچ۔ مطلب یہ اگرچہ وہ بہت ہی خبیث ہے اور وہ ہماری بھلائی نہیں چاہتا اور چاہتا ہے کہ ہم سب بلا میں مبتلا ہوں مگر جب بھی اے اللہ اس کو اس بلا سے نجات دے۔

او عواں را در دعا در می کشید ۔۔۔ کز عواں او را چناں راحت رسید

یعنی وہ کوتوال کو دعا میں (اس لئے) کھینچ رہا تھا کہ کوتوال سے اسکو ایسی راحت پہونچی تھی۔ مطلب یہ کہ وہ جو کوتوال کے لئے دعا کر رہا تھا تو اس کا سبب یہ تھا کہ اسکو اس سے راحت بہت پہونچی تھی۔ لہذا وہ اسکو بلا میں نہ دیکھ سکتا تھا اور اسکے لئے دعا کر رہا تھا۔

بر ہمہ زہر و برو تریاق بود ۔۔۔ آں عواں پیوند آں مشتاق بود

یعنی وہ کوتوال سب پر تو زہر تھا اور اسپر تریاق تھا اور اس مشتاق کے وصل کا سبب تھا۔ مطلب یہ کہ چونکہ وہ کوتوال اور وں پر ظلم کرتا تھا تو اور وں کے لئے تو زہر اور مبغوض تھا مگر اس کا تو وصل محبوب کا سبب ہوگیا تھا۔ لہذا اس کے لئے تریاق اور محبوب ہوگیا تھا۔ آگے مولانا اسپر ایک تفریع فرماتے ہیں کہ۔

پس بد مطلق نباشد در جہاں ۔۔۔ بد بہ نسبت باشد ایں را ہم بداں

یعنی پس جہان میں شر مطلق نہیں ہوتا۔ (بلکہ) بد نسبتاً ہوتا ہے اسکو جان لے۔ مطلب یہ کہ مولانا فرماتے ہیں کہ جہان میں شر مطلق کا وجود ہی نہیں ہے۔ بلکہ شر اور بد اور مضر ہمیشہ نسبتاً ہوتا ہے کہ ایک کے لئے شر ہے اور دوسرے کے لئے خیر ایک کے لئے بد دوسرے کے لئے نیک ایک کو نافع دوسرے کو مضر ہوتا ہے۔

در زمانہ ہیچ زہر و قند نیست　　کان یکے را پا دگر را بند نیست

یعنی زمانہ میں کوئی زہر و قند نہیں ہے کہ ایک کے لئے پاؤں اور دوسرے کی قید نہیں ہے۔ مطلب یہ کہ دنیا میں جو بھی خیر و شر ہے اس کی یہ حالت ہے کہ ایک کیلئے معین اور دوسرے کیلئے مانع ہے۔

مر یکے را پا دگر را پائے بند　　مر یکے را زہر و دیگر را چو قند

یعنی ایک کے لئے تو پاؤں اور دوسرے کے لئے پائے بند ایک کے لئے زہر اور دوسرے کے لئے قند کی طرح۔ آگے اسکی مثالیں دیتے ہیں کہ ایک شے ایک کو مضر اور دوسریکو نافع او بالعکس فرماتے ہیں کہ۔

زہر مار آں مار را باشد حیات　　نسبتش با آدمی باشد ممات

یعنی سانپ کا زہر سانپ کے لئے تو (موجب) حیات ہے اور آدمی کیطرف اسکی نسبت موت ہوتی ہے یعنی دیکھو سانپ کا زہر سانپ کے لئے موجب حیات ہے اور آدمی کو موت کا سبب ہے۔ تو ایک شے ایک کو مضر اور دوسرے کو نافع۔

خلق آبی را بود دریا چو باغ　　خلق خاکی را بود آں مرگ و داغ

یعنی پانی کی مخلوق کے لئے دریا باغ کی طرح ہوتا ہے۔ اور مخلوق خاکی کے لئے موت اور داغ ہوتا ہے یعنی دریا دیکھو ایک شے ہے مگر دریائی جانوروں کے لئے تو جنت ہے اور خشکی کے جانوروں کے لئے موت کی جگہ ہے۔

ہمچنیں برمی شمر اے مرد کار　　نسبت ایں را ز یک تا صد ہزار

یعنی اے کام کے آدمی اسی طرح اسکی نسبت کو ایک سے لاکھ تک گن لے۔ مطلب یہ کہ اسی طرح دیکھتے چلے جاؤ پس معلوم ہوگا کہ جو شے ایک کو مفید ہے وہی دوسرے کو مضر اور بالعکس۔ اور مثال دیتے ہیں کہ

زید اندر حق آں شیطاں بود　　در حق شخص دگر انساں بود

یعنی زید اس شخص کے حق میں شیطان ہوتا ہے اور دوسرے شخص کے حق میں انسان ہوتا ہے۔

آں بگوید زید صدیق و سنی است　　واں بگوید زید گبر و کشتنی است

یعنی وہ ایک کہتا ہے کہ زید صدیق ہے اور بزرگ ہے اور وہ دوسرا کہتا ہے کہ زید گبر ہے اور قابل کشتن ہے۔

زید یک ذاتست بر آں یک چناں | او بریں دیگر ہمہ رنج و زیاں

یعنی زید ایک ہی ذات ہے اور اس ایک پر تو ایسا ہے اور وہی اس دوسرے پر بالکل رنج اور نقصان ہے

گر تو خواہی او ترا باشد شکر | پس ورا از چشم عشاقش نگر

یعنی اگر تو چاہے کہ وہ تیرے لئے شکر ہو جاوے۔ تو تو اسکو اسکے عاشقوں کی آنکھ سے دیکھ۔ مطلب یہ کہ لیلے را بچشم مجنوں باید دید۔

منگر از چشم خودت آں خوب را | بیں بچشم طالباں مطلوب را

یعنی اس خوب کو اپنی آنکھ سے مت دیکھ (بلکہ) مطلوب کو طالبوں کی آنکھ سے دیکھ۔

چشم خود بر بند زاں خوش چشم تو | عاریت کن چشم از عشاق او

یعنی اس خوش چشم سے تو اپنی آنکھ تو بند کرلے اور اس کے عشاق کی آنکھ عاریۃً مانگ لے۔

بلکہ زو کن عاریت چشم و نظر | پس ز چشم او بروئے او نگر

یعنی بلکہ اسی سے چشم و نظر عاریت مانگ لے اور پھر اسی کی آنکھ سے اسکے چہرہ پر نظر کر۔ مطلب یہ کہ اول تو فرمایا کہ محبوب کو اس کے عشاق کی نگاہ سے دیکھو تب اس کے پورے اوصاف اور خوبیاں معلوم ہونگی۔ آگے ترقی کرکے فرماتے ہیں کہ بلکہ خود اسی محبوب کی نگاہ عاریت مانگ لے۔ اور اس کی آنکھ سے خود اسکو دیکھ اسلئے کہ عشاق کی نگاہ سے دیکھتے ہیں بھی بہت سے کمالات نظر نہ آئیں گے کیونکہ دوسرے شخص کو اصل اوصاف کی اطلاع نہیں ہوسکتی اور اپنی نظر سے اپنے اوصاف اور کمالات سب نظر آتے ہیں اسلئے کہ عشاق کو جو محبوب کے اوصاف کا علم ہوتا ہے وہ علم تو حصولی ہوتا ہے۔ اور خود محبوب کو جو اپنی صفات کا علم ہوگا وہ حضوری ہوگا۔ تو اس سے کوئی کمال اور کوئی وصف پوشیدہ نہ رہیگا۔ لہذا چاہیئے کہ خود محبوب کی ہی آنکھ سے اس کے اوصاف کو دیکھیں یہ تو مطلب اشعار کا ہوا اور مقصود مولانا کا یہ ہے کہ حق تعالے کی صفات اور کمالات کو خود اسی کی نگاہ سے دیکھنا چاہیئے اور

اس کا طریقہ یہ ہے کہ فنا کامل حاصل کرنا چاہیئے کہ اس کے بعد بی یسمع اور بی یبصر اور بی یبطش کا درجہ حاصل ہوجاوے۔ تو جب بی یبصر ہو جاوے گا تو اسی کی نظر سے اسکے اوصاف پر نظر پڑیگی

اور ظاہر ہے کہ پھر اس کی معرفت بقدر امکان پوری حاصل ہوگی۔

تا شوی ایمن ز سیری و ملال	گفت کان اللہ لہ زین ذوالجلال

یعنی تاکہ تم سیری اور اکتانے سے بیخوف ہو جاؤ۔ اسی سبب سے حق تعالیٰ نے کان اللہ لہ فرمایا ہے (اور فرمایا ہے کہ)

چشم او من باشم و دست و دلش	تا رہد از مدبریہا مقبلش

یعنی میں اس کی آنکھ ہو جاتا ہوں اور ہاتھ ہو جاتا ہوں اور دل ہو جاتا ہوں۔ یہانتک کہ اس کا مقبل بدبریوں سے چھوٹ جاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جب تم فنا کامل حاصل کرلوگے اور تمہاری بصر اس کی بصر ہو جاوے گی اور تمہاری سمع اس کی سمع ہو جاوے گی تو پھر تم اسکے جمال سے کبھی سیر نہوگے اور کبھی اس کے نظارہ سے اکتاؤگے نہیں۔ اسلئے کہ کوئی اپنے دیکھنے سے نہیں اُکتایا کرتا۔ اور اسی لئے حق تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ کہ جب کوئی میرا ہو جاتا ہے تو میں اس کا ہو جاتا ہوں۔ یہانتک کہ اس کی نگاہ میری نگاہ وعلی ہذا تو بس حق تعالیٰ کی معرفت درجہ فنا حاصل کرکے کرنی چاہیے اور بصر اور سمع وغیرہ کی ایک ہو جانے کے یہ معنی ہیں کہ اس کی مرضی کے خلاف کوئی شے نہیں ہوتی۔ اُسنے چاہا کہ یہ لا ئے دیکھے اب سنے اب چلے اسی طرح یہ شخص کرتا ہے تو گویا اسی کی سمع وبصر اس کی سمع وبصر ہیں۔ اور اتحاد سے وہی اتحاد اصطلاحی مراد ہے۔ اتحاد حقیقی مراد نہیں ہے۔ آگے فرماتے ہیں کہ۔

ہر چہ مکروہ است چون او شد دلیل	سوئے محبوبت حبیب است و خلیل

یعنی جو شے کہ مکروہ ہے جب وہ تمہارے محبوب کی طرف دال ہو جائے تو وہ محبوب اور دوست ہو جاتا ہے۔ مطلب یہ کہ جو شے کہ مکروہ ہے اگر وہ دال علی المحبوب ہو جاوے۔ تو وہ مکروہ بھی محبوب ہو جاتا ہے۔ آگے اسپر کہ مکروہ دال علی المطلوب ہونے سے محبوب ہو جاتا ہے ایک حکایت لاتے ہیں۔

شیخ جیسے

آن یکے را اعطا چو بر تخت آمدے	قاطعان راہ را داعی شدے
دست بر مے داشت یارب جم رہان	بر بدان و مفسدان و طاغیان

بر بهیمه تسخر کنان اهل خبیر
می نکردی او دعا بر اصفیا
مرد را گفتند کاین معبود نیست
گفت نیکوئی ازینها دیده ام
خبث و ظلم و جور چندان ساختند
[illegible]
[illegible]
چون سبب ساز صلاح من شدند
بنده می نالد بحق از درد و نیش
حق همی گوید که آخر رنج و درد
این گله زان نعمتی کن کت زند
در حقیقت هر عدو داروی تست
که ازو اندر گریزی در خلا
در حقیقت دوستانت دشمنند
هست حیوانی که نامش اشغر است
تا که چوبش می زنی به می شود
نفس مومن اشغری آمد یقین
زین سبب بر انبیا رنج و شکست
تا ز جانها جانشان شد زفت تر
پوست از دارو بلاکش می شود
[illegible]

بر بهیمه کا فسر دلال اهل دیر
می نکردی جز خبیثان را دعا
دعوت اهل ضلالت جو نیست
من دعاشان زین سبب بگزیده ام
که مرا از شر بخیر انداختند
من ازیشان زخم و ضربت خوردمی
باز آوردندی گرگان براه
پس دعاشان بر من است ای هوشمند
بنده شکایت میکند از رنج بیش
مر ترا لابه کنان و راست کرد
از در ما دور و مطرودت کند
کیمیای نافع و دلجوی تست
استعانت جوی از فضل خدا
که ز حضرت دور و مشغولت کنند
کو بزخم چوب زفت و لمتر است
او ز زخم چوب فربه می شود
کو بزخم چوب زفتست و سمین
از همه خلق جهان افزونترست
که ندیدند آن بلا قومی دگر
چون ادیم طائفی خوش می شود
گنده گشتی ناخوش و ناپاک بو

آدمی را نیز چوں آں پوست داں — از رطوبتہا شدہ زشت و گراں

تلخ و تیز و مالش بسیار دہ — تا شود پاک و لطیف و با فرہ

ورنہ مے تاتے رضا دہ اے عیار — کہ خدا رنجت دہد بے اختیار

کہ بلائے دوست تطہیر شماست — علم او بالائے تدبیر شماست

چوں صفا بیند بلا شیریں شود — خوش شود دارو چو صحت بیں شود

برد بیند خویش را در عین مات — پس بگوید اقتلونی یا ثقات

ایں عواں در حق غیرے سود شد — لیک اندر حق خود مردود شد

رحم ایمانے ازو ببریدہ شد — کیں شیطانی بروپیچیدہ شد

کارگاہ خشم گشت و کیں ورے — کینہ داں اصل ضلال و کافرے

گفت عیسیٰ را یکے ہشیار سر — چیست در ہستی زجملہ صعب تر

گفتش اے جاں صعب تر خشم خدا — کہ ازاں دوزخ ہمی لرزد چو ما

گفت زیں خشم خدا چہ بود اماں — گفت ترک خشم خویش اندر زماں

کظم غیظ است اے پسر خط اماں — خشم حق یاد آور و درکش عناں

پس عواں کہ معدن ایں خشم گشت — خشم زشتش از سبع ہم درگذشت

چہ امیدستش برحمت جز مگر — بازگردد زاں صفت آں بے ہنر

گرچہ عالم را ازیشاں چارہ نیست — ایں سخن اندر ضلال افگند نیست

چارہ نبود ہم جہاں را از چمین — لیک نبود آں چمین ماء معین

باز گو احوال آں خستہ جگر — در میاں باغ بار شاہ قمر

ایک واعظ جب ممبر پر بیٹھتا تو ڈکیتیوں کے لئے دعا کیا کرتا اور ہاتھ اٹھا کر کہتا کہ اے اللہ تو بدوں مفسدوں سرکشوں اچھے لوگوں پر ہنسنے والوں اور کافروں تبخانہ والوں پر رحم کر یہ شخص برگزیدہ اشخاص کے لئے کبھی دعا نہ کرتا تھا صرف خبیثوں کے لئے دعا کرتا تھا۔ لوگوں نے کہا کہ یہ دستور معلوم نہیں ہے۔ اور گمراہوں کے

لئے دعا کرم نہیں ہے اس نے کہا کہ مجھے ان سے بھلائی حاصل ہوئی ہے۔ اس لئے میں ان کے لئے دعا کرتا ہوں کیونکہ انہوں نے اسقدر خباثتیں اور ظلم اور زیادتیاں کی ہیں کہ انہوں نے مجھے برائی سے بھلائی کی طرف لا ڈالا جب کبھی میں دنیا کی طرف رُخ کرتا تھا میں اہل دنیا سے زخم اور چوٹ کھاتا تھا پس میں اس زخم سے دوسری طرف پناہ لیتا تھا تو وہ اُدھر بھی میرے رستہ میں بھیڑیے لاکھڑے کرتے تھے پس جبکہ وہ میری بہتری کے اسباب مہیا کرنے والے ہوئے تو اُن کے لئے دعا مجھپر لازم ہوئی۔ اب مولنا انتقال فرماتے ہیں اور کہتے ہیں کہ بندہ خدا کے سامنے اپنی تکلیف کی وجہ سے روتا ہے۔ اور تکلیف سے زیادہ شکوہ و شکایت کرتا ہے۔ لیکن حق سبحانہ فرماتے ہیں کہ اس تکلیف ہی نے تجھسے تضرع وزاری کرائی ہے اور اسی نے تو تجھے سیدھا کیا ہے۔ پس تجھے اس کی شکایت نہ کرنی چاہیئے۔ بلکہ اس نعمت کی شکایت کرنی چاہیئے جو تجھکو حاصل ہوتی ہے۔ اور حاصل ہوکر تجھے ہمارے در سے ہٹاتی ہے۔ پس تم کو سمجھنا چاہیئے کہ ہر دشمن حقیقت میں تمھارا علاج اور کیمیائے نافع اور تمھارا محبوب ہے۔ کیونکہ تم اسی کے سبب خلوت میں جاکر حق سبحانہ کے فضل سے مدد چاہتے ہیں اور حقیقت میں یہ تمھارے دوست تمھارے دشمن ہیں جو کہ تمھیں حضرت حق سے دور اور اس سے مشغول کرتے ہیں۔ دیکھو ایک جانور ہے جسے ساہی کہتے ہیں اس کی یہ خاصیت ہے کہ لاٹھیوں کی مار سے خوب موٹا تازہ ہوتا ہے اور جب تک کہ تم اسکے لاٹھیاں مارتے رہوگے اس کی حالت درست ہوتی رہیگی اور وہ لاٹھیوں کے صدمہ سے موٹا ہوتا رہیگا۔ پس جان مومن بھی ساہی کی خاصیت رکھتی ہے کہ صدمات اور تکالیف سے موٹی اور فربہ ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ انبیا پر تکلیفیں اور خستگیاں تمام مخلوق سے زیادہ ہوتی ہیں جسکا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان کی جان سب جانوں سے زیادہ موٹی ہوتی ہے۔ کیونکہ اور لوگونکو وہ تکلیفیں ہی نہیں ہوتیں۔ اور دیکھو کھال دواؤں کی تکالیف برداشت کرتی ہے۔ اور طائف والے چمڑہ کی طرح عمدہ ہوجاتی ہے۔ اگر دباغ اسمیں تلخ اور تیز دوائیں نہ ملتا تو سڑجاتی اور خراب اور بدبودار ہوجاتی پس تم آدمی کو بھی چمڑے ہی کے مثل سمجھو جو کہ رطوبات فضلیہ یعنی اخلاق رذیلہ سے خراب اور بھاری ہو رہا ہے۔ پس تم اسکو تلخ اور تیز دواؤں کی خوب مالش کرو تاکہ وہ پاک

اور پاکیزہ اور عمدہ ہو جاوے اور اگر تم سے یہ نہیں ہو سکتا تو اسپر رضامند ہو کہ خدا تمہیں بے اختیار رنج
دے اس لئے کہ حق سبحانہ کی بلا تمھارے لئے پاکی کا سبب ہے، اور اس کا علم تمھاری تدبیر سے فائق ہے۔ چنانچہ
ارشاد ہے عسیٰ ان تکرھوا شیئاً وھو خیر لکم اسوقت تم کو ناگواری ہوگی لیکن اس کا فائدہ
بعد کو محسوس ہوگا اور اسوقت تم کو یہ بلا مرغوب ہو جائیگی کیونکہ آدمی جب اپنے اندر صفائی دیکھتا ہی
تو بلا بھی اسکی نظر میں محبوب ہو جاتی ہے اور جبکہ آدمی اپنے اندر صحت کے آثار دیکھتا ہے تو دوا اچھی معلوم
ہوتی ہے۔ وہ عین شکست میں کامیابی دیکھتا ہے۔ اسلئے کہتا ہی کہ اے ثقات مجھے مار ڈالو کہ موت
مجھے اچھی معلوم ہوتی ہے۔ جیسے کہ منصور علیہ الرحمۃ نے کہا تھا یہ قصہ تو ختم ہوا اب اصل مطلب سنو ہم نے
کہا تھا کہ ہر چیز میں برائی اور بھلائی ہوتی ہی۔ دیکھو یہ کوتوال دوسرے کے حق میں فائدہ بنگیا لیکن
اپنے حق میں مردود ہی رہا۔ کیونکہ رحم ایمانی اس سے منقطع ہوگیا ہے اور کینہ شیطانی اُسے لپٹ
گیا ہے اس لیئے وہ گویا کہ غصہ اور کینہ وری کا کارخانہ ہے جس سے ہر دم نیا غصہ اور نیا کینہ تیار
ہو کر نکلتا ہے۔ اور کینہ گمراہی اور کفر کی جڑ ہے۔ چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کسی عاقل نے
کہا تھا کہ تمام چیزوں میں کون شئے زیادہ سخت ہے۔ تو انھوں نے فرمایا کہ سب سے زیادہ سخت تو خدا
کا غضب ہے جس سے کہ دوزخ بھی ہماری طرح کانپتی ہے۔ اس نے کہا کہ اس غضب سے کیا چیز بچا سکتی
ہے تو آپ نے فرمایا کہ اپنے غصہ کا چھوڑ دینا سو یاد رکھو کہ غصہ کھانا حقیقت میں امان کا پروانہ ہے
پس خدا کا غصہ یاد کر کے اپنی باگ روکو۔ دیکھو کوتوال جو غصہ کی کان ہی اور جسکا غصہ درندوں سے بھی بڑھگیا ہے
اسکو رحمت کی کیا امید ہو سکتی ہی۔ بجز اسکے کہ وہ اپنی اس صفت کو چھوڑ دے گو عالم کیلئے ایسے لوگونکی ضرورت
ہے مگر تاہم یہ صفات محمود نہیں ہو سکتیں یہ ایک ایسی بات ہی جس سے آدمی گمراہ ہو سکتا ہی اگر وہ تدبر سے کام نہ لے
اسلئے ہم اسکو ایک مثال سے سمجھاتے ہیں تاکہ لوگ گمراہی میں مبتلا نہوں۔ دیکھو جہان میں پیشاب کی بھی ضرورت
ہے مگر اس سے وہ عمدہ اور آب خیسر نہیں ہو سکتا۔ علیٰ ہذا اشخاص بد اور اخلاق بد کی بھی ضرورت ہے مگر
اس سے وہ اچھے نہیں ہو سکتے۔ اور جبکہ اچھے نہیں ہو سکتے تو انپر لازم ہے کہ اچھے بنیں۔ اچھا اب اس باختہ جگر
کی حالت بیان کرو کہ باغ میں اسکو اس رشک قمر کے ساتھ کیا معاملہ پیش آیا؛ (باقی آئندہ)

اَلتَّاَدُّبُ وَالتَّزَوُّجُ

یعنی

تہذیبِ اخلاق اور نکاح

ں صرف یہ ہی حکم نہیں کہ اپنے لئے ہی اول قسم کی عادتوں کو اختیار کریں اور دوسری قسم کی عادتوں
چھوڑ دیں۔ بلکہ قرآن پاک کی بیسیوں آیتیں اور احادیث صحیحہ کی سیکڑوں حدیثیں ہمارے اوپر فرض
تی ہیں کہ ہم خود بھی بچیں اور دوسروں کو بھی بچائیں۔ خود بھی اچھی عادتیں اختیار کریں اور زیر اثر نفوس
ے بھی وہ عادتیں اختیار کرائیں۔

ح۔ یعنی خیر خواہی۔ حُبّ فی اللہ۔ بُغض فی اللہ۔ اور قرآن پاک کے قصص ہیا رکہ اور پھر مناظرہ
ں وجہاد۔ معاشرہ ملکی تمدنی۔ سیاسی اور مختصر یہ کہ خود اسلام کا مرجع صرف یہ ہی ہوتا ہے اور
ں کا مقصد واحد یہ ہی نکلتا ہے۔

خیر کے معلمین کو جو فرشتے اور جنات حتی کہ ہوا کے پرندے جنگلوں کے درندے اور پانی کی مچھلیں
عادیتی ہیں خود اس کی وجہ یہ ہی تو ہے۔

مد کی طرف رجوع | اس طویل (اور بہت ممکن ہے کہ لا طائل بھی ہو) تحریر کے بعد ہمیں اپنے مضمون اور
کے عنوان کا ربط بتانا ضروری ہے۔ ہمارے عنوان کے دو حصے تھے۔ التادب۔ والتزوج۔ یعنی
) تہذیب اخلاق (۲) نکاح۔ تہذیب اخلاق کی اہمیت ملاحظہ فرمائی۔ شرف انسانی کا مدار
) اخلاق کے مہذب ہونے پر ہے۔

معاذ اللہ تہذیب سے مراد یورپ کی تہذیب نہیں جس کی اگر تفصیل کروں تو بیچارے القاسم کے پاکیزہ اوراق
) گندے ہو جائیں۔ معاذ اللہ۔ تہذیب اخلاق سے یہ مراد ہے کہ انسان خود کو احکام الٰہی اور مرضیات
داوندی کے تابع کردے۔ اور اپنی خواہشات کو مدغم اور منضم کردے۔ خداوندی خوشنودیوں میں حتی کہ

تخلقوا باخلاق اللہ کا سچا منظر بن جائے۔ مگر اس کی صورت کیا ہے۔؟ علم کا مرتبہ تو انسان کو سننے سے حاصل ہو جاتا ہے۔ مگر عمل کی کیا صورت ہے؟ ناظرین خوش ہونگے کہ عمل کی بھی ایک صورت مگر پُرلطف اور اہم ترین صورت، ان کے گھروں میں، ان کے ہاتھوں کے پاس، انکی آستینوں میں موجود ہے وہ کیا؟ یا وہ کون؟ جس پر تہذیب اخلاق کی مشق کر سکے۔ اور اس مفہوم کو عملی صورت پہنا سکے۔ وہ منکوحہ بیوی اور اسکے بچے۔ یعنی اپنے اہل و عیال۔ یہ کس طرح۔ ذیل کی مثال خیال فرمائیے۔

شادی سے پہلے زید آزاد تھا، کسی کا غلام نہ تھا۔ اسکے غصہ کی حالت یہ تھی کہ ذرا سی خلاف مزاج بات میں اس کی آتش غضب بھڑک اٹھتی تھی۔ دوست احباب سے بھی کچھ ایسی ہی بنتی تھی۔ رشتے دار کنبے والوں۔ اپنے پرانوں کا تو کیا خیال۔ ہم نے اسے بہت مرتبہ بہن بھائیوں سے بھی لڑتے دیکھا تھا۔ وہ کبھی کسی کو ایک پیسہ تک دینا نہیں جانتا تھا۔ اس پر کوئی کتنا ہی احسان کرتا مگر اسکو احساس تک نہ ہوتا تھا۔ اسکو صرف اپنے کام سے کام تھا۔ کسی سے کوئی تعلق نہ تھا۔

یعنی وہ سرکش تھا۔ غصیلا تھا۔ جنگجو تھا۔ بخیل تھا۔ احسان فراموش تھا۔ ناسپاس تھا۔ خود غرض تھا خودرا تھا۔ ظالم تھا۔ اور حسنات سے جاہل تھا! مگر قوانین عہد شباب کے بموجب اس کی شادی کردی گئی۔ بیوی آئی اس سے اختلاط ہوا۔

مگر ہمیں یہ دیکھکر بیحد تعجب ہوا کہ اب اس کا غصہ بہت کم ہو گیا۔ اور کم از کم ایک کے حق میں بہت ہی کم ہو گیا۔ یا بالکل نہیں رہا۔ اگر کبھی غصہ ہوتا بھی تو محض اتنی اور بسا اوقات تو ایسی باتوں کے جواب میں اس کے لبوں پر تبسم آجاتا تھا جس کے جواب میں وہ کبھی سر پھوڑنے اور پھڑوانے پر آمادہ ہو جایا کرتا تھا۔ اور آزادی تو گویا بالکل چھن گئی تھی۔ وہ کسی کا ہو گیا تھا۔ اپنی جان کو اپنی نہیں کسی اور کی سمجھنے لگا تھا۔ مال تو درکنار اپنے پاس ایک پیسہ نہیں رکھنا چاہتا تھا۔ سب کچھ ایک دوسرے شخص پر قربان کرنے کے لئے تیار تھا۔

ہم نے یہ بھی دیکھا کہ اب وہ ذرا ذرا سی بات میں دوسروں کا یا ایک دوسرے شخص کا احسان مند

---

۱ یعنی وہ اخلاق اور عادتیں اختیار کرو جن کو اللہ پسند کرتا ہے ۱۲ (واللہ اعلم)

...نے لگا۔ ذرا سی بات میں اس کی گردن جھک جاتی تھی۔ اپنے رشتہ داروں کے متعلق تو ہم ابھی ...کچھ نہیں کہہ سکتے لیکن یہ ضرور دیکھا کہ وہ کچھ ایسے لوگوں سے بھی بہت زیادہ مانوس ہوگیا تھا جن کو ...ی پہلے جانتا بھی نہ تھا۔

...د آرائی تو کافور ہوگئی تھی۔ ایک دوسرے شخص کی آرایش کو اپنے لئے باعث مسرت سمجھنے لگا تھا ...اپنے کام کا تو چنداں خیال نہیں رہا تھا۔ بلکہ خیال ہی نہیں رہا تھا۔ ہاں دوسرے کے کام کو وہ ...ث تسکین اور خوشنودی کا ذریعہ سمجھنے لگا تھا۔ اور اگر یہ کہہ دوں کہ راحت جان سمجھنے لگا تھا تو شاید ...لحاظ کچھ زیادہ شوخ ہو جائیں۔

...ر پہلے جو مارنے پیٹنے کی حالت تھی وہ تو اب کہاں رہی تھی۔ اب تو غصہ کی نگاہ سے دیکھنا بھی ناگوار ...نہیں معصیت سمجھتا تھا۔ نہیں گردن زدنی جرم۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ یہ حالت اس کی اعتدالی تھی۔ ...مطلب یہ ہے کہ اس کی عادات۔ طرز و اطوار میں اسقدر تغیر عظیم پیدا ہوگیا تھا۔ اور لطف یہ ہے ...زید کی بیوی کی حالت اس سے بھی کہیں زیادہ تھی۔

...طلب یہ ہے کہ دونوں میں سرکشی کے بجائے اطاعت۔ غصہ کے بجائے ملاطفت۔ جنگ و جدل ...کے بجائے امن وسلوک۔ بے تعلقی کے بجائے تعلق۔ خود پسندی کے بجائے غیر پسندی یا محبوب پرستی، ...ل کے بجائے عطا۔ احسان فراموشی اور ناسپاسی کے بجائے امتنان و تشکر یعنی احسان مندی ...و شکر گزاری۔ خود غرضی کے بجائے ایثار۔ اور ظلم کے بجائے عدل آگیا۔

...ہ عرصہ کے بعد اولاد ہوئی۔ اب باہمی حالت تو وہ نہ رہی لیکن ان دونوں نے خود کو بھلا کر اولاد کو ...د کرلیا۔ اور وہ تمام۔ لطف وعنایت۔ رحم وعدل۔ کرم ایثار۔ تشکر و امتنان وغیرہ وغیرہ۔ ان کے ...صہ میں آگیا؛ ایک ہوا دو ہوئے۔ چار ہوئے۔ چھ ہوئے۔ اولاد کی اولاد ہوئی۔ مگر یہ تمام اخلاق ...سنہ۔ اور یہ تمام عادات خیر بڑھتی رہیں۔ گھٹنے کا نام نہیں۔ اب یوں کہنے لگے کہ "شکر کی جتنی ڈلیں ہیں ...ب شیریں ہیں۔" اور پھر اولاد کے بہانے سے ان کو بہت سے بھولے ہوئے ناتے رشتے بھی یاد آنے لگے۔

زید نے اپنی غیر اعتدال حالت میں جبکہ وہ عرستو کے نشہ میں سرشار تھا تو اپنے رشتہ داروں

کچھ کنارہ کشی اختیار کر لی تھی۔ مگر اولاد کے بہت سے بیٹھے جھگڑوں نے پھر اس کا سران کے سامنے خم کر دیا اور اب اسکو اپنے تمام رشتہ داروں کی ضرورت محسوس ہونے لگی ان کی عظمت اور وقعت اسکے دل میں بیٹھ گئی۔ زید کی بیوی کی بھی یہی حالت تھی۔

ہم نے اس تمثیل کے بیان کرنے میں فطرت اور واقعات کا نقشہ کھینچا ہے۔ یہ تمام جذبات انسان کے طبعی ہیں۔ اور اس سلسلہ کے باعث جو اخلاق میں کایا پلٹ ہوئی ہے وہ بھی آپ نے ملاحظہ فرمالی۔ گویا ایک دنیا دار اور ایک ولی میں صرف اتنا فرق رہا کہ اسکی نظر ابھی دنیا تعلقات دنیا اور اپنی خواہشات میں الجھی ہوئی ہے۔ اور ولی نے اپنی نظر اللہ اور مرضیات الٰہیہ کی طرف لگالی ہے۔ ایک ہی چیز دونوں کے پاس ہے۔ مگر صرف نظر اور اعتبار کا فرق ہے یعنی ایک ہی اخلاق ایک ہی قسم کے عادات دونوں کے پاس ہیں فرق تو صرف مطمح نظر یا خیالات کا۔

ہم نہ تو ولی ہیں۔ نہ کسی ولی کے مرید ہیں۔ لیکن جب اولیاء اللہ کا یہ مقولہ سنتے ہیں کہ "ولایت بجز حسن خلق نیست" تو اس سلسلہ کی اہمیت اور بڑھ جاتی ہے۔ ہم کبھی باور نہیں کرسکتے کہ کوئی مذہب حقانیت اور مطابق فطرت ہونے کا دعوے کرتے ہوئے۔ اس مفید اور بہترین اور لطف یہ کہ لذیذ ترین سلسلہ سے روک سکتا ہو۔ اسوقت ہم کو نہیں کرنا پڑتا ہے۔ اور پھر بلا خوف تردید بانگ دہل یہ دعوے کرنا ضروری ہو جاتا ہے کہ اگر کوئی مذہب صادق اور فطرت کے مطابق ہے تو وہ صرف اسلام ہے۔ مذہب فطرت کا کام یہ ہے کہ وہ فطرت کے مطابق ہی احکام نافذ کرے۔ ہاں عقول کی کوتاہی سے جو بسا اوقات خرابیاں پیدا ہوجاتی ہیں انکی اصلاح کر دے۔

اگر یہ کیا ہے تو وہ صرف اسلام نے۔

چنانچہ خدا کے سچے دین یعنی اسلام نے فطرت کے ان تمام جذبات کو مذہب کے رنگ میں رنگ دیا صرف ایک چیز سے اور وہ یہ کہ ہم یہ کہنے لگیں۔

ان صلوتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العلمین | میری نماز۔ میری عبادت۔ میرا مرنا۔ میرا جینا صرف اللہ کے لئے ہے جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے۔

مگر کہنا کافی نہیں بلکہ ہمارا عمل اس روشن اصول کی روشنی میں جاری اور ساری رہنا چاہیئے۔

ہم پہلے بتا کر آئے ہیں کہ کس طرح اس مذہب فطرت نے کھانا پینا۔ سوتا۔ جاگنا۔ عیش و آرام۔ تجارت ملازمت۔ صنعت و حرفت۔ غرض تمام لوازمات حیات کو نہیں بلکہ تمام لوازمات تمدن کو لازمی اور ضروری قرار دیا۔

اور کوئی مبالغہ نہیں ہوگا اگر یہ کہا جائے کہ اس سچے مذہب نے روحانی ترقی کی طرح مادی ترقی کو بھی فرض کر دیا۔ امور اُخرویہ کی انجام دہی کی ساتھ امور دنیویہ کی انجام دہی کو بھی ایسا ہی اہم اور ضروری بتایا ہے۔ جب ہم لَا یُغَیِّرُ اللّٰہُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِہِمْ کے عام اور قطعی اور سچے حکم کو پڑھتے ہیں تو ہمیں یقین ہو جاتا ہے کہ صرف حیات اخروی کی شاہراہوں پر چلنا۔ ہماری بقا کے لئے کافی نہیں بتایا گیا۔ بلکہ حیات دنیوی کے جادہ پر گامزنی بھی لابدی چیز قرار دی گئی ہے اور صرف ضروری ہی نہیں بلکہ ثواب میں بھی ہم وزن کر دی گئی ہے۔

میں بتاؤں کہ اس کا رمز کیا ہے۔ اسلام نے دنیا کو آخرت کی کھیتی کہا ہے۔ آخرت کو اعمال دنیا کا پھل کہا ہے۔ مسلمانوں کو ذلت سے روکا ہے۔ ان کے لئے علو اور رفعت کا وعدہ کیا ہے۔

وانتم الاعلون ان کنتم مومنین۔

تم ہی بلند رہوگے بشرطیکہ تم سچے مومن ہو۔

زمین کی وراثت ان ہی کو عطا فرمائی ہے۔

ولقد کتبنا فی الزبور من بعد الذکر ان الارض للہ یرثہا عبادی الصالحون۔

ہم نے زبور میں ذکر کے بعد لکھدیا تھا کہ زمین اللہ کی ہے۔ میرے نیک بندے اس کے وارث ہوں گے۔

خدا نے اپنی خلافت ان ہی کو عطا فرمائی ہے۔

وعد اللہ الذین اٰمنوا منکم وعملوا الصلحات لیستخلفنہم فی الارض کما استخلف الذین من قبلہم ولیمکنن لہم دینہم الذی ارتضی لہم ولیبدلنہم من بعد خوفہم امنا یعبدوننی ولا یشرکون بی شیئا۔ الآیۃ پ ۱۸ سورہ نور ع ۷

وعدہ دیا ہے اللہ نے ان لوگوں کو جو تم میں سے ایمان لائے اور جنھوں نے نیک کام کئے کہ اللہ تعالیٰ انکو زمین کا خلیفہ بنائیگا۔ جیسا کہ ان لوگوں کو خلیفہ بنایا ہے جو انسے پہلے تھے اور ان کیلئے ان کا وہ دین محکم کر دے گا جو ان کیلئے پسند کیا ہے۔ اور انکے خوف کو امن سے بدلدیگا۔ میری بندگی کریں گے شرک نہیں کریں گے۔

مگر کس طرح؟ اس کی صورت کیا ہے۔ وہ طریقہ کیا ہیں؟ کہ جن کے استعمال سے مسلمان وارث ارض ہوجائیں۔ زمین کے خلیفہ ہوجائیں۔ ممالک کے بادشاہ ہوجائیں۔ جواب کے لئے پھر پڑھیے۔ ابراہیم علیہ السلام کے قصہ کو جہاں وہ فرماتے ہیں۔

انی وجہت وجہی للذی فطر السموات والارض حنیفا وما انا من المشرکین۔ ۹۶ سورہ انعام ج ۷۔	میں اپنا رخ پھیرتا ہوں اس اللہ کیطرف جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا۔ میں حنیف ہوں مشرکوں کے گروہ میں سے نہیں۔

پھر آپ ارشاد خداوندی کی اتباع کیجئے۔

قل ان صلوتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العلمین لا شریک لہ وبذلک امرت وانا اول المسلمین ۲۶ ج ۸ انعام	کہو کہ میری نماز میری تمام عبادتیں اور میرا جینا اور مرنا صرف اس خدا کیواسطے ہی جو تمام جہانوں کی پرورش کرتا ہے۔ اسی کا مجھ کو حکم کیا گیا۔ اور میں سب سے پہلے مسلمان ہوں۔

آپ یاد رکھئے قول خداوندی کو ان تنصروا اللہ ینصرکم۔ سورہ محمد ۱۶ ج ۲۶۔

آپ ارشاد خداوندی کو پڑھیے۔

من یعتصم باللہ فقد ھدی الی صراط مستقیم	یعنی جس نے اللہ کی ساتھ اپنے تعلق کو مضبوط کر لیا پس وہ سیدھے راستے کی طرف ہدایت کر دیا گیا۔

آپ یاد رکھیے قول رسالت پناہ صلے اللہ علیہ وسلم کو۔

من کان للہ کان اللہ لہ۔ جو اللہ کا ہوگیا اللہ اس کا ہوگیا۔

مسئلہ زیر بحث یہ ہے کہ اس مقدس اور پاکیزہ مذہب فطرت نے جسطرح انسانی حیات کے تمام شعبوں کو ترقی دینے والے طرز سے احاطہ کیا۔ اسی طرح مسئلہ نکاح اور اس کے تمام ماتحت شاخوں کو انکے تمام لوازمات جزئیہ کو اپنی عام تعلیم کے سلسلہ میں منسلک کر دیا۔

جب انسانوں اور انسانوں کی طاقتوں کے پیدا کرنے والے خدا نے ازدواجی میلان کا تخم ابن آدم کی سرشت میں ایک متفاوت طرز سے کسی میں زیادتی کی ساتھ کسی میں کمی کے ساتھ مخفی کر دیا۔ تو اسکے دین کا اول فرض تو اس مسئلہ میں یہ تھا کہ وہ نکاح کی اجازت اسی وسعت سے دیتا۔ جس پیمانہ پر انسانی فطرت واقع ہوئی ہے۔

چنانچہ ارشاد خداوندی یہ ہوا۔

فانکحوا ما طاب لکم من النساء مثنیٰ وثلاث ورباع۔

جو عورت اچھی معلوم ہو اس سے نکاح کر سکتے ہو۔ ایک سے کر دیا دو سے۔ یا تین سے۔ یا چار سے۔

دکثرۃ ازدواج اور تعداد ازدواج کے متعلق انشاء اللہ آئندہ مفصل بحث کریں گے اگر زندگی اور توفیق خداوندی نے رفاقت کی۔)

ہم مضمون ہذا کی پہلی قسطوں میں لکھ آئے ہیں کہ مخطوبہ یعنی منگنیں کے حالات پر غور وفکر کرنے کی بھی خود متزوج یعنی نکاح کرنے والے کو اجازت دی گئی ہے۔ ایسے ہی نکاح کرنے والی متعددہ کی مرضی کا بھی خیال رکھا گیا ہے۔ ان قواعد کی تدوین اور تعیین کے بعد یہ ضروری تھا کہ نسب کے متعلق بھی کوئی فیصلہ کر دیا جائے۔ چنانچہ خداوندی ارشاد ہوا۔

یا ایہا الناس انا خلقنا کم من ذکر وانثیٰ وجعلنا کم شعوبا وقبائل لتعارفوا ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم۔ ان اللہ علیم خبیر۔ ج۲۶ سورہ حجرات ع ۲۔

اے لوگو ہم نے تم کو مرد اور عورت سے پیدا کیا۔ اور تم کو خاندانوں اور قبیلوں میں (تقسیم) کر دیا۔ تاکہ تم آپس میں ایک دوسرے کو پہچان سکو (البتہ یہ یاد رکھو) کہ اللہ کے نزدیک یقیناً وہی شخص زیادہ کرامت رکھتا ہے جو تم میں سب سے زیادہ اللہ سے ڈرے اللہ تعالےٰ جاننے والا ہے۔ خبردار ہے۔ الآیۃ

نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے "فخر بالانساب" یعنی باپ دادوں پر فخر کرنے کو سخت حقیر اور معیوب قرار دیا۔ ارشاد ہوتا ہے۔

لینتھین اقوام یفتخرون بآبائھم الذین ماتوا

رک جائیں وہ قومیں جو فخر کرتی ہیں اپنے باپ دادوں پر جو مر گئے۔

اس کے بعد اسی طویل حدیث کا آخری حصہ ہے۔

ان اللہ تعالیٰ اذھب عنکم عبیۃ الجاھلیۃ۔ وفخرھا بالآباء۔ انما ھو مومن تقی او فاجر شقی الناس کلھم بنو آدم وآدم من تراب۔ (رواہ الترمذی وابو داؤد عن ابی ھریرۃؓ ماخوذ از مشکوٰۃ شریف باب المفاخرۃ

اللہ تعالےٰ نے دور کر دیا تم سے جاہلیت کا تکبر اور زمانہ جاہلیت کا فخر۔ جو باپ دادوں پر کیا کرتے تھے (اب نوع انسان کی صرف دو تقسیم باقی ہیں) (۱) مسلمان پرہیزگار (۲) بدبخت گنہگار تمام آدمی آدم کے بیٹے ہیں۔ اور آدم مٹی سے پیدا ہوئے تھے (علیہ السلام)

اس کے بعد زن و شوہر کے تمام جائز تعلقات کو ثواب کا باعث بتایا۔ ان کی مسرت کو مستحسن سمجھا گیا۔ حتیٰ کہ وہ لقمہ جو شوہر اہلیہ کو دے اپنے ہاتھ سے وہ خوشنودی رب اکبر اور ثواب کا باعث بنایا گیا کیونکہ اس میں جائز تعلقات کی زیادتی اور ان کا استحکام ہے اور ناجائز تعلقات سے اجتناب اور تنفر۔ اور بچاؤ۔

مارنے کو ناجائز قرار دیا۔ غصہ اور لڑائی کو شیطانی اغوا بتایا گیا۔ ان تمام امور کی تفصیل معہ جوابات احادیث آئندہ آئیگی انشاء اللہ۔ اسوقت صرف ایک حدیث مختصر طور پر پیش ہے۔ جس سے جامع الکلم صلے اللہ علیہ وسلم کے فرامین کی جامعیت بھی واضح ہو جائیگی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ ارشاد فرماتے ہیں۔

خیرکم خیرکم لاھلہ۔ وانا خیرکم لاھلی = (ابن ماجہ وغیرہ) تم لوگوں میں سب سے اچھا وہ شخص ہے جو اپنے گھر والوں سے اچھا سلوک رکھے۔ اور میں تو اپنے گھر والوں کے بارے میں تم سب سے اچھا ہوں۔

اور پھر اولاد پر محبت کرنے کو سعادت کا باعث اور سختی کو بدبختی اور قساوت یعنی سخت دلی قرار دیا۔ اس سلسلہ میں رحمت للعالمین صلے اللہ علیہ وسلم کے یہ ارشادات تو علی العموم محبت اور شفقت کو واجب کرتے ہیں۔

(۱) لا یرحم اللہ من لا یرحم الناس = اللہ تعالےٰ رحم نہیں کرتا اس شخص پر جو لوگوں پر رحم نہیں کرتا۔

(۲) لا تنزع الرحمۃ الا من شقی = رحم بدبخت (اور شقی) کے قلب ہی سے نکالی جاتی ہے۔

مگر اس سلسلہ میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا ایک واقعہ حضرت عائشہ صدیقہ بیان کرتی ہیں جس سے اس زمانہ کے اعرابیوں کی سختی اور آپ کی شفقت کا کافی موازنہ ہو سکتا ہے۔

عن عائشۃ قالت جاء اعرابی الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال تقبلون الصبیان فما نقبلھم۔ فقال النبی صلے اللہ علیہ وسلم اواملک لک ان نزع اللہ من قلبک الرحمۃ۔ متفق علیہ۔

حضرت عائشہ صدیقہ سے مروی ہے کہ ایک اعرابی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوا۔ اس نے کہا کہ کیا آپ بچوں کو بوسہ دیتے ہیں ہم تو نہیں چومتے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر اللہ نے تیرے دل سے رحم نکال لیا ہو تو کیا میں اسکا مالک (ذمہ دار) ہوں۔

(باقی آئندہ)

محکمہ قضا کا قیام اور اسکی شرعی حیثیت

مسلمانوں کے خالص اسلامی و شرعی معاملات کے طے کرنے اور موافق شریعت محمدیہ نکاح و طلاق وغیرہ جیسے مسائل کا فیصلہ کرنے کے لئے عقلاً و شرعاً محکمہ قضا کے قیام کی جسقدر ضرورت ہے اہل علم دیندار مسلمانوں پر پوشیدہ نہیں، مسلمانان ہند چونکہ بدقسمتی سے غیر مسلم حکومت کے زیر اقتدار ہیں اسلئے ظاہر ہے کہ اس بارہ میں انھیں خاطر خواہ کامیابی مشکل سے ہونی چاہئے لیکن اس سے زیادہ حسرت اس امر پر ہے کہ ایسے ضروری مسئلہ کیطرف تمام مسلمانوں نے آج تک بھی ایسی متحدہ سعی نہیں کی جیسا کہ ان کا شرعی وعقلی فرض تھا۔

منتسبین دار العلوم کو یاد ہوگا کہ سب سے پہلے ۱۹۱۶ء جبکہ مسٹر مانٹیگو وزیر ہند، ہندوستان کے مطالبات کو سننے کے لئے اور سلف گورنمنٹ دینے کے مسئلہ پر غور کیلئے ہندوستان آئے تھے تو علمائے دیوبند نے جلیل القدر علماء کا ایک وفد پیش کیا تھا اور اس میں علاوہ دیگر اسلامی شرعی مطالبات کے محکمہ قضا کے قیام کیطرف بھی توجہ دلائی تھی۔ ہزاروں مسلمانوں کے تائیدی دستخطوں سے یہ تجاویز مزین تھیں لیکن وزیر ہند ایسے خاموش ہوئے کہ پھر اس مبتدا کی کوئی خبر ہی نہ نکلی اس کے بعد جمعیۃ العلماء ہند کی بنا مولنا کفایت اللہ صاحب نے ڈالی اور اس میں بارہا محکمہ قضا کی ضرورت کو ثابت کیا گیا۔

چند سال ہوئے میرٹھ سے حاجی وجیہ الدین صاحب سابق ممبر اسمبلی نے اس مسئلہ کو نہایت اہتمام وسلیقہ کے ساتھ اٹھایا اور اس کا پورا مواد فراہم کیا لیکن بدقسمتی سے ان کا میعاد ممبری ختم ہوگئی اور حالیہ اسمبلی کے وہ ممبر منتخب نہ ہوسکے۔ اب ناظرین کرام یہ سنکر نہایت مسرور ہونگے کہ عالیجناب نواب جمشید علیخاں صاحب اور مولانا حکیم محمد مصطفے صاحب میرٹھی و مولوی عبد الکریم گمتھلوی و دیگر علماء کرام داعیان ملت کیطرف سے پھر اسکی سلسلہ جنبانی کی گئی ہے۔ چنانچہ انہی حضرات نے شیخ رشید احمد صاحب سوداگر اسلحہ کے قیامگاہ واقع کشمیری گیٹ دہلی میں بتاریخ

۲ر اپریل دہلی، دیوبند، سہارنپور کے علماء اور مسلم اراکین اسمبلی کو ایک جگہ جمع کیا اور اس بارہ میں تبادلہ خیالات کرایا۔ اس جلسہ میں

جو مشکلات کہ مسلمانوں کو قاضی شرع کے نہونے سے پیش آرہی ہیں وہ مختلف تقریروں میں دکھلائی گئیں اور وہ مشکلات جو اسکے انجام تک پہونچنے میں تھیں وہ بھی مسلم اراکین کیطرف سے پیش کی گئیں لیکن ہمیں تو یہ دیکھ دیکھ کر مسرت ہورہی تھی کہ علماء و مسلم اراکین اس بارہ میں پورے ہمخیال تھے اور نہایت ہی مخلصانہ طریقہ سے اس تحریک کو کامیاب بنانے کیلئے ہر شخص بے چین نظر آتا تھا

ہماری دعا ہے کہ خداوندکریم حکیم محمد مصطفےٰ خاں صاحب حاجی عزیزالرحمن صاحب رئیس ایجولی، نواب جمشید علیخاں صاحب مولوی عبدالکریم صاحب وغیرہم کو جزائے خیر عطا فرمائے کہ یہ حضرات تمام مسلمانوں کی طرف سے فرض کفایہ ادا کررہے ہیں۔

مسلمانوں سے اپیل

مسلمانوں کو لازم ہے کہ وہ اس خالص اسلامی تحریک میں دامے درمے قدمے سخنے پوری تائید و اعانت فرماویں، ذیل میں ہم علمائے کرام کا وہ فتوے شایع کرنا چاہتے ہیں جسمیں منصب قاضی کی شرعی حیثیت دکھلائی گئی ہے۔ (نائب المدیر)

سوال

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ آجکل بعض مسلمان ممبران کونسل گورنمنٹ سے یہ درخواست کرنے والے ہیں کہ ہندوستان میں منصب قضا قایم کردیا جائے اسکے متعلق چند امور دریافت طلب ہیں۔

(۱) کیا شرعاً مسلمانوں کے لئے نصب قاضی ضروری ہے؟

(۲) قاضی کی تعریف کیا ہے اور کون شخص قاضی بن سکتا ہے؟

(۳) کن کن معاملات میں قاضی کیضرورت ہے؟

(۴) جن معاملات میں قاضی کی ضرورت ہے ان میں حاکم غیر مسلم کا فیصلہ معتبر ہو یا نہیں؟

(۵) اگر کسی جگہ کے مسلمان بطور خود اتفاق کرکے فسخ نکاح وغیرہ کے لئے کسی کو قاضی بنالیں تو وہ قاضی شرعی ہوگا یا نہیں؟ اور اس کے فیصلے ان معاملات میں جن میں قاضی کی ضرورت ہے معتبر ہوں گے یا نہیں؟۔

(۶) اگر گورنمنٹ اپنی طرف سے ہندوستان میں کسی مسلمان کو فسخ نکاح وغیرہ کے لئے قاضی بنادے تو وہ قاضی شرعی ہوسکتا ہے یا نہیں؟ اور اس کے فیصلے فسخ نکاح وغیرہ میں معتبر ہونگے یا نہیں؟

(۷) مسلم ممبران کونسل جو تحریک نصب قاضی کے متعلق کونسل میں پیش کرنے والے ہیں ہمیں عامہ مسلمین کو ان کے ساتھ اتفاق کرنا چاہئے یا نہیں؟ اور اس معاملہ میں ہم کو کوشش کرنا چاہئے یا نہیں؟۔ (سائل (حاجی) عزیز الرحمن صاحب قصبہ پھولی (میرٹھ)

الجواب

(۱) قاضی شرعی یعنی حاکم مسلم کا قایم کرنا مسلمانوں کے ذمہ فرض ہے جہاں قدرت ہو جیسے دارالاسلام اور جہاں قدرت نہو جیسے ہندوستان تو وہاں حکومت سے اسکے متعلق درخواست کرنا ضروری ہے

(۱) قال فی البدائع فنصب القاضی فرض لانہ ینصب لاقامۃ مفروض وھو القضاء قال اللہ سبحانہ وتعالی لنبینا المکرم علیہ افضل الصلوۃ والسلام فاحکم بینہم بما انزل اللہ والقضاء ھو الحکم بین الناس بالحق والحکم بما انزل اللہ عزوجل فکان نصب القاضی لاقامۃ الفرض فکان فرضا ضرورۃ وقد سماہ محمد فریضۃ محکمۃ لانہ لایحتمل الانتساخ واللہ تعالی

بدائع میں بیان کیا ہے کہ قاضی کا مقرر کرنا فرض ہے اسلئے کہ قاضی ایک فرض امر (یعنی) قضا کے لئے مقرر کیا جاتا ہے حق تعالے نے حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے ارشاد فرمایا کہ لوگوں میں ان احکام سے فیصلہ کیجئے جو خدا تعالے نے نازل فرمائے اور قضا لوگوں میں حق بات اور ما انزل اللہ کا امر کرنا ہے پس قاضی کا مقرر کرنا بغرض اقامۃ فرض ہے اور (امام) محمدؒ نے تو نصب قاضی کو فرض محکم فرمایا ہے جو نسخ کو بھی محتمل نہیں کیونکہ ان احکام سے

علیہ اھ ملخصا (ص۳ ج۷)۔

(۲) فی العالمگیریۃ والقضاء فی الشرع قول ملزم یصدر عن ولایۃ عامۃ کذا فی خزانۃ المفتین ولا تصح ولایۃ القاضی حتی یجتمع فی المولی شرائط الشہادۃ کذا فی الہدایۃ من الاسلام والتکلیف والحریۃ وکونہ غیر اعمی ولا محدودا فی القذف ولا اصم ولا اخرس واما الاطرش الذی یسمع القوی من الاصوات فالاصح جواز تولیتہ کذا فی النہر اھ (ص۱۶ ج۴) وفی الدر المختار القضاء شرعا فصل الخصومات وقطع المنازعات وارکانہ ستۃ حکم ومحکوم بہ ولہ ومحکوم علیہ وحاکم وطریق واہلہ اہل الشہادۃ والفاسق اہلہا فیکون اہلہ لکن لا یقلد وجوبا ویاثم مقلدہ کقابل شہادتہ بہ یفتی اھ (ص۲۶۳ ج۴)۔

جن کا ضروری ہونا عقل سے (بھی) معلوم ہوا اور احکام عقلیہ محتمل نسخ ہوتے نہیں۔ (۲) عالمگیری میں ہے۔ شریعت میں قضاء ایک ایسا قول ملزم ہے جو صادر ہوتا ہے (ایسے شخص سے جسکو) ولایت عامہ ہو اسی طرح خزانۃ المفتین میں ہے اور قاضی کی ولایت اسوقت تک صحیح نہ ہوگی تاوقتیکہ اس میں شہادۃ کے شرائط نہ موجود ہوں اسی طرح ہدایہ میں ہے (۱) اسلام (۲) مکلف ہونا (۳) آزاد ہونا (۴) نابینا نہ ہونا (۵) تہمت زنا میں سزا یافتہ نہ ہونا اور گونگا بہرا نہ ہونا لیکن وہ بہرا جو زور کی آواز ہی کو سن سکتا ہو اصح مذہب یہ ہی کہ اسکی تولیت جائز ہے (کذا فی النہر ص۱۶ ج۴) اور درمختار میں ہے قضاء شرع میں خصومات و منازعات کے طے کرنے اور فیصلہ کرنے کا نام ہے اور اسکے چھ ارکان ہیں (۱) حکم (۲) اور محکوم بہ (۳) اور محکوم لہ (یعنی مدعی) (۴) اور محکوم علیہ (یعنی مدعا علیہ) (۵) اور حاکم (۶) اور قضاء کا طریق اور قضا کے اہل اہل شہادت ہیں اور فاسق شہادت کا اہل ہے تو قضا کا بھی اہل ہوگا (یعنی اگر قاضی بنادیا جاوے تو اس کا حکم نافذ ہوجاوے گا) لیکن واجب ہے کہ فاسق کو قاضی نہ بنایا جاوے اور بنانے والا گنہگار ہوگا جیسے فاسق کی شہادت قبول کرنے والا۔

اس سے معلوم ہوا کہ قاضی یعنی حاکم مسلم کے لیے صاحب حکومت ہونا رکن قضا ہے کہ جس مقام پر وہ قضا کرتا ہو وہاں پر اسکی ولایت اور حکومت عام ہو گو کسی خاص فرقہ ہی پر ہو اور گو خاص خاص معاملات میں ہی ہو۔

قال فی رد المختار ثم القاضی تتقید ولایتہ

ردمختار میں کہا کہ قاضی کی ولایت زمان و مکان و حوادث

بالزمان والمکان والحوادث اھ (ص۲۶ ج۴) | کے ساتھ مقید ہوتی ہے۔

غیر صاحب حکومت قاضی نہوگا اور صحت قضا کے لئے قاضی میں ان اوصاف کا ہونا ضروری ہی مسلمان ہو، کافر نہو، عاقل بالغ ہو، آزاد ہو غلام نہو سوانکھا ہو اندھا نہ ہو محدود فی القذف نہ ہو اور بہرا گونگا نہو باقی اونچا سنتا ہو تو اس کا مضائقہ نہیں اور ضروری ہے کہ قاضی عالم بھی ہو اگر مسلمان کو جو جاہل ہے قاضی بنا دیا جائے اور مقدمات میں علما سے استفتا کر کے فیصلہ کر دے یہ بھی ممکن ہی مگر بہتر نہیں کیونکہ علما کے جواب کو بخوبی سمجھنے میں جاہل سے کوتاہی ہوگی اور غلطی کریگا اور عالم کے ہوتے ہوئے جاہل کو قاضی بنا دینے سے مسلمان گنہگار ہونگے جبکہ حکومت کیطرف سے ان کو انتخاب کا حق دیا جاوے اور اگر فاسق کو قاضی بنا دیا جائے تو وہ قاضی ہو جاوے گا مگر فاسق کو قاضی بنانا اچھا نہیں اور فاسق وہ ہے جو گناہ کبیرہ کا مرتکب ہو اور توبہ نہ کرے یا صغیرہ پر اصرار کرتا ہو، باقی جن مسائل میں تفصیل قاضی یعنی حاکم مسلم کا ہونا شرط ہے جن کا ذکر آتا ہے ایسے مسائل میں حاکم غیر مسلم کا فیصلہ ہرگز کافی نہیں حاکم غیر مسلم کے فیصلہ سے نہ نکاح فسخ ہو سکتا ہے نہ طلاق واقع ہو سکتی ہے نہ ثبوت نسب ہو سکتا ہے نہ مفقود کو میت کہا جا سکتا ہو وغیر ذلک۔

(۳) شریعت محمدیہ اور ملت اسلامیہ میں بعض معاملات ایسے ہیں جن میں قاضی شرعی یعنی حاکم مسلم کا فیصلہ معاملہ کو فیصل کر سکتا ہے حاکم غیر مسلم کا فیصلہ ان معاملات میں کسی درجہ میں مفید نہیں ہو سکتا بلکہ شرعاً حاکم غیر مسلم کا فیصلہ ان معاملات میں کالعدم اور غیر قابل اعتبار ہے۔ نمونہ کے لئے میں چند مسائل کا ذکر کرتا ہوں جن میں مسلمانان ہند کو قاضی شرعی یعنی حاکم مسلم کی سخت ضرورت پڑتی ہے۔

(الف) کسی لڑکی کا نکاح بلوغ سے پہلے اسکے ولی نے جو باپ دادا کے سوا ہو کر دیا اور بالغ ہونے پر لڑکی اس نکاح سے راضی نہیں تو اس نکاح کو قاضی شرعی یعنی حاکم مسلم چند شرائط کے ساتھ فسخ کر سکتا ہی حاکم غیر مسلم اگر فسخ کرے گا تو وہ فسخ معتبر نہوگا۔ شامی معہ درمختار ص۲۸۶ ج۲۔ ہدایہ ص۲۹۷ ج۱)۔"

(ب) کسی بالغ عورت نے اپنا نکاح خاندانی مہر سے کم مقدار پر یا کسی غیر کفو سے بدون رضائے ولی کے خود کرلیا تو اصل مذہب میں خاندان والوں کو حق دیا گیا ہے کہ وہ قاضی یعنی حاکم مسلم کی عدالت میں دعوے کر کے پہلی صورت میں مہر پورا کرالیں اور دوسری صورت میں نکاح فسخ کرادیں (شامی معہ درمختار ص۳۰ ج ۲ ص۳۱ ج۲) فسخ کرنا قاضی ہی کا یعنی حاکم مسلم کا کام ہے دوسرے کا نہیں۔

(ج) کسی شخص نے اپنے بیٹے کی بیوی سے زنا کیا یا بدنیتی سے ہاتھ لگایا تو یہ عورت اپنے شوہر کے لئے حلال نہیں رہی مگر نکاح اسوقت تک نہیں ٹوٹتا جب تک قاضی یعنی حاکم مسلم نکاح کو فسخ نہ کردے یا زوجین خود قطع تعلق نہ کردیں اور آجکل بعض دفعہ شوہر قطع تعلق نہیں کرتا تو بدون قاضی شرعی یعنی حاکم مسلم کے ایسی عورت کو سخت تکلیف ہوتی ہے (شامی معہ درمختار ص۶۲ ج ۲)۔

(د) شوہر نامرد ہو اور بیوی کو طلاق بھی نہ دیتا ہو تو اس نکاح کو ایک سال کی مہلت دینے کے بعد قاضی یعنی حاکم مسلم ہی فسخ کرسکتا ہے (عالمگیری ص۱۵۰ ج ۲) بدون قاضی یعنی حاکم مسلم کے ایسی صورت میں عنین کی بیوی کو سخت مصیبت کا سامنا ہے۔

(ہ) اسی طرح شوہر مجنون ہوجائے تو اسکے نکاح کو بھی قاضی یعنی حاکم مسلم ہی فسخ کرسکتا ہے (عالمگیری ص۱۵۱ ج۲)۔

(و) کسی عورت کا خاوند لاپتہ ہوجائے تو اسکی بیوی کو ایک خاص مدت کے بعد جسکی تحقیق کتب مذہب میں ہے قاضی شرعی یعنی حاکم مسلم ہی مفقود کے نکاح سے خارج کرسکتا ہے (عالمگیری صفحہ ۱۷۶ جلد ۳)۔

(ح) اگر شوہر کسی وقت اپنی بیوی کو زنا سے متہم کرے یا اس کی اولاد کو غیر مرد کی بتلاوے تو عورت عدالت قاضی میں یعنی حاکم مسلم کی عدالت میں مرافعہ کرکے لعان کرسکتی اور اپنی ہتک حرمت کا بدلہ لے سکتی ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ یا تو شوہر کو اگر وہ جھوٹا ہو اس تہمت کی سزا ملے گی یا نکاح فسخ کرادیا جائیگا (عالمگیری ص۱۵۱ و ص۱۵۲ جلد ۲)۔

(ش) اگر کسی نابالغ لڑکی کا کوئی ولی نہ ہو اور پرورش کے لئے جلد ہی نکاح کرنے کی ضرورت ہو

تو ایسی لاوارث لڑکیوں کا ولی قاضی یعنی حاکم مسلم ہی (عالمگیری صلاج ۲) بدون قاضی شرعی یعنی حاکم مسلم کے اِن مسائل میں مسلمانان ہند کو بڑی دقت کا سامنا ہوتا ہے۔ ہم نے مدارس عربیہ میں ایسے سوالات کے جوابات میں علماء کو یہی لکھتے ہوئے دیکھا ہے کہ اگر قاضی شرعی یعنی حاکم مسلم مفقود کی موت کا حکم کردے یا عنین کا نکاح فسخ کردے تو عورت دوسرے مرد سے نکاح کرسکتی ہے۔ اور قاضی شرعی نہ ہو یعنی حاکم مسلم نہو تو عورت کو بجز صبر کچھ چارہ نہیں۔

(ط) اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو تین طلاق دے کر یہ دعویٰ کرے کہ میں نے ہوش وحواس کی حالت میں طلاق نہیں دی بلکہ میں بیہوش یا مغلوب الغضب تھا تو اس صورت میں عورت کو شوہر کے اس قول کی تصدیق جائز نہیں بلکہ اس مقدمہ کا مرافعہ قاضی یعنی حاکم مسلم کی عدالت میں لازم ہے اگر وہ اس طلاق کو طلاق تسلیم نہ کرے جسکے خاص شرائط ہیں تب تو عورت شوہر کے پاس رہ سکتی ہے ورنہ نہیں رہ سکتی (شامی معہ الد۔ باب طلاق المدہوش جلد ۲)۔

(ی) کسی نے نکاح فاسد کرلیا تو اس نکاح کو قاضی یعنی حاکم مسلم فسخ کرسکتا ہی یا شوہر بیوی کو خود چھوڑ دے (عالمگیری صلا جلد ۲) اگر وہ نہ چھوڑے تو بدون قاضی یعنی حاکم مسلم کے عورتوں کو اس حالت میں سخت مصیبت کا سامنا ہی۔

یہ چند مسائل صرف باب نکاح کے بطور نمونہ کے عرض کئے گئے ہیں باقی ابواب نسب وقف و میراث وغیرہ میں جو مسائل قاضی شرعی یعنی حاکم مسلم کے وجود پر موقوف ہیں وہ اس سے زیادہ ہیں جن میں بدون قاضی کے یعنی حاکم مسلم کے مسلمانان ہند کو سخت تکلیف ہی اور اس تکلیف کو وہ بدون گورنمنٹ کی امداد کے حل نہیں کرسکتے کیونکہ قاضی یعنی حاکم کے لئے مسلم ہونے کے ساتھ صاحب حکومت بھی ہونا ضروری ہی اگر کسی جگہ کے مسلمان از خود کسی کو قاضی بنانا چاہیں تو وہ قاضی نہ ہوگا محض حَکَم اور ثالث ہوگا جس کا فیصلہ اسی وقت مفید ہوسکتا ہے جبکہ مدعی و مدعا علیہ دونوں اپنا معاملہ اسکے سپرد کردیں اور اگر ایک فریق سپرد کرنا چاہے اور دوسرا نہ کرنا چاہے تو اس صورت میں ثالث اور حکم کا فیصلہ کسی درجہ میں معتبر نہیں۔

(۳) قال فی العالمگیریہ والقضاء فی الشرع قول ملزم یصدر عن ولایۃ عامۃ ولا تصح ولایۃ القاضی حتی یجتمع فی المولی شرائط الشہادۃ کذا فی الہدایۃ من الاسلام والتکلیف والحریۃ الخ (ص [illegible] ج ۳) وفیہا ایضاً واذا اجتمع اہل بلدۃ علی رجل وجعلوہ قاضیا یقضی فیما بینہم لا یصیر قاضیا الخ (ص [illegible] ج ۳)

نمبر ۳۔ عالمگیری میں ہے شریعت میں قضا ایسے قول واجب العمل کا نام ہے جس کا صدور ولایۃ عامہ سے ہو اور قاضی کی ولایت صحیح نہیں ہوتی جب تک کہ اس میں شہادت کے شرائط موجود نہ ہوں جیسا کہ ہدایہ میں ہے اسلام اور تکلیف اور حریت وغیرہ (ص [illegible] جلد ۳) اسی عالمگیری میں ہے جب ایک شہر والے کسی آدمی پر متفق ہوکر اُسے قاضی بنالیں جو ان کے درمیان فیصلہ کرے تو اس کارروائی سے قاضی نہیں بنتا۔

ان عبارات میں تصریح ہے کہ قاضی کیلئے مسلم ہونا مع حکومت ہونا شرط ہے اور یہ کہ کسی جگہ کے مسلمان از خود کسیکو قاضی بنالیں تو وہ قاضی نہوگا اور ظاہر ہے کہ مع حکومت قاضی وہی ہوسکتا ہے جو سلطنت کیطرف سے مقرر کیا جائے اسلئے گورنمنٹ کی امداد کے اس مسئلہ میں مسلمانان ہند سخت محتاج ہیں کیونکہ بدون قاضی یعنی حاکم مسلم کے بعض مسائل میں انکا دین برباد ہوتا ہے اور غیر مسلم حکام کا فیصلہ ان مسائل میں جو قضاء قاضی یعنی حاکم مسلم کے فیصلہ کے محتاج ہیں محض بیکار اور کالعدم ہے اسلئے مسلمانوں کو پوری مستعدی کیساتھ گورنمنٹ سے درخواست کرنا چاہئے کہ وہ ہندوستان میں منصب قضا کو قائم کرکے اپنی مسلم رعایا کو ان مشکلات سے نجات دے اور جبتک منصب قضا کی تجویز مکمل ہو اسوقت تک کیلئے کم از کم یہ قانون کردیا جائے کہ جو مسائل قضاء قاضی کے محتاج ہیں ان کا فیصلہ غیر مسلم حکام نکریں بلکہ ایسے مقدمات مسلم حکام ہی کے سپرد ہوں اور مسلم حکام کو ہدایت کی جائے کہ ان مسائل میں علماء سے صورت مقدمہ بیان کرکے شرعی حکم حاصل کریں اور شرعی فتوے کے مطابق مقدمہ کا فیصلہ کردیں اور اپنے فیصلہ کے ساتھ عالم کے فتویٰ کو بھی نتھی کردیں جیسا کہ تقسیم میراث و ترکہ کے مقدمات میں کبھی ایسا ہی کیا جاتا ہے اگر یہ صورت بھی ہوجائے تو مسلمانان ہند کی مشکلات میں کچھ کمی ہوجائے گی۔ ہمیں تو امید ہے کہ گورنمنٹ ہماری اس درخواست پر ضرور توجہ کرے گی اور اپنی مسلم رعایا کو شکر و امتنان کا موقع دے گی۔ واللہ المستعان فی کل باب ہو المیسر لکل صعاب + (باقی آئندہ)

مژدۂ جانفزا

نورالایضاح فقہ کی مشہور کتاب اپنی مقبولیت عامہ کی وجہ سے محتاج تعارف نہیں رہی ہے تمام مدارس عربیہ اسلامیہ میں یہ کتاب داخل درس ہو چکی ہے۔
ایک عرصہ سے علماء کرام اور طلباء عربی کی تمنا تھی کہ اس مقبول و مستند کتاب کا ترجمہ سلیس اردو زبان میں ہو جاوے۔
الحمد للہ علی احسانہ الجزیل کہ اس عام ضرورت کا احساس کر کے ہم نے نورالایضاح کا بامحاورہ سلیس اردو ترجمہ مسمیٰ بہ نورالاصباح نہایت عرقریزی کیساتھ کرایا ہے جس کی کتابت وغیرہ مکمل ہو چکی ہے۔
اور اب حضرت مولانا حافظ محمد اعزاز علی صاحب شیخ الادب والفقہ دارالعلوم دیوبند کی خاص نگرانی میں نہایت اہتمام کیساتھ طبع ہو رہا ہے جو کہ انشاء اللہ تعالیٰ بہت جلد زیور طبع سے آراستہ ہو کر مشتاق نظروں کے سامنے آئیگا۔
اس کتاب کا ترجمہ ہو جانے کی وجہ سے علماء و طلباء کرام کے علاوہ معمولی اردو داں عام مسلمان بھی اسکے مستند فقہی مسائل سے فائدہ اٹھا سکیں گے، امید کہ اس نادر ترجمہ کی قدر کی جاوے گی۔

سائز ۲۰×۲۶ صفحات ۱۶۸ کاغذ کتابت نہایت اعلیٰ، ٹائٹل بیج خوشنما

قیمت باوجود ان تمام خوبیوں کے بارہ آنے ۱۲/
تیاری سے پہلے فرمائش کرنے والے حضرات کو ۲۵ فیصدی کی رعایت، تاجران کتب حضرات خصوصیت سے اس طرف توجہ فرمائیں۔

المعلن

منیجر کتب خانہ قاسمی دیوبند

قواعد وضوابط رسالہ القاسم

(۱) تاریخ روانگی رسالہ ہر قمری مہینہ کی ۱۵ ہے۔ نیا سال محرم سے شروع ہوتا ہے۔

(۲) حجم کم سے کم ۳۲ صفحہ کا ہوتا ہے اور سائز ۲۰×۲۶/۸۔

(۳) عام قیمت سالانہ ڈھائی روپیہ ہے۔ امراء و والیان ریاست سے حسب حیثیت۔ قیمت فی پرچہ ۴ ہے۔

(۴) سالانہ چندہ پیشگی بذریعہ منی آرڈر یا وی پی وصول ہوتا ہے۔ محصولڈاک، روانگی رسالہ وپیکنگ کا صرفہ بذمہ دفتر ہے

فیس رجسٹری وفیس منی آرڈر کا صرفہ بذمہ خریدار ہے۔

(۵) سالانہ چندہ جہانتک ممکن ہو منی آرڈر سے روانہ کرنا چاہئے اس میں سنگانے والے کو کفایت اور بھیجنے والونکو سہولت رہتی ہے۔

(۶) جو صاحب درمیان سال میں رسالہ کے خریدار بنتے ہیں ان کو شروع سال ہی سے خریدار سمجھا جاتا ہے۔ چنانچہ کل پرچے بشرط موجودگی اس سال کے بھیجے جاتے ہیں تاکہ سلسلہ مضامین نہ ٹوٹے۔

(۷) جو حضرات القاسم کے حلقۂ اشاعت وسیع کرنے کے لئے انعام کرنے کیلئے غیر مستطیع شایقین کے نام کم قیمت میں رسالہ جاری کرانے کیلئے امداد قوم مرحمت فرماتے ہیں وہ القاسم کے معاونین ومحسنین میں شمار ہوتے ہیں اور ایسے مخیر حضرات کے اسمائے گرامی وقتاً فوقتاً القاسم میں شائع کئے جاتے ہیں۔

(۸) جو پرچہ ڈاکخانہ یا دفتر کی غلطی سے وصول نہ ہوا ہو اس کی پہلے تاریخ اشاعت سے دس روز کے اندر اندر دفتر کو اطلاع کر دینی چاہیے تاکہ دوبارہ رسالہ بھیج دیا جائے اس کے بعد قیمتاً بشرط موجودگی ارسال ہوگا۔

(۹) جواب طلب امور کے لئے جوابی کارڈ یا ٹکٹ آنا چاہیے۔

(۱۰) خط وکتابت وترسیل زر کے وقت پتہ صاف وخوشخط ہونا چاہیے خریداری کی نمبر کا حوالہ کوپن منی آرڈر پر ضرور ہونا چاہیے۔ ورنہ عدم تعمیل کی شکایت نہ کیجائے۔

نرخ وشرح اجرت اشتہارات

(۱۱) مہذب اشتہارات کے چربے موافق سائز رسالہ لئے جاسکتے ہیں بشرطیکہ فی صفحہ للعہ نصف صفحہ لعہ صفحہ کیلئے سے پیشگی بھیجدے جائیں دوامی اشتہارات میں اور بھی رعایت ممکن ہے۔

(۱۲) کوئی مضمون مخالف مسلک علمائے دیوبند شائع نہ ہوگا۔ نیز جو مضمون انتخاب میں آکر طبع ہو جائیگا بشرط طلب لکھنے والے کو حسب حیثیت مضمون معاوضہ ادا کیا جائے گا۔

(۱۳) عدم انتخاب کی صورت میں مضمون بیرنگ واپس ہو سکیگا۔

(۱۴) جملہ خط وکتابت وترسیل زر بنام مہتمم المدیر القاسم دارالعلوم دیوبند ہونی چاہیے۔

(مینجر)

یادگار حضرت مولانا محمد قاسم النانوتوی بانی دار العلوم دیوبند

القاسم

دور جدید

جلد ۲ — نمبر ۱۱

ذیقعدہ سنہ ۱۳۴۷

دار العلوم دیوبند کا علمی، مذہبی، اخلاقی، تمدنی، تاریخی ماہوار رسالہ

(زیر ادارت)

فخر الہند حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب ناظم دار العلوم دیوبند

(باہتمام)

خاکسار طاہر بن احمد القاسمی نائب المدیر عفی عنہ

مطبع قاسمی دیوبند میں طبع ہو کر

دفتر القاسم دار العلوم دیوبند سے شائع ہوا

قیمت سالانہ دو روپیہ آٹھ آنہ (۲/۸) مع محصول ڈاک

فی پرچہ

فہرست مضامین رسالہ القاسم بابتہ ماہ ذیقعدہ سنہ ۱۳۴۷ھ

۔ (دوئم) ۔

بیادگار حجۃ الاسلام

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب قدس اللہ سرہٗ

بانی دار العلوم دیوبند

بسرپرستی

قدوۃ الانام حضرت مولانا الشاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی

وحضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی و دیگر مقدس و مقتدر علماء دیوبند

شائع ہوتا ہے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ثمرات الاوراق

علمی۔ عملی۔ اخلاقی۔ تاریخی کشکول

ایک مدت مدید ہوئی جب احقر نے ناظرینِ القاسم کی ضیافت طبع کے لئے یہ لذیذ دلچسپ سلسلہ شروع کیا تھا اور بہت سے احباب کے خطوط بھی اظہار پسندیدگی کے لئے صادر ہوئے۔ اور چند حضرات نے یہ بھی فرمایش کی کہ ایک معتد بہ مقدار ہو جانے کے بعد اسکو علیحدہ طبع کر دیا جائے لیکن اتفاق سے ابتک یہ ارادہ حوادث کی نظر ہوتا رہا۔ اب پھر بنام خدا شروع کرتا ہوں۔ خدا کرے کہ مفید چیزوں کا مجموعہ ہو جائے، اور مفید ثابت ہو۔"

حضرت عبداللہ ابن مبارکؒ کا تقوے

دوسری صدی ہجری کے اوائل میں جن بزرگوں کی اقتدا کیجاتی تھی اور جنکا تذکرہ اسلامی تاریخ کی روح سمجھی جاتی ہے۔ عبداللہ ابن مبارک بھی اسی سلسلہ کے ایک عالی شان امام ہیں۔ علمی تبحر اور عملی زہد و ریاضت کے ساتھ حق تعالیٰ نے دنیوی وجاہت اور عام گرویدگی بھی ایسی عطا فرمائی تھی کہ خلیفۂ وقت ہارون رشید کی والدہ رشک کرتی اور کہتی تھیں کہ حقیقی بادشاہ یہ شخص ہے میرا بیٹا نہیں کیونکہ وہ لوگوں کو سزا کے

[illegible] اس کی تمنا تھی لوگوں کا یہ حال ہے جیسے شمع پر پروانے۔

عبداللہ بن مبارکؒ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی مشتبہ درہم جسکی حرمت اور حلت میں شبہہ ہو میرے پاس آجائے تو اس کا واپس کر دینا میرے نزدیک چھ کروڑ درہم صدقہ کرنے سے زیادہ افضل ہے۔

ایک مرتبہ جب آپ ملک شام میں تھے۔ کسی شخص سے ایک قلم عاریۃً لے لیا۔ جب وہاں سے واپس ہونے لگے تو دینا یاد نہ رہا۔ یہانتک کہ مرو (شہر کا نام ہے) پہونچ گئے۔ یہاں آکر یاد آیا تو فوراً شام کیطرف واپس ہوئے اور اتنی طویل مسافت کو محض اس قلم کو دینے کیلئے طے کیا۔ قلم اس کے مالک کے سپرد کرتے ہی پھر واپس ہوگئے۔

آپ فرمایا کرتے تھے کہ عالم ہونے کی شرائط میں سے ہے کہ دنیا کی محبت کبھی اس کے دل میں نہ گذرے۔ اور فرمایا کرتے تھے کہ مجھے تعجب ہے کہ اہل علم کو دنیا کی محبت کیسے ہو سکتی ہے وہ تو علمی خزائن سے اسقدر مالامال ہے کہ ساری دنیا اسکی محتاج ہے۔

کسی نے آپ سے دریافت کیا کہ سب سے زیادہ رذیل کون ہے۔ فرمایا جو دین بیچ کر دنیا وصول کرے۔

فرماتے تھے۔ کہ چار کلمے ہیں جنکو چار ہزار نصائح میں سے انتخاب کیا گیا ہے

(۱) عورت پر اعتماد مت کرو۔

(۲) مال پر مغرور مت ہو۔

(۳) اپنے معدہ پر اتنا بوجھ نہ لادو جو اسکی طاقت سے زیادہ ہو۔

(۴) علم میں سے صرف وہ علم حاصل کرو جو تمھارے لئے دین یا دنیا میں نافع ہو۔ فضول بحثوں سے بچو۔ (طبقات کبریٰ للشعرانی ص۲۳ جلد ۱)۔

امام ابن سیرینؒ کے چند ملفوظات

آپ کی عادت تھی کہ اگر آپ کی مجلس میں کسی کی برائی کیجاتی تو آپ اسکی تعریف و مدح فرماتے

اوراس طرح اس کی غیبت کو ختم کردیتے۔

آپ جب اپنی والدہ سے خطاب کرتے تھے تو کبھی منہ بھر کر یا بلند آواز سے نہ بولتے۔

ایک شخص لوگوں کے قرض میں دبا ہوا تھا، ایک مرتبہ ابن سیرین نے اسکو نصیحت کی اور عار دلایا کہ قرض لے لیکر بسر کرنا سخت ذلت کی زندگی ہے۔ یہ شخص اسوقت سے ابن سیرین کا دشمن ہوگیا، اور درپے آزار رہا یہانتک کہ کسی حیلہ سے امام موصوف کو قید کرا دیا لیکن جیلخانہ کا داروغہ اور تمام سپاہی آپ کی جلالت شان کے واقف تھے داروغہ نے کہا کہ آپ رات کو اپنے گھر چلے جایا کریں اور صبح کو پھر واپس آجایا کریں لیکن ابن سیرین نے قبول نہ فرمایا اور کہا کہ میں نہیں چاہتا کہ تم خیانت کرو اور میں اسمیں تمھاری مدد کروں۔

آپ فرمایا کرتے تھے کہ بڑا ظلم ہے کہ تم غصہ کے وقت اپنے بھائی کے عیوب تو سب یاد کرو اور اسکی حسنات اور بھلائیوں کو یکسر بھلا دو۔

جب کوئی آپ سے خواب کی تعبیر دریافت کرتا تو فرمایا کرتے تھے کہ تم بیداری میں اللہ سے ڈرو تو کوئی خواب تمھیں نقصان نہیں پہونچا سکتا۔

محمد بن کعب قرضی رحمۃ اللہ علیہ

ارشاد فرمایا کہ جب اللہ تعالے اپنے کسی بندہ کی بھلائی کا ارادہ فرماتے ہیں تو اس میں تین عادتیں پیدا فرمادیتے ہیں۔

(۱) ایک دین کی سمجھ اور فقاہت۔

(۲) دوسرے دنیا سے زہد اور بے رغبتی۔

(۳) تیسرے اپنے عیوب پر نظر اور اصلاح۔

اکثر فرمایا کرتے تھے کہ تھوڑی سی دنیا بہت سے دینی اور اخروی فوائد سے محروم کردیتی ہے۔

حضرت عطاء ابن ابی رباح رضی اللہ عنہ

آپ کی عادت تھی کہ جب آپ سے کوئی ایسی بات بیان کرتا جو آپ کو پہلے سے معلوم ہے تو آپ برابر اسکو کان لگاکر توجہ سے سنتے تھے تاکہ کہنے والے کی طبیعت مکدر نہو۔

حضرت عطاء ایک حبشی غلام تھے لیکن علم اور اس کی ساتھہ زہد و تقویٰ کی دہ دولتیں حق تعالیٰ نے آپ کے لئے جمع فرمادی تھیں کہ بڑے بڑے امراء و سلاطین آپ کی غلامی کو فخر سمجھتے تھے۔

ایک روز خلیفہ وقت سلیمان بن عبدالملک احکام حج سیکھنے کے لئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور شاگردانہ آداب کے ساتھہ آپ سے حاصل کیا۔ خدام اور بعض صاحبزادے بھی انکی ساتھہ تھے۔ جب فارغ ہوکر اٹھنے لگے تو آپ صاحبزادوں سے خطاب کرکے فرمانے لگے "دیکھا کہ یہ ہے علم کی عزت اور بے علمی کی ذلت کہ ہم آج ایک حبشی غلام کے آداب کو فخر سمجھکر بجالاتے ہیں اسلئے تمہارا فرض ہے کہ علم حاصل کرو۔

ایثار کی ایک عجیب مثال

تاریخ اسلام کی پہلی صدی جن اخلاق فاضلہ اور علمی عملی ترقیات کا گہوارہ ہے ان میں سے ایک بڑی چیز ایثار ہے۔ یوں تو اس تاریخ کا ہر ورق در حقیقت "ایں خانہ تمام آفتاب ست" کا صحیح مصداق ہے۔ لیکن اسوقت اس صدی کے دو بزرگ ابراہیم تیمی اور ابراہیم نخعی کے بعض حالات ہمارے سامنے ہیں۔ ان دونوں بزرگوں کی قابل تقلید زندگی کا ہر لمحہ انسان کیلئے سبق آموز عبرت ہے۔ جنمیں سے ایک واقعہ اسوقت ہدیہ ناظرین کیا جاتا ہے۔

یہ دونوں بزرگ اس زمانہ کے مشاہیر میں سے ہیں جبمیں حجاج بن یوسف کی تلوار صرف علماء مشاہیر اور بزرگان دین کو شہید کرنے کے لئے کھچی ہوئی تھی حجاج کے ظلم کے لئے کسی حیلہ

گرفتاری کا حکم دیکر ان کو پکڑنے کیلئے بھیجا۔ ابراہیم تیمی کو اسکی اطلاع ہوئی۔ تو فوراً سپاہیوں کے پاس پہونچکر اپنے آپ کو سپرد کر دیا کہ میں ابراہیم ہوں، سپاہی صورت سے تو واقف نہ تھے، گرفتاری کے وارنٹ میں ابراہیم نام لکھا ہوا تھا۔ یہ سمجھکر کہ ہمارا اسنا ہی مجرم یہی ہے۔ انہیں گرفتار کرلیا اور دربار میں لیجا کر اطلاع کی کہ مجرم حاضر ہے۔ حجاج نے حکم دیا کہ ان کو ایک غار میں قید کر دیا جائے۔ اس غار میں کوئی چیز ایسی نہ تھی جو دھوپ کی شدت یا جاڑے کی تکلیف سے بچا سکے۔ حضرت ابراہیم تیمیؒ دھوپ اور گرمی کی شدت اور قید کی تکلیف شاقہ سے بیمار ہوکر اسی حالت میں دفات کر گئے اور اپنے بھائی ابراہیم نخعی پر اس طرح جاں نثار کر دی۔

جس روز آپ کی دفات ہوئی تو حجاج نے خواب میں دیکھا کہ کوئی کہنے والا کہتا ہے، کہ آج تمہارے قید خانہ میں ایک جنتی آدمی کا انتقال ہوا ہے۔ صبح کو تفتیش کی تو معلوم ہوا کہ ابراہیم تیمی کی دفات ہوئی ہے۔ حجاج نے اسکو بھی یہ کہکر ٹالدیا کہ شیطانی پریشانی خواب ہے۔

حضرت ابراہیم تیمیؒ فرمایا کرتے تھے کہ جب تم کسی شخص کو دیکھو کہ نماز جماعت میں تکبیر اولیٰ میں تساہل کرتا ہے یعنی ابتدا سے جماعت میں شریک ہونے کا اہتمام نہیں کرتا تو اسی شخص سے ہاتھ دھولینا چاہیے اور سمجھ لینا چاہیے۔ کہ وہ دین کی کوئی خدمت نہ کرسکیگا۔

حضرت ابراہیم نخعیؒ کا تقوے

آپ سفر کے لئے گھوڑا یا کوئی جانور کرایہ پر لیتے تو اگر راستہ میں کوئی چیز ہاتھ سے گر جاتی اور پیچھے لوٹ کر اسکو اٹھانے کی ضرورت ہوتی تو گھوڑے کو لوٹا کر نہ لاتے بلکہ خود پیادہ واپس ہوکر اسکو اٹھا کر لاتے تھے اور فرمایا کرتے کہ ہم نے یہ گھوڑا سیدھا لیجانے کے کرایہ پر لیا ہے پیچھے لوٹانے کے لئے یا کسی دوسری طرف چلاتے کے لئے کرایہ نہیں کیا۔

اسی طرح ایک مرتبہ حضرت طلحہ بن مصرفؒ کے گھر میں پڑوسی کی کنیز آگ لینے کے لئے آئی اور اس کے ہاتھ میں لوہے کی سیخ تھی حضرت طلحہ کی اہلیہ نے اس کنیز سے کہا کہ تم کو

[illegible]

کنیز ٹھیر گئی اور اس طرح حضرت طلحہ کے لئے گوشت بھونا گیا۔ جب حضرت طلحہ کو اطلاع ہوئی تو فرمایا کہ میں یہ کھانا ہرگز نہیں کھا سکتا جب تک کہ پڑوسی سے اسکی اجازت نہ لیجائے۔ کیونکہ اس کی کنیز کو اتنی دیر تک روکنا اور پھر اسکی سیخ کا استعمال کرنا بلا اجازت جائز نہیں۔

حضرت منصور بن معتمر کی نماز

سفیان ثوریؒ کا بیان ہے کہ اگر تم منصور بن معتمر کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھو تو یقین کرلو گے کہ یہ اسیوقت مرنے والے ہیں۔

آپ کی عادت تھی کہ ساری رات اپنے مکان کی چھت پر نماز میں گذارتے تھے اور طول قیام کے ساتھ خشوع و خضوع کی یہ حالت تھی کہ دیکھنے والے کو بالکل یہ نظر آتا تھا کہ چھت پر کوئی لکڑی گڑی ہوئی ہے۔

اسلئے جب آپ کی وفات ہوئی تو پڑوسی کی ایک چھوٹی لڑکی اپنے باپ سے کہنے لگی کہ "اباجان آج وہ لکڑی کہاں گئی جو ہمارے پڑوسی کے مکان کی چھت پر گڑی ہوئی تھی۔ اور جس کو ہم ہمیشہ دیکھتے تھے"۔

آپ کی عادت تھی کہ ساری رات عبادت و نماز میں گذارتے۔ لیکن جب صبح ہوتی تو آنکھوں میں سرمہ اور داڑھی وغیرہ میں تیل لگاکر باہر نکلتے تھے تاکہ شب بیداری کے آثار چہرہ پر نمایاں نہ ہوں۔ اور دیکھنے والا یہ سمجھے کہ ساری رات سوکر اٹھے ہیں (طبقات کبریٰ للشعرانی صفحہ ۳۴ جلد ۱)۔

یہ چند بزرگوں کے اقوال و اعمال کا ایک مختصر نمونہ ہے ہر مسلمان کا فرض ہے کہ اقتداء کی کوشش کرے اور کم از کم ان حضرات کی محبت و عظمت سے اپنے قلب کو معمور کرے کیونکہ حدیث میں ہے المرء مع من احب۔ یعنی ہر شخص کا انجام اور حشر اسکی ساتھ ہوگا جسکی اسکو محبت ہو۔ یا اللہ ہم سکو

احیاء سنّت ابراہیمی ۱

دنیا میں انسان خدا کا نائب وخلیفہ بنکر آیا ہے۔ ساری کائنات اسی کے تصرف و اقتدار میں دیدی گئی ہے۔ عقل وشعور ادراک وفہم یہ وہ زبردست طاقتیں انسان کو اسکے خدا کیطرف سے دیگئیں ہیں کہ اسکے بعد البقاء الاصلح وجہد للحیات میں اسکی بلند مرتبہ نوع کا شرف چھپا نہیں رہسکتا۔ فرمایا گیا ہے

ان الدنیا خلقت لکم وانکم خلقتم للاخرۃ | دنیا تمہارے لئے بنائی گئی، اور تم آخرت کے لئے۔

اتنے سے اشارہ کے بعد اب ذبح حیوانات وشعار قربانی و احیاء سنّت ابراہیمی پر نظر ڈالئے کہ آخر اس شعار میں حکمت الٰہی کا اقتضا کیا ہے۔

خدائے رحیم وستار نے حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے مختلف طریقے سے امتحان لئے دعوی محبت کو مختلف شکلوں سے پرکھا کبھی آگ میں ڈلوا دیا کبھی تنہائی قید جیسی تکلیفوں سے دوچار کیا ایکمرتبہ اسی مذکورہ بالا معیار پر جانچنے کی یہ صورت ہوئی کہ خالق کائنات کیطرف سے حکم ہوتا ہے کہ ای ہمارے خلیل اگر تم ہمکو سب سے زیادہ محبوب رکھتے ہو اور اگر تم ہمارے سچے دوست ہو تو اپنے بیٹے کو ہماری راہ میں قربان کردو، "یعنی ان کی روح کو مادیات سے بے نیاز کردو"، یہ حکم پاتے ہی حضرت خلیلؑ اپنے لخت جگر دلبند فرزند حضرت اسمٰعیلؑ کو جنگل لیجا کر منشاء الٰہی سے خبردار فرماتے ہیں اور انکے ایماء رضا پر انھیں زمین پر لٹا دیتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ ان کی روح کو مادیات سے پاک وصاف کرکے اپنے حقیقی محبوب کے پاس بھیجدیں کہ غیب سے آواز آتی ہے اور فرمایا جاتا ہے۔

قد صدقت الرویا انا کذالک نجزی المحسنین | تم نے اپنے خواب کو خوب سچ کر دکھایا۔ ہم نیکی کرنیوالوں کو یوں جزائے خیر دیتے ہیں۔

منعم حقیقی ومحسن ازلی کو روح اسمٰعیلی کا طلب کرنا تو مقصود نہ تھا کیونکہ اذا جاء اجلہم لا یستاخرون ساعۃً ولا یستقدمون کی روسے وہ تو ایک نہ ایک دن مولائے حقیقی سے ملنے والی چیز ہی تھی۔ حضرت حق جل مجدہٗ تو صرف پرکھنا اس محبت کا تھا جسکا دعویٰ ایک پاک روح کیطرف سے ہوا تھا۔ جب قربانی کی اس انتہائی منزل سے ثبات قدمی عیاں ہوگئی تو اب حضرت حق کیطرف سے حضرت اسمٰعیلؑ کے بدلہ قربانی دی گئی،

فرشتے جنت سے ایک مینڈھا لائے اور اسکو قربان کیا گیا۔ اور ارشاد ہوا۔

وفدیناہ بذبح عظیم وترکنا علیہ فی الاخرین | اور ہم نے اسمٰعیل کا فدیہ بڑی قربانی قرار دیا اور ہم نے اونکا اچھا چرچا من بعد کے لئے کیا۔

اس فدیۂ قربانی لے ایک اور تعلیم خدانے اپنے بندونکو دی۔ اور وہ یہ کہ جسطرح تم ہماری راہ میں اپنی جان کی قربانی کر سکتے ہو اسیطرح جو چیزیں تمہارے تصرف و استعمال کیلئے خدا نے تم کو عطا کیں ہیں انھیں بھی بشرط استطاعت تم خدا ہی کے لئے صرف کیا کرو۔

مثلاً دنیا میں منجملہ اشیاء کے وہ حلال اور پاک حیوان ذی روح بھی ہیں جو تمہاری باقی رہنے کیلئے پیدا کئے گئے ہیں اور انکی حیات سے صرف یہی مطلوب ہے کہ وہ معدوم ہوکر تمہاری وجود کو بڑھائیں اور پھیلائیں۔

اگر تم سنت ابراہیمی و فدیہ ربانی کی یادگار میں پاک اور حلال جانوروں میں سے ہر سال ایک جانور ذبح کر کے اپنے لئے اپنے خدا کیلئے اور خدا کے غریب و مفلس بندوں کیلئے قربان کردیا کروگے تو جہاں اس سے ایکطرف جذبۂ ابراہیمی کی یاد تازہ ہوگی اور قربانی کا جذبہ تم میں پیدا ہوتا رہیگا وہیں اس جانور کی نوع کو بھی یہ شرف نصیب ہوگا کہ وہ اشرف کائنات سے خاص قربت اختیار کریگی اور اسکے وجود سے جس طرح عالم میں برکت کا اضافہ ہوگا اسیطرح اسکے عدم سے بھی ازدیاد رحمت ہوگا۔

درخت کی ڈالیوں کے کاٹے جانیسے جسطرح درخت کا پھلنا اور بڑھنا یقینی ہے درخت کے ثمرات صالحہ کے کام میں آجانیسے جسطرح اسکا بامراد ہونا ظاہر ہے اسیطرح جس نوع کو خدا کی راہ میں قربان گاہ پر چڑھایا جائیگا ظاہر ہے کہ اسمیں ایک خاص برکت وکثرت پیدا ہوگی۔ اور ایسا کرنا اس نوع کیساتھ ظلم کی بجائے رحمت ہوگا۔ ہماری خیال میں منصف مزاج طبقہ کے لئے یہ مختصر سا بیان شعار قربانی و احیاء سنت ابراہیمی کیلئے کافی ہے گو یہ بحث نہایت وسیع ہے اور اگر قلت وقت و صفحات مانع نہوتے تو بہت کچھ لکھا جاتا۔ تاہم کیفیت یقینیاً اس بیان سے ضرور حاصل ہوسکتی ہے۔ جو مسلمان صاحب نصاب ہیں اور شریعت محمدیہ کے احکامات کے لحاظ سے مستطیع ہیں انپر واجب ہے کہ وہ شعار قربانی کو خلوص نیت اور فہم سلیم کیساتھ ادا کریں اور بغیر کسی جھگڑے اور نزاع کے اس شعار کو پورا کر کے اجر حاصل کریں۔ اللہ انکا حامی و مددگار رہے۔

محکمۂ قضاء کا قیام اور اسکی شرعی حیثیت

(گذشتہ سے پیوستہ)

(۵) قال فی الدر ویجوز تقلد القضاء من السلطان العادل والجائر ولو کان کافرا ذکرہ مسکین وغیرہ الا اذا کان یمنعہ عن القضاء بالحق فیحرم اھ (صفحہ ۲۶۳ ج ۴) وفی العالمگیریۃ والاسلام لیس بشرط ای فی السلطان الذی یقلد کذا فی التاتارخانیۃ اھ (صفحہ ۱۶۰ ج ۴)۔

(نمبر ۵) در مختار میں ہے عہدہ قضا کا عادل بادشاہ اور ظالم دونوں سے قبول کرنا جائز ہے۔ اگرچہ وہ کافر کیوں نہ ہو مسکین وغیرہ نے (صراحۃً) ذکر کیا ہے مگر جبکہ وہ بادشاہ اسکو حق پر قضا کرنے سے روکے تب وہ عہدہ حرام ہے (صفحہ ۲۶۳ ج ۴) عالمگیری میں ہے کہ اسلام شرط نہیں اس بادشاہ کے اندر جو کسی کو قاضی بنائے۔ (صفحہ ۱۶۰ جلد ۴)۔

اس سے معلوم ہوا کہ ہندوستان میں اگر گورنمنٹ اپنی طرف سے کسی مسلمان کو قاضی بنادے اور جن مسائل میں قضا قاضی یعنی مسلم حاکم کے فیصلہ کی ضرورت ہے ان میں اسکو فیصلہ کا اختیار دیدے تو وہ شرعی قاضی ہوجائیگا اور اسکے فیصلے فسخ نکاح وایقاع طلاق وثبوت نسب وحکم موت ومفقود وغیرہ میں نافذ ہوں گے بشرطیکہ اس کو موافق حکم شرع کے فیصلہ کرنے کا اختیار دیا جائے خلاف حکم شرع فیصلہ پر مجبور نہ کیا جائے۔

(۶) قال فی العالمگیریہ واذا اجتمع اھل بلدۃ علی رجل وجعلوہ قاضیا یقضی فیما بینھم لا یصیر قاضیا (صفحہ ۱۶۳ ج ۴)۔

عالمگیری میں ہے جب ایک شہر والے کسی قاضی پر متفق ہوں اور اس کو اپنے مابین قضا کے لئے قاضی بنالیں تو اس سے قاضی نہیں بنتا۔

اس سے معلوم ہوا کہ ہندوستان میں کسی جگہ کے مسلمان بطور خود بدون گورنمنٹ کی اجازت کے اگر کسی کو قاضی بنالیں تو وہ قاضی نہ ہوگا کیونکہ اس کی ولایت عامہ نہ ہوگی البتہ حکم ہوجائیگا جس کا فیصلہ اسیوقت معتبر ہوگا جبکہ مدعی ومدعا علیہ دونوں رضامندی سے اپنے معاملہ کو اسکے سپرد کردیں اور اگر ایک نے سپرد کیا اور دوسرے نے سپرد نہ کیا تو اس صورت میں حکم کا فیصلہ کالعدم ہے اور فریقین باہمی رضامندی سے اگر کسی کو حاکم بنالیں اور وہ موافق حکم شرعی

فیصلہ کردے تو اسے بھی فسخ نکاح وغیرہ کا اختیار ہوگا اور اس کے فسخ سے بھی نکاح فسخ ہوجائیگا یعنی جب معاملہ سپرد کردیا گیا اور فیصلہ تک تحکم سے کسی فریق نے رجوع نہ کیا تو اب حکم کا فیصلہ بھی مثل فیصلہ قاضی کے لازم ونافذ ہوجائیگا۔ پھر کوئی فریق اس کو توڑ نہیں سکتا۔ بشرطیکہ فیصلہ موافق حکم شرع ہو۔

قال الشامی: ما المحکم فشرطہ اھلیۃ القضاء ویقضی فیما سوی الحدود والقصاص اھ ص ۳۲۱ وفیہ ایضاً التحکیم عرفاً تولیۃ الخصمین حاکما یحکم بینھما ببینۃ او اقرار او نکول ورضیا بحکمہ۔ الی ان حکموا احترازاً عما لو رجعا عن تحکیم قبل الحکم او عما لو رضی احدھما فقط شامی اھ لو فی غیر حد وقود ودیۃ علی عاقلۃ لان حکم المحکم بمنزلۃ الصلح وھذہ لا تجوز بالصلح فلا تجوز بالتحکیم وینفرد احدھما بنقضہ ای التحکیم بعد وقوعہ فان حکم لزمھما ولا یبطل حکمہ بعزلھما لصدورہ عن ولایۃ الشریعۃ اھ (ص ۳۲۲ ج ۴)

شامی میں ہے حکم کے لئے شرط ہے کہ وہ قضا کا اہل ہو ماسوا حدود اور قصاص میں قضا کرے اسی شامی میں ہے سرپنچ بنانا مدعی اور مدعا علیہ کا کسیکو اپنے اوپر حاکم مان لینا ہے کہ وہ سرپنچ ان کے درمیان بینہ یا اقرار یا انکار کی بنا پر فیصلہ کرے اور وہ دونوں اسکے فیصلہ پر راضی ہوں اگر اس سرپنچ کے فیصلہ کرنے سے پیشتر اسکے حکم ہونے سے رجوع کریں یا خالی ایک ہی راضی رہے ایک نہ رہے تو یہ فیصلہ نافذ نہ ہوگا۔ شامی میں ہے حکم کا فیصلہ حد اور قصاص اور دیت کے سوا نافذ ہوگا کیونکہ حکم یعنی سرپنچ کا حکم بمنزلہ صلح کے ہوتا ہے ان امور میں صلح جائز نہیں تو سرپنچ بنانا بھی جائز نہ ہوگا اور اگر ایک شخص سرپنچی کو توڑدے بعد تسلیم کرلینے کے تو اس سے سرپنچی ٹوٹ جائیگی لیکن اگر نقض سے قبل اس نے فیصلہ کردیا تو فریقین پر لازم ہوگا اور اب ان کے معزول کرنے کی وجہ سے اس کا حکم باطل نہ ہوگا کیونکہ وہ حکم ولایت شرعیہ سے صادر ہوا۔

(۷) جب یہ معلوم ہوچکا کہ قاضی شرعی حاکم مسلم کا قائم کرنا مسلمانوں کے ذمہ فرض ہے اور یہ بھی ثابت ہوچکا کہ بعض معاملات میں حاکم غیر مسلم کا فیصلہ شرعاً معتبر نہیں بلکہ حاکم مسلم کا فیصلہ ضروری ہے تو عامہ مسلمین پر ضروری ہے کہ وہ اپنی اس شرعی ضرورت کو گورنمنٹ کے سامنے

پیش کرکے درخواست کریں کہ ہندوستان میں منصب قضا کو قائم فرما کر اپنی مسلم رعایا کو مشکلات سے نجات دے چونکہ گورنمنٹ اپنی رعایا کی راحت رسانی اور بالخصوص مذہبی معاملات میں ہر طرح کی آسانی بہم پہونچانے کی ذمہ دار ہے اس لئے قوی امید ہے کہ یہ درخواست منظور ہوگی۔

نیز جو مسلم ممبران کونسل اس مسئلہ کو کونسل میں پیش کرنے والے ہیں ان کے ساتھ سب مسلمانوں کو اتفاق رائے ظاہر کرنا چاہئے اور ہر ضلع کے مسلمانوں کو اپنی طرف سے الگ الگ اس مسئلہ کی ضرورت ظاہر کرنا چاہئے۔ کیونکہ گورنمنٹ کی طرف سے جو بے توجہی ابتک اس مسئلہ پر ہوئی ہے اس کا سبب صرف یہ ہے کہ اس کو ہنوز ضرورت کے اطلاع اہمیت کے ساتھ کسی نے نہیں کی ضرورت پر مطلع ہو کر امید ہے کہ گورنمنٹ بہت جلد مسلمانوں کے حال پر توجہ فرمائے گی۔ فقط

(کتبہ الاحقر عبد الکریم۔ گمتھلوی کرنالی عفی عنہ)

(۲) هُوَالموفق۔ مسلمانوں کے ان منازعات باہمی رفع کرنے کے لئے جن میں قاضی کا حکم کرنا شرائط سے ہے قاضی (یعنی حاکم مسلم) کا مقرر کرنا نہایت ضروری ہے اور قاضی کے لئے ضروری ہے کہ صاحب حکومت ہو پس جس کو مسلمان باہمی اتفاق کے ساتھ قاضی بنائیں گے وہ قاضی نہ کہلائیگا۔ ہاں گورنمنٹ کا مقرر کردہ حاکم مسلم قاضی شرعی کے حکم میں ہوگا اور اس کے احکام شرعاً قابل نفاذ ہونگے۔ لیکن چونکہ قاضی بنائے جانے کا وہی اہل ہے جو شاہد بننے کی صلاحیت رکھتا ہو بدمذہب اگر مقرر کیا گیا تو وہ صحیح معنی میں قاضی نہ کہلائیگا اسلئے نہایت ضروری ہے کہ اس کا انتخاب علمائے اہل سنت کے ہاتھ میں ہو تاکہ وہ باہمی اتفاق کے ساتھ ایسے شخص کو پیش کر سکیں جو قاضی ہونے کی صلاحیت رکھتا ہو۔

محمد مظہر اللہ غفرلہ۔ امام مسجد فتحپوری دہلی

۲۳ صفر المظفر ۱۳۴۸ھ

(۳) هُوَالموفق۔ ہندوستان میں نصب قاضی کا مسئلہ نہایت اہم ہے اور محکمہ قضا قائم نہ ہونے کی وجہ سے مسلمانوں کو بہت سے مذہبی اور معاشرتی معاملات میں جو ہولناک مصائب پیش ... کا احصا دشوار ہے۔ جوابوں میں نمونے کے طور پر چند شعبوں کا ذکر کیا گیا ہے وہ صحیح ہے

کہ مسلمانوں نے بھی نصب قضا کے لئے ابتک کوئی منظم سعی نہیں کی مگر اب ضرورت اتنی روشن ہو گئی ہے۔ کہ مسلمانوں کو گورنمنٹ سے پرزور درخواست کرنے اور گورنمنٹ کی جانب سے اسکے منظور اور جاری کرانے میں مزید توقف کا ہرگز موقع باقی نہیں رہا۔ ہزاروں عورتوں کی جانیں خطرے میں ہیں جن کا علاج محکمہ قضا کے سوا کوئی قطعی طور پر نہیں ہو سکتا۔

محمد کفایت اللہ غفرلہ مدرسہ امینیہ دہلی۔ ۲۲ صفر المظفر ۱۳۴۵ھ

(۴) مولانا کفایت اللہ صاحب صدر جمعیت العلماء کی رائے گرامی سے مجھے کلی طور پر اتفاق ہو فقط

مناظر احسن گیلانی۔ پروفیسر کلیہ عثمانیہ حیدرآباد۔

(۵) میں بھی اس مضمون کی تصدیق و توثیق کرتا ہوں۔ اشرف علی۔ ۳۰ صفر ۱۳۴۵ھ

(۶) جواب بالکل صحیح ہے۔ اور احقر اس بارہ میں مستقل رسالہ "القول الماضی فی نصب القاضی" لکھ چکا ہے جو قابل ملاحظہ ہو۔ اشرف المطابع تھانہ بھون سے ملیگا۔ فقط

ظفر احمد عفا اللہ عنہ۔ از تھانہ بھون خانقاہ امدادیہ۔ ۴ ربیع الاول ۱۳۴۵ھ

(۷) ہو المصوب محکمہ قضا کی اہمیت بہت واضح ہو چکی ہے۔ اب گورنمنٹ سے اس کی منظوری حاصل کرنے کے لئے مسلمانوں کے واسطے کوئی گھڑی انتظار کی باقی نہیں رہی۔ بہتیرے ایسے مسائل ہیں جن کا حل محکمہ قضا پر موقوف ہے اور اس کے نہ ہونے کی وجہ سے اصلاحی صورتیں پامال اور برباد ہو رہی ہیں۔ اگر موجودہ حالت مسلسل رہی تو پھر خدا معلوم مسلمانوں میں کیا قیامت برپا ہو گی۔ اس لئے ضروری ہے کہ مسلمان اس فریضہ مہتم بالشان کے لئے کمال جد و جہد سے کام لیں نیز فاضل مجیب نے سوالات کو بوجہ احسن حل کر دیا ہے۔ اور محکمہ قضا کی ضرورت کو بھی خوب واضح کر رہا ہے۔

عبد الرحمٰن مدرس دوم مدرسہ نعمانیہ امرتسر۔

(۸) محکمہ قضا اسلام میں اہم الاہم ہے۔ لہذا گورنمنٹ اس امر کی طرف ضرور بالضرور توجہ مبذول کرے ورنہ امور موقوفہ علی القضاء جیسے مسلمانوں کے منصب قضاء سے غفلت کی وجہ سے اب تک پامال تھی۔ اب حکومت کی عدم توجہ کی وجہ سے رہیں گے۔ چونکہ رعایا پروری

کے خلاف ہے۔ عبدالکبیر مدرس مدرسہ نورالحق امرتسر۔ ہذا ہوالحق الصریح وہو الحق بالاتباع۔

(۹) ہذا ہوالحق وبالاتباع احق۔ محمد یوسف امام و مدرس درمسجد بابو علی بخش امرتسر۔ نور احمد عفی عنہ

(۱۱) محکمۂ قضاء کی ضرورت میں کسی کو کلام نہیں۔ اس کی اجراء میں بیشمار مصالح ہیں نمونہ کے طور پر فاضل مجیب نے کچھ ظاہر فرمادیا ہے۔ اس میں کوشش کرنا بہت بڑا جہاد ہے۔ اور اہل اسلام پر احسان ہے۔

انا احقرالزمن محمد حسن عفی عنہ۔ مدرس اول مدرسہ نعمانیہ امرتسر واقع جامع مسجد خیرالدین مرحوم

(۱۲) بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ۔ امّا بعد واقعی محکمہ قضاء کا قائم ہونا نہایت ضروری ہے۔ اور مہتم بالشان امر ہے۔ بہت سے مسائل ضروریہ اور واقعات موجودہ کا فیصلہ قضاء پر موقوف ہے۔ لہذا بہت ضرور ہے کہ سربرآوردگان اسلام گورنمنٹ عالیہ سے پرزور درخواست کرکے اسکو منظور کرادیں۔ اور گورنمنٹ کے فرائض میں سے ہے۔ کہ مسلمانوں کے معاملات کے فیصلہ کرنے کے لئے نصب قضاۃ کا انتظام کرے اس میں توقف کی گنجائش نہیں ہے۔ کیونکہ بہت سے وہ معاملات جو قضاء قاضی پر موقوف ہیں بوجہ نہ ہونے قاضی کے ناتمام رہتے ہیں۔ فقط

عزیز الرحمٰن عفی عنہ از دیوبند

۷ ربیع الاول ۱۳۴۲ھ

(۱۳) درحقیقت ظالم و بے رحم شوہروں کی اصلاح مظلومہ اور ستم رسیدہ خاتونوں کی فلاح نیز واقف اور جاہل قاضیوں کے دام جہالت سے بچنے کی تدبیر وراہ صرف اسی میں ہے۔ کہ از جانب حکومت بااختیار اور شرعی قاضی یعنی حاکم مسلم مقرر کئے جائیں۔ فقط

احقر ظہور الحق خطیب جامع سرائے شیخ املاء۔

(۱۴) الحق قاضی کی ضرورت واہلیت و شرائط کے متعلق جو کچھ حضرت مجیب نے تحریر فرمایا سب بجا و درست اور صحیح ہے۔ نہایت ضروری ہے کہ نصب قاضی شرعی کی طرف توجہ گورنمنٹ مبذول کرانے میں جان توڑ کوشش کی جاوے کہ یہ اس کی جماعت مسلمین کثرہم اللہ تعالیٰ ایک جسم ہے گویا

یمن کا امر تیسیر. لعل اللہ یحدث بعد ذلک من یلی امرھا و یجمع شملھا و ھو حسبنا اللہ و نعم الوکیل۔ حررہ عبد العاصی محمود بریلوی صانہ اللہ عما شانہ الوارد فی الحال اٹاوہ

(۱۵) نصب محکمہ قضائی شرعی کے متعلق گورنمنٹ کی توجہ مبذول کرانی نہایت ضروری ہے اس میں مسلمانوں کی بہتری اور اصلاح مضمر ہے۔ فقط العبد ظفر حسین ہیڈ مولوی اسلامیہ ہائی اسکول اٹاوہ کان اللہ

سید محمد منور علی عفی عنہ۔ محمد قاسم ساکن بلیا مقیم حال اٹاوہ بقلم خود۔

(۱۶) و ہو الموفق للجواب۔ ہمارے ملک میں قاضیوں کی منجانب حکومت مقرر کرنے کی نہایت ضرورت ہے۔ جیسا کہ فاضل مجیب صاحب نے اپنی تحریر میں محض مسائل کی تفصیل بیان کرکے ثابت کیا ہے یہاں اس وقت ان کے علاوہ اور بھی بہت سی صورتیں درپیش ہیں۔ جن کا تصفیہ بغیر نصب قاضی ناممکن ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ قاضی کا تقرر جب ہی مفید اور اثرانداز ہوسکتا جب کہ منجانب حکومت ہو پس تمام مسلمانوں کو متفقہ طور پر اس کی پرزور کوشش کرنی چاہیے۔ ہاں انتخاب قاضی کے لئے ان باتوں کا لحاظ ضروری ہے جو مجیب نے مصرح بیان کردی ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔ کتبہ بندہ سید حمید الدین غفرلہ مہتمم مدرس مدرسہ عربیہ گلاوٹھی ضلع بلند شہر

۸ ربیع الاول ۱۳۳۱ ہجری

(۱۷) المجیب مصیب۔ احقر عبد الحق سلمہ الحق خویدم الطلبہ۔ مدرسہ عربیہ گلاوٹھی ضلع بلند شہر۔

(۱۸) لقد اصاب من اجاب۔ احقر العبد بشیر احمد غفرلہ اللہ الاحد مدرس مدرسہ منبع العلوم قصبہ گلاوٹھی ضلع بلند شہر۔ الجواب صحیح والمصیب مصیب۔ بندہ ابرار احمد غفرلہ الصمد مدرس مدرسہ منبع العلوم قصبہ گلاوٹھی ضلع بلند شہر۔

(۲۰) باسمہ سبحانہ۔ مجیب علامہ نے مسئلہ نصب قضاء کے متعلق جو کچھ تحریر فرمایا بالکل حق اور صحیح ہے۔ حقیقت الامر یہ ہے کہ ہندوستان کے مسلم پبلک کو منصب قضاء کے نہ ہونے کی بدولت آئے دن جن مصائب سے دوچار ہونا پڑتا ہے وہ احاطہ تحریر سے باہر ہیں۔ اور ان کا صحیح اندازہ

طول وعرض میں ہزارہا کی تعداد میں ایسی عورتیں موجود ہیں جو محض منصب قضا کے نہ ہونے کی وجہ سے بیشمار مصائب روحانی وجسمانی کا شکار ہو رہی ہیں۔ اور بارہا دیکھا گیا ہے کہ یہی مصائب ان کو خودکشی پر بھی مجبور کر دیتے ہیں ایسی حالت میں نصب محکمہ قضا کے لئے گورنمنٹ سے استدعا کرنا اور اس کے کامیاب بنانے میں ہر ممکن سعی کرنا مسلمانوں کا اہم فریضہ ہے۔ جو صاحب اس تحریک میں سعی فرمائیں گے۔ عنداللہ اجر عظیم کے مستحق ہوں گے۔ فقط

خاکسار محمد منظور نعمانی غفرلہ خادم التدریس مدرسہ عربیہ مرادآباد مؤرخہ ۹ ربیع الاول

(۳۱) الجواب صواب۔ انوار الحق غفرلہ مدرس مدرسہ محلہ چلہ مرادآباد

فضل احمد مدرس مدرسہ عربیہ محلہ چلہ مرادآباد ضلع مرادآباد۔

(۳۲) محکمہ قضا کا مطالبہ گورنمنٹ سے موجودہ حالت میں نہایت ضروری ہے۔ علماء کرام کو اس کے حاصل کرنے کی متفقہ کوشش کرنی لازمی ہے۔ فقط بندہ محمد نعیم عفااللہ عنہ خلف مولانا عبداللہ صاحب مفتی لدھیانہ پنجاب

(۳۳) قیام محکمہ قضا ضروریات دین میں سے ہے اس لئے اس کا مطالبہ آج سے بہت پہلے ہونا چاہیئے تھا مگر اسوقت تو پہلے سے ضرورت بہت زیادہ محسوس ہوئی ہے۔ لہذا اہل اسلام کو اس کی تحصیل میں بہت زیادہ کوشش کرنی چاہیئے۔ فقط واللہ اعلم۔ احقر محمد عبداللہ مفتی مدرسہ عزیزیہ لدھیانہ خلف مولانا محمد اسمٰعیل صاحب مرحوم بلیہ وٹ۔

(۳۵) محکمہ قضا کی ضرورت عامہ فی زمانہ کسی اہل دین پر مخفی نہیں ہے۔ جزئیات مذکورہ کے علاوہ بہت سے مسائل عقود وفسوخ محکمہ قضا پر موقوف ہیں۔ جن کے لئے قاضی شرعی ضروری ہے چونکہ اکثر جزئیات میں عامۃ الناس فہم نہیں رکھتے لہذا اس کا انتخاب اور قاضی کا تقرر علماء کے سپرد ہونا چاہیئے۔ فقط بندہ رحمت علی بانی مدرسہ قاسمیہ لدھیانہ۔ احمد حسن عفی عنہ مہتمم مدرسہ اعم المدارس۔ تعلیم القرآن لدھیانہ پنجاب

(۳۶) مسلمانوں کے لئے قاضیوں کا نصب کرنا سخت ضروری ہے۔ بغیر اس کے ہندوستان

میں مسلمانوں کی زندگی وبال ہو رہی ہے۔ علاوہ مضامین اور خطبات کے میں نے مجلس نکاح و طلاق مجوزہ حکومت متحدہ (یو۔ پی) کی ایک جماعت کے صدر کی حیثیت سے مجلس مذکور نے جو اخلاقی روداد لکھی ہے اور جس پر مولانا کفایت اللہ صاحب صدر جمعیۃ علماء ہند دہلی اور مولانا قطب الدین عبدالوالی صاحب فرنگی محل کے دستخط ہیں۔ اس میں بہ تصریح حکومت سے قضاۃ کے تقرر کا مطالبہ کیا ہے۔ اور عبارات فقہ اور واقعات سے اس کی ضرورت ثابت کی ہے لیکن مسلمانوں کو اس کیلئے اب باقاعدہ تحریک اور جد وجہد کی حاجت ہے۔ (سید سلیمان ندوی)

(۲۷) ہندوستان میں قاضی شرعی کا ہونا ضروری امر معلوم ہوتا ہے۔ اس سے بہت سے منافع کی تنقید اور مضار کا انسداد ہو جائیگا۔ بندہ فخر الدین عفی عنہ گنگوہی۔ بندہ عبدالمجید عفی عنہ تھانوی مقیم حجرہ شریفہ رشیدیہ قدسیہ گنگوہ۔ عزیز حسین مہتمم مدرسہ قدوسیہ گنگوہ۔ منظور احمد رامپوری مقیم گنگوہ۔ محمد مسعود احمد بقلم خود۔

(۳۲) باللہ التوفیق۔ اسمیں شک نہیں کہ شریعت محمدیہ زہرا، اور ملت اسلامیہ غرا، میں ابواب نکاح، طلاق، نسب وقف وغیرہ کے کثیر التعداد مسائل اور کثیر الوقوع حوادثات اور باہمی نزاعات کا فیصلہ قاضی شرعی کے وجود پر موقوف ومشروط ہے۔ لہذا ایسی حالت میں سلطنت کی طرف سے محکمہ قضاء کا قائم ہونا اور ہر شہر کے واسطے ایک ایسا شخص جو عالم وعادل۔ فہیم ومبصر سُنّی کا مقرر ہونا اشد ضروری اور اہم مہمات سے ہے۔ اہل اسلام کا فرض ہے کہ اس کے لئے متحدہ کوشش اور سعی بلیغ فرمائیں۔ تاکہ آئندہ مسلمانوں کو امور مذہبی میں ناقابل برداشت مصائب کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ واللہ المستعان۔ محمد نور الحسن الرامپوری کان اللہ لہ۔

(۳۳) اس میں شک نہیں کہ بہت سے مسائل شرعیہ ایسے ہیں جو بغیر قضاء قاضی کے طے نہیں ہو سکتے اہل اسلام کو چاہیئے کہ انتہائی کوشش کر کے حکومت سے قاضی کو مقرر کرائیں تاکہ وہ مسائل جو قضاء پر موقوف ہیں طے ہو سکیں۔ واللہ سبحانہ اعلم محمد معوان حسین العمری المهدی مدہ

(۳۵) بیشک تقرر قاضی کی از حد ضرورت ہے۔ محمد ریحان حسین العمری المجددی مدرسہ ارشاد العلوم واقع ریاست رامپور محلہ چاہ شور۔ احقر حامد علی کان اللہ لہ۔

(۳۷) بیشک تقرر قاضی موافق شریعت زہرا ضروری ہے۔ حررہ حمید اللہ المدرس مدرسہ ارشاد العلوم رامپور

(۳۸) بلاشبہہ مسلمانوں کے مذہبی معاملات کو مد نظر رکھتے ہوئے تقرر قاضی کی سخت ضرورت ہے اگر اس طرف حکومت کی توجہ مبذول ہو تو اہل اسلام کو چاہیے کہ تقرر قاضی کے لئے حکومت میں اپنی انتہائی سعی وکوشش کے صرف میں کسی طرح اغماض نہ فرمائیں۔ وعلی اللہ التکلان انہ خیر من اعان۔ خاکسار عبد اللہ رضوی جہاری عفا عنہ الباری مدرس مدرسہ ارشاد العلوم رامپور۔

(۳۹) الجواب۔ نصب قضا ایک نہایت ہی اہم اور ضروری مسئلہ ہے جس کے لئے مسلمانوں کو پُرزور اور منظم سعی کرنے کی ضرورت ہے۔ شرعی قاضی نہ ہونے سے آئے دن مسلمانوں کو صدہا مشکلات کا سامنا رہتا ہے۔ غیر مسلم عدالتیں جنکو ان مسائل کے تصفیہ کا کوئی حق نہیں۔ اور نہ اُن کا فیصلہ ان معاملات میں کوئی معتبر فیصلہ ہو سکتا ہے۔ دھڑا دھڑ مسلمانوں کی قسمت کا فیصلہ کرتے رہتے ہیں۔ اور بیچارہ مسلم مجبوراً از راہ نادانی ان محکمات کے سامنے سر تسلیم خم کر دیتا ہے۔ جس سے تمام عمر فریقین کی شرعی حرام میں کٹتی ہے۔ اور شرعی قاضی نہ ہونے کی بدولت عمر بھر مبتلائے حرام رہتا ہے۔ نمونہ کے طور پر مجیب نے چند مسائل بیان کر دئے ہیں۔ ورنہ ان سے صدہا مسائل کا انفصال بدون نصب قضا ناممکن ہے۔ واللہ اعلم

حررہ فخر الدین احمد غفرلہ مدرس مدرسہ شاہی مسجد مرادآباد۔

(۴۰) واقعی نصب قاضی کی اشد ضرورت ہے۔ محمد قدرت اللہ مدرس مدرسہ شاہی مسجد مرادآباد

الجواب اجو اصاب محمد عجیب نور غفرلہ مدرس مدرسہ شاہی مرادآباد۔

(۴۱) الجواب۔ واقعی نصب قضا کی اشد ضرورت ہے۔ تمام مسلمانوں کو عموماً اور ممبران صاحبان کو خصوصاً متفق طور پر کوشش کرکے گورنمنٹ سے استدعا کرنی چاہئے کہ وہ جلد از جلد

فقط واللہ اعلم وعلمہ اتم۔ کتبہ العبد الضعیف محمد مصلح الدین احمد عفرلہٗ۔ معین مفتی ونائب قاضی مدرسۃ الغربا قاسم العلوم واقع مسجد شاہی مراد آباد۔

(۳۳) قاضی شرعی نہونے کیوجہ سے مسلمانوں کو آئے دن جن دقتوں کا سامنا ہوتا ہے خصوصاً فسخ نکاح کے وقت وہ اظہر من الشمس ہے اسلئے موجودہ حکومت سے اس قسم کی درخواست کرکے منصب قضا کا تعین ازبس ضروری ہے۔ اور وہ حضرات جو اسمیں سعی بلیغ فرمارہے ہیں۔ بلاشبہ اجر عظیم کے مستحق ہیں۔

کتبہ ابو سعید عبد القدوس عفاعنہ مدرس مدرسہ مصباح العلوم الہ آباد۔

(۳۴) ہو الموفق۔ جوابات قدر کفایت بالکل صحیح ہیں۔ اصول شریعت اسلامیہ کے مطابق ہیں بیشک نکاح؛ طلاق ونسب؛ میراث کے مسائل عموماً ایسے ہیں جن کے فیصلہ وتنفیذ وتعمیل کے لئے قاضی شرعی یعنی حاکم مسلم عالم دینیات کا ہونا ضروری ہے۔ اور اکثر اہم صورتوں میں قضاء قاضی شرط لازمی ہے۔ جس کے بغیر شرعی فیصلہ ناممکن ہے۔ یقیناً محکمہ قضا، اور قاضی شرعی کے نہونے کیوجہ سے مسلمانان ہند کو اسلامی اصول معاشرت میں سخت مشکلات کا سامنا ہوتا ہے۔ لہٰذا گورنمنٹ کی خدمت میں محکمہ قضاء کی استدعا نہایت ضروری اور حق مذہبی ہے۔

فقیر ظفر حسین چشتی فاروقی مدرس عربی اسلامیہ کالج ڈھاکہ۔ ۸؍ ستمبر ۱۹۲۸ء

(۳۵) بیشک ہندوستان میں قاضی شرعی کا ہونا نہایت ضروری ہے۔

مطیع الرحمٰن عفی عنہ مدرس عربی اسلامیہ کالج ڈھاکہ۔ ۱۵؍ ستمبر ۲۸ء

(۳۵) مضمون فتوی ہٰذا سے بندہ موافق ہے۔ اور گورنمنٹ عالیہ کے کرم سے اُمید ہے کہ اُس کو منظور فرمادیں۔　الراقم محمد برات علی عفی عنہ امام مسجد نواب صاحب ڈھاکہ وناظم مدرسہ اسلامیہ ڈھاکہ

(۳۶) ہو الموفق۔ اسمیں کوئی شک نہیں ہے۔ کہ مسلمانوں کے مذہبی ضروریات کے لحاظ سے مسلمان قاضی کا مقرر کرنا احکام شرعیہ کے مطابق نہایت ضروری ہے۔ شرعی قاضی نہ پائے جانے کی وجہ سے مسلمانوں کو سخت دقتیں پیش آتی ہیں۔ فقط محمد عمر عفی عنہ۔ الجواب صحیح محمد ذاکر عفا اللہ عنہ

پیش ہو جاتے ہیں۔ جن میں اشد ضرورت مسلمان قاضی کی ہوتی ہے۔ بغیر قاضی کے بہت دقتیں
پش آتی ہیں۔ فقط خلیل احمد سلونی عفی عنہ۔

۲) شرعی قاضی یعنی والی مسلم کا ہونا بعض مسائل شرعیہ کے لحاظ سے نہایت ضروری ہے۔
حفیظ الرحمٰن عفی عنہ

۵) مذہبی ضروریات کو مدنظر رکھتے ہوئے قاضی کا ہونا بہت ضروری ہے۔ مشتاق احمد عفی عنہ۔

۵) بعض مسائل شرعیہ میں شرعی قاضی کی سخت ضرورت ہوتی ہے۔ مسلمانوں کو گورنمنٹ
۷ اس کے لئے درخواست کرنی بہت ضروری ہے۔ اشفاق احمد اعظمی عفی عنہ۔

۵) اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ مسلمانوں کے مذہبی ضروریات کے لحاظ سے قاضی کا اس
مانہ میں ہونا نہایت ضروری ہے۔ ثناء اللہ عفی عنہ۔

۵) بعض مسائل شرعیہ میں قضا قاضی کی اشد ضرورت پڑا کرتی ہے۔ اس لئے قاضی کا ہونا
نہایت ضروری ہے۔ سید محمد اسحاق عفی عنہ الہ آبادی۔

۵) بعض مسائل شرعیہ مثلاً فسخ نکاح وغیرہ میں شرعی قاضی کی نہایت ضرورت ہوتی ہے
س لئے قاضی ہونا چاہئے۔ محمد محب اللہ عفی عنہ۔

۵) فسخ نکاح و دیگر مسائل ضروریہ میں قاضی کی ضرورت پڑتی ہے۔ اس لئے شرعی قاضی کا
رازبس ضروری ہے۔ احمد الدین عفی عنہ الہ آبادی۔

۵) محکمہ قضا نہ رہنے کی وجہ سے بعض مسائل میں مسلمانوں کو سخت دقت کا سامنا ہوتا ہے اس لئے
لمانوں کو گورنمنٹ سے اس قسم کی درخواست کرنی ازبس ضروری ہے۔ محمد یوسف عفی عنہ۔

۵) شرعی قاضی کا تقرر بہت ضروری ہے مسلمانوں کو اسمیں کوشش کرنی چاہئے۔ عبد الحکیم غفرلہٗ۔

۵) بعض امور شرعیہ کے حل میں بغیر کسی شرعی مجاز شخصیت کے بسا اوقات بے انتہا دقتیں پیش
آتی ہیں۔ اسلئے کسی قاضی کا تقرر ہونا ضروری ہے۔ محمد حسین حسینی المصباح غفرلہٗ۔

۵) بعض مسائل شرعیہ کے لئے قاضی کا ہونا نہایت ضروری ہے۔ اسلئے گورنمنٹ سے تقرر

قاضی کی درخواست کرنا بدی ہے۔ اسحاق علی عفی عنہ۔

(۶۰) بلاشبہ قیام قاضی شرعی کی مسلمانوں کو ہندوستان میں شدید ضرورت ہے اور گورنمنٹ سے نصب قضاۃ کے لئے پرزور استدعا لازمی ہے کہ اس کے بغیر ہزارہا مسلمان عورتوں کی جان و آبرو سخت خطرہ میں ہے۔ جیساکہ تحریر بالا سے واضح ہوگیا۔ اور مزید تشریح کی حاجت نہیں رہی۔ فقط

عاشق الٰہی عفی عنہ میرٹھ۔ ۱۲ ربیع الاول ۱۳۴۷ھ۔

(۶۱) نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم۔ امابعد (۱) عہدہ قضاء احکامات الٰہیہ کے نفاذ کا نام ہے۔ جس کی شریعت اسلامیہ میں ہر آن ضرورت ہے زمانہ سرکار رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللهُ پر مامور ہوکر منصب قضاء کی عملاً تکمیل فرماتے رہے صحابہ کرام وخلفائے عظام نے بھی حضور کا تتبع کیا۔ خلفائے بنی امیہ وعباسیہ وغیرہ نے عہدہ قضاء کے قیام سے اسی سلسلہ کو باقی رکھا۔ غرضکہ جمہور اہل اسلام تقرر عہدہ قضاء کو فرض ولازم سمجھتے چلے آئے ہیں۔ امام محمدؒ نے نصب قاضی کو فرض محکم بتایا ہے۔

(۲) قاضی صاحب حکومت ہونا چاہئے۔ قاضی کی شرائط میں اسلام۔ عاقل۔ بالغ۔ حر۔ غیر محدود فی القذف ہونا داخل ہے۔ جسمیں یہ شرائط نہیں پائی جائیں گی وہ حاکم نہیں ہوسکتا۔

(۳) ولایت نابالغ۔ فسخ نکاح۔ مفقود الخبر۔ فسخ نکاح مجنون۔ فسخ نکاح فاسد وغیرہ ایسے معاملات ہیں جن میں قضاء قاضی کی ضرورت ہے۔

(۴) معاملات مذکورہ بالا میں شرعاً غیرمسلم حاکم کا فیصلہ قابل عمل ونفاذ نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ وہ احکامات اسلامیہ سے ناواقف ہیں۔ اور اگر جزوی طور پر واقف بھی ہو تب بھی یہ واقفیت عدم واقفیت ہی کے مرادف ہوگی۔ اسلئے کہ قاضی کے لئے اجتہاد بھی ضروری ہے۔ جیساکہ ہدایہ میں ہے۔ وَيَكُونُ مِنْ أَهْلِ الْاِجْتِهَادِ ؏

(۵) اگر مسلمان از خود قاضی منتخب کریں تو شرعاً وہ قاضی نہ ہوگا۔ کیونکہ ولایت ایسے قاضی کو حاصل نہ ہوگی۔ (۶) قاضی اگرچہ حاکم جابر یا غیرمسلم کیطرف سے مقرر کیا جائے۔ اس کا نصب جائز اور

اُس کے احکامات قابلِ عمل و نافذ ہوں گے۔ شریعت اسلامیہ میں ایسے قاضی کا قاضی متصور کیا ہے۔ ہدایہ میں ہے لَمْ یَجُوْزُ التَّقَلُّدُ مِنَ السُّلْطَانِ الْجَائِرِ کَمَا یَجُوْزُ مِنَ الْعَادِلِ۔

(۷) نصب قضا کے لئے گورنمنٹ سے درخواست کرنا اور اُس کیلئے ہر امکانی جد و جہد کرنا مسلمانانِ ہند کا فرض مذہبی ہے۔ ہر مسلمان کو ان ممبران سے موافقت کرنا چاہیئے۔ جو اُس کے لئے ساعی ہیں ایسے ممبران حقیقتاً عامۃ المسلمین کا حق نمایندگی ادا فرمائیں گے۔ اور اُن کی آواز عامۃ المسلمین کی آواز ہوگی۔ واللہ اعلم بالصواب۔ حررہ محمد عبد الصمد مقتدری بدایونی۔ ۷ ربیع الاول ۱۳۲۷ھ

(۸) بیشک منصب قضا اسلام کے احکام سے ایک ضروری حکم ہے۔ خصوصاً ہندوستان میں اُس کی اشد ضرورت ہے۔ وقت کا حاکم ضابطہ اگرچہ غیر مسلم ہو ایسے منصب کا تقرر کرسکتا ہے

محمد عبد السلام عفی عنہ مدرس اعلیٰ مدرسہ دار العلوم شمس العلوم بدایونی۔

(۶۲) اَللّٰھُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَالْبَاطِلَ بَاطِلًا۔ بیشک ہندوستان میں بہت سے نکاح ایسے ہوجاتے ہیں جو اہلِ ہند اپنے قرابت دار چھوٹے بڑے بچوں کا ان کی صغر سنی میں کرا دیتے ہیں تو اُن میں بعض عورتیں جوان ہونے کے بعد اُس نکاح سے ناخوش ہوتی ہیں۔ اور جدائی چاہتی ہیں۔ مگر جدائی کی ان کو کوئی سبیل نہیں ملتی۔ سنا اُن کی زندگی تلخ ہوجاتی ہے اور بعض اوقات ان میں بعض جرموں (خودکشی) و (حرامکاری) کی مرتکب بھی ہوجاتی ہیں۔ اور اسی طرح مفقود الخبر (لاپتہ) کی بیوی بھی ہمیشہ مصیبت میں گرفتار رہتی ہے۔ پس علاوہ دیگر امور ضروریہ کے خود یہی دو صورتیں ایسی ہولناک ہیں کہ اُن پر نظر کرنے کے بعد ہر ذی شعور و فہم سلیم والا آدمی کانپ اٹھتا ہے اور ان مصیبت زدوں کی چارہ جوئی کے واسطے دل و جان سے رہائی کی کوشش و سعی کرنا چاہتا ہے۔ پس گورنمنٹ عالیہ چونکہ ہمیشہ سے اپنی رعایا کی بہبودی کیطرف توجہ مبذول فرماتی رہتی ہے۔ تو ان مصیبت زدہ اپنی رعایا کے افراد کو ایسی ایسی ضرورتوں کا احساس فرماکر رہا فرمانے کے لئے نصب قاضی کو بالیقین اہم اور لازم تصور فرماکر علماء شریعت محمدی کی رائے سے اہلِ علم شرع قاضیوں کو ان ضروری فیصلجات کے واسطے ہندوستان کے تمام اطراف

وجوانب میں مقرر فرمانے میں کافی توجہ فرماکر ان مصیبت زدہ لوگوں کو اپنے لئے دعا گو بناکر منصب حکومت کو ادائے فرض منصبی سے مزین فرمائیگی۔ بندہ ضعیف محمد عبد اللطیف عفا عنہ۔
۱۲ ربیع الاول ۱۳۴۲ھ ۔ (سونی پت)

(۶۳) واقعی امور مندرجہ جواب کے واسطے نصب قاضی کی ضرورت ہے۔ احقر محمد عبد الرحمن عفی عنہ۔

(۶۴) ہو الموفق۔ واقعی مسلمانوں کے لئے نصب قاضی نہایت ضروری اور ایسا فرض مذہبی ہے کہ بدون اس کے اُن احکام شرعیہ میں جن کا نفاذ بغیر قضاء قاضی کے ہو ہی نہیں سکتا۔ سخت خلل واقع ہونے سے ہماری مذہبی آزادی بالکل نقصان میں ہے۔ اور قاضی وہی شخص ہے جو بادشاہ وقت کی جانب سے بولایت عامہ فصل خصومات کے لئے مقرر کیا گیا ہو جس کے لئے مسلم و عاقل و بالغ و آزاد و بینا و شنوا و گویا اور فصل خصومات پر قادر ہونا اور محدود فی القذف نہ ہونا ضروری ہے اور فاسق و جاہل کو قاضی بنانا داب و رعایت منصب قضاء کے خلاف ہے اور ایسی تحریک پر مسلمانوں کے سر وبال معصیت رہیگا۔ اور ایسے معاملات میں قضاء قاضی کی ضرورت سمجھی گئی ہے جنکو مجیب لبیب نے دس شکلوں میں مثلاً بیان کیا ہے اور ان کے علاوہ بھی میراث و وقف وغیرہ کے متعلق بہت سی صورتیں ایسی نکلتی ہیں جن کا انفصال قاضی ہی کر سکتا ہے اور ان معاملات میں جنکے انفصال میں قاضی کی ضرورت ہے کسی حاکم غیر مسلم کا فیصلہ معتبر نہیں۔ کما ہو مصرح فی غیر واحد من الکتب الفقہیہ۔ اور کسی جگہ کے مسلمانوں کا کسی شخص کو بطور خود قاضی بنا لینا کافی نہیں بلکہ بادشاہ وقت کی جانب سے (اگرچہ وہ غیر مسلم ہو) مامور کیا جانا ضروری ہے ورنہ اُس کے فیصلے اُن امور میں جن میں قضاء قاضی کی ضرورت ہے شرعاً معتبر نہ ہوں گے پس بادشاہ وقت سے نصب قاضی کے لئے استدعا اور اس بارہ میں ہر جائز و موثر طریقہ پر کوشش کرنے والوں سے متفق ہونا مناسب بلکہ ضروری ہے۔ واللہ اعلم وعلمہ احکم
حررہ الراجی عفو ربہ الواجد ابو المحامد محمد عبد الحمید غفرلہٗ ذنوبہ دستریح ۵ رامفر ۱۳۴۲

(۶۵) صح التصدیق والجواب مطابق النقل باصل الکتاب واللہ اعلم بالصواب۔ حررہ الراجی عفو ربہ العلی

الرب الحکیم وفضل مولاہ الحلیم خادم العلماء والطلاب ابو القاسم محمد عتیق صانہ سبحانہ عما لا یلیق بن شیخ الاسلام مرشد الانام مولانا العلام قدوۃ العارفین زبدۃ السالکین فرید عصرہ وحید دہرہ العلامۃ الوحید الحاج الحافظ الشیخ ابی الحامد محمد عبد الحمید ادام اللہ بفضلہ المزید الفرنجی محل اللکھنوی ۵ ربیع الآخر ۱۳۴۳ھ

(۶۵) در من اجاب فاصاب۔ ابو البیان عبد الحلیم المعلم بمدرسۃ العالیۃ العربیۃ۔

(۶۶) الجواب حق۔ فصیح احمد غفرلہ مدرس مدرسہ اسلامیہ نگینہ۔ (۶۷) صح الجواب واللہ اعلم بالصواب حررہ کلیم اللہ مدرس مدرسہ قدیمہ لکھنؤ۔ (۶۸) الجواب صواب۔ مشیت اللہ مدرس مدرسہ اسلامیہ نگینہ عفا اللہ عنہ۔ (۶۹) الجواب صواب انوار الحق فاضل دیوبند۔ (۷۰) حق خادم العلماء محمد اختر علی عفا اللہ عنہ سند یافتہ مدرسہ اسلامیہ عربیہ دیوبند۔ (۷۱) اصاب من اجاب محمد سعید غفرلہ مدرسہ قاسمیہ نگینہ۔ ۲۹ صفر ۱۳۴۳ھ۔ (۷۲) الجواب حق۔ احقر ایوب غفرلہ فاضل دیوبند۔ (۷۳) جواب حق محمد احمد غفرلہ ذنوبہ فاضل مدرسہ نگینہ (۷۴) الجواب صواب۔ محمد حسن غفرلہ فاضل دیوبند۔ (۷۵) الجواب الصحیح۔ امیر احمد مدرس مدرسہ ایچولی ضلع میرٹھ۔ (۷۶) جواب صحیح ہے۔ معین الدین عفی عنہ (۷۷) جواب صحیح و درست ہے۔ ناصر علی عفی عنہ۔ (۷۸) الجواب صحیح عبد الغنی خادم مدرسہ روضۃ العلوم پھول پور (اعظم گڈھ)۔

(۷۹) مسائل مسطورہ بالا بالکل صحیح اور درخواست بغایت قابل التفات و اعتنا ہے عرصہ سے دل چاہتا تھا کاش کوئی انتظام گورنمنٹ کی طرف سے نصب قضاۃ کا ہو جاتا تو بعض احکام شرعیہ متعلقہ نکاح و طلاق و نسب و وقف و میراث میں جن میں قضاء قاضی کی شرط ہے بہت ہی سہولت ہو جاتی واقعی ہندوستان میں ایسا کوئی انتظام نہ ہونے سے مسلمانان ہند کو سخت دقتوں و مصیبتوں کا سامنا رہتا ہے یہ معلوم کر کے کہ بعض ممبران کونسل نے اس طرف توجہ مبذول فرمائی ہے بہت ہی مسرت ہوئی۔ انشاء اللہ امید قوی ہے کہ گورنمنٹ ہماری اس درخواست پر ضرور توجہ فرمائیگی اور ہم مسلمانان ہند کو موقع شکر و امتنان کا دیگی فقط کتبہ الاحقر محمد عیسیٰ پروفیسر عربی و فارسی گورنمنٹ انٹرمیڈیٹ

(۱۱۶) تمامہ محکمۂ قضا اور نصب قاضی علی الوجہ الشرعی جنکو بعض محبین نے استفتا ہذا کے جواب میں کتب فقہیہ کی عبارات سے اُس کے شرائط و اوصاف بیان فرمائے ہیں جنکا اعادہ تحصیل حاصل اور کتب معتبرہ فقہیہ سے تقویت مزید باعث تطویل ہے نہایت ضروری و لازمی ہے علمانے بموجب حدیث نبوی (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) عَلَيْكَ أَنْ تُعِيْنَ مُحْسِنَهُمْ تم پر مسلمانوں کے بہی خواہ کی اعانت ضروری ہے۔ تقرر قاضی کے ضروری ہونے کا فتوی دیکر مسلم ممبران کونسل اور عامۂ مسلمین کو سعی بلیغ کا موقع دیا ہے اور بشارت عظمیٰ سے جو مخبر صادق کا فرمان ہے مسرور فرمایا ہی کہ جو شخص دن یا رات کے کسی گھنٹہ میں اپنے بھائی کی حاجت روائی میں کوشش کرے خواہ اُسکو پوری کر سکے یا نہ کر سکے یہ فعل اُس کا دو ماہ کے اعتکاف سے بہتر ہے اور اس قول نبوی (صلے اللہ علیہ وسلم) سے تخویف کی ہے مَنْ لَمْ يَهْتَمَّ لِلْمُسْلِمِيْنَ فَلَيْسَ مِنْهُمْ جو مسلمانوں کی اصلاح و بہبودی نہ چاہے وہ اُن میں سے نہیں ہے بنا علیہ نصب قاضی علی الشرائط الشرعی جو مسلمانوں کے فوائد دینی و دنیوی پر مشتمل ہے ضروری و لازمی ہی اللہ تعالیٰ اسلام اور مسلمانوں کی مدد فرمائے جن لوگوں کو خداوند عالم نے ایسے موقع عطا فرمائے ہیں کہ وہ کچھ مدد مسلمانوں کی کرسکیں وہ خوش نصیب ہیں ایسے مواقع ہاتھ سے نہ دینا چاہئے کیونکہ کسب سعادت و ثواب کا اچھا موقع ہے یہ خیال کرنا کہ ہم مسلمانوں اور اسلام کی خدمت کرتے ہیں نازیجا ہے۔ شعر

منت منہ کہ خدمتِ سلطان ہمیکنم		منت شناس ازو کہ بخدمت گذاشتت	

کتبہ الفقیر محمد نعمت اللہ محب اللہ عفی عنہ ماجناہ۔

(۱۱۷) سلطنت کیطرف سے منصب قضاء کا تعین ہم مسلمانوں کے لئے از بس مفید و ضروری ہے

محمد شریف کان اللہ لہ۔

(۱۱۸) بیشک گورنمنٹ کی جانب سے قاضی کا تقرر مسلمانوں کے حق میں مفید ہے۔ فقط

احقر فخر الدین عفا عنہ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ الحمد للہ وصلی اللہ علیٰ خیر خلقہ محمد والہ وصحبہ اجمعین

قضا یعنی دارالقضا، کا مسئلہ ہندوستان کے طبقہ علماء میں عام و مسلم ہو چکا ہے اکثر مجالس علماء میں بار بار یہ مسئلہ پیش ہو چکا اور ہو چکا اور منظور ہوا۔ تجویز و تخیل سے گذر کر کہیں کہیں اس نے عملی صورت بھی اختیار کر لی۔ کانپور کا کامیاب دارالقضاء جو موجودہ دور میں پہلا دارالقضاء ہے۔ اس دعوی کی جلی شہادت ہے کانپور کے علاوہ پھلواری، پٹنہ، سہسرام وغیرہ مقامات میں بھی دارالقضا ہیں جو کسی حد تک کامیاب ہیں۔ اسلامی ضروریات مسلمانان ہند کو اس امر پر مجبور کر رہی ہیں کہ یہ عملی سلسلہ تمام اسلامی ہندوستان میں پھیل جائے مگر ان کے قیام کے باوجود چونکہ اختیارات اور ولایت مطلقاً نہیں ہے اس لئے تا ہنوز مسلمانوں کے بہت سے حقوق تلف اور شرعی نقصانات ہو رہے ہیں اسلئے مسئلہ دارالقضاء کی موجودہ ضرورت اور آنے والی اہمیت کو پیش نظر رکھکر ضرورت ہے کہ حکومت موجودہ سے مسلمان پرزور درخواست کریں اور منظم سعی اس کے منظور و جاری ہونے تک برابر قائم رکھیں اور سخت بے چینی سے اسوقت مسعود کی آمد کا انتظار کریں جو حکومت سلطنت کی طرف سے بدنصیب مسلمانوں کو مبارک و کمال بخش وقت اپنی کامل صورتوں میں جلوہ گر ہو خدا نہ کرے کہ اس ضروری فرض کی تعمیل میں طبائع کا جمود حائل ہو اور ایک امر شرعی بلا وجہ اختیار ہوتے ہوئے رہ جاوے کیونکہ قاضی شرعیات میں مسلمانوں کے مقامی امام کا درجہ رکھتا ہے۔ قاضی کا نصب مسلمانوں پر اس لئے بھی ضروری ہے کہ اکثر معاملات شرعیہ میں جھگڑے ایسے ہوتے ہیں کہ بدون قاضی کسی کا فیصلہ اس باب میں معتبر نہیں ہوتا لہذا ان منازعات کا قطع کرنیوالا شرعی بنیادوں پر ہونا چاہئے اور وہ قاضی ہے۔

اسلامی احکام کی رو سے قضاء وہ لازمی شرعی فیصلہ ہے جو ولایت عامہ سے صادر ہو ولایت و اختیارات عامہ کا لحاظ اسلئے ضروری ہے کہ ہر شخص صرف اپنی ذات پر اختیار و ولایت رکھتا ہے دوسرے شخص پر اس کی ولایت و قابو نہیں ہے اور جب ہر ایک کو اختیار و تصرف ہے تو کبھی دو آدمیوں میں تصرفات کے سلسلہ میں تدافع و تخالف ہو سکتا ہے اور اس حد تک کہ باہم مصالحت ناممکن ہو ایسی صورت میں اگر انہیں کے اختیارات مطلقاً چھوڑ جائیں تو نوبت قتل

وجہ خود ظاہر ہے اس لئے اسلام نے ان کے ایسے اختیارات سلب کرکے قاضی کے قبضہ میں دیئے جو اصول شرعیہ کی بناء پر فیصلہ کرکے تدافع وتخالف کو رفع کرے۔ وَلِلّٰہِ دَرُّ الْمُجِیْبِ حَیْثُ أَتٰی بِالصَّوَابِ۔

اس میں شک نہیں کہ ہندوستان میں جسقدر قاضی موجود ہیں خاندانی رسمی ہوں یا نکاح خوانی یا کسی نظام کے ماتحت مسلمانوں کی طرف سے مقرر شدہ مگر چونکہ وہ صاحب ولایت واختیار نہیں ہیں اور کسی حاکم ووالی کیطرف سے مقرر شدہ نہیں ہیں اسلئے وہ جیساکہ مجیب نے لکھا ہے محض حکم وپنچ کا رتبہ رکھتے ہیں۔ حاکم وسلطان کے حدود سلطنت کے اندر حاکم وقت کی طرف سے مختارانہ تقرر وتسلط کردئے جانے پر قاضی کہلایا جاسکتا ہے اور القَاضِیْ بِتَرَاضِی الْمُسْلِمِیْنَ۔ بلاد الغلبۃ میں اسوقت ہوسکتا ہے جب مسلمان اتفاق کرکے کسی کو اپنے اوپر والی بنالیں۔ والا فلا قال فی ردالمختار واما بلاد علیہا ولاۃ کفار فیجوز لِلْمُسْلِمِیْنَ اقامۃ الجمع والاعیاد ویصیر القَاضِیْ قاضیا بتراضی المسلمین فیجب علیہم ان یلتمسوا والیا مسلما منہم۔ اسلئے ارض الغلبۃ میں مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ کسی کو متفقہ طور سے اپنا والی بنالیں تاکہ وہ اُن پر اپنی ولایت سے کسی کو قاضی مقرر کرے تاکہ وہ جمعہ واعیاد قائم کرسکے یا دیگر اسلامی ضروریات کے قیام وتحفظ واجراء وغیرہ جیساکہ مجیب نے لکھا ہے اپنے اختیار وتصرف سے نفاذ کرسکے۔ قاضی کا مقرر کرنے والا والی وسلطان شرط نہیں کہ وہ مسلمان ہو اگر عیسائی بادشاہ یا مذہب وادیان باطلہ کا پیرو بادشاہ بھی کسی مسلمان کو مسلمانوں پر قاضی مقرر کردے تو بھی جائز ہے۔ قال فی ردالمختار اذا ولی الکافر علیہم قاضیا ورضیہ المسلمون صحت تولیتہ بلا شبہۃ الخ۔

خلاصہ یہ کہ بلاد غلبہ جیسے ہندوستان کے مسلمانوں پر فرض ہے کہ وہ پوری جدوجہد کرکے گورنمنٹ سے با اختیار قاضی مقرر کرائیں جسکو مسلمانوں پر ولایت شرعی ہو اگر مسلمان اس میں سعی نہ کریں گے تو حدیث پاک وصریح اس بارہ میں اُن کو وعید بتلاتی ہے مَنْ مَاتَ ولیس فی عنقہ بیعۃ مات میتۃ جاھلیۃ او کما قال کونسل کے مسلمان لائق تحسین ہیں اس بارہ میں اور مسلمانوں کو

اُن کا ساتھ دینا چاہئے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ حررہ المفتقر الی اللہ ذی الایادی ابوالبہا محمد عبدالشکور
غفرلہ مدرس ومفتی مدرسہ امداد العلوم واقع محلہ بانس منڈی ومعین القاضی دار القضاء کانپور (مہر)

---

(۸۴) ہذا الجواب صحیح۔ محمد عبدالرزاق عفا عنہ باجناہ مدرس مدرسہ امداد العلوم کانپور قاضی شہر کانپور (مہر)

(۸۵) فی الحقیقت ہندوستان کے مسلمانوں پر واجب ہے کہ وہ حکومت سے شرعی قاضی کی درخواست کریں کیونکہ بعض مسائل شرعیہ قضاء قاضی پر موقوف ہے جن کا نفاذ بدون قاضی شرعی کے نہیں ہوسکتا۔ ان میں سے بعض مسائل مجیب اول نے ذکر کردئے ہیں اور اس معاملہ میں تمام مسلمانان ہند کو متفقہ طور پر ممبران کونسل سے موافقت کرنا چاہئے۔ واللہ اعلم۔

مفتی محمد وصی علی ملیح آبادی سابق مدرس مدرسہ الٰہیات کانپور۔

(۸۶) الجواب صحیح۔ غلام یحییٰ عفا عنہ مدرس مدرسہ الٰہیات کانپور۔ (۸۷) المجیب مصیب۔ احقر سید محمد طٰہٰ الٰہی مدرس مدرسہ الٰہیات کانپور۔

(۸۸) صح الجواب وتم واللہ تعالیٰ اعلم واحکم احمد عبدالحلیم عظم کان اللہ لہٗ۔

---

(۸۹) الاجوبۃ کلہا صحیحۃ۔ خادم العلماء سلطان محمود مدرسہ فتحپوری دہلی۔

(۹۰) فی الواقع مسائل شرعیہ کے لئے گورنمنٹ کی طرف سے قضاۃ کا تقرر ضروری اور لابدی امر ہے اس کے بغیر صدہا صورتیں نکاح وطلاق کی ایسی ہیں جنکا شرعاً اجراء ونفاذ ناممکن ہے۔ جنمیں سے بہت سے اجوبہ منسلکہ سے روشن ہیں اور ان کے علاوہ اور بھی فقہیات میں کثیر وشہیر ہیں پھر یہ بھی بات ہے کہ گورنمنٹ کا خود شاہ عالم کے معاہدہ میں یہ معاہدہ موجود ہے کہ ہم ان امور کے انصرام کے لئے قضاۃ مقرر کریں گے رہا یہ امر کہ اسوقت تک اس قسم کا مطالبہ کیوں نہیں کیا گیا تو اول تو شروع سلطنت گورنمنٹ میں حسب معاہدہ گورنمنٹ کی طرف سے مقرر ومجوز رہتے تھے اور جب سے بند ہوئے اسوقت سے ضرورت کا احساس ہوا اور جب حد درجہ پر مجبوریاں پیش آنے لگیں تب مطالبہ کی نوبت آئی۔ نیز یہ ہے کہ تغیر وتبدل زمانہ سے عموماً آزادی پیدا ہوگئی ہے اور اس کا اثر مستورات تک بھی پہونچ گیا ہے پچھلے زمانہ کی مستورات صابرہ اور عفیفہ زائد ہوتی تھیں۔ اور اس زمانہ میں

عام طور پر اس کا عکس ہے پس اس بنا پر اس زمانہ میں اُس کی ضرورت ہی شدید ہوگئی فقط
واللہ اعلم: الراجی الی رحمۃ ربہ المنان المدعو باشفاق الرحمٰن الکاندھلوی مدرس مدرسہ فتحپوری دہلی
(۹۱) ضرورۃ تقرر القاضی ومطالبتہ من حاکم الوقت اظہر من الشمس وللہ در من ارتفع ہذہ المسئلۃ ابعد
الضعیف کان اللہ لہٗ محمد شریف اللہ مدرس مدرسہ دار العلوم فتحپور دہلی۔
(۹۲) اس ضرورت کی احساس کی ہر جن ممبران کونسل کے قلوب میں آئی ہے خواہ وہ کسی اثر سے ہو عند الناس قابل قدر ہے اور قابل اجر بھی۔ بشرطیکہ اس سبز باغ یا لال باغ میں جسمیں کچھ لال قلعہ کی جھلک نظر آتی ہے للٰہیت ہو اور اُس میں کوئی اس نافع چیز سے جو مطمح نظر ظاہر اً ہے اضر مضمر نہ ہو۔ ظاہر ہے کہ گورنمنٹ کو احساس باوجود معاہدہ تھا بے توجہی کی وجہ کچھ بھی ہو۔ گورنمنٹ اسلامیہ ہے ہی نہیں اگر اس امر کی اہمیت کی تنبیہ میں خاطی ہیں تو ہم۔ مگر اب بھی کچھ نہیں گیا ہم کو جناب الٰہی میں بالتجا درخواست کرنی چاہیے کہ ہم کو اپنی مرضی کے مطابق تقرر قضاۃ میسر فرمائے۔ اور موجودہ گورنمنٹ اس میں مزاحم نہ ہو جیسا کہ امور اسلامیہ میں مزاحم نہیں ہوتی اور اسی لئے ہندوستان کو محقق علماء دار الحرب نہیں کہتے بعضے من وجہ دار الحرب کہتے ہیں اور من وجہ دار الاسلام والمسلمین اور بعض دار الحرب من کل وجوہ کہتے ہیں۔ اور اکثر دار الاسلام۔ خیر یہ دوسری بحث ہے البتہ مجیب صاحب کے اس تعین مسئلہ میں اتفاق ہے کیا اچھا ہو کہ سائلین اس سوال کا جواب ان علماء سے بھی لیں جو اُن بلاد اسلامیہ کے علماء ہوں جن میں تسلط بھی اسلامی ہو اور کیا اچھا ہو کہ سائلین ایک درخواست اس باب میں بھی کہ محکمہ خفیہ میں اہل تورع اہل شہادت بلکہ علماء مقرر کئے جایا کریں کیونکہ فساق کی رپورٹوں پر فتنہ عظیم مضرہ بلکہ راس المضار رونما ہوا کرتے ہیں پیش منضم فرما دیں۔ اور نیز ایک درخواست کم از کم امارت اسلامیہ نظامیہ ہی کے ارباب حل وعقد کے یہاں بھجوا دیں مناسب معلوم ہوتی کہ ایک مدرسۃ القضاۃ والجواسیس المعتبرہ کا اجرا قبل منظوری درخواست نہیں تو متأمیدہے۔ واللہ اعلم۔ ولایت احمد عفی عنہ مدرس مدرسہ عالیہ فتحپوری۔ دہلی۔
(۹۳) میں نے اس سوال وجواب کو دیکھا بہت درست اور صحیح ہے جواب مدلل لکھا ہے مسلمانوں

کی ضروات شرعیہ میں قاضی صاحب حکومت ہونا اس کی تحت ضرورت ہے جو کچھ لکھا ہے اُس سے امید انجام مرام ہے۔ فقط عبدالہادی مفتی ریاست بھوپال۔ ۹ ربیع الاول ۱۳۴۲ھ (مہر)۔

(۹۴) یاسوفق۔ جواب مجیب صاحب میں حکم شرعی امور جواب طلب کا جو تحریر ہے اور تصویب جواب جناب مولوی مظہر اللہ صاحب و جناب مولوی کفایت اللہ و جناب مفتی صاحب ریاست ہذا کی صحیح و درست ہے۔ الداعی بالخیر خادم العلماء محمد یحییٰ قاضی بھوپال (مہر)

(۹۵) احقر محمد فاروق غفرلہ نائب قاضی معین رکن مجلس علما۔ (۹۶) محمد عنایت اللہ رکن مجلس العلما، ریاست بھوپال۔ (۹۷) محمد عبداللہ عفی عنہ رکن مجلس العلما، بھوپال۔

(۹۸) مجھے مولوی کفایت اللہ صاحب کی رائے سے اتفاق ہے۔ محمد عبدالعزیز پروفیسر کلیہ جامعہ عثمانیہ۔

(۹۹) مجھے بھی اس رائے سے اتفاق ہے۔ فقط شبیر علی عفی عنہ پروفیسر عثمانیہ کالج۔

(۱۰۰) میں بھی ایک زمانہ سے سرکار سے تقرر قاضی کی درخواست کی ضرورت محسوس کرتا ہوں جب سرکار انگریزی نے اس سے پہلے قضاۃ کو مقرر کیا تھا اور اب بھی ثالث کی اجازت دیتی ہے تو مجھے اُمید ہے کہ اس میں بھی دریغ نہ کرے گی فقط سینیر پروفیسر شعبہ دینیات بیہ جامعہ عثمانیہ کالج محمد عبدالمقتدر۔ (۱۰۱) سید شاہ مصطفےٰ۔ پروفیسر عثمانیہ کالج حیدرآباد۔

(۱۰۲) مجھ کو بھی مولوی کفایت اللہ صاحب کی رائے سے کامل اتفاق ہے۔ فقط ظہیر الدین احمد پروفیسر عثمانیہ کالج۔

(۱۰۳) مسلم ممبران کونسل کو حکومت سے درخواست تقرر قاضی مسلم کی کرنی اور اس میں کوشش کرنی اور دوسرے مسلمانوں کو ان کی مدد کرنی ضروری ہے اور جو وجوہات مجیب نے ظاہر کی ہیں صحیح ہیں حتماً اللہ۔ مقام پانی پت۔ (۱۰۴) ہذا الجواب صحیح۔ عبدالرحیم بقلم خود۔ (۱۰۵) من اجاب فقد اصاب بندہ عبدالحمید خاں بقلم خود (۱۰۶) ہذا الجواب صحیح والرائے نجیح۔ خاکسار محمد ابراہیم گورنمنٹ پنشنر پانی پتی۔

(۱۰۷) ہو ملہم الصواب وبہ التوفیق وبہ الاعتصام۔ نحمدہ ونصلی علی رسولہ سید الانام

خلاقی معاشرت، [illegible] تمدنی و اقتصادی حیثیت صرف بباعث احکام شرعیہ کہ جو بلسان علم الفقہ
حاملات سے تعبیر کئے جاتے ہیں بحسن نظم و نسق قائم ہو سکتی ہے، اور بقا ما دام العمل باقی رہ سکتی
ہے ورنہ نہیں۔ آج اسلامی پبلک نعل در آتش بیتاب اور بےچین بے آرام ہے تو کیوں۔ احکام شرعیہ
جنکی صفت شان بل ونہا العدل بین الناس لم یقم سے نفاذ نہیں ہے، اور قواعد شرعیہ اور
سائل بہ نفسہا مفید بدون نفاذ نہیں ہو سکتے پس ضرورۃ ثابت کر رہی ہے کہ نافذ الاحکام حاکم شرعی
مر بہ سر فرض ہے۔ اجتماعی حالت میں اہل الاسلام قائم کرکے عہدہ قضا کو بذریعہ درخواست
حکومت سے حاصل کرنا چاہئے۔ اہل اسلام کی حالت اسوقت اس درجہ ناگفتہ بہ پر پہونچ چکی ہے
دنیا تو گئی تھی آخرۃ بھی ہمر دیت ہو گئی۔ فانظر الی ما قال حضرت شاہ صاحب رئیس المحدثین جناب
شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی۔ فی حجۃ البالغہ ص [illegible] مطبع صدیقی بریلی۔ القضاء اعلم ان من
المحاجات التی یکثر وقوعہا و یشتد مفسدتہا المناقشات فی الناس فانہا تکون باعثۃ علی
العداوۃ والبغضاء و فساد ذات البین و یہیج الشح علی غمط الحق وان لا ینقاد للدلیل فوجب
ان یبعث فی کل ناحیۃ من یفصل قضایاہم بالحق و یقہرہم علی العمل بہ اشاورا لما بوا
لذلک کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یعتنی ببعث القضاۃ اعتناء شدیداً ثم لم یزل المسلمون
علی ذلک الخ ولیکن بعد حصول المرام یقلدۃ فی حق جماعت العلماء المستندین الطالبین
الحق والطالبین للدار الآخرۃ الحافظین لہا خالیۃ عن ایداء الجہال والطالبین للدنیا
فقط وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین والصلوۃ علی نبینا رحمۃ العالمین۔ ۱۲+ ۲۸

۳۰-۶-۲۶ء ۳ بجے الفقیر احقر محمد ابراہیم ساکن پانی پت محلہ زیر قلعہ

(۱۰۸) الجواب حق والحق احق ان یتبع۔ محمد عبد الحلیم انصاری پانی پتی محلہ انصار پانی پت۔

(۱۰۹) بیشک ہندوستان میں مسلمان قاضی کا مقرر ہونا نہایت ضروری ہے۔ جمیعت علماء نے
اتفاق آراء اپنے اجلاس ہائے کلکتہ وغیرہ میں اس کی ضرورت کو نہایت وضاحت سے دکھلایا
ہے اور بارہا اس کے اجراء کی طرف گورنمنٹ کو توجہ دلائی ہے۔ مسلمانوں کو پُر زور اسکا مطالبہ

کرنا لازم ہے۔ جمعیۃ العلماء کے ریکارڈوں میں اس کی تجاویز موجود ہیں۔ اور الجمعیۃ کے کالموں میں اس کے متعلق مفصل ابحاث آچکی ہیں۔ واللہ اعلم۔ حسین احمد غفرلہٗ

(۱۱۰) الجواب صحیح بندہ محمد مرتضیٰ حسن عفی عنہ (۱۱۱) الجواب صواب بندہ محمد ابراہیم عفی عنہ

(۱۱۲) ہندوستان میں نصب قضا نہ ہونے کیوجہ سے مسلمانوں کو اپنے معاشرتی، تمدنی، دینی جو مصائب پیش آرہے ہیں وہ ان کی مذہبی روح کے لئے مرض مہلک سے کم نہیں۔ یہ غلط ہے کہ انہوں نے اس ضرورت کا احساس نہیں کیا، یا مشکلات نے ان کو پریشان نہیں کیا وہ ہر زمانہ میں اس مصیبت کیوجہ سے پریشان رہے۔ اس کی دلیل میں وہ فتاوی پیش کئے جاسکتے ہیں جو ہزاروں کی تعداد میں لکھے جاتے رہے جن میں بدرجہ مجبوری یہ بھی لکھدیا جاتا تھا کہ کسی مسلم ریاست میں جاکر فیصلہ کرالیا جائے۔ اگر تفحص کیا جائے تو اس قسم کے فتاوی ہزاروں کی تعداد میں ملیں گے۔ ہاں! یہ ضرور ہے کہ اس خاص طریقہ سے مسلمانوں نے ابتک درخواست نہیں کی تو ظاہر ہے کہ کسی ایک مصیبت زدہ کا عرصہ تک مصیبت میں گرفتار رہکر ازالہ مصیبت کے طریقہ سے ناواقف ہونے یا کسی دوسری وجہ سے ازالہ مصیبت کی خاص تدبیر پر عمل نہ کرنا اس کی دلیل نہیں ہے کہ اس کی مصیبت کا ازالہ بھی نہ کیا جائے یا اسکو مصیبت پر راضی مان لیا جاوے۔ بنا بریں میں مسلمانوں سے عموماً اور قوانین رائج الوقت سے واقف کار حضرات کیخدمت میں عرض کرتا ہوں کہ وہ گورنمنٹ کو توجہ دلائیں کہ مسلمانوں پر اس احسان کے کرنے میں تامل نہ کرے۔

محمد اعزاز علی غفرلہٗ مدرس دارالعلوم دیوبند - ۶ ربیع الاول ۱۳۴۰ھ

(۱۱۳) اہل اسلام کو قاضی کی ضرورت مسائل مذکورہ وغیرہ میں شدید ہے اُن کا فرض مذہبی ہے کہ حکومت سے اس کا تقرر کرائیں ورنہ مفاسد کثیرہ لازم آتے ہیں کما لا یخفی فقط۔

(مُہر) کتبہ الاحقر عبداللطیف مدرس و ناظم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔ مورخہ ۸ ربیع الثانی ۱۳۴۰ھ

(۱۱۴) تمام جوابات صحیح ہیں۔ بندہ عنایت الٰہی عفی عنہ مہتمم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور ۸ ربیع الثانی ۱۳۴۰ھ۔

الجواب صواب۔ ضیاء احمد عفی عنہ مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

(۱۱۶) واقعی اہل اسلام کے بہت سے اہم امور قاضی مسلم باختیار پر موقوف ہیں۔
بندہ عبد الرحمٰن غفرلہٗ مدرس مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

(۱۱۷) مسلمانوں کو ہمیشہ کے مصائب کا دفعیہ کرنے کے لئے مذکور الصدر کوشش ضروری ہے تاکہ کوئی واقعت کار، عالم اکمل اس داہیہ عظمیٰ سے نجات دے سکے۔
محمد چراغ مدرس مدرسہ انوار العلوم جامع گوجرانولہ۔

(۱۱۸) جو کچھ اس رسالہ میں لکھا ہے مسلمانوں کے لئے نہایت ضروری ہے۔ بہت سے مصائب سے نجات ہوگی۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس امر میں مسلمانوں کو کامیاب کرے۔ ہر مسلم پر کوشش کرنا لازمی ہے۔ محمد خلیل عفی عنہ مدرس مدرسہ انوار العلوم جامع گوجرانوالہ۔

(۱۱۹) بلاشک قاضی کا تقرر وقت کی اہم ضرورتوں سے ہے اور بہت سے ماضی و مستقبل کی مشکلوں کا حل اسی میں مضمر ہے لیکن اس سے زیادہ ضروری مسئلہ قاضی کے انتخاب کا ہے قاضی ائمہ اربعہ کی فروع پر حاوی ہونے کے علاوہ کتاب و سنت کا ماہر ہونا چاہیے۔ تاکہ عند الفصل فروع مختلفہ میں مدعی و مدعا علیہ کے خیالات و عقائد کو صحیح طور پر سمجھ سکے۔ اور مناسب فیصلہ صادر کر سکے ایسا نہ ہو کہ تقرر قاضی مسلمانوں کے لئے مزید انتشار کا باعث ہو اللّٰھم الف بین قلوبنا اور سب سے زیادہ ضروری یہ ہے کہ قاضی احکام شرعیہ کے اجراء میں حکومت کی پابندیوں سے آزاد ہو ورنہ اس کا موجود و عدم برابر ہوگا۔ غرض مسلمانوں کو اس معاملہ میں پوری جمعیۃ اور سعی سے کام لینا چاہیے۔ عبدربہ اسمٰعیل۔ گوجرانولہ۔

(۱۲۰) میں مندرجہ بالا مضمون کا حرفاً حرفاً موید ہوں جو کچھ لکھا ہے درست ہے مسلمانوں کو بھی کرنا لازم ہے، فقط۔ محمد عبد العزیز۔ خطیب جامع گوجرانولہ۔

(۱۲۱) المجیب مصیب۔ بیشک عالم محقق بہترین دمنصف کو سرکار گورنمنٹ سے قاضی مقرر کرانا اشد ضروری ہے کیونکہ بعض احکام شرعیہ کا وجود قضاء قاضی پر موقوف ہے۔ جناب محمد

صاحب بطور نمونہ تحریر کر چکے ہیں۔ محمد غازی عفی عنہ۔ از گولڑہ شریف۔

(۱۲۲) القضاء امر من امور الدین ومصلحۃ من مصالح المسلمین یجب العنایۃ بہ لان بالناس الیہ حاجۃ عظیمۃ۔ واللہ وفق من سعی لما یرضی۔ غلام محمد عفی عنہ۔ مقیم گولڑیہ شریف۔

(۱۲۳) سوالات مذکورہ کے جو جوابات اس تحریر میں مندرج ہیں سب صحیح موافق فقہ کے ہیں اور عین آرزوئے قدیم ہم اہل اسلام کے ہیں۔ اُمید قوی ہے کہ گورنمنٹ توجہ کریمانہ فرماکر اس ہماری آرزو کو سرانجام فرماکر ممنون فرمادے گی۔ مولوی اسمٰعیل از گھوٹکی ضلع سکھر سندھ۔

(۱۲۴) الجواب صحیح۔ موسیٰ شاہ۔ از گھوٹکی ضلع سکھر سندھ۔

(۱۲۵) فاضل مجیب نے جو جوابات سوالات مذکورہ کے دئے ہیں سب صحیح ہیں ہمیں معلوم نہیں کہ اہل اسلام میں سے اس مسئلہ (یعنی نصب قضاۃ) میں اور اسکی اہمیت میں کسی کا اختلاف ہو قوم مسلم جو مطالبات گورنمنٹ برٹش سے کرنی چاہتی ہے انہیں سے اس مطالبہ کا پہلا نمبر ہے لہذا ہم عارض ہیں کہ سرکار عالیہ اسکی طرف جلد تر اپنی توجہ کو منعطف فرمادے کہ باعث خوشنودی ایک بڑا حصہ رعایا کا ہوگا۔ فقط ہا وانا المولوی نور محمد المدرس الاول فی المدرسۃ قاسم العلوم الواقعۃ فی بلدۃ گھوٹکی من ضلع سکھر سندھ۔ ۷ ار ربیع الثانی ۱۳۳۸ھ

(۱۲۶) جو جوابات اس استفتا میں مندرج ہیں سب باصواب اور مسئلہ بے جواب ہیں اور مجیب مصیب ہے اور سرکار عالیہ کیخدمت میں التماس ہے کہ مندرجہ اس تحریر کے مسائل محمدیہ کہ شعار اسلام کے میں گورنمنٹ میں منظور اور پاس کروادیں۔ کہ قوم مسلم آپ کے احسان کی مرہون ہوگی۔ فقط۔

صحح المولوی ابو یوسف نور محمد کندری المدرس الثانی فی المدرسۃ الاسلامیۃ قاسم العلوم من بلدۃ گھوٹکی ضلع سکھر سندھ۔ ۷ ار ربیع الثانی ۱۳۳۸ھ مطابق ۱۳ اکتوبر ۱۹۱۹ء

نوٹ ۔ جمعیۃ العلماء نے باتفاق آراء اجلاس کلکتہ وغیرہ میں اس کی ضرورت کو دکھایا تھا جمعیۃ میں اس کی کاپی موجود ہے۔

الجواب صواب۔ ضیاء احمد عفی عنہ مفتی مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

(۱۱۶) واقعی اہل اسلام کے بہت سے اہم امور قاضی مسلم با اختیار پر موقوف ہیں۔

بندہ عبدالرحمٰن غفرلہ مدرس مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور۔

(۱۱۷) مسلمانوں کو ہمیشہ کے مصائب کا دفعیہ کرنے کے لئے مذکور الصدر کوشش ضروری ہے تاکہ کوئی واقف کار عالم اکمل اس داہیہ عظمیٰ سے نجات دے سکے۔

محمد چراغ مدرس مدرسہ انوار العلوم جامع گوجرانولہ۔

(۱۱۸) جو کچھ اس رسالہ میں لکھا ہے مسلمانوں کے لئے نہایت ضروری ہے۔ بہت سے مصائب سے نجات ہوگی۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اس امر میں مسلمانوں کو کامیاب کرے۔ ہر مسلم پر کوشش کرنا لازمی ہے۔ محمد خلیل عفی عنہ مدرس مدرسہ انوار العلوم جامع گوجرانوالہ۔

(۱۱۹) بلاشک قاضی کا تقرر وقت کی اہم ضرورتوں سے ہے اور بہت سے ماضی و مستقبل کی مشکلوں کا حل اسی میں مضمر ہے لیکن اس سے زیادہ ضروری مسئلہ قاضی کے انتخاب کا ہے قاضی ائمہ اربعہ کی فروع پر حاوی ہونے کے علاوہ کتاب و سنت کا ماہر ہونا چاہیے۔ تاکہ عند الفصل نزاع مختلفہ میں مدعی و مدعا علیہ کے خیالات و عقائد کو صحیح طور پر سمجھ سکے۔ اور مناسب فیصلہ صادر کرسکے ایسا نہ ہو کہ تقرر قاضی مسلمانوں کے لئے مزید انتشار کا باعث ہو اللّٰہم الف بین قلوبنا اور سب سے زیادہ ضروری یہ ہے کہ قاضی احکام شرعیہ کے اجراء میں حکومت کی پابندیوں سے آزاد ہو ورنہ اس کا موجود و عدم برابر ہوگا۔ غرض مسلمانوں کو اس معاملہ میں پوری جمعیۃ اور سعی سے کام لینا چاہیے۔ عبدربہ اسمٰعیل۔ گوجرانولہ۔

(۱۲۰) میں مندرجہ بالا مضمون کا حرفاً حرفاً مؤید ہوں جو کچھ لکھا ہے درست ہے مسلمانوں کو سعی کرنا لازم ہے۔ فقط۔ محمد عبدالعزیز۔ خطیب جامع گوجرانولہ۔

(۱۲۱) المجیب مصیب۔ بیشک عالم محقق بہترین و منصف کو سرکار گورنمنٹ سے قاضی مقرر کرانا اشد ضروری ہے کیونکہ بعض احکام شرعیہ کا وجود قضاء قاضی پر موقوف ہے۔ [illegible]

صاحب بطور نمونہ تحریر کر چکے ہیں۔ محمد غازی عفی عنہ۔ از گولڑہ شریف۔

(۱۲۲) القضاء امر من امور الدین و مصلحۃ من مصالح المسلمین یجب العنایۃ بہ لان بالناس الیہ حاجۃ عظیمۃ۔ واللہ وفق من سعی لما یرضی۔ غلام محمد عفی عنہ۔ مقیم گولڑیہ شریف۔

(۱۲۳) سوالات مذکورہ کے جو جوابات اس تحریر میں مندرج ہیں سب صحیح موافق فقہ کے ہیں اور عین آرزوئے قدیم ہم اہل اسلام کے ہیں۔ امید قوی ہے کہ گورنمنٹ توجہ کریمانہ فرماکر اس ہماری آرزو کو سرانجام فرماکر ممنون فرمادے گی۔ مولوی اسمٰعیل از گھوٹکی ضلع سکھر سندھ۔

(۱۲۴) الجواب صحیح۔ موسیٰ شاہ۔ از گھوٹکی ضلع سکھر سندھ۔

(۱۲۵) فاضل مجیب نے جو جوابات سوالات مذکورہ کے دئے ہیں سب صحیح ہیں ہمیں معلوم نہیں کہ اہل اسلام میں سے اس مسئلہ (یعنی نصب قضاۃ) میں اور اسکی اہمیت میں کسی کا اختلاف ہو قوم مسلم جو مطالبات گورنمنٹ برٹش سے کرنی چاہتی ہے انمیں سے اس مطالبہ کا پہلا نمبر ہے لہٰذا ہم عارض ہیں کہ سرکار عالیہ اسکی طرف جلد تر اپنی توجہ کو منعطف فرمادے کہ باعث خوشنودی ایک بڑا حصہ رعایا کا ہوگا۔ فقط۔ ہاو انا المولوی نور محمد المدرس الاول فی المدرسۃ قاسم العلوم الواقعۃ فی بلدۃ گھوٹکی من ضلع سکھر سندھ۔ ۷ ار ربیع الثانی ۱۳۳۷ھ

(۱۲۶) جو جوابات اس استفتاء میں مندرج ہیں سب باصواب درمسئلہ بے جواب ہیں اور مجیب مصیب ہے اور سرکار عالیہ کیخدمت میں التماس ہے کہ مندرجہ اس تحریر کے مسائل محمدیہ کہ شعار اسلام کے ہیں گورنمنٹ میں منظور اور پاس کروادیں۔ کہ قوم مسلم آپ کے احسان کی مرہون ہوگی۔ فقط۔

المصحح المولوی ابو یوسف نور محمد کندوی المدرس الثانی فی المدرسۃ الاسلامیۃ قاسم العلوم من بلدۃ گھوٹکی ضلع سکھر سندھ۔ ۱۷ ربیع الثانی ۱۳۳۷ھ مطابق ۲۰ اکتوبر ۱۹۱۸ء

نوٹ ـ جمعیۃ العلماء نے باتفاق آراء اجلاس کلکتہ وغیرہ میں اس کی ضرورت کو دکھایا تھا جمعیۃ میں اس کی کاپی موجود ہے۔

قواعد وضوابط رسالہ القاسم

(۱) تاریخ روانگی رسالہ ہر قمری مہینہ کی ۱۵ ہے۔ نیا سال محرم سے شروع ہوتا ہے۔

(۲) حجم کم سے کم ۳۲ صفحہ کا ہوتا ہے اور سائز ۲۰×۲۶/۸ ہے۔

(۳) عام قیمت سالانہ ڈھائی روپیہ ہے۔ امراء و والیان ریاست سے حسب حیثیت۔ قیمت فی پرچہ ۴/ ہے۔

(۴) سالانہ چندہ پیشگی بذریعہ منی آرڈر یا وی پی وصول ہوتا ہے۔ محصولڈاک روانگی رسالہ و پیکنگ کا صرفہ بذمہ دفتر ہے فیس رجسٹری و فیس منی آرڈر کا صرفہ بذمہ خریدار ہے۔

(۵) سالانہ چندہ جہاں تک ممکن ہو منی آرڈر سے روانہ کرنا چاہئے اس میں منگانیوالے کو کفایت اور بھیجنے والونکو سہولت رہتی ہے۔

(۶) جو صاحب درمیان سال میں رسالہ کے خریدار بنتے ہیں ان کو شروع سال ہی سے خریدار سمجھا جاتا ہے۔ چنانچہ کل پرچے بشرط موجودگی اس سال کے بھیجے جاتے ہیں تاکہ سلسلہ مضامین نہ ٹوٹے۔

(۷) جو حضرات القاسم کے حلقہ اشاعت و فیض کے وسیع اور عام کرنے کیلئے غیر مستطیع شائقین کے نام کم قیمت میں رسالہ جاری کرانے کیلئے امدادی رقم مرحمت فرماتی ہیں وہ القاسم کے معاونین و محسنین خاص شمار ہوتی ہیں اور ایسے مخیر حضرات کی اسماء گرامی وقتاً فوقتاً القاسم میں شائع کئے جاتے ہیں۔

(۸) جو پرچہ ڈاکخانہ یا دفتر کی غلطی سے وصول نہ ہوا ہو اس کیلئے تاریخ اشاعت سے دس روز کے اندر اندر دفتر کو اطلاع کردینی چاہیے تاکہ دوبارہ رسالہ بھیجدیا جائے اس کے بعد قیمتاً بشرط موجودگی ارسال ہوگا۔

(۹) جواب طلب امور کے لئے جوابی کارڈ یا ٹکٹ آنا چاہیے۔

(۱۰) خط و کتابت و ترسیل زر کے وقت پتہ صاف و خوشخط ہونا چاہیے خریداری کی نمبر کا حوالہ کوپن منی آرڈر پر ضرور ہونا چاہیے ورنہ عدم تعمیل کی شکایت نہ کیجائے۔

شرح و شرح اجرت اشتہارات

(۱۱) مہذب اشتہارات کے چربے موافق سائز رسالہ لئے جاسکتے ہیں بشرطیکہ فی صفحہ نصف صفحہ چوتھائی صفحہ کیلئے پیشگی بھیجدئے جائیں دوامی اشتہارات میں اور بھی رعایت ممکن ہے۔

(۱۲) کوئی مضمون مخالف مسلک علمائے دیوبند شائع نہ ہوگا۔ نیز جو مضمون انتخاب میں آکر طبع ہوجائیگا بشرط طلب اسکا معاوضہ حسب حیثیت مضمون ادا کیا جائے گا۔

(۱۳) عدم انتخاب کی صورت میں مضمون [illegible] واپس ہو سکیگا۔

(۱۴) [illegible]

قواعد و ضوابط رسالہ القاسم

(۱) تاریخ روانگی رسالہ ہر قمری مہینہ کی ۱۵ ہے۔ نیا سال محرم سے شروع ہوتا ہے۔

(۲) حجم کم سے کم ۴۲ صفحہ کا ہوتا ہے، اور سائز ۲۰×۲۶۔

(۳) عام قیمت سالانہ ڈھائی روپیہ، امراء و والیان ریاست سے حسب حیثیت۔ قیمت فی پرچہ ۴ آنے۔

(۴) سالانہ قیمت پیشگی بذریعہ منی آرڈر یا وی پی وصول ہوتا ہے، محصول ڈاک و روانگی رسالہ و پیکنگ کا صرفہ بذمہ دفتر ہے۔ وی پی رجسٹری وفیس منی آرڈر کا صرفہ بذمہ خریدار ہے۔

(۵) سالانہ چندہ چونکہ منی آرڈر سے روانہ کرنا چاہئے اس میں منگانیوالوں کو رعایت اور بھیجنے والوں کو سہولت رہتی ہے۔

(۶) جو صاحب درمیان سال میں رسالہ کے خریدار بنتے ہیں ان کو شروع سال ہی سے خریدار سمجھا جاتا ہے۔ چنانچہ کل پرچے بشرط موجودگی اس سال کے بھیجے جاتے ہیں تاکہ سلسلہ مضامین نہ ٹوٹے۔

(۷) جو حضرات القاسم کے حلقہ اشاعت وسیع کرنے کی غرض سے اس کو عام کرنے کیلئے غیر مستطیع شائقین کے نام کم قیمت میں یا مفت رسالہ جاری کرنے کی امداد قوم مرحمت فرماتے ہیں وہ القاسم کے معاونین و محسنین خاص شمار ہوتے ہیں۔ ایسے مخیر حضرات کے اسماء گرامی وقتاً فوقتاً القاسم میں شائع کر دیئے جاتے ہیں۔

(۸) جو پرچہ ڈاکخانہ یا دفتر کی غلطی سے وصول نہ ہوا ہو اس کیلئے تاریخ اشاعت سے دس روز کے اندر اندر دفتر کو اطلاع کر دینی چاہئے تاکہ دوبارہ رسالہ بھیجدیا جائے۔ اس کے بعد بقیمت بشرط موجودگی ارسال ہوگا۔

(۹) جواب طلب امور کے لئے جوابی کارڈ یا ٹکٹ آنا چاہئے۔

(۱۰) خط و کتابت و ترسیل زر کے وقت پتہ صاف و خوشخط ہونا چاہئے، نمبر خریداری کا حوالہ کوپن منی آرڈر پر ضرور ہونا چاہئے ورنہ عدم تعمیل کی شکایت نہ کیجئے۔

نرخ و شرح اجرت اشتہارات

(۱۱) مہذب اشتہارات کے چربے موافق سائز رسالہ لئے جا سکتے ہیں۔ بشرطیکہ فی صفحہ ۱۰ نصف صفحہ ۶ چوتھائی صفحہ ۳ پیشگی بھیجدے جائیں۔ دوامی اشتہارات میں اور بھی رعایت ممکن ہے۔

(۱۲) کوئی مضمون مخالف مسلک علمائے دیوبند شائع نہ ہوگا۔ غیر منتخب مضمون بشرط طلب و ٹکٹ واپس کیا جائے گا۔

(۱۳) عدم انتخاب کی صورت میں مضمون بیرنگ واپس ہو سکیگا۔

(۱۴) جملہ خط و کتابت و ترسیل زر بنام معتمد مدیر القاسم دارالعلوم دیوبند

یادگار حضرت مولانا محمد قاسم النانوتوی بانی دار العلوم دیوبند

القاسم

(دور جدید)

جلد ۳ نمبر ۱۲

ذی الحجہ سنہ ۱۳۴۷ھ

دار العلوم دیوبند کا علمی، مذہبی، اخلاقی، تمدنی، تاریخی ماہوار رسالہ

(زیر ارشاد)

فخر الہند حضرت مولانا حبیب الرحمن صاحب ناظم دار العلوم دیوبند

(باہتمام)

خاکسار طاہر بن احمد القاسمی نائب المدیر عفی عنہ

مطبع قاسمی دیوبند میں طبع ہوکر

دفتر القاسم دار العلوم دیوبند سے شائع ہوا

قیمت سالانہ دو روپیہ آٹھ آنہ ( ) مع محصول ڈاک

فی پرچہ ۳/

فہرست مضامین رسالہ القاسم بابت ماہ ذی الحجہ ۱۳۴۰ھ ہجری

بیادگار حجۃ الاسلام،

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب قدس اللہ سرہ

بانی دار العلوم دیوبند

بسرپرستی

قدوۃ الانام حضرت مولانا الشاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی
وحضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی و دیگر
مقدس ومقتدر علماء دیوبند سے شائع ہوتا ہے

مضمون	صاحب مضمون	
القاسم کا پانچواں سال،	نائب المدیر	[illegible]
ثمرات الاوراق،	مولانا الحاج مولوی محمد شفیع صاحب مدرس دار العلوم دیوبند	[illegible]
کلید مثنوی دفتر چہارم،	حکیم الامۃ حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب دام فیوضہم	[illegible]
اسلام کا اثر تمدن ومعاشرہ پر،	جناب مولانا الحاج المولوی محمد طیب صاحب نائب مہتمم دار العلوم دیوبند	[illegible]
دنیا کو اسلام نے کس کس طرح بدل دیا،	جناب مولانا حافظ محمد اعزاز علی صاحب شیخ الادب دار العلوم،	۵۴
نظام کمیشن کا درود مسعود	نائب المدیر	۶۳

نوٹ سال آئندہ کیلئے ۱۰ محرم تک خریداران کرام کو چندہ مبلغ ۴؍ بذریعہ منی آرڈر ارسال فرمادینا چاہیے۔ کیونکہ اسمیں ۲؍ کی بچت ہے ورنہ ۱۰ محرم کے بعد آپ کے نام ۶؍ کا ویلو ارسال ہوگا جس کو امید ہے کہ آپ وصول فرما کر رسالہ کی بقا کا اجر حاصل کرینگے۔ جن کو سال رواں کا کوئی پرچہ نہ پہنچا ہو وہ حضرات بھی اپنا رسالہ منگا کر داخل ہوا فرمائیں۔ (منیجر القاسم)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

"القاسم" کا پانچواں سال

شکر نعمتہائے تو چندان کہ نعمتہائے تو

الحمد للہ والمنۃ کہ القاسم چار سال بحسن وخوبی پورے کرکے پانچویں سال میں قدم رکھنے والا ہے
رسالہ کو جاری کرتے وقت جو جو دقتیں ہماری پیش نظر تھیں انکو دیکھتے ہوئے اگرچہ یہ امید نہ تھی
کہ القاسم اس استقلال کیساتھ جاری رہ سکیگا کیونکہ متعدد رسائل کا مشاہدہ اسکی کافی دلیل
ہے بہت سے رسائل عالم وجود میں نہایت شان وعزائم کیساتھ آتے ہیں لیکن بہت ہی جلد وہ
یا تو بند ہو گئے یا جاری رہے تو نہایت ہی متبدل صورت سے جاری رہے لیکن الحمد للہ کہ القاسم
محض اپنی نسبت کی برکت سے اور دارالعلوم دیوبند کی سرپرستی وتوجہ اور ناظرین القاسم کی
ہمدردی سے خیال سے زیادہ استقلال واستحکام کیساتھ چار سال تک جاری رہا اور انشاء اللہ رہیگا
ہم اسکا دعویٰ نہیں کرتے کہ القاسم نے ناظرین کی ضیافت طبع کیلئے ایسے ایسے گرانبہا
مضامین شائع کئے کہ جو اور کہیں دیکھنے نصیب نہوں نہ ہی یہ دعویٰ ہے کہ القاسم ان مصائب
و دشواریوں کے ماتحت جو اسکو لاحق ہوئیں آجتک کبھی موخر نہیں ہوا ہے لیکن ہاں القاسم
کی کم از کم اس کامیابی پر جتنی بھی مسرت کیجاوے کم ہے کہ وہ ناظرین کیطرف سے کبھی

...ریش سلطانیہ آجتک مخاطب نہیں ہوا ہی اور دینداروں کی ایک جماعت اسکو محض دینی
...میں مطالعہ کرتی چلی آئی ہے اور امید ہی کہ وہ اپنی اس مقدس یادگار کو اسیطرح شوق اور
...ہی کیساتھ باقی رکھنے میں ہر قسم کی اعانت فرماتے رہینگے۔ القاسم۔ عام اخباروں کیطرح
...پہ اپنے اندر ملکی خبروں اور مصنوعی حکایتوں مذاقیہ ونفسانیہ مضامین کا کوئی ذخیرہ نہیں رکھتا
...لیکن کارکنان القاسم اس سعی سے کبھی غافل نہیں ہوے کہ القاسم جس مقصد کو لیکر
بارہ زندہ ہوا ہی وہ اسمیں نہ صرف کامیاب رہی بلکہ اسمیں اور اضافہ ہو۔
...قاسم کے مضامین کو بہتر سے بہتر بنانیمیں پوری کوشش کیجارہی ہی اور امید ہی کہ وہ اپنی
...اعتی دقتوں سے بہت جلد نکلجائیگا اور انشاء اللہ تعالےٰ القاسم آئندہ سال نہایت
...بندی کیساتھ شائع ہوتا رہیگا۔ اور ناظرین کی معمولی شکایت تاخیر اشاعت کا بھی جبر نقصان ہو جائیگا

درخواست

...ظرین کرام سے پر زور درخواست ہی کہ القاسم کو ایک دینی و مذہبی رسالہ سمجھکر اسکی توسیع
...اعت میں سعی فرمادیں تاکہ کارکنان القاسم اسکی اشاعتی دشواریوں سے نجات پاکر القاسم
ہر قسم کی دلچسپیوں سے معمور کر سکیں۔

...قاسم جلد ۵ کا پہلا پرچہ حسب معمول ۱۵ ۲۰ محرم تک سالانہ چندہ بذریعہ منی آرڈر نہ بھیجنے
...اوں کے نام بذریعہ وی پی پہنچیگا اور ایک اطلاعی کارڈ بھی اس سے پہلے بھیجا جاویگا تاکہ
...پہلے سے اسکی وصولی کا انتظام فرمایا جائیگا اور وی پی کو واپس نہ کیا جائیگا کیونکہ ایک
...ی پی پر تقریباً دفتر کے ۳ صرف ہوتے ہیں اور وی پی کی واپسی میں رسالہ کو مجموعی صورت
...سے بہت نقصان پہونچتا ہی۔ اسلئے بہتر صورت یہ ہے کہ چندہ سالانہ جلد ۵ (عہ) ۱۰ محرم
سے پہلے پہلے کسی تاریخ میں بذریعہ منی آرڈر بنیجر القاسم دیوبند کے نام معہ حوالہ نمبر خریداری
بھیجدیا جائے تاکہ دفتر و خریداران دونوںکو اطمینان اور کفایت ہو۔

(نائب المدیر)

ثمرات الاوراق

ہر چھٹا خلیفہ معزول

دنیا میں جس چیز کا نام ہے در حقیقت وہ ساری ہی عجیب ہے، اس کا ہر ذرہ، ہر آن ایک حیرت دفتر ہے۔ اس کی ہر چیز سیکڑوں تعجبات اپنے اندر رکھتی ہے۔ مگر جو چیز کثرت سے سامنے آتی رہتی ہے اس کا تعجب اٹھ جاتا ہے۔ اسلئے اہل زمانہ کی اصطلاح میں غرائب وعجائب صرف ان چیزوں کو کہا جاتا ہے جنکا وجود اتفاقی طور پر عادات طبعیہ کے خلاف واقع ہو۔ اسوقت اس سلسلہ کا ایک عجوبہ ناظرین کے سامنے لایا جاتا ہے۔

عجیب اتفاق ہے کہ حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد مبارک سے آجتک خلفاء اسلام میں یہ حیرت انگیز صورت قائم ہے کہ ہر چھٹا خلیفہ کسی نہ کسی وجہ سے معزول ہوا۔ خلافت نبوت کا دور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے شروع ہوکر نوبت بنوبت چار خلفاء راشدین میں رہا۔ یعنی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم۔ حضرت صدیق اکبرؓ، فاروق اعظمؓ، عثمان غنیؓ، علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ۔ یہ پانچ ہوکر حضرت حسن رضی اللہ عنہ چھٹے خلیفہ ہوئے تو معزول کردئے گئے۔

پھر حضرت معاویہؓ، اور یزید، اور معاویہ ابن یزید، اور مروان، اور عبد الملک علی الترتیب خلیفہ ہوتے۔ جو چھٹے نمبر پر حضرت عبد اللہ ابن زبیر خلیفہ ہوئے تو خلافت سے معزول کر دئے گئے۔

پھر ولید بن عبد الملک، سلیمان بن عبد الملک، عمر بن عبد العزیز، یزید، ہشام تک پانچ خلفاء کا دور آنے کے بعد چھٹے خلیفہ ولید بن یزید ہوئے وہ بھی حسب دستور قدیم معزول کئے گئے۔ بنی امیہ میں سے یزید بن ولید، ابراہیم بن ولید، مروان بن محمد بترتیب خلیفہ ہوئے لیکن

مروان کی خلافت کا سلسلہ ختم ہوا۔ چھٹے نمبر تک نوبت ہی نہیں پہنچی۔

ن کے بعد دولت عباسیہ کا دور آیا جس کا پہلا خلیفہ سفاح اور دوسرا منصور اور تیسرا مہدی اور
ھادی اور پانچواں ہارون رشید ہوا (رحمہم اللہ تعالے)۔ چھٹے نمبر پر ہارون رشید کے بھائی
امین کی باری آئی تو خلافت سے معزول کرکے شہید کئے گئے۔ اسکے بعد مامون اور پھر معتصم پھر
واثق باللہ۔ پھر متوکل۔ پھر منتصر باللہ خلیفہ ہوئے۔

چھٹا نمبر خلیفہ مستعین باللہ پر پہنچا تو معزول کئے گئے۔ اسکے بعد معتز۔ مہتدی۔ معتمد۔ معتضد۔
مکتفی۔ پانچ خلفاء کی سیاست وسیادت کا سکہ چلا۔ چھٹے درجہ میں مقتدر باللہ کا نمبر آیا تو معزول
کئے گئے۔ اس درمیان میں ابن معتز بھی خلافت کے لئے نامزد کئے گئے تھے مگر انکی خلافت کی
مدت صرف چند گھنٹے سے زیادہ نہ تھی کیونکہ اسی روز تخت سے علیحدہ کر دیئے گئے اسلئے سلسلہ عدد
میں اسکا کوئی اعتبار نہیں کیا گیا۔

اسکے بعد قاہر۔ راضی۔ متقی۔ مستکفی۔ مطیع کا دور دورہ رہا۔ پھر چھٹا نمبر طائع پر پہنچا تو معزول
کئے گئے۔ پھر اس سلسلہ عباسیہ کی نئی ترتیب قادر۔ قائم۔ مقتدی۔ مستظہر۔ مسترشد کی سیادت
کو طے کرتے ہوئے۔ خلیفہ راشد پر پہونچی اور چھٹے نمبر کا سحر انپر بھی چلکر رہا بالآخر معزول ہوئے۔
اسیطرح مقتفی۔ مستنجد۔ مستضیئ۔ ناصر۔ ظاہر پانچ خلفاء کے بعد مستعصم باللہ کا نمبر آیا
تو فتنہ تتار میں شہید ہوئے اور ایسے شہید ہوئے کہ خلافت بغداد کا خاتمہ کر دیا۔

(نوٹ) یہ ترتیب صلاح صفدی کے بیان کے موافق ہے لیکن تعجب ہے کہ انھوں نے مستعصم باللہ
سے پہلے مستنصر کو درمیان سے چھوڑ دیا۔ حالانکہ یہ حیرت انگیز ترتیب اسکے ذکر سے بھی نہیں ٹوٹتی
کیونکہ جس وقت مستنصر باللہ سے بیعت خلافت لیگئی تو چھٹے نمبر کی بدشگونی کو زائل کرنے کے لئے اسکو
اول ہی معزول کر دیا گیا اور پھر دوبارہ تخت پر بٹھا دیا گیا تھا۔ غرض معزول ہونے سے وہ بھی
[illegible] ترتیب پر مستنصر کے بعد پہلے خلیفہ مستعصم ہوئے اور دوسرے مستنصر [illegible]
اور [illegible] ان کے لئے مستکفی سلیمان [illegible] مستعصم [illegible]

نمبر واثق ابراہیم خلیفہ ہوئے تو معزول کر دیے گئے۔ اسکے بعد معتضد ابو بکر بن مکتفی پھر ان کے بیٹے متوکل پھر مستعصم تک رہا۔ پھر واثق عمر۔ خلیفہ ہوئے۔

مورخ ثعالبی وغیرہ لکھتے ہیں کہ اب پانچویں خلیفہ ابوالفضل عباس کا زمانہ ہے۔ اب دیکھئے چھٹا نمبر کیسے آتا ہے اور کس شان کے ساتھ آتا ہے۔ صلاح صفدی کا بیان ہے کہ یہ چھٹے نمبر کا بھوت صرف انہیں خلفاء کے ساتھ نہیں رہا۔ بلکہ بلاد مغرب میں فاطمیین بھی اسکے تختہ مشق رہے۔ چنانچہ اول عبیداللہ مہدی۔ پھر قائم باللہ پھر منصور۔ پھر معز باقی قاہرہ پھر عزیز خلیفہ ہوئے چھٹا نمبر حاکم کا آیا تو اس کی ہمشیرہ نے اسکو قتل کر دیا۔ اسکے بعد ظاہر۔ مستنصر۔ مستعلی۔ آمر۔ حافظ کی بیاد ست۔ پھر چھٹا نمبر ظاہر کا آیا تو معزول کر کے قتل کر دیا گیا۔ اسکے بعد فاطمیین کا دور چھ کے عدد تک ہی نہیں پہنچا بلکہ فائز اور عاضد دو امیر ہو کر ان کا دور ختم ہو گیا۔

صلاح صفدی کہتے ہیں کہ اسیطرح ملوک مصر میں یہ حیرت انگیز کلیہ جاری رہا کہ ان کا پہلا بادشاہ صلاح الدین اور دوسرا اسکا بیٹا عزیز اور تیسرا اس کا بھائی افضل بن صلاح الدین۔ چوتھا عادل کبیر برادر صلاح الدین۔ پانچواں اسکا بیٹا کامل ہوا۔ چھٹے نمبر پر عادل صغیر کی باری آئی تو معزول کر دیا گیا۔ اسکے بعد ان کی دولت کا سلسلہ چھٹے نمبر تک نہیں پہونچا جس سے آئندہ کا حال معلوم ہوتا

مورخ صلاح کا بیان ہے کہ یہی اعجوبہ قدرت دولت ترکیہ ملوک مصر میں بھی نافذ رہا۔ چنانچہ پہلا بادشاہ معز ایبک دوسرا منصور تیسرا مظفر قطز۔ چوتھا ظاہر بیبرس پانچواں اسکا بیٹا سعید برکہ ہوا چھٹے نمبر پر اس کا بھائی عادل سلامش تخت پر بیٹھے تو معزول کر دیے گئے۔ اسکے بعد سلطان ملک منصور قلاؤون تخت پر بیٹھے پھر ان کے بیٹے اشرف خلیل پھر معظم بیدار۔ مگر یہ اسی روز تخت سے اتار دیے گئے اسلئے شمار اعداد میں ان کا اعتبار نہیں کیا گیا۔ اسلئے تیسرا نمبر ناصر بن محمد قلاؤون کا شمار کیا گیا۔ پھر عادل کتبغا۔ پھر منصور لاجین تخت سلطنت کے مالک سمجھے گئے اسکے بعد مظفر بیبرس جاشنگیر والی سلطنت ہوا تو معزول کیا گیا۔

اسکے بعد نیا سلسلہ شروع ہوا تو منصور ابو بکر بن ناصر محمد ...

ناصر احمد بن ناصر محمد اور صالح اسمٰعیل بن ناصر محمد۔ اور کامل شعبان بن ناصر محمد والی ہوتے رہے
نمبر پر مظفر حاجی بن ناصر محمد کا دور آیا تو معزول کئے گئے۔ اسکے بعد ناصر حسن بن ناصر محمد۔ پھر
صالح بن ناصر محمد پھر منصور محمد بن مظفر حاجی پھر اشرف شعبان بن حسین بن ناصر محمد۔ پھر اسکا بیٹا
منصور علی والی دولت ہوا۔ اس سلسلہ کا چھٹا بادشاہ صالح حاجی بن اشرف شعبان ہوا۔ توحسب
معزول کیا گیا۔ اسکے بعد ظاہر برقوق۔ پھر ناصر خرج بادشاہ ہوئے۔ مورخ قلقشندی لکھتے
کہ اسوقت اسی بادشاہ کا سکہ سیادت جاری تھا معلوم نہیں کہ آئندہ چھٹا نمبر کیا رنگ لاتا ہے۔
صبح الاعشیٰ صفحہ ۳۴۳ جلد ۱) فتبارک الذی بیدہ ملکوت کل شئ وھو یجیر ولا یجار علیہ ۔

ایک تاریخی رات

ربیع الاول ۱۷۰ھ روز شنبہ کی رات بھی ایک عجیب رات تھی جسمیں ایک خلیفہ کا انتقال ہوا۔
خلیفہ کی پیدایش ہوئی۔ ایک خلیفہ تخت پر بیٹھا۔ کیونکہ اس رات میں خلیفہ مامون رشید
ہوا۔ اور خلیفہ ہادی کا انتقال ہوا اور ہارون رشید اسی رات میں تخت خلافت پر متمکن ہوئے
صبح ص۳۱۴)۔

آٹھہ کا عدد اور خلیفہ معتصم

عجائب قدرت سے ہے کہ خلیفہ معتصم باللہ کے تمام کاروبار آٹھہ کے عدد کیساتھہ جاری ہوئے؛
ترتیب خلافت میں یہ دولت عباسیہ کا آٹھواں خلیفہ ہے۔ پیدایش بھی ۱۷۸ھ میں ہوئی کل
عمر بھی ۴۸ برس ہوئی اولاد رشید میں سے ان کا آٹھواں نمبر ہے۔ مدت خلافت بھی آٹھ سال
آٹھہ ماہ آٹھہ دن ہوئی۔ اولاد میں بھی آٹھہ لڑکے اور آٹھہ لڑکیاں چھوڑیں اور ترکہ میں آٹھہ ہزار
دینار چھوڑے اور ۲۸ ہزار درہم اور ۱۸ ہزار سواری وغیرہ کے جانور۔ عمر میں آٹھہ فتوحات عظیمہ انکے
ہاتھہ پر ہوئی ربیع الاول کے آٹھہ دن باقی تھے کہ ان کی وفات ہوئی۔ اس لئے ان کو دشمن
... (یعنی آٹھوان)۔ (صبح ص۳۲)

ایک عورت کے گھر میں خلافت

عاتکہ بن یزید بن معاویہ بھی عجائب عالم میں سے ہیں کہ مردوں میں سے اُن کے محرم تھے اور سب کے سب خلفاء و ملوک ہوئے۔ یزیدؔ ان کا باپ ہے اور معاویہؔ بن ابی سفیان ان کے دادا اور معاویہؔ ابن یزید اُن کے بھائی۔ اور عبدؔ الملک بن مروان ان کے خاوند۔ اور مرواؔن بن حکم انکے دیور۔ اور یزیؔد بن عبد الملک انکے بیٹے۔ اور ولیدؔ اور سلیماؔن اور ہشاؔم انکے خاوند کی اولاد۔

ہر صدی کا شروع

رئیس المحدثین والمفسرین ابن ابی حاتم اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب سے دنیا پیدا ہوئی ہے کبھی ایسا نہیں ہوا کہ سوؔ سال گذر کر نئی صدی کا آغاز ہوا ہو اور کوئی امر عظیم پیش نہ آیا ہو۔ سیوطیؒ اس مقولہ کو نقل کر کے فرماتے ہیں کہ اسلامی تاریخ کا مطالعہ بھی اسکی پوری تائید کرتا ہے۔ کیونکہ تاریخ اسلام کی پہلی صدی کے شروع میں فتنہ حجاج ظاہر ہوا جس نے لاکھوں بندگان خدا کو بے گناہ تہ تیغ کر دیا۔ اور دوسری صدی کی ابتدا میں خلیفہ مامون کا فتنہ شروع ہوا جو دو بھائیوں کی عبرت انگیز جنگ اور مامون کے ہاتھ سے امین کے قتل کی شکل میں ظاہر ہوا۔ اور پھر مامون کا اعتزال کیطرف مائل ہونا اور علماء اہل سنت کو اسپر مجبور کرنا اور ان کا انکار کرنا وغیرہ۔

تیسری صدی کے آغاز میں قرامطہ کا فتنہ شروع ہوا جسمیں عالم اسلام ایک سخت طوفان کی نذر ہو چکا تھا۔ حجاج کے سروں سے چاہ زمزم لبریز کر دیا گیا تھا اور مطاف میں حجاج کا خون ایک نہر کی شکل میں جاری تھا۔ چوتھی صدی آئی تو خلیفہ حاکم بامر اللہ نامی کا فتنہ شروع ہوا جو درحقیقت حاکم یا بر ابلیس تھا۔ پانچویں صدی کے آغاز میں اہل فرنگ نکلے اور شام بیت المقدس پر غالب آگئے عالم اسلام کو تہ و بالا کر دیا۔

چھٹی صدی کے شروع میں سخت قحط پڑا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ کے بعد

میں ایسا قحط نہ پڑا تھا۔ ساتویں صدی شروع ہوئی تو فتنہ تتار کا ہیبتناک منظر سامنے آیا جس نے خلافت اسلامیہ کا خاتمہ کر دیا۔ آٹھویں صدی کے ابتدا میں تیمور لنگ کا فتنہ شروع ہوا۔ علامہ سیوطی ان مسلسل واقعات کو نقل کر کے لکھتے ہیں کہ میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ نویں صدی کے ابتدائی فتنہ سے پہلے حق تعالیٰ ہماری عمر پوری فرما دے۔ (آخر تاریخ الخلفاء)۔

اسوقت انھیں واقعات کے نقل پر اکتفا کیا جاتا ہے اگر فرصت ملی تو انشاء اللہ تعالیٰ پھر کسی صحبت میں تیرھویں صدی ہجری تک تمام صدیوں کے ابتدائی فتن ذکر کئے جائینگے۔ آخر میں اتنی گذارش ہے کہ ایک بصیر اور عقلمند آدمی کا فرض ہے کہ زمانہ کے ان انقلابات و تغیرات اور غرائب و عجائب کو محض ایک افسانہ نہ سمجھے۔ بلکہ اس نظر سے دیکھے جس سے ہمارے شیخ العرب والعجم مرشدنا و مولانا محمود حسن صاحب نور اللہ مرقدہٗ نے دیکھکر ارشاد فرمایا ہے

انقلابات جہاں واعظ رب ہیں دیکھو	ہر تغیر سے صدا آتی ہے فافہم فافہم

خوشخبری

اشاعت ہذا میں دوسری جگہ پر وفد دکن کا ذکر کیا گیا ہے اس وفد کی آمد میں ایک عام جلسہ علماء و طلباء و اساتذہ دارالعلوم کا ہوا تھا جسمیں دارالحدیث کے بڑے کمرے کا افتتاح کیا گیا تھا اور عالیجناب نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمن خانصاحب صدر جلسہ نے ایک پُر مغز عالمانہ تقریر فرمائی تھی جس کو انشاء اللہ العزیز "القاسم" ماہ محرم الحرام ۱۳۴۳ھ میں درج کیا جائیگا۔ اس تقریر سے یقین ہے کہ ناظرین کرام بہت محظوظ ہونگے۔

تبلیغ دین حضرت امام غزالیؒ کی تیس فصلوں کا سلیس اردو ترجمہ جو کہ بارشاد حضرت حکیم الامۃ مولانا تھانوی مدظلہم مولانا عاشق الٰہی صاحب مولوی فاضل میرٹھی نے کیا تھا، جو عرصہ سے نایاب تھا اب عین انتظار کے وقت طبع ہو گیا ہے۔ قیمت صرف ۱۲ آنہ

(ملنے کا پتہ) کتب خانہ قاسمی دیوبند ضلع سہارنپور

شرح مثنوی

اس واعظ کی حکایت جو کہ ہر وعظ کے شروع میں ظالموں پر دعائے خیر کیا کرتا تھا

آں یکے واعظ چو بر تخت آمدے	قاطعان راہ را داعی شدے

یعنی ایک واعظ جب تخت پر وعظ کے لئے آتا تو ڈاکوؤں کے لئے دعا کیا کرتا تھا

دست بر مے داشت یا رب رحم راں	بر بداں و مفسداں و طاغیاں

یعنی ہاتھ اٹھاتا تھا کہ اے اللہ بدوں پر اور مفسدوں پر اور نافرمانوں پر رحم کر

بر ہمہ تسخر کناں اہل خیر	بر ہمہ کافر دلان و اہل دیر

یعنی سب دین کیساتھ تمسخر کرنے والوں پر اور اہل خیر پر اور سب کافر دلوں پر اور اہل دیر پر یعنی سب ان لوگوں پر جو لوگ بگڑتا ہیں اور دین کے ساتھ تمسخر کرتے ہیں کافر ہوں رحم فرما

می نکردے او دعا بر اصفیا	می نکردے جز خبیثاں را دعا

یعنی وہ نیک لوگوں پر دعا نہ کرتا تھا اور بجز خبیث لوگوں کے اور کسی پر دعا نہ کرتا تھا

مر ورا گفتند کایں معہود نیست	دعوت اہل ضلالت جود نیست

یعنی لوگوں نے اس سے کہا کہ یہ معمول نہیں ہے اور اہل ضلالت پر دعا کرنا سخاوت نہیں ہے مطلب یہ کہ لوگوں نے کہا کہ گمراہ لوگوں کیلئے دعا کرنا اچھے لوگوں کا معمول تو ہے نہیں پھر تم کیوں دعا کرتے ہو

گفت نیکوئی ازیں ہا دیدہ ام	من دعاشاں زیں سبب بگزیدہ ام

یعنی [illegible] اس سبب سے ان کیلئے دعا [illegible]

[illegible]

ہوں۔ آگے اس نفع کو بیان کرتا ہے۔

خبث و ظلم و جور چندان ساختند | کہ مرا از شر بخیر انداختند

یعنی خباثت اور ظلم اور جور اسقدر کیا کہ مجھے شر سے خیر کی طرف ڈالدیا۔

ہر گہے کہ رو بدنیا کردمے | من از ایشاں زخم و ضربت خوردمے

یعنی جسوقت کہ میں توجہ دنیا کی طرف کرتا تو میں اُن سے زخم اور ضرب کھاتا۔

کردمے از زخم آن جانب پناہ | باز آوردندمے گرگان براہ

یعنی میں زخم کیوجہ سے اس جانب کو پناہ کرتا تو بھیڑیئے مجھے پھر راہ پر واپس لے آتے تھے۔

چوں سبب ساز صلاح من شدند | پس دعاشان بر من است ای ہوشمند

یعنی جب میری صلاح سازی کا سبب ہو گئے تو اے ہوشمند اُن کیلئے دعا کرنا مجھپر ضروری ہے مطلب یہ کہ اس نے کہا کہ ان لوگوں سے مجھے یہ نفع ہوا کہ جب میں دنیا کی طرف توجہ کرتا تھا تو یہ لوگ مانع ہوا کرتے تھے اور یہ لوگ مارتے پیٹتے تھے تو میں دنیا سے دل سرد ہو کر خدا کی طرف متوجہ ہوتا تھا تو اس توجہ بخدا کا سبب تو یہی لوگ ہوئے اور دنیا سے متعلق بنانے کا سبب تو یہی لوگ ہیں، لہٰذا میں اُن کے لئے دعا کرتا ہوں۔ اور مجھپر اُن کے لئے دعا کرنا واجب ہے کہ یہ سچے مرشد ہیں کہ جو کام بڑے بڑے مجاہدوں سے پورا ہوتا اُسکو انھوں نے پورا کرادیا۔ آگے مولٰنا فرماتے ہیں کہ۔

بندہ مے نالد بحق از درد و نیش | صد شکایت میکند از رنج خویش

یعنی بندہ حقتعالیٰ کے سامنے اپنے درد اور زخم کیوجہ سے روتا ہے اور اپنے رنج کیوجہ سے سینکڑوں شکایت کرتا ہے:

حق ہمی گوید کہ آخر رنج و درد | مر ترا لابہ کنان و راست کرد

یعنی حقتعالیٰ فرماتے ہیں آخر رنج اور درد نے تجھے [illegible]

[illegible] | [illegible]

یعنی یہ شکایت اس نعمت سے کر جو کہ تجھے ہم سے اور ہمارے دست سے تجھے دور اور مطرود کردی مطلب یہ ہے کہ جب بندہ حق تعالےٰ سے مصائب کی شکایت کرتا ہے تو ارشاد ہوتا ہے کہ اسکی شکایت مت کرو اسلئے کہ اس مصیبت سے تو تم کو ہمارا قرب حاصل ہوا ہے کہ تم نے زاری شروع کردی ہاں اس نعمت اور مال و دولت کی شکایت کرو جو کہ تم کو ہمارے دروازے سے دور کر دے وہ تو تمہارا دشمن ہے اور مصیبت جو کہ مقرب خدا بنا دے وہ تو اصل میں دوست ہے۔

در حقیقت ہر عدو داروئے تست — کیمیائے نافع و دلجوئے تست

یعنی حقیقت میں ہر دشمن تیری دوا ہے۔ اور کیمیائے نافع اور تیرا دلجو ہے۔

کہ ازو گردی گریزاں در خلا — استعانت جوئے از لطف خدا

یعنی کہ تو اس سے گریزاں ہوا در خلوت میں لطف خدا سے مدد چاہے۔ مطلب یہ کہ تمہارے جو دشمن ہیں وہ حقیقت میں تمہارے دوست ہیں اسلئے کہ جب وہ تم کو ستاتے ہیں تو تم کو خدا کی یاد آتی ہے اور خدا سے تم مدد مانگتے ہو۔ تو دیکھو دشمن جبتک نہیں تھا اسوقت تک خدا بھولے ہوئے تھے۔ اس دشمن ہی نے تو یاد دلایا کسی نے خوب کہا ہے۔

کہ جب کیا تنگ بتوں نے تو خدا یاد آیا،

حقیقت میں یہ دوست ہوئے اگرچہ بظاہر دشمن ہیں اور ان دشمنوں سے وہ دشمن مراد ہیں جو دنیاوی امور میں دشمنی کریں اور جو دشمن دین ہوں وہ کسی حالت میں بھی دوست نہیں بن سکتے۔

در حقیقت دوستانت دشمنند — کہ ز حضرت دور و مشغولت کنند

یعنی حقیقت میں تیرے وہ دوست دشمن ہیں جو کہ حق تعالےٰ سے تجھے دور اور مشغول کریں یعنی جو دوست کہ غفلت میں لاحق کرنے والے ہیں وہ حقیقت میں دشمن ہیں اور جو دشمن کہ اس [illegible] حقیقت میں دوست ہے تو مصیبت سے گھبرانا نہ چاہئے بلکہ [illegible]
[illegible]

ں۔ آگے اس نفع کو بیان کرتا ہے۔

خبث و ظلم و جور چنداں ساختند　　کہ مرا از شر بخیر انداختند

ں خباثت اور ظلم اور جبر اس قدر کیا کہ مجھے شر سے خیر کی طرف ڈالدیا۔

ہر گہے کہ رو بدنیا کردمے　　من از ایشاں زخم و ضربت خوردمے

ں جسوقت کہ میں توجہ دنیا کی طرف کرتا تو میں اُن سے زخم اور ضرب کھاتا۔

کردمے از زخم آں جانب پناہ　　باز آوردندمے گرگان براہ

ں میں زخم کیوجہ سے اس جانب کو پناہ کرتا تو بھیڑیئے مجھے پھر راہ پر واپس لے آتے تھے۔

چوں سبب ساز صلاح من شدند　　پس دعاشان بر من است اے ہوشمند

ں جب میری صلاح سازی کا سبب ہوگئے تو اے ہوشمند اُن کیلئے دعا کرنا مجھپر ضروری ہے طلب یہ کہ اس نے کہا کہ ان لوگوں سے مجھے یہ نفع ہوا کہ جب میں دنیا کی طرف توجہ کرتا تھا تو وگ مانع ہوا کرتے تھے اور یہ لوگ مارتے پیٹتے تھے تو میں دنیا سے دل سرد ہو کر خدا کی طرف وجہ ہوتا تھا تو اس توجہ بخدا کا سبب تو یہی لوگ ہوئے اور دنیا سے بےتعلق بنانے کا سبب تو یہی ں ہیں، لہٰذا میں اُن کے لئے دعا کرتا ہوں۔ اور مجھپر اُن کے لئے دعا کرنا واجب ہے کہ یہ سے کہ مرشد ہیں کہ جو کام بڑے بڑے مجاہدوں سے پورا ہوتا اُسکو انھوں نے پورا کرادیا۔ آگے لسنا فرماتے ہیں کہ۔

بندہ مے نالد بحق از درد و نیش　　صد شکایت میکند از رنج خویش

منی بندہ حقتعالٰی کے سامنے اپنے درد اور زخم کیوجہ سے روتا ہے اور اپنے رنج کیوجہ سے سو شکایتیں رتا ہے۔

حق ہمی گوید کہ آخر رنج و درد　　مر ترا لابہ کناں و راست کرد

نی حق تعالٰے فرماتے ہیں آخر رنج اور درد نے تجھے خوشامد کرنیوالا اور سیدھا کر دیا ہے۔

ایں گلہ زاں نعمتے کن کت زند　　از در ما دور و مطرودت کند

یعنی یہ شکایت اُس نعمت سے کر جو کہ تجھے مارے اور ہمارے در سے تجھے دور اور مطرود کردے مطلب یہ ہے کہ جب بندہ حق تعالےٰ سے مصائب کی شکایت کرتا ہے تو ارشاد ہوتا ہے کہ اسکی شکایت مت کرو اسلئے کہ اس مصیبت سے تو تم کو ہمارا قرب حاصل ہوا ہے۔ کہ تم نے زاری شروع کردی ہاں اس نعمت اور مال و دولت کی شکایت کرو جو کہ تم کو ہمارے دروازہ سے دور کر دے وہ تو تمہارا دشمن ہے اور مصیبت جو کہ مقرب خدا بنا دے وہ تو اصل میں دوست ہے۔

در حقیقت ہر عدو داروے تست		کیمیائے نافع و دلجوئے تست	

یعنی حقیقت میں ہر دشمن تیری دوا ہے۔ اور کیمیائے نافع اور تیرا دلجو ہے۔

تا ازو گردی گریزاں در خلا		استعانت جوئے از لطف خدا	

یعنی تاکہ تو اس سے گریزاں ہو اور خلوت میں لطف خدا سے مدد چاہے۔ مطلب یہ کہ تمہارے جو دشمن ہیں وہ حقیقت میں تمہارے دوست ہیں اسلئے کہ جب وہ تم کو ستاتے ہیں تو تمہیں خدا کی یاد آتی ہے اور خدا سے تم مدد مانگتے ہو۔ تو دیکھو دشمن جبتک نہیں تھا اسوقت تک خدا کو بھولے ہوئے تھے۔ اس دشمن ہی نے تو یاد دلایا کسی نے خوب کہا ہے۔

کہ جب کیا تنگ بتوں نے تو خدا یاد آیا،

حقیقت میں یہ دوست ہوئے اگرچہ بظاہر دشمن ہیں اور اُن دشمنوں سے وہ دشمن مراد ہیں جو دنیاوی امور میں دشمنی کریں اور جو دشمن دین ہوں وہ کسی حالت میں بھی دوست نہیں بن سکتے۔

در حقیقت دوستانت دشمنند		کہ ز حضرت دور و مشغولت کنند	

یعنی حقیقت میں تیرے (وہ) دوست دشمن ہیں جو کہ حق تعالےٰ سے تجھے دور اور مشغول کریں یعنی جو دوست کہ غافل عن الحق کرنے والے ہیں وہ حقیقت میں دشمن ہیں اور جو دشمن کہ واصل الی الحق کرنے والا ہے وہ حقیقت میں دوست ہے تو مصیبت سے گھبرانا نہ چاہئے بلکہ اُسکے حقوق مثل صبر وغیرہ کے ادا کرنا چاہئیں تو واللہ بجائے کدورت کے صفائی اور بجائے ظلمت کے

نور پیدا ہوتا ہے۔ ہاں اگر طبیعت ہی سلیم نہ ہو تو اور بات ہے۔ آگے مولانا نفس کی ایک مثال دیتے ہیں کہ۔

ہست حیوانے کہ نامش اسغر است	کو بزخم چوب زفت و لمتر است

یعنی ایک جانور ہے جسکا نام سیہی ہے کہ وہ لکڑی کی چوٹ سے خوب موٹا اور ڈبل ہوتا ہے۔

تاکہ چوبش مے زنی بہ مے شود	او ززخم چوب فربہ مے شود

یعنی جتنا کہ تو اسکے لکڑی مارے وہ اچھا ہوتا ہے اور لکڑی کی چوٹ سے موٹا ہوتا ہے۔

نفس مومن اسغری آمد یقین	کو بزخم درنج رفت است وسمین

یعنی مومن کی ذات یقیناً ایک سیہی ہے کہ وہ زخم اور رنج سے موٹا ہے اور ڈبل ہے بمطلب یہ کہ دیکھو ایک جانور سیہی ہوتا ہی تو جب اسے مارتے ہیں تو اپنے پَر پھیلا لیتا ہے۔ اور خوب ڈبل ہو جاتا ہی۔ اسی طرح مومن کی ذات اور اس کا نفس بھی ہے کہ جب اُسکو تکالیف پہنچاویں اور اسکو ماریں پیٹیں تو یہ حق تعالےٰ کی راہ میں خوب قوی اور موٹا ہو جاتا ہی اور پھر خوب کام کرتا ہے۔ لہٰذا مصیبت سے گھبرانا نہ چاہیے۔ آگے اسپر ایک تفریع فرماتے ہیں کہ

زیں سبب بر انبیا رنج و شکست	از ہمہ خلق جہاں افزوں تر است

یعنی اسی سبب سے انبیاء علیہم السلام پر تکالیف اور شکستگی تمام جہان کی مخلوق سے زیادہ ہے

تا زجانہا جان شاں شد رفت تر	کہ ندیدند آں بلا قومے دگر

یعنی یہانتک کہ تمام جانوں سے اُن کی جان زیادہ عظیم ہو گئی کیونکہ کسی دوسری قوم نے وہ بلا نہیں دیکھی۔ مطلب یہ کہ چونکہ مصائب و تکالیف سے روح میں صفائی آتی ہی اسلئے حضرات انبیاء علیہم السّلام پر سب سے زیادہ مصائب پڑے ہیں اور ان کی وجہ سے انکی ارواح دیگر ارواح مخلوق سے بدرجہا قوی اور بزرگ ہیں کیونکہ جو بلائیں انپر پڑیں اور انہوں نے اُن کے حقوق کو ادا کیا وہ کسی اور پر نہیں پڑیں اور جب اور وں پر نہیں پڑیں تو اور وں کو وہ رجے بھی ویسے نہیں ملے آگے مصائب جھیلنے سے عمدگی اور نفاست و لطافت آجانے کی ایک مثال

فرماتے ہیں کہ۔

پوست از دارو بلاکش می شود	چون ادیم طائفی خوش می شود

یعنی کھال دوا سے بلاکش ہوجاتی ہے تو ادیم طائفی کی طرح عمدہ ہوجاتی ہے۔

ورنہ تلخ و تیز مالیدی درو	گندہ گشتی ناخوش و ناپاک بو

یعنی اگر تلخ و تیز دوا اسمیں نہ ملتی تو وہ گندہ ہوجاتی۔ اور ناخوش اور ناپاک بو والی ہوجاتی مطلب یہ کہ دیکھو کھال پر اول خوب کھاری دیتے اور شراب مصلح لگاتے ہیں اور اسکو رگڑتے ہیں تو چونکہ وہ ان سب باتوں کو جھیل جاتی ہے لہذا بعد میں ادیم طائفی بنجاتی ہے۔ اور بہت ہی عمدہ ہوجاتی ہے کہ اسکو ہر طرح استعمال میں لاتے ہیں اور اگر وہ رگڑ اور وہ مصیبت اسکے اوپر نہ پڑتی تو یہ نتیجہ ہوتا کہ وہ کھال گندی ہوجاتی اور سڑجاتی اور کوئی اسکے پاس بھی کھڑا نہ ہوتا آگے اس مثال کو منطبق فرماتے ہیں کہ۔

آدمی را پوست نامدبوغ دان	از رطوبتہا شدہ زشت و گران

یعنی آدمی کو بے رنگی ہوئی کھال جانو جو کہ رطوبتوں کی وجہ سے اور بھاری ہو رہی ہے۔

تلخ و تیز و مالش بسیار دہ	تا شود پاک و لطیف و با فرہ

یعنی تلخ اور تیز اور مالش اسکو بہت دے تاکہ وہ پاک اور لطیف اور باعزت ہوجاتے مطلب یہ کہ تم بھی ایک نامدبوغ کھال کی طرح ہو۔ تو تم خوب مجاہدات وریاضات کرو۔ اور ان مجاہدات کی تلخیونکو سہو تو اس سے تمہارے اندر لطافت اور پاکی پیدا ہوجائیگی۔ اور یہ رطوبات ذنوب تم سے زائل ہوجاویں گی۔

ور نمی تانی رضا دہ اے عیار	گر خدا رنجت دہد بے اختیار

یعنی اور اگر تم نہیں کرسکتے تو اے عیار رضا دو تاکہ خدا تم کو بے اختیار رنج دے۔

کہ بلائے دوست تطہیر شماست	علم او بالائے تدبیر شماست

یعنی کہ دوست کی بلا تمہاری پاکی ہے۔ اور اس کا علم تمہاری تدبیر سے بالاتر ہے۔ مطلب یہ ہی

اگر تم مجاہدات اختیاریہ پر قادر نہیں ہو اور تم سے اختیاری مجاہدات نہیں ہو سکتے تو اب راضی برضا ہو تاکہ تم پر مجاہدات اضطراریہ واقع ہوں اور حق تعالیٰ تم کو پاک کرنے کے لئے اضطراری مجاہدہ میں مبتلا فرمادیں تو اسپر صبر کرو اور شکوہ و شکایت نکرو کہ انشاء اللہ وہ بلائے دوست یعنی حق تعالیٰ تم کو پاک کر دیگی۔ اور وہ مجاہدۂ اضطراری تمہارے اخلاق رذیلہ کو زائل باخلاق حمیدہ کر دیگا۔ مگر شرط یہ ہے کہ اس سے گھبراؤ نہیں اسلئے کہ وہ تم سے زیادہ علیم ہے حکیم ہے۔ وہ جانتا ہے کہ اس مجاہدہ میں کیا کیا مصلحتیں ہیں۔ لہذا اسپر صبر کرو اور راضی برضا ہو۔

چون صفا بیند بلا شیریں شود	خوش شود دارو چو صحت بین شود

یعنی جب وہ شخص صفائی دیکھتا ہے تو وہ (مجاہدہ وغیرہ) شیریں ہوجاتا ہے۔ اور دوا اچھی ہوجاتی ہے جب (مریض) صحت کو دیکھنے والا ہوتا ہے۔ یعنی جب اس مجاہدہ کرنیوالے کو معلوم ہوگا کہ اس سے صفائی قلب میسر ہوتی ہے تو وہ بلا بھی اسپر شیریں ہوجاتی ہے۔ جیسے کہ مریض جب دیکھتا ہے کہ اس دوا سے مجھے نفع ہوا ہے تو وہ کڑوی دوا اسکو شیریں معلوم ہونے لگتی ہے۔

بر دبیند خویش را در عین مات	پس بگوید اقتلونی یا ثقات

یعنی وہ عین ہار میں اپنی جیت دیکھتا ہے پس کہتا ہے کہ اے ثقات مجھے مار ڈالو۔ یعنی جب یہ شخص دیکھتا ہے کہ عین مات کی حالت میں میری جیت ہوتی ہے اور عین موت میں میری حیات ہے تو اب وہ موت کی اور اپنی ہار کی تمنا کرتا ہے۔

این عوان در حق غیرے سود شد	لیک اندر حق خود مردود شد

یعنی یہ کوتوال دوسرے کے حق میں تو نافع ہوگیا تھا لیکن اپنے حق میں وہ مردود ہوگیا تھا۔

رحم ایمانی ازو ببریده شد	کین شیطانی برو پیچیده شد

یعنی ایمان والا رحم تو اس سے قطع ہوگیا تھا اور شیطانی کینہ اسپر لپیٹ دیا گیا تھا مطلب یہ کہ وہ رحم جو کہ ایمان کا مقتضا ہے اس عوان کے اندر سے بالکل جاتا رہا تھا اور شیطانی کینہ توزی اسکے اندر پیوست ہوگئی تھی۔

کارگاہ خشم گشت وکین وری
کینہ داں اصل ضلال وکافری

یعنی (وہ عوان) خشم اور کینہ وریکا کارخانہ ہوگیا تھا اور کینہ کو گمراہی اور کافری کی جڑ سمجھئے یعنی یہی وہ شے ہے کہ جس کی بدولت انسان گمراہ ہوجائے۔ یا کافر ہوجائے۔ تو کچھ عجب نہیں ہے، آگے اس غصہ کی مذمت میں ایک قصہ لاتے ہیں۔

عیسیٰ علیہ السّلام سے ایک شخص کا سُوال کرنا کہ موجودات میں سب سے زیادہ سخت کون شے ہی

گفت عیسیٰ را یکے ہشیار سر
چیست در ہستی زجملہ صعب تر

یعنی ایک ہوشیار انسان نے عیسیٰ سے دریافت کیا کہ موجودات میں سب سے زیادہ سخت کونسی شے ہے

گفتش اے جان صعب تر خشم خدا
کہ ازاں دوزخ ہمی لرزد چو ما

یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اس سے کہا کہ اے جان سب سے زیادہ سخت خدا کا غصہ ہے کہ اس سے دوزخ بھی ہماری طرح کانپتا ہے۔

گفت زیں خشم خدا چہ بود اماں
گفت ترک خشم خویش اندر زماں

یعنی اس شخص نے کہا کہ اس خدا کے غصہ سے امان کیا ہے تو عیسیٰ نے فرمایا کہ اپنے غصہ کو زمانہ میں ترک کردینا۔ مطلب یہ کہ اس شخص نے سوال کیا کہ خشم خدا سے کسی طرح بچ بھی سکتے ہیں تو حضرت عیسیٰ علیہ السّلام نے فرمایا کہ اپنے غصہ کو ترک کرو تو حق تعالیٰ کے غصہ سے نجات ہوجائیگی

کظم غیظ است اے پسر خط امان
خشم حق یاد آورد درکش عنان

یعنی غصہ کا پی لینا اے صاحبزادہ امن کا پروانہ ہے خدا کے غصہ کو یاد کرو اور باگ کھینچ لو۔ مطلب یہ کہ خدا کے غصہ کو یاد کرکے اپنے غصہ کو پی لینا بس یہ امن کا پروانہ ہے کہ پھر انشاء اللہ قہر حق سے نجات ہوجائے گی۔

پس عوان کہ معدن ایں خشم گشت
خشم زشتش از سبع ہم درگذشت

پس کوتوال جوکہ اس خشم کا معدن ہوگیا خشم زشت اس کا درندہ سے بھی گذر گیا تھا یعنی خشم مذموم کا وہ عوان معدن تھا اور اس کا غصہ درندوں سے بھی کہیں زیادہ تھا۔

چہ امیدستش برحمت جز مگر ۔۔۔ باز گردد زاں صفت آں بے ہنر

یعنی اُسکو رحمت کی کیا امید ہے سوائے اسکے کہ وہ بے ہنر اس صفت سے پھر جاوے مطلب یہ کہ جب اس کوتوال کو اسقدر غصہ ہے اور اسقدر ظلم کرتا ہی تو اب اُسکو رحمت حق کی کیا امید ہی۔ ہاں اگر وہ اس صفت سے باز آجاوے اور اپنے غصہ کو کم کردے تو ممکن ہی کہ رحمت حق نازل ہو۔ آگے ایک دوسرا مضمون بیان فرماتے ہیں کہ۔

گرچہ عالم را ازیشاں چارہ نیست ۔۔۔ ایں سخن اندر ضلال افگند نیست

یعنی اگرچہ عالم کو ان لوگوں سے چارہ نہیں ہے اور یہ بات گمراہی میں ڈالنے والی ہی مطلب یہ ہی کہ اگرچہ تکویناً ان ظالموں کی بھی ضرورت ہی اور اگر یہ نہوں تو عالم میں کمی رہجاوے مگر پھر بھی یہ مبغوض و مردود ہی ہیں اسلئے کہ یہ مراد حق تو ہیں مگر مرضی حق نہیں ہیں انکی خلق کیساتھ ارادۂ حق تو متعلق ہوا ہی لیکن رضائے حق متعلق نہیں ہوئی اور رضا اور ارادہ میں جو فرق ہے وہ ظاہر ہے تو تکویناً تو ان ظالموں وغیرہ کا ہونا عالم میں ضروری ہے اور حق تعالے نے ہی انکو پیدا فرمایا ہے لیکن حق تعالے اُن کے افعال سے اور خود ان سے راضی نہیں ہیں، مگر یہ بات ایسی ہے کہ عوام کو گمراہی میں ڈالنے والی ہے۔ کہ ارادہ اور رضا میں فرق تو کرتے نہیں مراد کو مرضی سمجھ لیتے ہیں۔ آگے اُن کے مراد ہونے اور مرضی ہونے کی ایک مثال لاتے ہیں کہ۔

چارہ نبود ہم جہاں را از چمیں ۔۔۔ لیک نبود آں چمیں ما معیں

یعنی جہان کو بول و براز سے بھی چارہ نہیں ہے لیکن وہ بول و براز یار معین نہیں ہوتا مطلب یہ کہ دیکھو بول و براز جو ہے یہ مراد تو ہے کہ مکانات بنانے میں اُس کیلئے بھی خاص ایک مکان بنایا جاتا ہی پھر وہاں سب جاتے ہیں لیکن جس طرح یار معین مرضی و محبوب [illegible]

اسلام کا اثر تمدن و معاشرہ پر

نمبر ۱

اسلام نے جہاں دین و دیانت اور تعہد و تعلق مع اللہ کی تجدید کی اور ربط حادث بالقدیم کی شاہراہوں کو انسانی توہمات کے خس و خاشاک سے صاف کر کے انھیں خوب روشن کیا، وہیں اسکی تہذیب و شائستگی کی بدولت دنیوی معاشرہ کی خوبیوں باہمی حسن و سلوک میل جول۔ صلۂ رحم آپسداری اور درمیانی روابط کی خوشگواریوں نے بھی دوبارہ جنم لیا۔

تمام وہ مظالم اور تشددات جو عالم انسانیت کی روشن جبیں پر سیاہ داغ اور کلنک کا ٹیکہ تھے مٹکر ایک ایسی سہل دلپذیر اور خوشگوار معاشرہ کی بنیاد پڑی جس سے انسانیت کی شریفانہ قوتیں بیدار ہوگئیں اور اُن کے ثمرات صالحہ سے دنیا کی ذی عقل برادری سکھ اور چین سے بسر کرنے لگی۔

شریعت اسلام نے انسان کو جو انسانیت ہی سے انسان رہ سکتا تھا اور جس کی انسانیت صرف اُنس ہی کی بدولت برقرار رہ سکتی تھی۔ حقیقی معنی میں انسان بنا دیا۔ اسمیں باہمی اُنس و مودۃ کے جذبات پیدا کئے۔ اُسے بنی نوع کی ہمدردی اور ایثار کے دواعی سے معمور بنایا اور تہذیب و شائستگی کی اس حد پر پہونچا دیا کہ اُسکے ہر فعل سے بجائے قدیم وحشت و بربریت کے صرف انسانیت اور اُنس ہی مترشح ہونے لگی اور بجائے اس کے کہ اسکی انسانیت خود اُسی کے نفسانی مظالم کی آماجگاہ تھی۔ اب وہ ہی انسانیت اُسکے نفس کا تحفظ کرنے لگی یعنی اس میں اپنی صیانت و حفاظت کیساتھ ساتھ اپنی تمام ہم جنسوں کیساتھ سلوک سے پیش آنے اور تمام بنی نوع کی ہمدردی و بہبود مدنظر رکھنے کی قابلیت پیدا ہوگئی اور اس ہمدردی بنی نوع سے اُسے خود اپنی ہمدردی کرنی سیکھ لی۔

بنی نوع انسان کا ایک ایک فرد دوسرے کی ہمدردی اور خیر اندیشی کا مستحق ہے لیکن تعلقات کی شدت و ضعف سے اس ہمدردی کی بھی نوعیں مختلف ہیں۔ وہ ہمدردی جو ایک انسان اپنے اصول و فروع کی ساتھ کر سکتا ہے دوسرے اقارب کی ساتھ نہیں کر سکتا۔ پھر

عام اقربا کیلئے جو کچھ ایثار کر سکتا ہے وہ عامہ اخوان کیلئے نہیں عمل میں لا سکتا۔ اور پھر عامہ اخوان کی ہمدردی جو رنگ اختیار کر سکتی ہے وہ ہی رنگ دوسرے اغیار و اجانب کیلئے بعینہ پیدا نہیں کیا جا سکتا۔ اسلئے شریعت اسلام نے بھی اس فطری تفاوت کو باقی رکھا اور ہر ایک ذی قرابتہ اور متعلق کے لئے اس ایثار و حسن سلوک کے بارے میں جدا جدا احکام دیئے۔

ہم چاہتے ہیں کہ اس مختصر مضمون میں ضروری ضروری تعلقات اور ان کے متعلق اسلامی معاشرہ کے قانون کی ضروری دفعات قرآن و سنت سے پیش کریں۔

ان تمام اشتہائے یگانگت و ایثار میں جنمیں اسلام نے سکون و مودۃ کی نئی روح پھونکی، سب سے بڑا اہم اور اس اہمیت کے سبب قابل تقدیم رشتہ جسپر تدبیر منزل و تہذیب اخلاق بلکہ سیاست مدن کی بہبود موقوف ہے، زن و مرد کا رشتہ ہے اور اسی رشتہ کو دنیا کی اقوام و امم نے اپنی جہالت کی کدالوں سے تاخت و تاراج کر دیا تھا یہاں تک یہ تعلق بجائے سکون و مودۃ کا مظہر بننے کے تعدی و جبر اور نفرت و عداوت کا مرکز بن چکا تھا۔

(۱) دختر کشی

عورت کی جنس سے پیدا ہوتے ہی جبکہ وہ معصوم بے زبان ہوتی تھی عداوت شروع ہو جاتی تھی اسکو اسی حالت میں قتل و غارت کرنے سے دریغ نہ کیا جاتا تھا۔ دختر کشی کی رسم گو کتنی ہی اقوام میں رائج تھی مگر خصوصیت سے ملک عرب میں یہ رسم بد اپنے انتہائی مراحل طے کر چکی تھی۔ لڑکیوں کا زندہ چھوڑنا قومی حمیت و غیرت کے خلاف سمجھا جا رہا تھا۔ اور اس حمیۃ جاہلیہ کے سبب لڑکیوں کا رکھنا ایک بدترین ذلت تھی۔

قرآن کریم نے کفار عرب کے اس بدترین حال کی حکایت فرماتے ہوئے کہا ہے کہ۔

واذا بشر احدھم بالانثیٰ ظل وجھہ	اور جب ان مشرکین میں کسیکو بیٹی کی خبر دیجائے تو سارے
مسودًا وھو کظیم یتوارٰی من القوم	دن اس کا چہرہ بے رونق رہے اور وہ دل ہی دل میں
من سوء ما بشر بہ ایمسکہ علیٰ ھون ام یدسّہ	گھٹتا رہے۔ جس چیز کی اسکو خبر دیگئی ہے اسکے عار سے

فی التراب۔ } تو وہ چھپا چھپا پھرے۔ آیا اسے ذلت پر لئے رہے یا اسے مٹی میں گاڑ دے ۔ خوب سن لو۔

پھر نہ صرف عرب بلکہ دوسرے ممالک میں بھی اس صنف کیساتھ ایسی ہی جفاکاری سفاکی کا معاملہ کیا جا رہا تھا۔ مصر میں زمینوں کی آب پاشی رود نیل سے کیجاتی تھی اور مصر اعتقاد میں رود نیل کا چڑھاؤ یا جوش میں آنا بغیر ایک خوبصورت صاحب جمال اور بیش زیادہ آراستہ پیراستہ لڑکی کی بھینٹ چڑھائے نہ ہوتا تھا۔ اسلئے مصر کے اُن جاہل عوام نے جنگلی توہمات سے نیل کے جوش اور لڑکی کے قتل میں کوئی ربط اعتقاد کر رکھا تھا کہ قیمتی جانیں اس صنف نازک کی تلف کر دیجاتی تھیں اور ہر سال برملا نیل کے کنارے بیرحمی سے ذبح کیجاتی تھیں۔ اور قساوۃ قلوب کا علی الاعلان مظاہرہ ہوتا تھا۔ چنانچہ خلافت فاروق کا وہ واقعہ یاد کرو جبکہ امیر مصر حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص نے اس جاہلانہ رسم اور اسکی ساتھ عوام کے اعتقاد باندھے رکھنے کی شکایت حضرت عمرؓ کو لکھکر بھیجی دکاندار

ہندوستان میں ستی کی قبیح رسم کا رواج زوروں پر تھا۔ اور اسی کو مذہبی یا قومی غیرت وحمیت کی انتہائی منزل سمجھا جا رہا تھا کہ ایک زندہ عورت اپنے خاوند کیساتھ جیتے جی جہنم میں دھکیل دیجائے۔ اور اس کی مردہ نعش کیساتھ اسکا زندہ پیکر بھی راکھ کا ڈھیر ہو۔ مشہور مؤرخ اسلام ابن بطوطہ نے اپنے سفرنامہ میں نہایت ہی دردبھری آواز میں اس منحوس رسم کا ذکر کیا ہے۔

لیکن ان تمام ممالک کی نسبتہ عرب کی سرزمین اس بارہ میں سب سے زیادہ ظلم اور نحوست لئے ہوئے تھی۔ عرب کے باشندے معصوم بچیوں پر سفاکانہ ظلم کرتے۔ اور ان کی جانیں تلف کرتے تھے۔

امام رازی اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ دختر کشی کے مختلف طریقے اہل عرب میں رائج تھے کبھی تو وہ گڑھے کھود کر اس میں بچیوں کو پھینک دیتے تھے (جیسا کہ مسند دارمی کی ایک طویل روایت میں ایسا قصہ مذکور ہے) کبھی پہاڑ کی چوٹی پر چڑھکر اوپر سے لڑکی کو پھینک

پھینک دیتے تھے، کبھی دریا میں پھینککر غرق کردیا کرتے تھے، کبھی چھری سے اسکو ذبح کر ڈالتے تھے۔ وغیر ذلک۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دختر کشی کیساتھ ساتھ جسقدر قلبی شقاوت کا ثبوت دیا جاتا تھا اتنا ہی غیرت و حمیت کا مظاہرہ ہوتا تھا یعنی عورت کے اعدام وافنا میں جو شخص جسقدر تعدی اور ستم برتتا تھا اسیقدر غیور اور با حمیت سمجھا جاتا تھا۔

گویا انسان انسانیت سے نکلکر سانپ اور بچھو ہو گئے تھے۔ جسطرح سانپ اور درندے یا دریائی جانور بچے پیدا ہونے ہی انکو کھانا اور نگلنا شروع کر دیتے ہیں اور بچنے والا بچہ محض قسمت اور اتفاق ہی سے ...... بچ نکلتا ہے۔

اسیطرح انسان اپنے جگر گوشوں کو خود ہی نگل رہا تھا۔ اور انسانیت پر خود انسانیت ہی ایک ناقابل تحمل جور و ظلم بنی ہوئی تھی۔

جبکہ دنیا کی آدھی آبادی کی عورت کے بارے میں یہ زبوں حالت تھی جس نے انہیں اس شقاوت و بدبختی سے نجات دلائی؟ اور انسان کو انسانیت کے نہج پر قائم کیا؟ وہ بلاشبہ قرآن کریم کا نزیں دستور عمل اور خدا کا آخری قانون تھا۔ جسکی رحم و کرم سے لبریز تعلیمات نے ان نامعقولیتوں کی دلدل سے عالم انسانی کو نکالا اور عقل و دین کے سطح پر لاکر کھڑا کیا۔ قرآن ہی کی پر تاثیر تعزیر سے قتل موؤدہ کی بیخکنی ہوئی۔ اسی نے اپنا پر تاثیر وعظ سنایا اور قیامت سے ڈرا کر ان لغویتوں کا استیصال کیا، فرمایا۔

واذا الموءودة سئلت بای ذنب قتلت۔	اور جبکہ زندہ گاڑی ہوئی لڑکی سے پوچھا جاوے گا کہ وہ کس گناہ پر قتل کی گئی تھی؟۔

نیز بے رحم عرب اپنی اولاد کو ناداری کے سبب بھی موت کے گھاٹ اتار دیا کرتے تھے تو قرآن نے انہیں جھڑکا کہ۔

ولا تقتلوا اولادکم خشیۃ املاق نحن نرزقکم وایاھم ان قتلھم	اپنی اولاد کو ناداری کے اندیشہ سے قتل مت کرو۔ ہم انکو بھی رزق دیتے ہیں اور تم کو بھی بیشک ان کا

كان خطأً كبيراً۔	قتل کرنا بڑا بھاری گناہ ہو۔

نیز جاہل عرب اولاد کو بتوں کی بھینٹ چڑھا کر بھی قتل کیا کرتے تھے۔ اُسپر حکم آیا۔ کہ

وكذلك زين لكثير من المشركين قتل اولادهم شركاؤهم ليردوهم وليلبسوا عليهم دينهم ولو شاء ربك ما فعلوه فذرهم وما يفترون۔

اور اسی طرح بہت سے مشرکین کے خیال میں انکے معبودوں نے اپنی اولاد کے قتل کرنیکو مستحسن بنا رکھا ہے تاکہ وہ ان کو برباد کریں اور انکے ملت کے طریقہ کو مجہول کر دیں اور اگر اللہ کو منظور ہوتا تو یہ ایسا کام نہ کرتے تو آپ انکو اور جو کچھ یہ غلط باتیں بنا رہے ہیں یوں ہی رہنے دیجیے۔

یتیم لڑکیوں پر ظلم

(۲)

جو لڑکی ان جفا کاریوں سے اتفاقاً بچ جاتی تھی مثلاً اس وجہ سے کہ باغیرت باپ ہی دنیا سے ٹل گیا اور لڑکی کسی رشتہ دار کی غیرت کا شکار نہ ہوئی تو پھر اس یتیم بچی کی جان ذرا پر زندگی کی گھاٹیاں موت سے بھی زیادہ تنگ ہو جاتی تھیں۔

یہ یتیم لڑکیاں جہاں متولیوں کے طرح طرح کے جبر و ظلم کا شکار بنتیں وہیں ایک خاص صورت ان کی حق تلفیوں کی یہی مروج تھی کہ انسے نابالغی کی حالت میں نکاح کر لیا جاتا تھا تاکہ اُن کا مال ہاتھ سے نہ جائے یعنی ان کا مقصود تحفظ مال ہوتا تھا نہ کہ تحفظ یتامیٰ۔ پس ان جفاؤں اور سفاکیوں کی بدولت اس کی جان بھی گھل جاتی تھی اور حق تلفیوں کی بدولت اسکا مال بھی اس کا نہ رہ سکتا تھا۔ زندہ درگور ہو کر تو لڑکی ایک ہی ظلم کا شکار بنتی تھی۔ مگر اس خانہ زندگی میں بیسیوں مظالم کے سبب گویا وہ ہر آن زندہ درگور ہوتی رہتی تھی۔ قرآن کریم نے اس سفاکی کا بھی اپنی حق کی تلوار سے فیصلہ فرما دیا۔ اس نے جب لڑکیوں کی جان کی حفاظت پوری طرح فرمائی تو اب ان کے مالوں کی حفاظت بھی کی اور جبکہ اس مال ہی کے سبب وہ نابالغی کے نکاح کی مصیبتیں جھیلتی تھیں تو گویا قرآن نے ان خاص حق تلفیوں کا بھی اس تحفظ مال کے ضمن میں استیصال فرما دیا۔ سورۂ نسا میں فرمایا۔

وآتوا الیتمیٰ اموالھم ولا تتبدلوا الخبیث بالطیب ولا تأکلوا اموالھم الیٰ اموالکم انہ کان حوبا کبیرا۔

اور جن بچوں کا باپ مر جائے اُن کے مال انہی کو پہنچاتے رہو اور تم اچھی چیز سے بُری چیز کو مت بدلو اور ان کے مال مت کھاؤ اپنے مالوں تک۔ ایسی کارروائی کرنا بڑا گناہ ہے۔

دوسری جگہ فرمایا۔

إنّ الذین یأکلون اموال الیتمیٰ ظلما انما یأکلون فی بطونھم نارا وسیصلون سعیرا۔

بلا شبہ جو لوگ یتیموں کا مال کھاتے ہیں بلا استحقاق اور کچھ نہیں اپنے شکم میں آگ بھر رہے ہیں۔ اور عنقریب جلتی آگ میں داخل ہونگے۔

پھر خصوصیت سے اُن یتیم لڑکیوں کے متعلق جنکو مالدار اور قبول صورت دیکھکر اہل جاہلیت نکاح کرلیتے تھے اور پھر حقوق زوجیت کی رعایت نکرتے تھے۔ بلکہ انکو اپنے گھر کی لونڈیاں سمجھکر کچھ التفات نکرتے تھے۔ مگر پورا التفات ان کے مالوں کی طرف کرتے تھے۔

قرآن کریم نے انکی اس تعدی کی بھی حکایت فرمائی اور کہا۔

وما یتلیٰ علیکم فی الکتاب فی یتامی النساء التی لا تؤتونھن ما کتب لھن وترغبون ان تنکحوھن۔

اور جو تم کو سنایا جاتا ہے کتاب میں یتیم لڑکیوں کے متعلق ہے جن کو تم ان کا مقررہ حق تو دیتے نہیں اور چاہتے ہو کہ انہیں نکاح میں لے لو۔

جس حکم کا اس آیۃ میں تذکرہ فرمایا وہ حکم قرآن نے یہ فرمایا کہ جب تم ان کے حقوق ادا نہیں کرسکتے ہاں انکے مال کو اپنا مال سمجھتے ہو تو کیوں اُن سے نکاح کرتے ہو یہ کیوں نہیں کرتے کہ دوسرے گھرانوں کی عورتوں سے جن کیساتھ تم ان کے اجنبی گھرانوں کی شرم رکھکر ادا حقوق کیساتھ پیش آؤگے چار تک نکاح کرلو۔

وان خفتم ان لا تقسطوا فی الیتامیٰ فانکحوا ما طاب لکم من النساء

اور اگر تم اس بات کا احتمال رکھتے ہو کہ یتیم لڑکیوں کے ... [illegible]

مثنیٰ وثلاث ورباع ۔ { تمکو پسند ہو نکاح کرو۔ دو دو عورتوں سے اور تین تین عورتوں سے اور چار چار عورتوں سے۔

بہرحال جاہلیت کی یہ دو تعدیاں کہ باپ کی بچیوں اور بے سہارے لڑکیوں کے اموال کو شیر مادر سمجھکر استعمال کرجاتے تھے۔ یا تو علی الاعلان کھاگئے یا دنیا کی شرم رکھنے کیلئے یتامے کے مالوں میں کچھ برائے نام اپنا مال بھی ملادیا اور مال یتیم خورد برد کرگئے۔ یا یتامے سے نابالغی کی حالت میں نکاح کرلیا اور اسطرح اسکے مال پر قابض ہوگئے۔ نیز ساتھ ہی اس کی حق تلفیاں بھی شروع کردیں۔ اور اسطرح گویا یتیم لڑکیونکی جان مال جو ہر طرح رعایت و انتظام کے مستحق تھے حد درجہ بدنظمی اور ظلم و تعدی کی آماجگاہ بنجاتے تھے۔ ان تمام تعدیوں کی روک تھام اگر کی تو قرآن کریم کے معتدل اور مستحکم قانون نے کی اس نے ایسے نکاح سے بھی روکا جسمیں اپنے نفس پر انصاف کا احتمال نہو اور ایسے اختلاط سے بھی روکدیا جسمیں مال یتیم کی اضاعت لازم آتی ہو اور اسطرح یتامی النساء کی جانیں اور مال دونوں محفوظ ہوگئے۔

تعدد ازدواج

(۳)

ان بے کس عورتوں کی جان و مال محفوظ کر دینے کے بعد اسلام نے دیکھا کہ بہت سی عورتیں گو اپنا جان و مال محفوظ رکھتی تھیں لیکن ان کا امن و سکون اور ان کے جذبات فرح و سرور محفوظ نہیں ہیں وہ تعدد ازدواج کے ایک وسیع دائرہ میں محض بھیڑ بکریوں کیطرح اپنے خاوندونکے جذبات تعدی کے پورا کرنے کیلئے محصور کردیگئی ہیں۔

عرب کے وحشیوں کے یہاں تعدد ازدواج کی رسم تھی جو فی نفسہ قبیح نہ تھی اور اسلام نے بھی اسے نہیں مٹایا۔ لیکن تعدد کی کوئی مقدار اور کوئی حصر نہ رہا تھا۔ ایک ایک کے پاس پانچ پانچ۔ آٹھ آٹھ۔ دس دس بیویاں جمع ہوجاتی تھیں۔ اور جبکہ اتنی بڑی تعداد کا ایک لشکر ایک ایک کے ماتحت تھا تو ضرور تھا کہ ان کے ادا حقوق میں کوتاہی ہو۔ احترام جذبات دشوار ہو۔ مالی حقوق ادا نہوں۔ معاشرتی حدود قائم نہ رہیں۔ چنانچہ عرب ان سے بدسلوکی سے پیش آتے۔ کسی کی طرف مائل اور کسی سے متنفر۔ عدل

وانصاف کا پتہ نہ تھا۔ اور مہر کا نشان نہیں۔ اخلاقی ہمواری مفقود، شریعت اسلام نے ان بیکسوں کی حالت زار دیکھکر پھر ایک دفعہ اپنا دست کرم اُن کے سروں پر رکھا اور اُن کو اصول تعلیم کئے کہ تعدد ازدواج اعتدال پر آجائے اور پھر اس معتدل تعداد کے لئے کچھ قیود وحدود ہوں تاکہ رشتہ عدل وانصاف میں انھیں منسلک رکھا جا سکے۔

چنانچہ قرآن کریم نے عدد ازواج کو تو چار میں منحصر کر دیا۔ کہ اتنا عدد ایک انسان کے دیجرۂ طبع کے موافق ہو سکتا ہے۔

فانکحوا ما طاب لکم من النساء مثنیٰ وثلث وربٰع۔ | پس نکاح کرو جو تمھیں عورتوں میں سے پسند ہوں دو دو سے تین تین سے چار چار سے۔

چنانچہ ترمذی میں ہے کہ غیلان بن سلمہ ثقفی جب اسلام لائے تو اُن کے دس بیبیاں تھیں جو سب اسلام لے آئیں تو آپ نے فرمایا کہ چار رکھ لو اور بقیہ کو جدا کر دو۔ قیس بن حارث کے پاس آٹھ بیویاں تھیں چار جدا کرائی گئیں۔ نوفل بن معاویہ اسلام لائے تو پانچ بیبیاں رکھتے تھے۔ ایک کے لئے اُن سے بھی جُدا کر نیکو فرمایا گیا۔

بہرحال وہ غیر محصور عدد جو ازواج کے لئے جاہلیت نے اختیار کیا تھا اسلام نے اُس کو چار میں محصور کر دیا۔ تاکہ کثرۃ ازدواج سے حق تلفی۔ اضاعت حدود۔ اور شکستگی قلوب نہو۔ ہاں چار کا عدد ایک انسان کے لئے ایسا ہے جو دیجرۂ طبع کے موافق نہ گراں ہو سکتا ہے نہ عدل ومساواۃ کے دوش پر بھاری ہے۔ اور نہ ادائے حقوق کے حق میں کچھ مشکل ہے جیسا اپنے موقع پر دلائل سے ثابت ہو چکا ہے۔

لیکن پھر بھی انسان کی غافل طبیعت کو شریعت نے چونکایا اور کہا کہ اس عدد کی مطلقاً اور ہر حال میں اجازت نہیں بلکہ محض مساواۃ واعتدال کی شرط پر اس اجازت سے فائدہ اُٹھایا جا سکتا ہے۔ اگر چار رکھتے ہو تو دیکھ لو کہ تم عدل ومساواۃ کا بھاری بوجھ اپنے کندھو نپر اُٹھا بھی سکوگے یا نہیں؟۔ پھر عدل اس درجہ کا ہو کہ کسی قاہری ترجیح

یا فوقیت کا تمھارے طرز عمل یا زبان سے اظہار نہونے پائے یعنی اگر غیر اختیاری طور پر کسی ایک کی جانب قلبی میلان بھی ہو تو اس کا اظہار تو اختیاری ہے اسلئے اسے بھی روک دیا گیا۔ فرمایا۔

ولن تستیعوا ان تعدلوا بین النساء ولوحرصتم فلا تمیلوا کل المیل فتذروھا کالمعلقۃ۔	کبھی نہو سکیگا کہ سب بیبیوں میں برابری رکھو گو تمھارا کتنا ہی جی چاہے۔ تو تم بالکل ایک ہی طرف نہ ڈھلجاؤ جس سے اسکو ایسا کر دو جیسے کوئی ادھر میں لٹکی ہو۔

پس اگر عدل و مساوات مفقود ہو جائے۔ اور عدالت کو قائم نہ رکھا جا سکے۔ تو پھر قرآن کریم نے صاف فرمایا۔

فان خفتم ان لا تعدلوا فواحدۃ او ما ملکت ایمانکم۔	اگر تمھیں عدل نہ کر سکنے کا خوف ہو تو پھر ایک ہی پر اکتفا کرو اور باقی باندیاں رکھ لو۔

چونکہ باندیوں کے وہ حقوق نہیں جو حرائر کے ہیں اسلئے ان کے بارے میں اگر کوئی کوتاہی بھی ہوئی تو برداشت کیجا سکتی ہے۔

بہر حال اس جنس لطیف پر تعدد ازدواج کی بے قیدیوں اور پھر مساوات و عدالت کے فقدان سے جو ظلم و ستم کئے جا رہے تھے ان کو قرآن کریم نے نیست و نابود کر دیا۔ تعدد ازدواج کے عدد کو اعتدال پر قائم کیا اور پھر اس معتدل عدد کو عدل و انصاف کے اعتدال سے اور بھی زیادہ معتدل اور پائیدار بنا دیا کہ ہمیشہ کے لئے ان کی تعدیاں مٹ گئیں۔ اور اس طرح عورتوں کے جان و مال کے تحفظ کے ساتھ ساتھ ان کے جذبات کا تحفظ بھی کر دیا گیا۔

دنیا کو اسلام سے کس کس طرح روکا گیا؟

عنوان محررہ بالا کے متعلق میں اس سے قبل بہت کچھ عرض کر چکا ہوں۔ جس سے اس مضمون کی اہمیت اور دلچسپی کا کافی اندازہ ہو چکا ہوگا۔

اس سے میری غرض یہ تھی کہ اہل قلم حضرات میں سے کوئی صاحب اپنی اس عمر کی زکوٰۃ ادا کریں جو خداوند عالم نے ان کو عطا فرمائی ہے۔ اور اپنی قلمی امداد سے مسلمانوں کی دستگیری کریں لیکن افسوس ہے کہ میری یہ صدا مؤثر ثابت نہ ہوئی اور بالآخر آج بنام خدا میں خود ہی اس اعتراف کے باوجود کہ علمی بضاعت کے فقدان کیساتھ ہی ساتھ میں ان ذی علم حضرات میں سے بھی نہیں ہوں جو اپنی صحافت یا نزاکت خیال کیوجہ سے دنیا میں ممتاز ہیں یا ان کی تحریر کا دلچسپی سے مطالعہ کیا جا سکتا ہے۔ اور سچ یہ ہے کہ جب میں اس بضاعت علمی پر نظر ڈالتا ہوں تو مجکو شرم آتی ہے کہ میں مصنفین اور محررین زمانہ کی صف میں کھڑے ہونے کی کوشش کروں لیکن بہت سی وجوہ ہیں جنہوں نے مجکو اسپر مجبور کیا ہے کہ میں توکلاً علی اللہ بقدر وسعت خود اس مضمون پر خامہ فرسائی کروں۔ ان میں ایک بڑی وجہ قطب العالم، حکیم الامۃ حضرت مولانا الحاج المولوی اشرف علی صاحب متع اللہ بعموم فیوضہ کا ارشاد ہے اور مجکو یقین ہے کہ یہ ارشاد میرے لئے ہادی راہ ثابت ہوگا۔

اسلام دو حصوں پر منقسم کیا جا سکتا ہے۔ اول حقیقت اسلام دوسرے آثار اسلام۔ اسلام کی حقیقت اسوقت زیر بحث نہیں۔ آثار کے اعتبار سے اسلام ایک دورخی تصویر ہے کیونکہ اسکا ایک رخ تو یہ ہے کہ اسلام کا شیوع کن کن ذرائع سے ہوا؟ کیا اسلام کو تمام ادیان کے مقابلہ میں فروغ دینے والی چیز تلوار کا خوف اور جان کا تحفظ تھا، یا موجودہ زمانہ کی عیار قوموں کیطرح زر، زمین، زن کی طمع تھی۔ یا ان کے علاوہ کوئی اور چیز تھی جو عالم کو اسلام میں اسطرح جذب کر رہی تھی کہ گویا مقناطیس کا پہاڑ لوہے کے کسی چھوٹے ٹکڑے کو گھسیٹ رہا ہے۔

عناد وغیرہ خصائل رذیلہ سے جدا ہو کر اگر انصاف کی نظر صحیح واقعات پر ڈالے تو معلوم ہو جاویگا کہ جس طرح ہمارے زمانہ کے عیسائی تبلیغی تدابیر سے کام لینے لگے ہیں بلکہ ہمیشہ لیتے رہے ہیں یا آریہ صاحبان روپیہ اور مزعومہ قوت کے بل بوتے پر ہر طرح کی طمع دے دیکر کامیابی حاصل کرنیکی کوشش کرتے ہیں اور ان دونوں جماعتوں میں سے ہمکو کسی ایک ایسے شخص کا بھی علم نہیں جو ٹھنڈے دل سے اسپر غور کرتا ہو کہ عقل سلیم اشاعت دین کی ان تدبیروں کو جائز کہتی ہے یا ناجائز؟ اور اس سے زیادہ عجیب یہ امر ہے کہ اپنی آنکھ کا شہتیر تو نظر نہیں آتا ہے مگر دوسروں کی آنکھوں میں تنکا خوامخواہ دیکھتے رہتے ہیں یعنی ہر قسم کی ناجائز تدابیر کے باوجود جو آج کسی سے مخفی نہیں اسلام پر یہ تہمت تراشی جاتی ہے کہ وہ تلوار کے زور سے پھیلایا گیا ہے۔ الحمد للہ کہ حضرت مولانا مولوی حبیب الرحمن صاحب سابق مفتی عدالت عالیہ عثمانیہ (دکن) وحال مہتمم دار العلوم دیوبند کے مضمون بعنوان "دنیا میں اسلام کیونکر پھیلا" نے واقعات صحیحہ کی رہنمائی میں اس بات کو ثابت کر دیا کہ یہ الزام محض لغو الزام ہے۔ وہ خود اپنی حقیقت کیوجہ سے آفتاب کی طرح چمکا۔ ضلالت میں بھٹکتے رہنے والوں کو اُسنے فطری اضطرار کے طور پر اپنی طرف کھینچا۔

ہند اور بیرون ہند کے مسلم اور غیر مسلموں نے اس تقریر کو پسند کیا اور اسلام کی تصویر کا ایک رُخ دنیا کے سامنے آگیا دوسرا رُخ اسلام کی تصویر کا یہ تھا کہ آیا دنیا نے اسکو بغیر کسی مدافعت کے قبول کر لیا یا ہر قسم کی مخالفت کرنے کے بعد اسکی حقانیت سے مجبور ہو کر اس کی حلقہ بگوشی اختیار کی۔

یہی دوسرا رخ ہے جسکو میں دنیا کے سامنے پیش کرنا چاہتا ہوں۔ اور درخواست کرتا ہوں کہ بنظر انصاف غور فرما کر اس صحیح نتیجہ پر پہنچنے کی کوشش کریں کہ اسلام دین حق ہے اور وہی ومن یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منہ کا مصداق ہو سکتی ہے۔

بعثت نبوی سے پہلے اسلام سے پہلے نہ صرف ملک عرب بلکہ تمام دنیا جن جن جہالتوں اور تاریکیوں میں سرگرداں تھی وہ ناقابل بیان ہے۔ بلا مبالغہ اسوقت دنیا کی حالت اُن

بگولوں کی سی تھی جو کسی طلسکدہ میں گرفتار ہوکر، رہائی کی تلاش میں سرگرداں ہوں یا ان پیاسوں کی طرح تھی جو شدت تشنگی کیوجہ سے ریت کے میدانوں میں تڑپ رہے ہوں اور پانی کی جستجو کرتے ہوں۔

یہ صحیح ہے کہ آباء اجداد کی تقلید نے انکو کسی نہ کسی طریقہ کی رسی میں جکڑ رکھا تھا اور وہ اسکی پابندی بہت زیادہ کرتے تھے لیکن جسکو تھوڑی سی توجہ بھی ہو جاتی تھی وہ اپنی ان حرکات پر متاسف ہوتا تہا اور یہی وجہ تھی کہ زمانہ فترت کا ایک جاہل شخص بآواز بلند کہدیتا تہا کہ

	أدين إذا تقسمت الأمور		أرباً واحداً أم ألف رب	
	كذلك يفعل الرجل البصير		تركت اللات والعزى جميعاً	

اور یہی وجہ تھی کہ عرب کا ایک گنوار بھی کہدیتا تھا کہ البعرة تدل على البعير وآثار الاقدام على المسير فهذه السماء ذات الابراج والارض ذات الفجاج كيف لا تدل على اللطيف الخبير یعنی جب ہم کسی جانور کا پائخانہ راستہ پر پڑا ہوا دیکھتے ہیں تو یقین کر لیتے ہیں کہ یہاں جانور اسطرف سے ہوکر گذرا ہے اور اسیطرح جب ہم کسی نشان قدم کو دیکھتے ہیں تو سمجھ لیتے ہیں کہ کوئی چلنے والا ادھر سے گیا ہے۔ تو جب ایسی ایسی چھوٹی چیزوں سے ہم بڑی بڑی چیزوں کا پتہ لگا لیتے ہیں تو اگر یہ برجوں والا فلک نیلگوں۔ اور یہ بڑے بڑے راستوں والی وسیع زمین ہمکو ایک لطیف وخبیر کے وجود کو تسلیم کرنے پر مجبور کرے تو اسمیں تعجب ہی کی کیا بات ہے۔

بہرحال یہ امر واقعہ ہے کہ اگرچہ دانگ عالم میں کفر وشرک کی ظلمت کا استیلا تہا تو اسی زمانہ میں ایسی ہستیاں بھی تھیں جو کہ ہدایت کے طریقہ پر ان رسوم باطلہ کو باطل سمجھتی تھیں اور اس قید سے آزاد ہونے کی خواہشمند تھی۔

ﻟﮧ اگر خالقیت ومخلوقیت کے تعلقات پر نظر ڈالی جاوے تو غور کرو کہ اسوقت ایک معبود قابل عبادت معلوم ہوتا ہے یا چند۔ یہیں سے تو دانشمندوں کی طرح لات وعزی (بتوں کے نام ہیں) کی پرستش بالکل ترک کر دی ہے ۱۲ منہ

ان میں ایک وہ طبقہ بھی تھا جو اپنے آپ کو اہل کتاب کہتا تھا اور زبور، انجیل، توریت کا حامل اپنے آپ کو قرار دیتا تھا۔ ان سماوی کتب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے اخبار و آثار موجود تھے اور اسی وجہ سے یہ جماعت خاتم النبیین کی منتظر تھی۔

یہ امر آخر ہے کہ اس انتظار کے بعد یہ ساری جماعت حلقۂ اسلام میں کیوں داخل نہوئی اور انمیں سے بعض کیوں اس دولت عظمیٰ سے محروم رہے۔

ہم چند واقعات بیان کرینگے جنسے ظاہر ہوگا کہ حضور فخر عالم صلے اللہ علیہ وسلم کے دعویٰ نبوت سے قبل آپ کی تشریف آوری کا انتظار کس طرح کیا جا رہا تھا، اور آپ کی نبوت کی خبریں کس طرح شائع ہو رہی تھیں۔

یہ واقعات دو طرح کے ہیں۔ ایک تو وہ جنکا تعلق علمائے اہل کتاب سے ہے، دوسرے وہ جنکا تعلق اخبار مغیبہ کے بیان کرنے والوں سے ہے۔

جس طرح دو یا دو سے زیادہ انسانوں میں موانست اور اطاعت کے مختلف طریقے ہوتے ہیں۔ اسیطرح پر یہی ذرائع و اسباب انسان اور جنوں کے درمیان میں بھی کبھی موانست اور کبھی اطاعت پیدا کر دیتے ہیں۔ اسی لئے کاہنوں کی ایک بڑی جماعت عرب میں ایسی تھی جس کو شیاطین سے مودت اور محبت تھی اور اسی لئے یہ شیاطین آسمان تک پہونچتے تھے اور وہاں ملائکہ کی زبانی حوادث نازلہ کو سنکر کاہنوں سے بیان کرتے تھے۔ اور یہ کاہن اس ایک صحیح امر کے ساتھ متعدد امور اپنی طرف سے جھوٹ تراشکر اپنے معتقدین میں شائع کر دیتے تھے۔ معتقدین کا حال یہ تھا کہ وہ اس ایک امر صحیح کے صحیح ثابت ہو جانے پر تو نظر رکھتے تھے اور ان کا اعتقاد اس کی پروا نکرنے دیتا تھا کہ اس کے ساتھ اور بہت سے اکاذیب بھی تھے اور ہونا بھی یوں ہی چاہیے ع

وعین الرضا عن کل عیب کلیلۃ	ولکن عین السخط تبدی المساویا

یعنی محبت کی آنکھ محبوب کی برائیوں پر نظر نہیں پڑنے دیتی ہے لیکن چشم عداوت عیب ہنر دونوں کو بھی

عیب بھی قرار دیتی ہے۔ یہاں کے اس سلسلہ میں عجب نہیں کہ وحشی جانوروں اور درختوں وغیرہ
کے متعلق بھی، ہم بعض آثار و اخبار بیان کر سکیں۔

علمائے اہل کتاب

سلمہ بن سلامہ جو کہ جلیل القدر صحابی ہیں اور انکی جلالت قدر کا اندازہ اس سے ہو سکتا
ہے کہ وہ غزوہ بدر میں شریک تھے خود اپنا ایک واقعہ نقل کرتے ہیں کہ خاندان بنی اشہل کا ایک یہودی
ہمارے پڑوس میں رہا کرتا تھا۔ اتفاقاً میں اسکے پاس ایسے وقت پہنچا کہ وہ بت پرستوں کے مجمع میں
قیامت۔ بعث و نشر۔ حساب۔ میزان۔ دوزخ و بہشت کا ذکر کر رہا تھا۔ بت پرستوں کے نزدیک
یہ تمام امور بعید از عقل تھے اسلئے ان سب کو سننے کے بعد وہ بولے کہ یہ جو تم کہتے ہو کہ یہ تمام امور
قطعی طور سے ہونگے۔ مگر ہمارا خیال ہے کہ یہ چیزیں عقلاً ممکن ہی نہیں۔ ہونیوالی چیز کے لئے
دو چیزیں ضروری ہیں۔ امکان اور وقوع۔ تو جس چیز کے لئے امکان ہی نہو وہ وقوع کے درجہ پر
کیونکر پہونچ سکتی ہے۔ کیا تم عقل سے ایسے گئے گذرے ہو کہ اس کا یقین کر لیتے ہو تم کو کچھ تامل
نہیں کہ انسان مرنے کے بعد زندہ کیا جاویگا، اسکو اعمال کے بدلہ میں دوزخ یا بہشت میں ہمیشہ
کیلئے رکھا جاویگا۔ یہودی اس تقریر کو سنکر برہم ہوگیا اور اس نے اپنے عقیدے کی پختگی کی بنا پر
قسم کھاکر کہا کہ یہ چیزیں یقیناً ہونیوالی ہیں۔ اور یاد رکھو کہ اگر دوزخی سے یہ کہا جائے کہ تجھکو دوزخ
کے بدلہ میں ایک بڑے گرم تنور میں داخل کرکے اوپر سے تنور کا منہ بند کر دیا جاویگا تو وہ دوزخ
کے مقابلہ میں ایسے تنور میں داخل ہونیکو نعمت عظمیٰ سمجھیگا۔ بت پرستوں نے اسکو اسطرح یقین کے
ساتھ قسم کھاتے ہوئے سنا تو کہنے لگے کہ اچھا بھلا اس سے پہلے کوئی بات بطور نشانی کے بھی ہوگی
تو اس نے کہا کہ ہاں! ہاں!! اور یمن اور مکہ کیطرف اشارہ کرکے اس سے پہلے ان شہروں
میں ایک نبی پیدا ہونگے۔ بعض نے کہا کہ اچھا بتاؤ انکو دیکھنے والا ہماری جماعت میں سے کوئی
ہوگا یا جب ہم سب مرجاوینگے تب وہ مبعوث ہونگے۔ اسکے جواب میں اسنے ایک تجسس آمیز
نظر ساری جماعت پر ڈالی اور مجھکو دیکھکر کہنے لگا کہ اگر یہ لڑکا قبل از عمر طبعی مرگیا تب تو خیر اور اگر عمر
طبعی کو پہنچکر مریگا تو یقیناً اس لڑکے کی ملاقات اُنسے ہوگی۔ سلمہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں

اس زمانہ میں نو عمر لڑکا تھا لیکن عجب بات ہے کہ جب آپ نے دعوی نبوت کا کیا تو اس زمانہ میں یہ
یہودی بھی زندہ تھا۔ میں اور میرے ساتھ اور چند آدمی تو آپ پر ایمان لائے لیکن یہ یہودی مسلمان نہیں ہوا
ایک امر واقعہ عمرو بن عبسہ سلمی رضی اللہ تعالے عنہ اولا کافر تھے۔ لیکن چونکہ خدا نے عقل سلیم عطا فرمائی
تھی اسلئے اپنے اس آبائی طریقے سے خود متنفر تھے۔ اور اس تنفر نے تدریجی ترقی کرتے کرتے یہانتک
نوبت پہنچائی کہ بالآخر انہوں نے بت پرستی ترک کر دی۔

یہ امر تجربہ ہے کہ نور عقل اسطرح بھی مسلوب ہو سکتا ہے کہ انسان ہدایت حاصل کرنیکے بجائے اسکو ذریعۂ
ضلالت بنائے اور یہی وجہ ہے کہ بعض نادان عاقلوں نے خداوند عالم ہی کا انکار کر کے "وما یھلکنا
الا الدھر" کا وظیفہ رٹا لیکن عقل سلیم مجبور ہے کہ وہ نظام عالم کو قائم رکھنے والی ذات کو مانے
اور بخت و اتفاق کی قائل نہو۔

بنا بریں علیہ اگرچہ عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ ان فرضی اور بے حس و حرکت معبودوں کو ترک کر چکے
تھے۔ لیکن پھر بھی اس جستجو میں تھے کہ اس ذات کو معلوم کریں جو صحیح معنی میں لائق عبادت و قابل
پرستش ہے۔ اسی زمانہ جستجو میں یہ علمائے اہل کتاب میں سے کسی ایک شخص سے دوچار ہوئے
جو قریہ تیما (یہ ایک گاؤں کا نام ہے جو مدینہ اور شام کے درمیان میں واقع ہے) کا باشندہ
تھا اس سے انہوں نے اپنی ساری سرگذشت بیان کی اور یہ بھی کہا کہ ہمارے خاندان کی جہالت
تو یہانتک پہنچ چکی ہے کہ انمیں سے بعض بعض لوگ جنگل سے پتھر کے چار ٹکڑے اٹھا لاتے ہیں۔ انمیں
سے جو ایک ٹکڑا اچھا سا ہوتا ہے اسکی عبادت شروع کر دیتے ہیں اور بقیہ ٹکڑوں سے استنجا کر لیتے
ہیں اور اگر اسکے بعد انکو پتھر کا کوئی ٹکڑا اس سے اچھا ملجاتا ہے تو پہلے ٹکڑے کو پھینکدیتے ہیں اور دوسرے
کی پرستش شروع کر دیتے ہیں۔

میں نے بہت غور و خوض کے بعد یہ رائے قائم کی ہے کہ یہ تمام لغو طریقے ہیں۔ ان کی
عبادت میں اگر ضرر ہو تو عجب نہیں مگر نفع تو یقینا نہیں ہے۔ آپ ان لوگوں میں سے ہیں جنہوں نے
[illegible] حقائق کو سمجھا ہو تو آپ مجھکو کوئی صحیح

[illegible]

... اس نے کہا کہ سچ پوچھو تو معبود حقیقی کی عبادت کا صحیح طریقہ دنیا میں کہیں موجود نہیں ہے۔ جو طریقے اس وقت رائج ہیں وہ یا تو سرے سے غلط ہیں یا ان میں تغیر و تبدل کر کے قائم کیے گئے ہیں اسلیے میری رائے تو یہ ہے کہ تم بھی کچھ دن تامل کرو۔ عنقریب مکہ میں ایک شخص ظاہر ہونگے جو بت پرستی کو ترک کرینگے۔ اور لوگوں کو دین حق کی ہدایت کرینگے۔ میں تم کو بطور خیر خواہی نصیحت کرتا ہوں کہ جب انکے دعوے کو سنو تو انکی اطاعت کرنا۔ کیونکہ ان کا دین دنیا کے تمام دینوں سے افضل اور بہتر ہوگا۔

عمرو بن عبسہ فرماتے ہیں کہ اس شخص کی اس نصیحت کے بعد سے میرا طریقہ یہی ہوگیا کہ میں بکثرت مکہ کے حالات لوگوں سے دریافت کیا کرتا تھا کوئی نئی بات تو نہیں ہوئی؟ جواب ملتا کہ نہیں۔

بہت سی جستجو کے بعد ایک مرتبہ دریافت کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ مکہ میں ایک شخص نے بت پرستی ترک کر کے لوگوں کو دوسرے طریقہ کی تعلیم دینی شروع کردی ہے۔

یہ سنکر میرے لیے تو گویا عید ہوگئی۔ اور میں نے سامان سفر تیار کیا اور ناقہ پر سوار ہوکر حسب معمول اسی جگہ پر اترا جہاں اس سے پہلے قیام کرتا تھا۔ اور مخفی طریقہ پر میں نے اس شخص کی جستجو کی جسکی نسبت مجکو معلوم ہوا تھا کہ وہ بت پرستی سے متنفر ہیں اور دوسروں کو نفرت دلاتے ہیں۔ تو معلوم ہوا کہ وہ دشمنوں کی ایذا رسانی کیوجہ سے مخفی رہتے ہیں اور یہ بھی معلوم ہوا کہ قریش جو انہیں کا خاندان ہے ایذا رسانی میں پیش پیش ہے۔ اور اس لیے نا ممکن ہے کہ کوئی شخص ان سے ملسکے۔ میں اس کو سنکر مایوس ہوگیا لیکن بالطاف الٰہی ایک مرتبہ آپ سے ملنے میں کامیاب ہوگیا۔ اور آپ سے عرض کیا کہ آپ کون ہیں؟ [illegible] منصب نبوت [illegible] میں نے عرض کیا کہ آپ کو کس نے [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] ہوں [illegible]

حاصل کر رہا ہوں [illegible]

[illegible] طریقہ کو [illegible] اگر تم میرے ساتھ [illegible]

بھی وہی مصائب برداشت کرنے ہونگے جو میں برداشت کر رہا ہوں۔ اسلئے میری رائے ہے کہ تم بالفعل اپنے وطن کو چلے جاؤ اور جب تم کو معلوم ہو جائے کہ میں کسی محفوظ مقام میں پہنچ گیا ہوں تو تم وہاں چلے آنا۔ عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ اسوقت تو مکہ سے اپنے وطن کو واپس آ گئے اور اسوقت [illegible] کسی جگہ کا ارادہ کیا جسوقت تک کہ سرورِ عالم صلے اللہ علیہ وسلم مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف فرما گئے۔ جب یہ خبر مشہور ہو گئی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کو چھوڑ کر مدینہ منورہ کو شرف اقامت عطا فرمایا اسوقت یہ اپنے وطن سے چلکر مدینہ منورہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ کیا آپ مجھکو پہچانتے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ کیوں؟ پہچانتا کیوں نہیں؟ تم سلمی شخص ہو جو اس سے قبل مکہ میں مجھ سے مل چکے ہو۔

(باقی آئندہ)

نظام کمیشن کا ورود مسعود

دار العلوم دیوبند میں

[illegible]

طریقہ بتائے۔

اس نے کہا کہ اگر سچ پوچھو تو معبود حقیقی کی عبادت کا صحیح طریقہ دنیا میں کہیں موجود نہیں ہے۔ جو طریقے اسوقت رائج ہیں وہ یا تو منگھڑت ہیں یا سماوی ادیان میں تغیر و تبدل کرکے قائم کئے گئے ہیں اسلئے میری رائے تو یہ ہے کہ تم ابھی کچھ دنوں تامل کرو۔ عنقریب مکہ میں ایک شخص ظاہر ہونگے جو بت پرستی کو ترک کرینگے۔ اور لوگونکو دین حق کی ہدایت کرینگے۔ میں تم کو بنظر خیر خواہی نصیحت کرتا ہوں کہ جب انکے دعوے کو سننا تو انکی اطاعت کرنا۔ کیونکہ ان کا دین دنیا کے تمام دینوں سے افضل اور بہتر ہوگا۔

عمرو بن عبسہ فرماتے ہیں کہ اس شخص کی اس نصیحت کے بعد سے میرا طریقہ یہی ہوگیا کہ میں بکثرت مکہ کے حالات لوگوں سے دریافت کیا کرتا تھا کوئی نئی بات تو نہیں ہوئی؟ جواب ملتا تھا کہ نہیں۔

بہت سی جستجو کے بعد ایک مرتبہ دریافت کرنے کے بعد معلوم ہوا کہ مکہ میں ایک شخص نے بت پرستی ترک کرکے لوگوں کو دوسرے طریقہ کی تعلیم دینی شروع کردی ہے۔

یہ سنکر میرے لئے تو گویا عید ہوگئی۔ اور میں نے سامان سفر تیار کیا اور ناقہ پر سوار ہوکر حسب معمول اسی جگہ پر اترا جہاں اس سے پہلے ٹھیرا کرتا تھا۔ اور مخفی طریقہ پر میں نے اس شخص کی جستجو کی جسکی نسبت مجھکو معلوم ہوا تھا کہ وہ بت پرستی سے خود متنفر ہیں اور دوسروں کو نفرت دلاتے ہیں۔ تو معلوم ہوا کہ وہ دشمنوں کی ایذا رسانی کیوجہ سے مخفی رہتے ہیں اور یہ بھی معلوم ہوا کہ قریش جو انہیں کا خاندان ہے ایذا رسانی میں پیش پیش ہے۔ اور اس لئے ناممکن ہے کہ کوئی شخص ان سے ملسکے۔ میں اس کو سنکر مایوس ہوگیا۔ لیکن بالطائف الحیل ایک مرتبہ آپ سے ملنے میں کامیاب ہوگیا۔ اور آپ سے عرض کیا کہ آپ کو خداوند عالم کی طرف سے کیا منصب ملا ہے؟ فرمایا کہ منصب نبوت۔ میں نے عرض کیا کہ آپ کو نبی کس نے بنایا؟ فرمایا کہ اللہ نے۔ میں نے عرض کیا کہ آپ کے ذریعہ سے کیا کیا احکام لوگوں تک پہنچائے؟ فرمایا کہ ایک معبود حقیقی کی عبادت اور

اور ناحق خون ریزی کی ممانعت اور بت شکنی کرنے اور رشتہ داروں کیساتھ سلوک اور مہربانی کرنے کا حکم دیکر بھیجا ہے۔ میں نے عرض کیا کہ یہ احکام تو بہت ہی اچھے ہیں میں آپ پر ایمان لاتا ہوں اور آپ کو سچا سمجھتا ہوں۔ اسکے بعد انھوں نے عرض کیا کہ آپ میری نسبت کیا فرماتے ہیں؟ میں آپکے ساتھ مکہ میں رہوں یا اسوقت اپنے گھر واپس چلا جاؤں۔ آپنے فرمایا کہ تم نے تو خود دیکھ لیا ہے کہ اہل مکہ میرے اس طریقہ کو کسقدر ناپسندیدگی کی نگاہوں سے دیکھ رہے ہیں۔ اگر تم میرے ساتھ رہوگے تو تم کو بھی وہی مصائب برداشت کرنے ہونگے جو میں برداشت کر رہا ہوں۔ اسلئے میری رائے یہ ہے کہ تم بالفعل اپنے وطن کو چلے جاؤ اور جب تم کو معلوم ہوجاوے کہ میں کسی محفوظ مقام میں پہنچگیا ہوں تو تم وہاں چلے آنا۔ عمرو بن عنبسہ رضی اللہ عنہ اسوقت تو مکہ سے اپنے وطن کو واپس آگئے اور اسوقت کسی جگہ کا ارادہ نکیا جسوقت تک کہ سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم مکہ سے ہجرت فرماکر مدینہ منورہ تشریف نہ لے گئے۔ جب یہ خبر مشہور ہوگئی کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مکہ کو چھوڑکر مدینہ منورہ کو شرف اقامت عطا فرمایا اسوقت یہ اپنے وطن سے چلکر مدینہ منورہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ کیا آپ مجھکو پہچانتے ہیں؟ آپنے فرمایا کہ کیوں؟ پہچانتا کیوں نہیں؟ تم سلمی شخص ہو اور اس سے قبل مکہ میں مجھسے مل چکے ہو۔ (باقی آئندہ)

نظام کمیشن کا ورود مسعود

دار العلوم دیوبند میں

اعلیحضرت حضور نظام خلد اللہ ملکہ نے ۱۳۴۶ھ میں محکمہ تعلیمات کے اسسٹنٹ ڈائرکٹر سید محی الدین صاحب کو دار العلوم دیوبند کے حسابات کی تنقیح اور حالات مدرسہ کو معلوم کرنے کیلئے مقرر فرمایا تھا، چنانچہ وہ تشریف لائے اور انکے تشریف لیجانیکے بعد ایک کمیٹی مزید تحقیقات کیلئے سرکار نظام کیجانب سے مقرر فرمائی گئی، اس کمیٹی نے اپنا کام دیوبند میں ۱ ذیقعدہ ۱۳۴۷ھ سے ۱۹ ذیقعدہ تک کیا اور دار العلوم کے تمام شعبوں کی تنقیح کی بالخصوص حسابات مالیہ کے شعبہ کو بہت عمدگی سے جانچا۔ اس تحقیق کی مفصل کیفیت ہم آئندہ نمبر میں انشاء اللہ شائع کرینگے۔ (نائب مدیر)

اعلان متعلقہ ختم سال

خریداران ”القاسم“ سے ضروری گذارش

خدا کے فضل و کرم سے القاسم دور جدید کا چوتھا سال اس پرچہ کی اشاعت کے بعد بخیر و خوبی ختم ہو گیا
ہے اور جو [illegible] ہو گیا اب خریداران القاسم کا اخلاقی فرض ہے کہ
وہ [illegible] سالانہ چندہ [illegible] اپنے استقلال سے رسالہ کو مستحکم و مستقل [illegible] چندہ
[illegible] بذریعہ وی پی یا بصورت منی آرڈر وی پی کی صورت میں معزز خریداران
[illegible] وی پی [illegible] آنہ [illegible] علاوہ ادا کرتے ہوں گے۔ اور بعض [illegible]
[illegible] بہتر صورت یہ ہے کہ چندہ سالانہ جلد ۔ ۱۵ محرم [illegible]
[illegible] خریداری کوپن میں درج فرما کر منیجر القاسم [illegible]
[illegible] معزز خریداران کو [illegible] کی کفایت ہوگی [illegible] رسالہ ہذا کو [illegible]
[illegible] منی آرڈر [illegible] چندہ سالانہ روانہ کر دیتے ہیں اور وی پی کے ذریعہ
[illegible] حالانکہ [illegible] ناواقفی کا سبب ہے چندہ سالانہ تو بہر صورت
[illegible] ادا کرنا ہوتا [illegible] معزز خریداران القاسم تاریخ مقررہ [illegible] پہلے سالانہ
چندہ جلد سے جلد روانہ فرما کر [illegible] القاسم ممنون و مشکور فرماویں گے اور دارالعلوم دیوبند کی اس خدمت [illegible]
[illegible] القاسم [illegible] دارالعلوم دیوبند اور اہل علم [illegible] خدمتیں [illegible]
[illegible] خریداران القاسم استقلال [illegible] خریداری کو جاری رکھیں [illegible] حلقہ اثر کو وسیع
[illegible] مستفید ہو کر مسلمانوں اور اہل علم کی مزید خدمت کر سکے۔ (نوٹ) ۱۵ محرم کے بعد
منی آرڈر کے ذریعہ چندہ روانہ نہ کیا جائے کیونکہ اس تاریخ تک انتظار کر کے بصیغہ وی پی روانہ کر دیا جاویگا جسکا
وصول کرنا آپ کا اخلاقی و قانونی فرض ہوگا۔ المشتہر نیاز کیش منیجر القاسم از دارالعلوم دیوبند